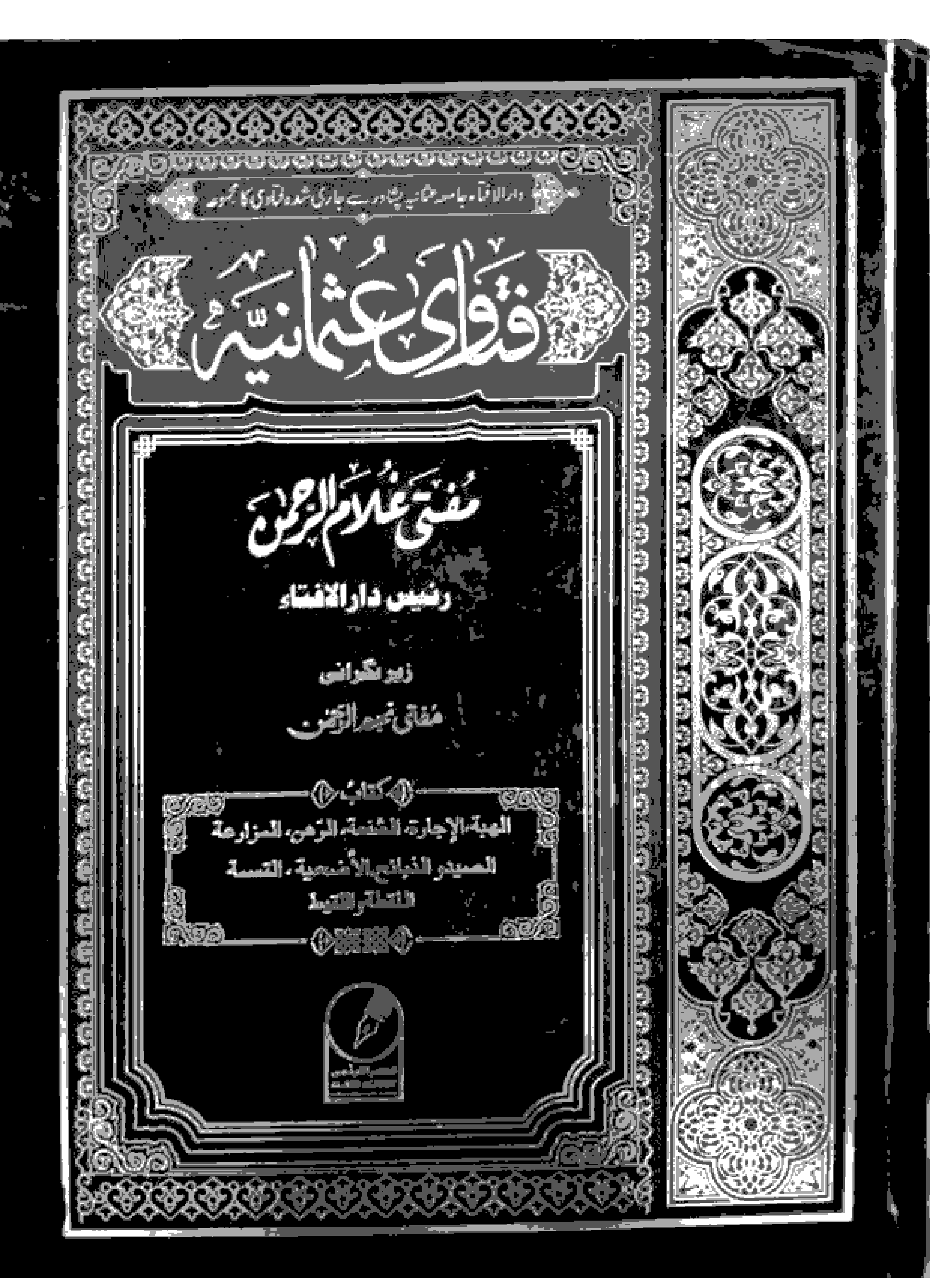
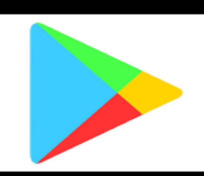


Maktaba Tul Ishaat.com



Maktaba Tul Ishaat



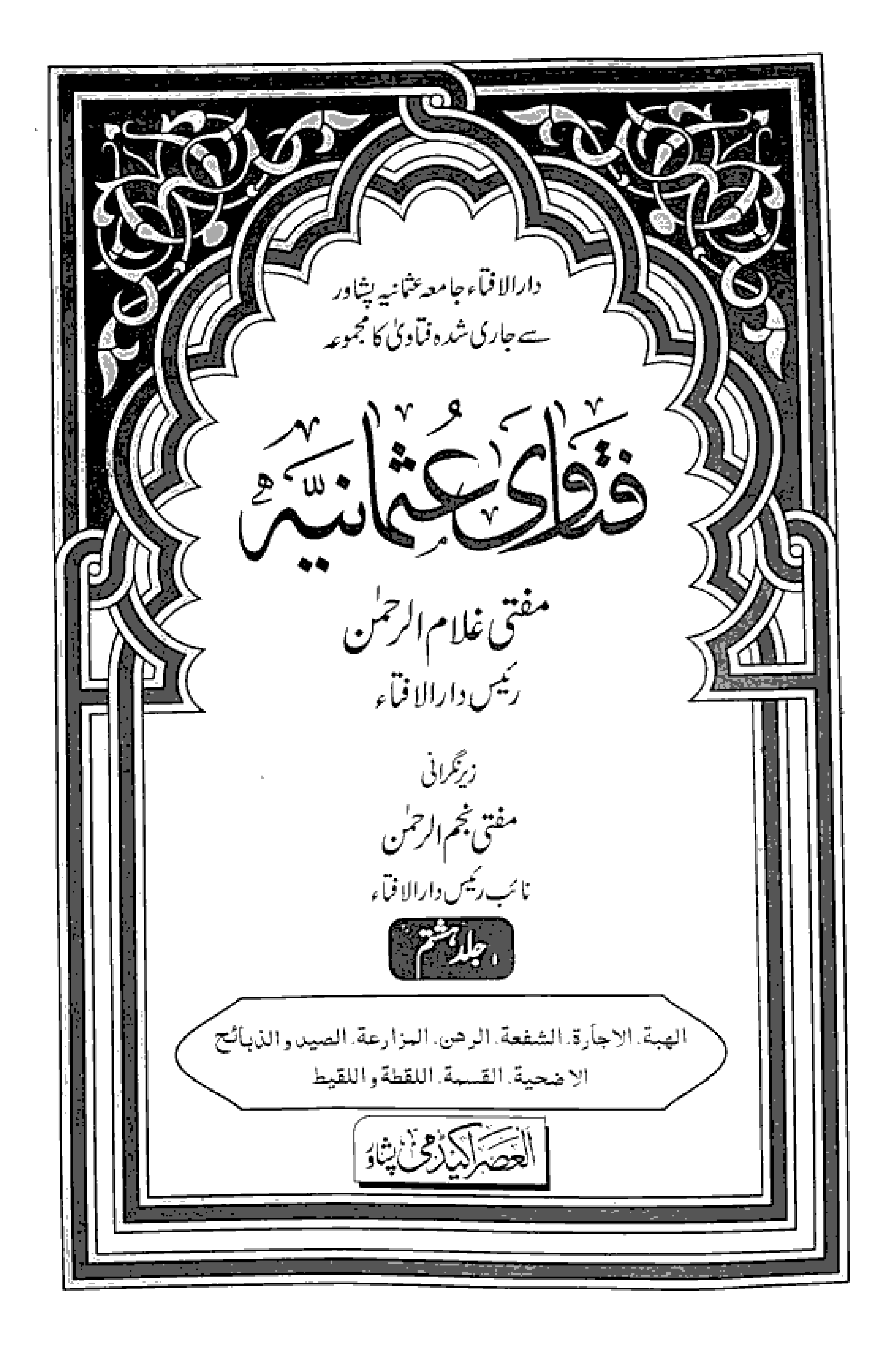
تمام فنون کے کتب ہمارے ویب سائٹ اور پلے سٹور سے فری ڈاون لوڈ کریں۔ ہم روزانہ کی بنیاد پر اس میں مزید نئے کتب شامل کر رہے ہیں نئے شامل شدہ کتب لیے روزانہ ہمارے پلے سٹور اور ویب سائٹ کو باقاعدگی سے چیک کیا کریں۔

اپنی کتاب کو ہمارے ویب سائٹ پر شائع کرنے کے لیے رابطہ کریں

تفاسیر	خطبات	منطق
احادیث	سیرت	معانی
فقہ	تاریخ	تصوف
سوانح حیات	صرف	تقابل ادیان
درس نظامی	نحو	تجوید
لغت	فلسفہ	نعت
فتاوی	حکمت	تراجم
اصلاحی	بلاغت	تبلیغ ودعوت
آڈیو دروس	مناظرے	تمام فنون

Contact Us: maktaba.tul.ishaatofficial.com


العصر اکیڈمی پشاور
AL-ASR ACADEMY
JAMIA USMANIA PESHAWAR


دارالافتاء جامعہ عثمانیہ پشاور
سے جاری شدہ فتاویٰ کا مجموعہ
فتاویٰ عثمانیہ
مفتی غلام الرحمٰن
رئیس دارالافتاء
زیرنگرانی
مفتی نجم الرحمٰن
نائب رئیس دارالافتاء
جلد ہشتم
الهبة. الاجارة. الشفعة. الرهن. المزارعة. الصيد و الذبائح
الاضحية. القسمة. اللقطة و اللقيط
العصر اکیڈمی پشاور



جلد ہشتم

علمی افادات: شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا مفتی غلام الرحمٰن مدظلہ
مہتمم ورئیس دارالافتاء جامعہ عثمانیہ پشاور

زیرِ نگرانی: حضرت مولانا مفتی نجم الرحمٰن مدظلہ
اُستاذ الحدیث ونائب رئیس دارالافتاء جامعہ عثمانیہ پشاور

تحقیق وتبویب: شرکائے شعبہ تخصص فی الفقہ الاسلامی والافتاء

باہتمام: احسان الرحمٰن عثمانی

سنِ طباعت اشاعت ہفتم:
ذی الحجہ 1442ھ / جولائی 2021ء

سنِ طباعت اشاعت اوّل:
جمادی الثانیہ 1437ھ / مارچ 2016ء

سنِ طباعت اشاعت دوم:
جمادی الاولیٰ 1438ھ / فروری 2017ء

سنِ طباعت اشاعت سوم:
رجب المرجب 1439ھ / اپریل 2018ء

سنِ طباعت اشاعت چہارم:
ربیع الثانی 1440ھ / دسمبر 2018ء

سنِ طباعت اشاعت پنجم:
ربیع الاول 1441ھ / نومبر 2019ء

سنِ طباعت اشاعت ششم:
رجب المرجب 1442ھ / دسمبر 2020ء





ihsan.usmani@gmail.com
+92 333-9273561 / +92 321-9273561
+92 312-0203561 / +92 315-4499203

ملنے کا پتہ
مکتبہ العصر
احاطہ جامعہ عثمانیہ پشاور
عثمانیہ کالونی نوتھیہ روڈ پشاور کینٹ
صوبہ خیبر پختونخواہ، پاکستان
رابطہ: 0314 9061952 / 0348 0191692



بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست جلد ۸

كتاب الهبة

(مسائل)

❁❁❁

كتاب الإجارة

(مباحثِ ابتدائیة)

❀❀❀

كتاب الإجارة

(مسائل)

۞۞۞

كتاب الشفعة

(مباحثِ ابتدائیة)

❁❁❁

كتاب الشفعة

(مسائل)

کتاب الرهن

(مباحثِ ابتدائیة)

❁❁❁

كتاب المزارعة

(مباحثِ ابتدائیۃ)

❁❁❁

كتاب المزارعة

(مسائل)

کتاب الصید

(مسائل)

کتاب الذبائح

(مباحث ابتدائیه)

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
	کتاب الذبائح	
	(مسائل)	
380	ذبح کے دوران بسم اللہ رہ جانا	300
381	یہودی وعیسائی کے ہاتھ کا ذبیحہ کھانا	301
382	شیعہ کا ذبیحہ کھانا	302
383	غیر مسلم ممالک سے درآمد شدہ گوشت کا استعمال	303
384	ذبح سے پہلے جانور کے سامنے چھری تیز کرنا	304
385	عورت کا جانور ذبح کرنا	305
386	مرغی کو صفائی کے لیے گرم پانی میں ڈالنا	305
387	بھینس گائے وغیرہ کا بچہ پیدا ہوتے ہی ذبح کرنا	306
388	حلال جانور کی اوجھڑی اور گردوں کا کھانا	308
	کتاب الأضحية	
	(مباحث ابتدائیہ)	
389	تعارف اور حکمت مشروعیت	309
390	اضحیہ کی لغوی تحقیق	309
391	اصطلاحی تحقیق	309
392	قربانی کی مشروعیت	310
393	اضحیہ سے ملتی جلتی چند اصطلاحات کی تشریح	310
394	حکم کے اعتبار سے قربانی کی قسمیں	311
395	نفلی قربانی	311

❁❁❁

كتاب الأضحية

(مسائل)

کتاب القسمة

(مباحثِ ابتدائیہ)

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر

کتاب اللقطة

(مباحث ابتدائیہ)

فصل فی اللقیط

(مباحث ابتدائیہ)

کتابُ الهبة

(مباحثِ ابتدائیہ)

تعارف اور حکمتِ مشروعیت:

اپنے پسندیدہ مال یا دوسری اشیا کو بلاعوض اپنے کسی دوست، پسندیدہ شخصیت، محتاج یا کسی بھی شخص کو ازراہِ محبت وعقیدت دینے کا نام ہبہ اور عطیہ ہے۔ بخشش اور عطا کا یہ فعل ربِ کریم کو بہت زیادہ پسند ہے۔ خود اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو ''وہاب'' کے نام سے یاد فرمایا ہے، یعنی بہت زیادہ بخشش کرنے والا۔ فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ جیسے بچوں کو توحید وایمان کی تعلیم دینی واجب ہے، اسی طرح سخاوت اور لوگوں کے ساتھ بھلائی اور حسنِ سلوک کی تعلیم وتلقین بھی ضروری ہے، تاکہ دنیا کی خسیس محبت، حرص، لالچ اور حسد جیسے امراض سے ان کو بچپن ہی میں نفرت ہو جائے اور مخلوقِ خدا کی بھلائی کا جذبہ ان کے دل میں پروان چڑھے۔(۱)

ہبہ کی لغوی تحقیق:

ہبہ کا لغوی معنی ہے:

"العطية الخالية عن الأعواض والأغراض". أو "إيصال الشيء إلى الغير بما ينفعه، سواء كان مالاً أو غير مال".

''کسی مادی عوض اور غرض کے بغیر کسی کو کوئی چیز دینا'' یا ''کوئی ایسی چیز دوسرے کو پہنچانا جو اس کو نفع دے، چاہے وہ چیز مال ہو یا غیر مال ہو۔''(۲)

اصطلاحی تحقیق:

"تمليك المال بلا عوض"

کسی کو عوض کے بغیر مال کا مالک بنانا ہبہ کہلاتا ہے۔(۳)

---

(۱) دررالحکام، کتاب الهبة:۲/۳۸۷،المغني، کتاب الهبة والعطية:۶/۲۷۳،حاشية الطحطاوي علی الدر المختار، کتاب الهبة:۳/۳۹۲

(۲) فتح القدير، کتاب الهبة:۷/۴۷۹،لسان العرب،مادة وهب:۱۵/۴۱۱

(۳) دررالحکام، کتاب الهبة،مادة ۸۳۳:۲/۳۸۹،فتح القدير حواله بالا

کتاب الہبہ سے متعلقہ اصطلاحات:

(۱) ہبہ..........: بلا عوض کسی کو کسی چیز کا مالک بنانا۔

(۲) واہب..........: بلا عوض کسی کو کوئی چیز دینے والا۔

(۳) موہوب..........: بلا عوض دی جانے والی چیز۔

(۴) موہوب لہ..........: وہ شخص جس کو بلا عوض کوئی چیز دی جائے۔

(۵) اتہاب..........: بلا عوض کسی سے کوئی چیز قبول کرنا (۱)

ہبہ سے ملتی جلتی دیگر اصطلاحات:

(۱) عطیہ..........: کسی شخص کا اپنی زندگی میں کسی دوسرے شخص کو بلا عوض کوئی چیز دینے کا نام عطیہ ہے۔ عطیہ ہبہ سے زیادہ عام ہے، یہ ہبہ، صدقہ، ہدیہ اور مہر سب پر بولا جاتا ہے، تاہم اکثر فقہائے کرام اس کو ہبہ کا ہم معنی قرار دیتے ہیں۔ (۲)

(۲) ہدیہ..........: ہدیہ وہ مال ہے، جو بلا عوض کسی کو تحفتاً دیا جائے اور اس سے مقصود اس کی عزت اور اپنی محبت وقربت کا اظہار ہو۔ ہدیہ اور ہبہ میں کچھ معمولی فرق ہے اور وہ یہ ہے کہ ہبہ میں اکثر فقہا کے ہاں قبضہ شرط ہے اور ہدیہ میں نہیں۔ (۳)

(۳) صدقہ..........: یہ وہ مال ہے جو کسی محتاج کو بلا عوض دے دیا جائے اور اس سے مقصود حصول ثواب ہو۔ (۴)

(۴) الاباحۃ..........: کسی شخص کو کھانے پینے کی اشیا میں بلا عوض کوئی چیز استعمال کرنے کی رخصت دینے کو اباحت کہتے ہیں۔ (۵)

ہبہ کی مشروعیت:

ہبہ کتاب اللہ، سنتِ رسول اللہ اور اجماع تینوں سے مشروع ہے۔

---

(۱) درر الحکام، کتاب الھبہ مادۃ ۸۳۳: ۲/ ۳۸۹

(۲) المغني مع الشرح الكبير، كتاب الهبة والعطية: ۶/ ۲۷۳

(۳) درر الحکام، کتاب الھبہ مادۃ نمبر ۸۳۴، ص: ۲/ ۳۹۳، الموسوعۃ الفقھیۃ مادۃ ھبہ: ۴۲/ ۱۲۰

(۴) درر الحکام، کتاب الھبہ مادۃ ۸۳۵، ص: ۲/ ۳۹۴

(۵) درر الحکام، کتاب الھبہ مادۃ نمبر ۸۳۶، ص: ۲/ ۳۹۴

قرآن کریم میں ہے:

﴿فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْٓـًٔا مَّرِيْٓـًٔا﴾(۱)

پھر اگر یہ بیویاں اپنی خوشی سے اپنے مہر میں سے کچھ حصہ تم کو ہبہ کر دیں تو اسے شوق سے خوش ہو کر کھاؤ۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ﴾(۲)

اگر تم صدقے خیرات کو ظاہر کر دو تو وہ بھی اچھا ہے اور اگر تم اسے پوشیدہ مسکینوں کو دے دو تو یہ تمہارے حق میں بہتر ہے۔

آپ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے:

"تھادّوا تحابّوا"۔

ایک دوسرے کو ہدایا و تحائف دے کر باہمی الفت و محبت کا مظاہرہ کرو۔(۳)

آپ ﷺ نے نجاشی اور مقوقس کا ہدیہ قبول فرمایا تھا، حالانکہ ان میں سے مقوقس کافر بھی تھا۔(۴)

اسی طرح ہبہ کے تمام اقسام، یعنی عطیہ، ہدیہ، صدقہ وغیرہ بالاجماع مندوب اور مستحسن امور ہیں، اس لیے کہ باہمی الفت و محبت کے پرچار کے ساتھ ساتھ اس میں "تعاون علی البر والتقوی" یعنی نیکی اور تقویٰ میں تعاون اور مدد کا پہلو بھی نمایاں ہے۔(۵)

ہبہ کی صفت:

ہبہ تمام فقہاے کرام کے ہاں مستحب ہے اور اس کا قبول کرنا سنت ہے، البتہ خارجی عوامل کی بناپر اس کا حکم مختلف ہوسکتا ہے، مثلاً: واہب کا مقصد کسی معصیت یا ظلم میں موہوب لہ کا تعاون یا اس سے مقصود بطور رشوت ارباب اختیار

(۱) النساء:۴

(۲) البقرة:۲۷۱

(۳) شعب الایمان للبیهقي، رقم(۸۹۷۶): ۴۷۹/۶

(۴) المستدرك على الصحيحين، ذكر سراري رسول الله ﷺ، رقم (۶۸۱۹): ۴۱/۴، سنن ابن ماجه، ماجاء في المسح على الخفين، ص:۴۲

(۵) تحفة الفقهاء، كتاب الهبة: ۱۵۹/۳، المغني، كتاب الهبة والعطية: ۲۷۳/۶، مغني المحتاج، كتاب الهبة: ۳۹۶/۲

سے مراعات وغیرہ کا حصول ہو یا موہوب لہ کو علم ہو کہ واہب مجھے حرام مال بطور ہبہ دے رہا ہے یا وہ ہبہ کرنے کے بعد ضرور مجھ پر احسان جتائے گا تو ان صورتوں میں خارجی اسباب کے اعتبار سے اس کا حکم مختلف ہوگا۔ جو حرام، مکروہ، مباح وغیرہ میں سے کوئی بھی ہو سکتا ہے۔(۱)

ہبہ کا سبب:

اس کا سبب دینے والے کی طرف سے خیر کی نیت ہے، چاہے یہ خیر دنیوی ہو، جیسے: عوض لینا، محبت اور ذکر خیر کا حصول، موہوب لہ کا شر دفع کرنا وغیرہ یا اخروی ہو، جیسے: ثواب اور اخروی نعمتوں کا حصول۔ تاہم یہ بات یاد رہے کہ مذکورہ سبب اس ہبہ کے لیے ہے، جو شرعاً مستحب یا مباح امور کے لیے ہو۔(۲)

ہبہ کا حکم:

ہبہ کرنے کے بعد موہوبہ شی پر موہوب لہ کی ملکیت ثابت ہو جاتی ہے، تاہم یہ ملکیت غیر لازم ہوتی ہے، اس لیے کہ ہبہ سے رجوع کرنا یا اس کو فسخ کرنا حنفیہ کے ہاں درست ہے، اگرچہ غیر مستحسن اور قبیح امر ہے۔ ہبہ میں خیار شرط جائز نہیں، البتہ اگر مجلس ختم ہونے سے پہلے پہلے خیار شرط ختم ہو جائے تو درست ہے۔ ہبہ شروط فاسدہ سے باطل نہیں ہوتا۔(۳)

ہبہ کے ارکان:

ہبہ میں بحیثیت مجموعی تین باتیں پائی جاتی ہیں: معطی کی طرف سے پیشکش، یعنی ایجاب، جس کو دیا جا رہا ہو اس کی طرف سے قبول اور قبضہ۔ ہبہ ان تین افعال سے مرکب ہوتا ہے۔ حنفیہ میں سے امام زفرؒ کے ہاں یہ تینوں ہبہ کے رکن ہیں۔ اکثر مشائخ کے ہاں قبضہ ہبہ کے صحیح ہونے کے لیے شرط تو ہے لیکن رکن نہیں۔ ایجاب ہبہ کا رکن ہے، اس پر سب حضرات متفق ہیں اور قبول کے بارے میں علامہ کاسائیؒ کا قول رکن نہ ہونے کا ہے۔ علامہ حصکفیؒ اور اکثر اہل علم کے ہاں قبول بھی ہبہ کا رکن ہے، بہر حال فقہ حنفی کے شارحین کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہبہ کرنے والے کے حق میں محض ایجاب سے ہبہ منعقد ہو جاتا ہے البتہ جس کو ہبہ کیا جا رہا ہو اس کے حق میں ہبہ اس وقت مکمل ہوگا جب وہ اس

---

(۱) مغني المحتاج، كتاب الهبة: ۲/۳۹۶، درر الحكام، كتاب الهبة، الباب الأول: ۲/۳۹۵

(۲) درر حواله سابقه، حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الهبة: ۳/۳۹۲، ۳۹۳

(۳) الطحطاوي والدرر حواله بالا، بدائع الصنائع، كتاب الهبة، فصل في حكم الهبة: ۸/۱۱۵

کو قبول بھی کرے ۔اسی لیے مجلۃ الاحکام میں لکھا ہے کہ ہبہ ایجاب وقبول سے منعقد ہو جاتا ہے اور قبضہ سے مکمل ہوتا ہے۔علامہ حصکفیؒ فرماتے ہیں:

"وتتم الهبة بالقبض الكامل".(۱)

ہبہ کے الفاظ:

ایجاب کے لیے نفسِ ہبہ کا لفظ تو بلاشبہ استعمال کیا جاسکتا ہے، تاہم ایسے الفاظ بھی استعمال کیے جاسکتے ہیں جو ہبہ کے ہم معنی ہوں، جیسے: عطیہ، ہدیہ یا یوں کہے کہ میں نے یہ فلاں شی آپ کے لیے کردی ۔اگر کوئی شخص یوں کہے کہ میں نے فلاں شے تمہارے نام کردی تو صاحب ہدایہ نے اپنے وقت کے عرف کے اعتبار سے اس کو ہبہ نہیں مانا ہے لیکن قاضی خان اور علامہ رملیؒ نے اس کو اپنے عرف کے اعتبار سے ہبہ قرار دیا ہے۔(۲)

موجودہ دور میں بھی یہی عرف ہے کہ کسی چیز کو کسی کے نام کرنا ہبہ ہی تصور کیا جاتا ہے۔اصل میں جن الفاظ سے ہبہ کا مفہوم صراحتاً معلوم نہ ہو تو ان کی مراد عرف ورواج پر موقوف رہے گی ۔اگر اس علاقے کے عرف میں وہ لفظ اصل شی کے مالک بنانے میں استعمال ہوتا ہو تو ہبہ سمجھا جائے گا اور اگر کسی چیز کی وقتی اور عارضی طور پر استعمال کی اجازت ہو یا عارضی طور پر صرف نفع کا مالک بنانے کے لیے بولا جاتا ہو تو یہ عاریت متصور ہوگی ۔(۳)

ہبہ کی دو قدیم اقسام عمریٰ اور رقبیٰ کا حکم:

(۱) عمریٰ:

اسلام سے پہلے ہبہ وعطیہ کے مروج طریقوں میں سے ایک عمریٰ بھی تھا، جس شخص کو کوئی چیز عمریٰ کیا جاتا یعنی اس سے کہا جاتا "أعمرتك هذه الدار" کہ یہ گھر میں نے تم کو عمریٰ کے طور پر دے دیا تو اس کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ میں نے عمر بھر کے لیے یہ گھر تمہیں دے دیا اور ساری عمر تم اس گھر کو استعمال کر سکتے ہو، البتہ تمہاری موت کے بعد یہ واپس میری طرف یا میرے ورثا کی طرف لوٹ آئے گا ۔اس بارے میں احادیث کے الفاظ مختلف ہیں، تاہم حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے ہاں عمریٰ ہبہ ہے۔جس کو دیا گیا وہی اس کا مالک ہے اور اس کے بعد اُس کے ورثا مالک ہیں، اگر چہ دیتے وقت یہ

(۱) بدائع الصنائع، كتاب الهبة:۸/۸۴،۸۵،درر الحكام مادة(۸۳۷)،ص:۲/۳۹۶،الدر المختار، كتاب الهبة:۸/۴۹۳،الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الهبة:۳/۳۹۳،۳۹۴

(۲) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الهبة:۸/۴۹۱

(۳) قاموس الفقه، مادة هبة:۵/۳۲۷

کہا گیا ہو کہ یہ صرف تمہاری زندگی کے لیے ہے اور تمہاری موت کے بعد یہ میری طرف واپس لوٹ آئے گا۔ حنفیہ کے ہاں یہ شرط باطل ہوگی۔(۱)

امام مالکؒ کے ہاں یہ بہر صورت عاریت ہے۔

(۲) رقبیٰ:

یہ بھی زمانۂ جاہلیت میں ہبہ کی ایک خاص صورت تھی۔ اس کا طریقہ یہ تھا کہ ایک شخص کہتا" یہ چیز تمہاری ہے جب تک تم زندہ رہو۔ اگر مجھ سے پہلے تمہاری موت ہوگئی تو یہ چیز میری طرف لوٹ آئے گی"۔ رقبیٰ کے لفظ میں انتظار کا معنی پایا جاتا ہے۔ اس صورت میں ہر فریق دوسرے فریق کی موت کا منتظر رہتا ہے، اس لیے اس کو رقبیٰ کہتے ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک رقبیٰ باطل ہے، یعنی یہ کلام بے اثر ہے اور اس کے ذریعے ہبہ نہیں ہوتا، البتہ یہ عاریت شمار ہوگا اور رقبیٰ کرنے والا کسی بھی وقت اس کو واپس لے سکتا ہے۔ یہی رائے مالکیہ کی بھی ہے۔ شوافع وحنابلہ کے ہاں رقبیٰ ہبہ کے حکم میں ہے۔ یہی رائے امام ابو یوسفؒ کی بھی ہے۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے:

"الرقبیٰ جائزۃ لأھلھا".(۲)

ہبہ کی شرائط:

ہبہ سے متعلق شرائط چار قسم کی ہیں:

(۱) ایجاب وقبول سے متعلق

(۲) ہبہ کرنے والے شخص سے متعلق

(۳) ہبہ کی جانے والی چیز سے متعلق

(۴) اور جس شخص کو ہبہ کیا جا رہا ہے اس سے متعلق

(۱) ایجاب وقبول سے متعلق شرط:

ایجاب وقبول سے متعلق شرط یہ ہے کہ اس کو کسی ایسی بات سے مشروط نہ کیا گیا ہو جس کے وجود اور عدم دونوں

---

(۱) بدائع کتاب الهبة: ۸/۸۸، تقریر ترمذي، أبواب الأحكام، باب ماجاء في العمرى: ۱/۲۹۲

(۲) بدائع الصنائع، کتاب الهبة: ۸/۸۹، تقریر ترمذي، أبواب الأحكام، باب ماجاء في العمرى: ۱/۲۹۲

کا امکان ہو، جیسے کہا جائے کہ "میں نے ہبہ کیا بشرطیکہ فلاں شخص آجائے"۔ نیز ہبہ کو کسی وقت کی طرف منسوب نہ کیا گیا ہو، جیسے کہا جائے کہ "فلاں مہینے کے ختم ہونے تک ہبہ کیا" کیونکہ ہبہ فی الفور مالک بنانے کا نام ہے نہ کہ ایک مدت کے بعد۔

(۲) ہبہ کرنے والے سے متعلق شرطیں:

ہبہ کرنے والا تبرع کا اہل ہو، یعنی عاقل بالغ ہو۔ نابالغ اور پاگل کا ہبہ درست نہیں۔ اسی طرح باپ یا کسی بھی ولی کو یہ حق نہیں کہ وہ اپنے نابالغ بچے کے مال کو ہبہ کردے۔ امام ابوحنیفہؒ وابو یوسفؒ کے ہاں تو عوض کی شرط کے ساتھ بھی ولی کا ہبہ درست نہیں، البتہ امام محمدؒ کے ہاں چونکہ یہ بیع کی طرح ہے، اس لیے جائز ہے۔(۱)

(۳) ہبہ کی جانے والی چیز سے متعلق شرطیں:

(۱) ہبہ کرتے وقت وہ چیز ہبہ کرنے والے کے پاس موجود ہو،

(۲) وہ چیز شریعت کی نظر میں قابل قیمت ہو،

(۳) وہ چیز شخصی ملکیت کے تحت آسکتی ہو، لہٰذا اباحاتِ اصلیہ (دریا کا پانی، گھاس وغیرہ) میں ہبہ کرنا درست نہیں۔

(۴) وہ چیز ہبہ کرنے والے کی ملکیت میں ہو۔

(۵) جو چیز ہبہ کی جارہی ہو، اگر وہ قابل تقسیم ہو تو وہ چیز تقسیم شدہ ہو، مشترک نہ ہو۔ ہاں جو چیز ناقابل تقسیم ہو، جیسے: حمام، مٹکہ وغیرہ، تو اس میں اپنے مشترک حصے کو ہبہ کرسکتا ہے۔

(۶) جو چیز ہبہ کی جارہی ہو وہ غیر موہوبہ چیز سے مشغول نہ ہو، لہٰذا اگر کھیت ہبہ کرے جس میں ہبہ کرنے والے کی فصل لگی ہو تو کھیت کا ہبہ درست نہیں، جب تک انفصال اور تسلیم واقع نہ ہو جائے۔(۲)

یہاں ایک قاعدہ یہ ذہن نشین رہے کہ جو چیز ہبہ کی جارہی ہے، اگر وہ غیر موہوبہ چیز سے مشغول ہو تو ہبہ درست نہیں، لیکن اگر موہوبہ چیز غیر موہوبہ چیز کے لیے شاغل ہو، جیسے موہوبہ گندم اگر غیر موہوبہ کھیتی کو مشغول کرکے اس کے لیے شاغل بن جائے تو گندم کا ہبہ تو درست ہے، لیکن کھیتی کا نہیں۔ مذکورہ صورت میں گندم کے بغیر صرف زمین کا ہبہ درست کرنے کے لیے علامہ حصکفیؒ کے ہاں حیلہ یہ ہے کہ اولاً غیر موہوبہ چیز، مثلاً گندم کو موہوب لہ کے پاس

---

(۱) بدائع الصنائع، کتاب الهبة،فصل في شرائطها:۸/۹٤

(۲) بدائع الصنائع، کتاب الهبة،فصل في شرائطها:۸/۹٥ـ۱۰٤

بطور ودیعت رکھ لے، پھر اس کو زمین (مشغول حالت کے باوجود) ہبہ کردے تو (بطور ودیعت) اپنی مقبوضہ چیز (گندم) کے ساتھ مشغول ہونے کی وجہ سے ہبہ درست ہو جائے گا۔(۱)

موہوب لہ کے لیے شرط:

(۱) جس شخص کو ہبہ کیا جارہا ہے، اس کی طرف سے قبضہ ضروری ہے۔ حنفیہ کے ہاں قبضہ کے بعد ہبہ تام ہوکر موہوب لہ کے لیے ملکیت ثابت ہو سکے گی۔ قبضہ کرنے سے پہلے موہوبہ چیز حسب سابق واہب کی ملکیت شمار ہوگی۔ پھر قبضہ کے لیے ضروری ہے کہ ہبہ کرنے والے کی اجازت سے اس نے قبضہ کیا ہو، چاہے اجازت صراحتاً ہو یا دلالۃً۔ اسی طرح قبضہ پر قدرت دینا بھی قبضہ کے حکم میں ہوگا۔(۲)

(۲) قبضہ کرنے والے میں قبضہ کی اہلیت موجود ہو، یعنی موہوب لہ کا عاقل ہونا ضروری ہے، لہٰذا پاگل اور لاشعور بچے کا موہوبہ چیز پر قبضہ درست نہیں، اس تناظر میں فقہائے حنفیہ نے موہوبہ چیز پر قبضہ کی دو قسمیں بیان کی ہیں: اصالۃً قبضہ اور نیابۃً قبضہ۔ جو شخص صاحبِ عقل ہو، وہ اصالۃً قبضہ کرے گا۔ قبضہ میں نیابت کی بھی دو صورتیں ہیں: ایک صورت کا تعلق قبضہ کرنے والے سے ہے کہ جس شخص کو قبضہ کرنا چاہیے تھا، وہ اس کا اہل نہ ہو جیسے بچہ اور پاگل، اس صورت میں ان کا ولی ان کی طرف سے نیابۃً قبضہ کرے گا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ موہوبہ چیز پہلے سے اس شخص کی ملکیت میں ہو جس کو ہبہ کیا جارہی ہے جیسے اس کے پاس عاریت، ودیعت، رہن یا غصب کے طور پر ہو، اس صورت میں پہلے سے موجودہ قبضہ ہبہ کے لیے بھی سمجھا جائے گا۔ یہ صورت استحسان اور آسانی پر محمول ہے۔(۳)

ہبہ سے رجوع کا مسئلہ:

حنفیہ کے ہاں ہبہ کرنے والے کے لیے ہبہ سے رجوع کرنے کی گنجائش ہے، اگرچہ اس نے ہبہ کرتے وقت رجوع نہ کرنے کی شرط لگائی ہو۔ البتہ ہبہ کرنے کے بعد اس سے رجوع کرنا مکروہِ تحریمی ہے۔ آپ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

''اس شخص کی مثال جو صدقہ کرنے کے بعد اس سے رجوع کرے، اس کتے کی طرح ہے،

---

(۱) الدرالمختار مع ردالمحتار، کتاب الھبۃ: ۸/۴۹۳-۴۹۵

(۲) الدرالمختار مع ردالمحتار، کتاب الھبۃ: ۸/۴۹۲، ۴۹۳

(۳) بدائع الصنائع: ۸/۱۱۰-۱۱۲

جو قے کرے اور پھر اس قے کو چاٹنے لگے۔''(۱)

اتنی شدید مذمت اور کراہت کے باوجود آپ ﷺ کا یہ بھی ارشاد مبارک ہے کہ ہبہ کرنے والا ہبہ کا زیادہ حقدار ہے اگر اس کا کوئی عوض نہیں دیا گیا ہو۔(۲)

یہ بات ذہن نشین رہے کہ ہبہ میں رجوع کی صحت کے لیے شرط یا تو عاقدین کی رضامندی ہے یا قاضی کا فیصلہ، اگر رضامندی اور قاضی کا فیصلہ دونوں نہ ہوں تو ہبہ سے رجوع کرنا کسی صورت بھی جائز نہیں۔ ایسی صورت میں موہوبہ چیز واپس لینا غصب شمار ہوگا۔(۳)

رجوع سے استثنائی صورتیں:

فقہائے کرام نے ایسی سات صورتیں ذکر فرمائی ہیں، جن میں ہبہ سے رجوع کرنا جائز نہیں۔ ان کی تفصیل درج ذیل ہے:

(۱) موہوبہ چیز میں ایسی زیادتی آ جائے جس سے اس کی قیمت میں اضافہ پیدا ہو جائے، البتہ اگر کمی آ جائے یا زیادتی موہوبہ چیز سے منفصل اور الگ ہو تو رجوع درست ہے۔

(۲) طرفین میں سے ایک کی موت واقع ہو جائے۔

(۳) واہب عوض کی شرط پر ہبہ کر کے عوض وصول کر لے۔

(۴) موہوبہ چیز موہوب لہ کی ملک سے نکل جائے، جیسے وہ اس کو فروخت کر دے یا آگے کسی اور کو ہبہ کر دے۔

(۵) زوجین میں سے کوئی ایک دوسرے کو ہبہ کر دے۔

(۶) ذی رحم محرم رشتہ دار کو ہبہ کر دے تو اس سے بھی رجوع جائز نہیں، البتہ اگر محرم تو ہو، لیکن ذی رحم نہ ہو، جیسے: رضاعی رشتہ دار یا مصاہرت (سسرال) کے رشتہ دار تو ان سے رجوع کرنا درست ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ذی رحم محرم کے ساتھ رجوع جائز ہونے میں قطع تعلق اور کبیدہ خاطری کا امکان زیادہ ہے۔

---

(۱) الصحیح لمسلم، کتاب الهبات، باب تحریم الرجوع في الصدقة : ۲/۳٦

(۲) سنن ابن ماجة، أبواب الهبات، باب من وهب هبةً رجاء ثوابها : ۱۷٤

(۳) بدائع، کتاب الهبة، فصل في حکم الهبة : ۸/۱۲۲، الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الهبة باب الرجوع في الهبة : ۸/۵۱۳، درر الحکام مادة : ۲/٤٦۱

(۷) موہوبہ شے ہلاک یا ضائع ہو جائے۔(۱)

ہبہ بالعوض کی صورتیں:

ہبہ بالعوض کی دو صورتیں ہیں:

پہلی صورت یہ ہے کہ پہلے سے عوض کی کوئی شرط نہیں لگائی گئی، بلکہ ایک شخص نے ہبہ کیا اور بعد میں دوسرے شخص نے یہ کہتے ہوئے ہبہ کیا کہ یہ اس ہبہ کا عوض ہے۔ یہ صورت قبضہ سے پہلے بھی اور قبضہ کے بعد بھی ہبہ کی ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ ہبہ کو عوض کے ساتھ مشروط کر دیا جائے، یعنی یوں کہے کہ میں تم کو فلاں چیز اس شرط پر ہبہ کرتا ہوں کہ تم اس کے بدلے فلاں چیز مجھے ہبہ کرو گے۔ یہ دوسری صورت حنفیہ کے ہاں ابتداً تو ہبہ کے حکم میں ہے اس لیے جب تک دونوں کی طرف سے عوض پر قبضہ نہ ہو جائے عقد تام نہ ہوگا، لیکن انتہا اور انجام کے اعتبار سے یہ معاملہ بیع سمجھا جائے گا اور قبضہ کرنے کے بعد اس پر وہی احکام جاری ہوں گے جو بیع پر جاری ہوتے ہیں، یعنی عاقدین کے لیے خیارِ عیب اور ثالث کے لیے شفعہ وغیرہ کے احکام مرتب ہوں گے۔(۲)

ہبہ کے چند دیگر احکام:

☆......ہبہ کے ثبوت کے لیے واہب یا اس کی موت کی صورت میں ورثا کا اقرار ضروری ہے، ورنہ موہوب لہ کے دعوی کی صورت میں اگر اقرار نہ ہو تو اثبات کے لیے گواہان کا سہارا لینا ضروری ہے۔

☆......ہبہ میں ثبوت کے طور پر صرف قول معتبر نہیں، جب تک اس پر گواہ موجود نہ ہو یا کوئی ایسی تحریر ہو جو سرکار یا متحکم انتظامیہ کے قبضہ میں ہو کر تحریف اور تبدیلی یا دھوکہ سے محفوظ ہو۔

---

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الهبة، باب الرجوع في الهبة: ۸/۵۰۴-۵۲۳، بدائع الصنائع، کتاب الهبة، فصل في حکم الهبة: ۸/۱۲۲-۱۲۳

(۲) الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الهبة باب الرجوع في الهبة: ۸/۵۱۴-۵۱۵

کتاب الھبۃ

(ہبہ کے مسائل)

حالتِ حیات میں بیویوں پر زمین تقسیم کرنا

سوال نمبر (1):

ابتداً زید کی دو بیویاں تھیں۔ایک بیوی سے دو بیٹے جب کہ دوسری بیوی سے کوئی اولاد پیدا نہ ہوئی۔زید نے اپنی زمین ان دونوں بیویوں میں تقسیم کی جب کہ کچھ حصہ اپنے پاس رکھا۔جس بیوی سے دو بیٹے تھے ان میں سے ایک کا نام عمرو تھا، بے اولاد بیوی نے عمرو کو اپنا بیٹا بنا کر پالا۔جب بڑے ہو کر عمرو نے شادی کی تو اس ماں نے اپنی زمین عمرو کی بیوی کے مہر میں مقرر کردی۔جس کے گواہ موجود ہیں۔پھر زید نے تیسری شادی کی اور اپنی تجہیز وتکفین کے لیے جو زمین چھوڑی تھی، وہ اس تیسری بیوی کے نام کردی۔اب زید کی وفات کے آٹھ سال بعد تیسری بیوی نے اس زمین میں حصے کا دعویٰ کیا ہے، جو زمین عمرو کی بیوی کے حق مہر میں دی گئی ہے۔کیا یہ دعویٰ صحیح ہے؟ بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شریعتِ مطہرہ کی رُو سے اگر کوئی شخص اپنی زندگی میں بحالت صحت اپنی مملوکہ جائیداد کسی کو ہبہ کرے تو اس کا یہ فعل شرعاً معتبر سمجھا جائے گا۔موہوب لہ کا موہوبہ چیز پر قبضہ کرنے سے وہ واہب کی ملک سے نکل کر موہوب لہ کی ملک میں داخل ہوگی۔مالک بننے کے بعد موہوب لہ جس طرح چاہے اس میں مالکانہ تصرف کرسکتا ہے۔

لہٰذا مسئولہ صورت میں اگر شوہر (زید) نے اپنی زندگی میں بہ بقائے صحت اور ہوش وحواس اپنی جائیداد اپنی بیویوں میں تقسیم کی ہو اور قبضہ کرنے کے بعد عمرو کی سوتیلی ماں نے اپنا حصہ عمرو کی بیوی کے لیے حق مہر مقرر کیا ہو تو اس کے بعد یہ زمین عمرو کی بیوی کی ملکیت ہوگی، لہٰذا زید کے فوت ہونے کے بعد اس کی تیسری بیوی کا اس زمین میں حصے کا دعویٰ کرنے کا کوئی اعتبار نہیں کیونکہ اس زمین میں اس تیسری بیوی کا کوئی حق نہیں بنتا ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

تنعقد الھبة بالإیجاب والقبول، وتتم بالقبض.(۱)

---

(۱) شرح المجلة لسلیم رستم باز،المادة:۸۳۷،ص/٤٦٢

ترجمہ:

ہبہ ایجاب وقبول سے منعقد ہوکر قبضہ کے ساتھ تام ہوتا ہے۔

لو وهب كل من الزوج والزوجة صاحبه شيئاً، وسلمه حال كون الزوجية قائمة بينهما، ليس له الرجوع. (۱)

ترجمہ:

اگر میاں بیوی میں سے کوئی ایک دوسرے کو کوئی چیز ہبہ کرے، اس حال میں کہ ان کے درمیان رشتہ زوجیت قائم ہو تو اس کو رجوع کرنے کا حق حاصل نہیں۔

❁❁❁

بیٹے کے نام جائیداد کا بغیر قبضہ کے صرف انتقال

سوال نمبر(2):

ایک شخص نے اپنی زندگی میں کچھ زمین خریدی اور اس میں سے صرف دو بیٹوں کے نام ساڑھے سات کنال کا انتقال کیا، لیکن موت تک زمین کا قبضہ والد کے پاس تھا۔ دونوں کو قبضہ نہیں دیا تھا۔ اس حالت میں والد فوت ہو گئے۔ بعد از وفات دونوں بیٹے کہتے ہیں کہ انتقال شدہ زمین صرف ہماری ملکیت ہے جبکہ باقی ورثا شرکت کے دعویدار ہیں۔ شریعت کی رُو سے اس کا کیا حل ہوگا؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

اس میں کوئی شک نہیں کہ ایک شخص اپنی زندگی میں بحالت صحت وبقاے ہوش وحواس اپنی مملوکہ جائیداد میں ہر قسم کے مالکانہ تصرفات کا حق رکھتا ہے، لہٰذا اُسے ہبہ بھی کر سکتا ہے تاہم ہبہ تام ہونے کے لیے قبضہ شرط ہے۔

مسئولہ صورت میں والد نے اپنی جائیداد میں سے جو حصہ اپنے دو بیٹوں کے نام انتقال کیا ہے اگر واقعی حسبِ سوال والد نے اپنی زندگی میں اُس زمین کا قبضہ اِن دو بیٹوں کو نہ دیا ہو تو یہ اُس کے مالک متصور نہ ہوں گے۔ لہٰذا والد کی وفات کے بعد اُس کے جملہ ورثا میں یہ زمین بقدرِ حصصِ میراث تقسیم ہوگی۔ کیونکہ کسی قانونی مصلحت کے

(۱) شرح المجلة لسليم رستم باز، المادة:۸٦٧، ص/٤٧٧

پیش نظر جب کسی ایک بیٹے کے نام جائیداد خرید کر اس کو باقاعدہ قبضہ نہیں دیا ہو تو صرف سرکاری کاغذات میں انتقال یا زبانی طور پر ہبہ کے اقرار سے ملکیت ثابت نہیں ہوتی۔

والدّلیل علی ذلک:

تنعقد الهبة بالإيجاب والقبول، وتتم بالقبض.(۱)

ترجمہ: ہبہ ایجاب وقبول سے منعقد ہوکر کامل قبضہ کے ساتھ تام ہوتا ہے۔

ومنها أن يكون الموهوب مقبوضاً، حتى لايثبت الملك للموهوب له قبل القبض.(۲)

ترجمہ: اور ہبہ کی شرائط میں سے یہ ہے کہ ہبہ کی ہوئی چیز پر قبضہ کیا گیا ہو۔ چنانچہ قبضہ سے پہلے موہوب لہ (جس کو ہبہ کیا جا رہا ہو) کی ملکیت ثابت نہیں ہوتی۔

❁❁❁

بیٹے کو زیادہ حصہ ہبہ کیا، قبضہ نہیں دیا

سوال نمبر (3):

زید ایک عالم دین تھا۔ وفات سے تین چار سال قبل اس نے اسٹامپ لکھوایا کہ ''میں اپنے بعد اپنے پانچ بیٹوں اور دو بیٹیوں میں سے بڑے بیٹے کو بطورِ سرپرست دس کنال زائد جائیداد زمین کا حق دار ٹھہراتا ہوں۔'' اس پر زید نے اپنی اولاد سے دستخط بھی لیے، لیکن جب اسے پتہ چلا کہ بعض اولاد کو بلاوجہ شرعی زیادہ حصہ دینا شریعت کی رُو سے ٹھیک نہیں تو اس نے تمام بیٹوں کی موجودگی میں درج بالا تحریر سے انکار کیا۔ والد کی وفات کے بعد اس کے بڑے بیٹے نے دعویٰ کیا کہ مجھے اپنے والد کی جائیداد میں اس اسٹامپ کے مطابق زائد حصہ ملنا چاہیے۔ کیا شریعت کی رُو سے اس کو یہ زائد حصہ ملے گا؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شرعی نقطہ نظر سے ہبہ تام ہونے کے لیے ضروری ہے کہ موہوب لہ قبول کرنے کے ساتھ ساتھ اس پر قبضہ بھی

---

(۱) شرح المجلة لسليم رستم باز،المادة:۸۳۷،ص/٤٦٢

(۲) الفتاوى الهندية، كتاب الهبة،الباب الاول:٤/٣٧٤

کرے۔ چنانچہ اگر مجلسِ عقد میں یا بعد میں اس کی اجازت سے قبضہ نہیں کیا گیا تو یہ ہبہ صحیح متصور نہیں ہوگا۔

مسئولہ صورت میں اگر مذکورہ آدمی نے اپنے بیٹوں میں بڑے بیٹے کے لیے دس کنال زمین زیادہ دینے کی تحریر لکھی ہو اور اس کے لیے اشامپ پر تمام بیٹوں سے دستخط بھی لیے ہوں، لیکن ابھی تک اس بیٹے نے قبضہ نہیں کیا تھا کہ والد صاحب فوت ہو گئے تو ہبہ باطل ہوا اور اس اشامپ کی اب کوئی حیثیت نہ رہی، لہٰذا اب اس بیٹے کا اشامپ پیپر دکھا کر زائد حصہ کا دعوی کرنا شرعاً درست نہیں۔

والدّلیل علی ذلك:

تنعقد الهبة بالإيجاب والقبول، وتتم بالقبض الكامل؛ لأنها من التبرعات، والتبرع لا يتم إلا بالقبض.(١)

ترجمہ:

ہبہ ایجاب وقبول سے منعقد ہو کر پورے قبضہ کے ساتھ تام ہوتا ہے، کیونکہ (ہبہ) تبرعات میں سے ہے اور تبرع قبضہ کے بغیر تام نہیں ہوتا۔

إذا توفي الواهب، أو الموهوب له قبل القبض تبطل الهبة.(٢)

ترجمہ:

اگر واہب (ہبہ کرنے والا) یا موہوب لہ (جس کو ہبہ کیا جا رہا ہو) قبضہ سے پہلے فوت ہو جائے تو ہبہ باطل ہوگا۔

❁❁❁

موہوبہ جائیداد میں دوسرے ورثا کا استحقاق

سوال نمبر(4):

ایک عورت مسماۃ (ع) بنت بکر زوجہ زید سکنہ پشاور نے اپنی حیات میں اپنی ساری منقولہ وغیر منقولہ جائیداد اپنی اکلوتی بیٹی (ش) بنت زید سکنہ پشاور کو قبضہ سمیت ہبہ کر دی تھی۔ اشام اور دستاویزات وغیرہ سب تحریری موجود

(١) شرح المجلة لسليم رستم باز،المادة:٨٣٧،ص/٤٦٢

(٢) شرح المجلة لسليم رستم باز،المادة:٨٤٩،ص/٤٦٧

ہیں۔ پوچھنا یہ ہے کہ مسماۃ (ش) کے ساتھ مسماۃ (ع) کے دیگر ورثا کا اس جائیداد میں حق بنتا ہے یا نہیں؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التّوفیق:

شریعتِ مطہرہ کی رُو سے کسی چیز کے مالک بننے کے چند اسباب ہیں۔ ان اسباب میں ایک سبب ہبہ بھی ہے کہ جب کوئی آدمی کسی عوض کے بغیر دوسرے شخص کو اپنی مملوکہ چیز کا مالک بنادے، لیکن یہ ہبہ تام اور مکمل تب ہوگا جب موہوب لہ اس چیز پر قبضہ کرلے۔ چنانچہ جب تک وہ شخص اس ہبہ شدہ چیز پر قبضہ نہیں کرتا تو یہ ہبہ معتبر نہ ہوگا بلکہ واہب کے مرنے کے بعد سارے ورثا کا اس موہوبہ جائیداد میں حصہ ہوگا۔

مسئولہ صورت میں اگر واقعی مسماۃ (ع) نے اپنی حیات میں اپنی بیٹی مسماۃ (ش) کو اپنی جائیداد منقولہ وغیر منقولہ ہبہ کردی تھی اور اس کی بیٹی نے اس پر قبضہ بھی کرلیا تھا تو صرف وہ اس جائیداد کی مالکہ متصور ہوگی۔ دیگر ورثا کو اس جائیداد میں بطورِ میراث حصہ نہیں ملے گا اور مسماۃ (ش) کی وفات کے بعد یہ جائیداد اُس کے شرعی ورثا میں ان کے حصص کے بقدر تقسیم ہوگی۔

والدّلیل علی ذلک:

تنعقد الهبة بالإيجاب والقبول، وتتم بالقبض الكامل ؛لأنها من التبرعات، والتبرع لايتم إلا بالقبض .(۱)

ترجمہ: ہبہ ایجاب وقبول سے منعقد ہوکر پورے قبضہ کے ساتھ تام ہوتا ہے، کیونکہ (ہبہ) تبرعات میں سے ہے اور تبرع قبضہ کے بغیر تام نہیں ہوتا۔



باپ بیٹے کے ہبہ میں رجوع کا تصور

سوال نمبر(5):

زید بکر دونوں بھائی علیحدہ علیحدہ کام کرتے ہیں اور اپنی جمع پونجی اپنے والد کے نام جمع کرتے ہیں۔ اب چونکہ دونوں کی اولاد کو پیسوں کی اشد ضرورت ہے، لیکن والد دونوں کو ان کا مال واپس نہیں کرتا۔ دونوں کا کہنا ہے کہ وہ ان کے

(۱) شرح المجلة لسليم رستم باز،المادة:۸۳۷،ص/٤٦٢

اموال کو فضولیات میں صرف کرتا ہے اور ہم اس بات کے خوف سے کہ والدین کا رتبہ ارفع اور بلند ہوتا ہے، شرعی اور قانونی کارروائی نہیں کر سکتے۔ شریعتِ مطہرہ میں ایسے والد کے ساتھ جو اپنی اولاد کا مال فضول خرچ کرتا ہے اور ان کو نہیں دیتا کیا حکم ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

واضح رہے کہ اولاد اور والد کے املاک ایک دوسرے سے جدا جدا رہتے ہیں اس لیے بیٹے جب اپنی آمدنی والد کو ہبہ کر کے ایک مرتبہ باقاعدہ دیدیں تو باپ کی ملکیت ثابت ہو کر اولاد کو رجوع کا حق باقی نہیں رہتا۔

اس لیے مسئولہ صورت میں زید اور بکر والد کو دی ہوئی رقم واپس نہیں لے سکتے، مگر یہ کہ والد خود ان (بیٹوں) کو کوئی چیز دیدے تو الگ بات ہے۔ والد کی فضول خرچی کو رجوع کے لیے سبب بنانا ایک بہانہ ہے، جس سے والد کی ملکیت متاثر نہیں ہوتی۔ کیونکہ بیٹے باپ کو دیے ہوئے مال میں رجوع نہیں کر سکتے۔

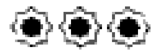
والدّلیل علی ذلک:

من وهب لأصوله وفروعه، أو لأخيه، أو أخته، أو لأولادهما، أو لعمه، أو لعمته، أو لخاله، أو لخالته شيئا، فليس له الرجوع .(۱)

ترجمہ: جو شخص اپنے اصول وفروع یا اپنے بہن بھائی یا بھائی بہن کی اولاد یا اپنے چچا یا پھوپھی، اسی طرح ماموں یا خالہ (ان سب میں سے) کسی کو کوئی چیز ہبہ کر دے تو (ہبہ کرنے کے بعد) اس کو رجوع کا حق نہیں۔

وإن وهب هبة لذي رحم محرم منه لم يرجع فيها لقوله عليه الصلاة والسلام:" إذا كانت الهبة لذي رحم محرم لم يرجع فيها".(۲)

ترجمہ: اور اگر ہبہ ذی رحم محرم کو کیا ہو تو اس میں واہب رجوع نہیں کرے گا، بوجہ حضور ﷺ کے اس فرمان کے کہ جب ہبہ ذی رحم محرم کے لیے ہو تو واہب اس میں رجوع نہیں کرے گا۔



(۱) شرح المجلة لسليم رستم باز، المادة:۸٦٦، ص/٤٧٦

(۲) الهداية، كتاب الهبة، باب الرجوع في الهبة: ۲۹۲/۳

بیوی کو تحفہ میں رقم یا زیورات دینا

سوال نمبر (6):

ایک آدمی شبِ زفاف کے دوران بیوی کو تحفہ کے طور پر مہر کے علاوہ کچھ رقم یا زیورات دیدے اور تین دن کے بعد شوہر فوت ہو جائے تو کیا یہ رقم یا زیورات متوفی کے ورثا میں تقسیم ہوگی یا بیوی کا حق تسلیم کیا جائے گا؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

اگر کوئی شخص شبِ زفاف میں بیوی کو مہر کے علاوہ رقم یا زیورات وغیرہ دے دے تو یہ درحقیقت ہبہ ہے جس پر قبضہ مفید ملک ہے، لہٰذا موہوب چیزیں بیوی کی ملکیت متصور ہوں گی جس میں شوہر کی وفات کے بعد دیگر ورثا کا کوئی حق نہیں۔

والدلیل علی ذلک:

لو وھب کل من الزوج والزوجة صاحبه شیئا، وسلمه حال کون الزوجیة قائمة بینھما، لیس له الرجوع.(۱)

ترجمہ:

اگر میاں بیوی میں سے کوئی ایک دوسرے کو کوئی چیز ہبہ کرے، اس حال میں کہ ان کے درمیان رشتۂ زوجیت قائم ہو تو اس کو (دوبارہ) رجوع کرنے کا حق حاصل نہیں۔

❁❁❁

محض کاغذات میں زمین کے انتقال سے ہبہ

سوال نمبر (7):

ایک شخص فوت ہوا۔ اس کے ورثا میں تین بیٹے اور دو بیٹیاں ہیں۔ ترکہ میں ایک دکان اور ایک گھر چھوڑا ہے۔ گھر والد (مرحوم) کے نام جبکہ دکان کاغذات میں بیٹوں کے نام کر دی تھی۔ حل طلب مسئلہ یہ ہے کہ کیا صرف

(۱) شرح المجلة لسلیم رستم باز، المادة:۸۶۷، ص/۴۷۷

کاغذات میں انتقال کرنے سے بیٹے مالک بنتے ہیں یا نہیں جب کہ آخر عمر تک اس دکان کو والد صاحب سنبھالتے رہے۔ اس گھر اور دکان کی شرعی تقسیم کی وضاحت فرمائیں؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

اگر کوئی شخص اپنی مملوکہ مکان یا دکان وغیرہ کاغذات میں کسی دوسرے کے نام لکھ دے لیکن قبضہ اُس کو نہ دیا ہو تو وہ دوسرا شخص شرعاً اُس کا مالک متصور نہ ہوگا تاوقتیکہ اُس پر قبضہ نہ کرلے۔ اور اگر قبضہ سے پہلے پہلے دونوں میں سے کوئی ایک مرگیا تو ہبہ باطل ہوجائے گا۔

مسئولہ صورت میں اگر والد نے دکان کو صرف کاغذات میں بیٹوں کے نام کیا ہو لیکن قبضہ ان کو نہ دیا ہو اور آخر عمر تک خود ہی اس کا انتظام سنبھالا ہو تو محض کاغذات میں بیٹوں کے نام انتقال کردینے سے بیٹے دکان کے مالک متصور نہ ہوں گے، کیونکہ یہ ہبہ ہے اور اس کے تام ہونے کے لیے قبضہ شرط ہے، صرف کاغذات میں لکھ دینے سے ہبہ تام نہیں ہوگا، چنانچہ یہ دکان اور گھر دونوں میراث ہو کر بیٹوں کے ساتھ بیٹیاں بھی اس کی حقدار ہوں گے اور شریعت کے مطابق ان میں میراث تقسیم ہوگی۔

والدّلیل علی ذلک:

التبرع لایتم إلا بالقبض، فإذا وهب أحد لآخر شیئاً، لاتتم هبته إلا بقبضه .(۱)

ترجمہ: تبرع قبضہ کے ساتھ تام ہوتا ہے۔ پس اگر کوئی شخص دوسرے کو کوئی چیز ہبہ کرے تو اس کا ہبہ قبضہ کے ساتھ ہی تام ہوگا۔

۞۞۞

کسی ایک بیٹے کو کچھ زمین ہبہ کرنا

سوال نمبر(8):

ایک عورت نے اپنے تین بیٹوں میں سے ایک بیٹے کو اپنی ذاتی زمین کا آدھا حصہ دیدیا۔ کیا یہ زمین صرف ایک بیٹے کا حق ہے یا دوسرے بہن بھائی بھی اس زمین میں حصہ دار رہیں گے؟ نیز باقیماندہ حصہ میں کیا اس بیٹے کا مزید حصہ ہوگا یا نہیں؟

بینوا توجروا

(۱) شرح المجلة لسلیم رستم باز، المادة: ۵۷، ص/ ۴۲

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

اگر کوئی مرد یا عورت حالتِ صحت میں بقائے ہوش وحواس کے ساتھ اپنی جائیداد کسی کو ملکیتاً دے دے تو ایسا معاملہ ہبہ کہلاتا ہے، جو قبضہ کے ساتھ تام ہوتا ہے۔

مسئولہ صورت میں اگر واقعی والدہ نے اپنی ذاتی زمین کا آدھا حصہ اپنے تین بیٹوں میں سے کسی ایک کو دے کر باقاعدہ طور پر گواہوں کی موجودگی میں قبضہ وتصرف کا حق بھی دے دیا ہو تو اس سے ہبہ تام ہو کر یہ آدھی زمین اسی بیٹے کا حق شمار ہوگی اور اس کی وجہ سے باقی جائداد یا میراث میں اس کا حصہ متاثر نہیں ہوتا، لہٰذا دوسرے بہن بھائیوں کی طرح یہ بھائی بھی باقیماندہ جائیداد میں حصہ دار رہے گا۔ تاہم مرحومہ نے اگر کسی معقول وجہ کے بغیر ایک بیٹے کو آدھا حصہ دیا تھا تو وہ اس سے گناہ گار ہوگی۔

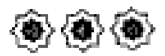
والدّلیل علی ذلک:

تنعقد الهبة بالإيحاب والقبول، وتتم بالقبض.(۱)

ترجمہ: ہبہ ایجاب وقبول سے منعقد ہو کر قبضہ کے ساتھ تام ہوتا ہے۔

رجل وهب في صحته كل المال للولد جاز في القضاء، ويكون أثماً فيما صنع. (۲)

ترجمہ: جو شخص اپنی صحت کے زمانہ میں اپنے ایک بیٹے کو تمام مال ہبہ کر دے تو قضاءً یہ جائز ہے، البتہ اپنے کیے پر گناہ گار رہے گا۔



ہبہ میں دستاویزات اور انتقال کی حیثیت

سوال نمبر(9):

میرے والد صاحب تقریباً عرصہ چار سال قبل وفات پا چکے ہیں۔ میرا ایک چھوٹا بھائی جو والد صاحب سے قبل وفات پا چکا تھا، اس نے یہ کوشش کی تھی کہ رہائشی مکان اپنے نام منتقل کر دے۔ اس سلسلے میں مرحوم بھائی نے والد صاحب

---

(۱) شرح المجلة لسليم رستم باز،المادة:۸۳۷،ص/٤٦٢

(۲) الفتاوى الهندية، كتاب الهبة،الباب السادس في الهبة للصغير: ٤/٣٩١

کوراضی کیا تھا اور ہم بہنوں سے انگوٹھے بھی لگا لیے تھے، لیکن وفات ہونے سے قبل بھائی نے جب رجسٹری اپنے نام کروانا چاہی تو والد صاحب نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ نیز قبضہ بھی آخر تک والد صاحب کے ساتھ ہی رہا۔ اب ہم یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ یہ گھر جب والد صاحب نے وفات سے قبل یا بعد میں ان کے بچوں کے نام منتقل نہیں کیا تو اب اس کا کیا حکم ہوگا؟ کیا یہ مرحوم بھائی کے بچوں کا ہے یا دوسرے بہن بھائیوں کا حصہ بھی اس میں بنتا ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

اس میں کوئی شک نہیں کہ قانونی طور پر دستاویزات میں کسی کے نام پر جائیداد کے انتقال سے عقد مزید پختہ ہو کر اس کو قانونی حیثیت حاصل ہو جاتی ہے، تاہم ہبہ ہونے کے لیے شرعاً اس کا کوئی اعتبار نہیں کہ دستاویزات میں موہوب لہ کے نام پر اس کا انتقال کیا جائے، بلکہ صرف زبانی طور پر ہبہ کرنا اور پھر موہوب لہ کا اس پر قبضہ کرنے سے ملکیت ثابت ہو جاتی ہے۔

صورتِ مسئولہ میں اگر واقعی مرحوم بھائی نے آپ کے والد صاحب سے رہائشی مکان اپنے نام کروانے کی کوشش کی تھی لیکن اُس کی زندگی میں اُس کو نہ گھر کا قبضہ ملا اور نہ ہی رجسٹری اس کے نام پر ہو سکی تو یہ مکان بدستور والد کی ملکیت سمجھا جائے گا اور اُن کی وفات کے وقت جو ورثا زندہ ہوں، ان میں بقدر حصص تقسیم ہوگا۔ مذکورہ بیان کے مطابق یہ بھائی، جس نے مکان اپنے نام منتقل کرنے کی کوشش کی تھی، چونکہ باپ کی وفات سے پہلے فوت ہو چکا ہے، لہٰذا وہ اس میں میراث کا حق دار نہیں، کیونکہ مورث کی وفات کے وقت وارث کا زندہ ہونا ضروری ہے، جب کہ یہاں پر وہ (وارث) اپنے باپ (مورث) سے پہلے فوت ہو چکا ہے۔ نیز اُس کی اولاد بھی اپنے دادا کے میراث میں حقدار نہیں کیونکہ مرحوم کے بیٹے موجود ہیں۔

والدّلیل علی ذلک:

تنعقد الهبة بالإيحاب والقبول، وتتم بالقبض.(١)

ترجمہ: ہبہ ایجاب وقبول سے منعقد ہو کر قبضہ کے ساتھ تام ہوتا ہے۔

أن شرط الإرث وجود الوارث حيا عند موت المورث.(٢)

(١) شرح المجلة لسليم رستم باز، المادة: ٨٣٧، ص/٤٦٢

(٢) ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الفرائض: ١٠/٥١١

ترجمہ:

میراث کا حق دار بننے کے لیے شرط یہ ہے کہ وارث مورث کی موت کے وقت زندہ موجود ہو۔

❁❁❁

والد کا ہبہ دینے سے میراث پر اثر

سوال نمبر(10):

ہم پانچ بھائی ہیں اور ہر ایک کا اپنا گھر ہے سوائے ایک کے۔ ہمارا آٹھ کنال پر مشتمل ایک قیمتی پلاٹ تھا۔ جس بھائی کا اپنا گھر نہیں، وہ والد سے گھر کے لیے اس پلاٹ میں اپنا حصہ مانگتا تھا جب کہ والد صاحب انکار کرتے تھے۔ ہم نے والد صاحب پر زور دیا کہ اسے اپنا حصہ دے دیا جائے۔ اس پر والد صاحب نے اس کو دو کنال زمین دے کر کہا کہ باقی زمین میں آپ کا حصہ نہیں ہوگا۔ اب والد فوت ہو گئے ہیں، کیا اب باقی چھ کنال میں اس کا حق ہوگا یا نہیں، جب کہ وہ مطالبہ کر رہا ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شریعتِ مطہرہ کی رُو سے ہر شخص کو اپنی مملوکہ جائیداد میں ہر قسم کے جائز تصرفات کا حق حاصل ہے۔ کسی کی طرف سے اس پر پابندی نہیں۔ اگر کوئی شخص حالتِ صحت میں بقائے ہوش کے ساتھ ایسا کرے کہ اپنی مملوکہ جائیداد اپنی اولاد میں تقسیم کرے اور تملیک کرا کر قبضہ دیدے تو اس کو ہبہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یہ میراث کی تقسیم نہیں۔
جب کوئی شخص حالتِ صحت میں ہوش وحواس کے ہوتے ہوئے ایسا اقدام کرے تو موہوب لہم کو قبضہ دے کر ان کی ملکیت ثابت ہوتی ہے۔ اگر اس شخص نے ایسی تقسیم کی ہو، جس سے مقصود کسی بیٹے کو ضرر پہنچانا نہ ہو تو آخرت کے اعتبار سے اس کے اعمال پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ ورنہ بصورت دیگر گناہ گار رہے گا۔
مسئولہ صورت میں جب والد نے اپنی حیات میں دو کنال زمین بیٹے کو بطورِ ہبہ دی اور اس نے اس پر باقاعدہ قبضہ کر لیا تو اس میں اس کی ملکیت ثابت ہوگئی اور چونکہ یہ میراث نہیں، اس لیے بقایا چھ کنال میں وہ برابر حصہ دار رہے گا، کیونکہ ہبہ دینے سے میراث میں حصہ سے محروم نہیں ہوتا، تاہم اگر بھائی نے ہبہ لیتے وقت میراث میں حصہ نہ لینے کا وعدہ کیا ہو تو مروت کا تقاضا ہے کہ اپنے وعدہ کی پابندی کرے۔ البتہ جبری طور پر اس کو محروم نہیں کیا جا سکتا۔

والدّلیل علی ذلك:

ولو وهب رجل شيئاً لأولاده في الصحة، و أراد تفضيل البعض على البعض في ذلك لارواية لهذا في الأصل عن أصحابنا وروي عن أبي حنيفة رحمه الله تعالى: أنه لا بأس به إذا كان التفضيل لزيادة فضل له في الدين، وإن كانا سواء يكره، وروى المعلى عن أبي يوسف رحمه الله: أنه لابأس به إذالم يقصد به الإضرار، وإن قصد به الإضرا ر سوى بينهم يعطي الابنة مثل ما يعطي للابن، وعليه الفتوىٰ.(۱)

ترجمہ: اوراگرکوئی شخص اپنی صحت کے زمانہ میں اپنی اولاد کوکوئی چیز ہبہ کرے،اوراس ہبہ کے معاملہ میں بعض اولادکو بعض پرفضیلت دینا چاہے تو کتاب الاصل میں ہمارے اصحاب احنافؒ میں سے کسی سے اس کے بارے میں کوئی روایت منقول نہیں۔ہاں امام صاحب سے مروی ہے کہ اگر یہ فضیلت دینا زیادہ دینداری کی وجہ سے ہوتو اس میں کوئی قباحت نہیں،لیکن اگر دینداری میں دونوں برابر ہوں تو پھر مکروہ ہے اور معلّی نے ابو یوسفؒ سے روایت کیا ہے کہ اگر (فضیلت دینے میں) دوسرے کوضرر دینے کا قصد نہ ہوتو اس میں کوئی قباحت نہیں۔ہاں!اگرضرر دینے کے ارادہ سے بعض کوبعض پرفضیلت دینا چاہے تو پھران سب میں(ہبہ کرتے وقت)برابری کا خیال اس طرح رکھے گا کہ بیٹی کو بیٹے جتنا حصہ دے گا اوراسی قول پرفتویٰ ہے۔



کسی ایک بیٹے کو ہبہ دینے کی صورت میں دوسرے بیٹوں کا استحقاق

سوال نمبر(11):

زید نے اپنے بیٹے عمرو کو اپنی حیات میں ساڑھے چار ایکڑ زمین دی جس پر اس نے قبضہ بھی کیا۔کیا زید کے دوسرے بیٹے عمرو کے ساتھ اس زمین میں کچھ حق رکھتے ہیں؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

مسئولہ صورت میں جب زید نے اپنے بیٹوں میں سے کسی ایک بیٹے کو اپنی زمین میں سے کچھ حصہ اپنی زندگی

(۱) الفتاوی الهندية، كتاب الهبة، الباب السادس في الهبة للصغير: ۳۹۱/٤

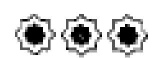
میں دیا اور بیٹے نے قبضہ بھی کیا تو یہ اسی بیٹے کا حق ہوگا۔اس میں دوسرے ورثا کا حق نہیں بنتا، کیونکہ ایک شخص اپنی زندگی میں اپنی جائیداد میں ہر قسم کے تصرفات کا حق رکھتا ہے۔زندگی میں جو چیز بھی کسی کو دی جائے، خواہ رشتہ دار ہو یا اجنبی تو قبضہ ہونے کے بعد واہب کی ملکیت اس میں باقی نہیں رہتی، اس لیے اس زمین میں دوسرے بھائیوں کا کوئی استحقاق نہیں۔

والدّلیل علی ذالك:

ولایتم حکم الهبة إلامقبوضة، ویستوي فیه الأجنبي والولد إذا کان بالغاً.(۱)

ترجمہ:

اور ہبہ قبضہ سے تام ہوتا ہے اور اس میں اجنبی اور بالغ اولاد برابر ہیں۔



باپ کا بیٹے سے ہبہ کے رجوع کا مطالبہ کرنا

سوال نمبر(12):

ایک شخص کے پانچ بیٹے ہیں۔ان میں تین بالغ اور دو نابالغ ہیں۔بالغ میں سے دو کی شادیاں ہوگئی ہیں جبکہ ایک کی منگنی ہوچکی ہے۔بڑے بیٹے کی شادی پر والد نے پچاس ہزار اور دوسرے بیٹے کی شادی پر پچیس ہزار روپے خرچ کیا ہے۔اب بڑا بیٹا الگ ہوگیا ہے۔والد کا کہنا ہے کہ ہمارے ساتھ رہا کرو، ورنہ پچاس ہزار روپے واپس کرو، تاکہ دوسرے بیٹوں کی شادی کا انتظام ہوجائے۔کیا باپ بیٹے سے شادی کا خرچہ واپس مانگنے کا حق رکھتا ہے یا نہیں؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

مسئولہ صورت میں والد کی طرف سے بیٹے کی شادی پر کیا ہوا خرچہ ہبہ اور تبرع ہے اور ہبہ میں رجوع کا حق محارم میں سے کسی کو حاصل نہیں ہوتا، لہٰذا ذکر کردہ صورت میں باپ کا بیٹے سے خرچ شدہ مال کا مطالبہ شرعاً درست نہیں۔

والدّلیل علی ذالك:

ولا یرجع في الهبة من المحارم بالقرابة کالآباء، والأمهات وإن علو، والأولادوإن سفلوا،

---

(۱) الفتاوی الهندیة، کتاب الهبة، الباب الثاني فیمایجوز من الهبة ومالایجوز:۴/ ۳۷۷

وأولادالبنين والبنات في ذلك سواء. (١)

ترجمہ: اور جو رشتہ دار محارم میں سے ہیں ان کے لیے ہبہ میں رجوع جائز نہیں، جیسے باپ اور ماں اگر چہ وہ اوپر درجہ کے ہوں (یعنی دادا، دادی وغیرہ) اور اولاد اگر چہ وہ نیچے درجہ کی ہو اور بیٹوں اور بیٹیوں کی اولاد اس میں برابر ہیں۔

❁❁❁

ذی رحم محرم پر مال خرچ کرنے کے بعد مطالبہ

سوال نمبر(13):

زید بکر کا چچا ہے۔ زید بیمار ہوا۔ بکر نے اس کا علاج کرا کر تقریباً سینتیس ہزار (37000) روپے خرچ کیے۔ اسی دوران بکر نے زید سے تقریباً ایک لاکھ روپے مالیت کی زمین خریدی۔ اب بکر معالجہ کی رقم زمین کی قیمت سے کاٹنا چاہتا ہے، جبکہ زید کا کہنا ہے کہ آپ شرعاً یہ رقم نہیں کاٹ سکتے، کیونکہ معالجہ میں آپ نے بطورِ تبرع رقم خرچ کی تھی۔ بکر کا اصرار ہے کہ بطورِ قرض خرچ کی ہے۔ کیا بکر یہ رقم زید کی زمین کی قیمت سے کاٹ سکتا ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

اگر علاج کے وقت دونوں نے باقاعدہ طے کیا تھا کہ یہ خرچہ بطورِ قرض کے کیا جاتا ہے تو پھر بکر مطالبہ کرنے کا حق دار ہے اور اگر علاج کے وقت باقاعدہ طور پر طے نہ ہوا تھا تو پھر یہ تبرع ہے اور اس صورت میں بکر کا زید سے مذکورہ رقم کا مطالبہ کرنا یا زمین کی قیمت میں سے اسے کاٹنا درست نہیں۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

للواهب أن يرجع في هبته من غير المحارم مالم يعوض، أو ازدادت الهبة في بدنها......ولا يرجع في الهبة من المحارم بالقرابة كالآباء والأمهات.......... وكذا الإخوة والأخوات والأعمام والعمات .(٢)

---

(١) الفتاوى الهندية،كتاب الهبة، الباب الخامس في الرجوع في الهبة:٤/ ٣٨٧

(٢) الفتاوى الخانية على هامش الفتاوى الهندية،كتاب الهبة، فصل في الرجوع في الهبة:٣/ ٢٧٢

ترجمہ:

اور محارم کے علاوہ واہب اپنی ہبہ کی ہوئی چیز میں رجوع کر سکتا ہے، جب تک اس (واہب) کو اس کا عوض نہ دیا گیا ہو یا موہوبہ چیز کی ذات میں کوئی زیادتی نہ آئی ہو۔۔۔۔۔۔اور جو رشتہ دار محارم ہوں، مثلاً: باپ، ماں۔۔۔۔۔اسی طرح بھائی، بہنیں، چچا اور پھوپھیاں وغیرہ ان سب محارم کو ہبہ کرنے کے بعد رجوع کا حق واہب کو حاصل نہیں۔

❁❁❁

ہبہ میں تصرف کے بعد رجوع کا مطالبہ

سوال نمبر (14):

زید نے اپنی زمین عمرو کو سو سال پہلے ہبہ کی تھی۔ پھر کسی نوکر نے عمرو سے اس زمین کو چالیس سال پہلے خرید لیا۔ اب زید کے بیٹے اور پوتے اس نوکر سے لڑائی کر کے زمین کی واپسی کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ حالانکہ زید اور عمرو دونوں فوت ہو چکے ہیں۔ کیا شریعت میں زید کے بیٹوں اور پوتوں کا یہ دعویٰ صحیح ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

شریعتِ مطہرہ میں جب کوئی شخص اپنی مملوکہ چیز کسی کو دے دے تو یہ ہبہ متصور ہوگا اور موہوب لہ کے قبول کرنے سے ہبہ تام ہوگا اور موہوبہ چیز واہب کی ملکیت سے نکل کر موہوب لہ کی ملکیت میں داخل ہو جائے گی اور موہوب لہ کے لیے اس میں ہر قسم کے تصرفات کا اختیار ہوگا، البتہ اگر واہب موہوبہ چیز واپس لینا چاہے تو علمائے احناف کی تصریحات کے مطابق ہبہ میں رجوع کراہت کے ساتھ جائز ہے، تاہم بعض صورتوں میں ہبہ سے رجوع نہیں ہو سکتا مثلاً اگر واہب یا موہوب لہ میں سے کوئی مر گیا ہو یا موہوب لہ کی ملک سے وہ چیز نکل گئی ہو یا اُس میں متصل اضافہ ہوا ہو تو ہبہ میں رجوع کرنا جائز نہیں ہے اور نہ واہب کے ورثا کو یہ حق حاصل ہے کہ ہبہ کی واپسی کا مطالبہ کریں۔

مسئولہ صورت میں اگر واقعی زید نے اپنی زمین عمرو کو ہبہ کر دی ہو اور عمرو نے اس پر قبضہ کیا ہو تو قبضہ کرنے سے عمرو اس کا مالک متصور ہوگا اور اس کے بعد اگر اس نے نوکر کے ہاتھ فروخت کی ہو اور واہب (زید) اور موہوب لہ (عمرو) دونوں فوت ہو چکے ہوں تو زید کے ورثا کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ زمین کی واپسی کا مطالبہ کریں، اس لیے کہ ان کو ہبہ میں رجوع کا حق حاصل نہیں۔ البتہ ہبہ اور پھر اس کی فروخت ثبوت کے محتاج ہیں، اس لیے ان معاملات کے اثبات

کے لیے گواہوں کا ہونا ضروری ہے۔

والدّلیل علی ذلك:

ولو خرجت الهبة عن ملك الموهوب له إلیٰ غیره، وهلكت لایرجع الواهب، و كذا لو هلك الواهب أو الموهوب له .(۱)

ترجمہ:

اگر موہوبہ چیز موہوب لہ (جس کو ہبہ کیا گیا ہو) کی ملک سے غیر کی طرف منتقل ہو کر ہلاک ہوگئی ہو تو واہب کو رجوع کا حق حاصل نہیں، اسی طرح واہب یا موہوب لہ میں سے کوئی فوت ہو جائے (تو بھی رجوع کا استحقاق نہیں)

أما العوارض المانعة من الرجوع فأنواع ......منها خروج الموهوب عن ملك الموهوب له بأيّ سبب كان من البيع والهبة ......ومنها موت الواهب كذا في البدائع. (۲)

ترجمہ:

بہرحال جو عوارض رجوع سے منع کرنے والی ہیں، وہ کئی قسم کی ہیں:۔۔۔۔۔ان میں سے موہوبہ چیز کا موہوب لہ کی ملک سے بیع، ہبہ وغیرہ کسی بھی سبب کے ساتھ خارج ہونا ہے۔۔۔۔اور اس میں سے واہب کا مر جانا بھی ہے۔اسی طرح بدائع میں ہے۔

❁❁❁

والد کا اولاد کی طرف سے مہر ادا کرنے میں تفاوت

سوال نمبر (15):

ایک شخص نے وفات ہو کر ایک بیوہ، پانچ بیٹے اور ایک بیٹی ورثا چھوڑے ہیں۔مرحوم نے اپنی زندگی میں تمام اولاد کی شادیاں کرائی ہیں اور سب بیٹوں کی طرف سے اپنی استعداد کے مطابق ان کے مہر خود ادا کر دیے ہیں۔اس کے انتقال کے بعد اس کے بیٹے اپنے بڑے بھائی سے یہ مطالبہ کر رہے ہیں کہ سب مہریں برابر ہونے چاہیے۔براہ کرم اس

---

(۱) الفتاوی الخانیة علی هامش الفتاوی الهندیة،کتاب الهبة، فصل في الرجوع في الهبة:۲۷۲/۳

(۲) الفتاوی الهندیة،کتاب الهبة، الباب الخامس في الرجوع في الهبة:۳۸۶/٤

مسئلے کا حل کیا ہے؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شریعت مطہرہ کی رُو سے مہر عورت کا حق ہے، جو نکاح کی وجہ سے شوہر کے ذمہ واجب ہو جاتا ہے۔ تاہم اگر والد اپنے بیٹوں کی طرف سے مہر ادا کردے تو یہ تبرع اور ہبہ ہوگا اور والد جس طرح اپنی اولاد کو ہبہ کرنے میں خود مختار ہے کہ کمی بیشی کے ساتھ ہبہ کرسکتا ہے، بشرطیکہ کسی کو ضرر دینے کا قصد نہ ہو، اسی طرح ان کی طرف سے مہر ادا کرنے میں بھی کمی بیشی کا مختار ہے، لہٰذا اگر وہ کسی کو کم اور کسی کو زیادہ مہر دے دے تو اس کو یہ اختیار حاصل ہے۔ لہٰذا چھوٹے بھائیوں کا اپنے بڑے بھائی سے یہ مطالبہ کرنا کہ "سب کے مہر میں برابری کی جائے" شرعاً درست نہیں۔

والدّلیل علی ذلک :

وفي الخانية لا بأس بتفضيل بعض الأولاد في المحبة ؛لأن المحبة عمل القلب، إذا لم يقصد به الإضرار،وإن قصده سوّي بينهم يعطي للابنة مثل مايعطى للابن ، وعليه الفتوى .(١)

ترجمہ:

اور خانیہ میں ہے کہ محبت میں بعض اولاد کو فضیلت دینے میں کوئی قباحت نہیں، کیونکہ محبت دل کا عمل ہے (جو غیر اختیاری ہے) اسی طرح عطیات میں بھی ہے، بشرط یہ کہ ان کو ضرر دینا مقصود نہ ہو۔ ہاں اگر ضرر مقصود ہو تو پھر امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اولاد کے مابین برابری کا معاملہ کرے گا کہ بیٹی کو بیٹے جتنا حصہ دے گا۔ اور اسی قول پر فتویٰ ہے۔

❁❁❁

ہبہ شدہ جائیداد میں میراث کا دعویٰ

سوال نمبر(16):

مسماۃ (ف) بنت عمرو کا زید سے رشتہ ازدواج قائم ہوا، جو وفات تک برقرار رہا، لیکن کوئی اولاد نہ ہوسکی۔ اس نے اپنی مملوکہ جائیداد کی دیکھ بھال اور ہر قسم کے مالکانہ حقوق اپنے خاوند کو ہبہ کر دیے تھے۔ یہاں تک کہ رسیدات اور

(١) الفتاوی الخانية على هامش الفتاوى الهندية، كتاب الهبة، الباب السادس في الهبة للصغير: ٢٨٩/٣

کاغذات وغیرہ سب خاوند کے نام تحریر کیے تھے۔ اب ایک اجنبی عورت جسے ہم نے کبھی دیکھا بھی نہیں تھا، اپنے آپ کو مساۃ (ف) مرحومہ کی چچازاد بہن ظاہر کر کے اس کے ترکہ میں حصہ میراث کا دعویٰ کر رہی ہے۔ لہٰذا اس بارے میں شرعی احکامات سے مطلع فرمائیں۔ بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شریعتِ مطہرہ کی رُو سے کسی چیز کے مالک بننے کے چند اسباب ہیں، جن میں ایک سبب ہبہ بھی ہے کہ بلاعوض کوئی شخص کسی کو اپنی مملوکہ چیز دے دے اور موہوب لہ اس موہوبہ چیز پر قبضہ کرے تو موہوب لہ اس چیز کا مالک بن جاتا ہے۔

مسئولہ صورت میں اگر واقعی مساۃ (ف) نے اپنی حیات میں جائیداد وغیرہ شوہر کو ہبہ کی ہو اور شوہر نے بیوی کی حالت حیات میں اس جائیداد پر قبضہ کیا ہو اور دیگر مالکانہ تصرفات کا حق ان کو حاصل ہو گیا ہو تو بیوی کی فوت ہونے کی صورت میں وہ جائیداد خاوند کی ملکیت متصور ہوگی، اس میں کسی دوسرے کا حصہ نہیں بنتا، لیکن اگر شوہر نے اپنی زوجہ کی حیات میں اس جائیداد پر قبضہ نہ کیا ہو محض میاں بیوی کا آپس میں زبانی طور پر معاملہ طے ہوا ہو تو بیوی کی فوت ہونے کی صورت میں وہ جائیداد مرحومہ کے ترکہ میں شامل ہو کر اس میں سب ورثا شریعت کے مطابق حصہ دار ہوں گے۔ محض خاوند کی ملکیت نہیں ہوگی۔ جہاں تک چچازاد بہن کا تعلق ہے تو وہ ذوی الارحام میں سے ہے جو ذوی الفروض، عصبات اور مقدم درجہ کے ذوالارحام کی عدمِ موجودگی میں میراث کی مستحق ہو سکتی ہے۔

والدلیل علی ذلک:

تنعقد الهبة بالإيجاب والقبول، وتتم بالقبض .(١)

ترجمہ: ہبہ ایجاب وقبول سے منعقد ہو کر کامل قبضہ کے ساتھ تام ہوتا ہے۔

❁❁❁

مشروط ہبہ کا حکم

سوال نمبر (17):

ایک شخص نے اپنے بیٹے پر اعتماد کر کے اس کے نام دس مرلہ پلاٹ اس شرط پر منتقل کر دیا تھا کہ ''پلاٹ کی تعمیر

(١) شرح المجلة لسليم رستم باز، المادة: ٨٣٧، ص/ ٤٦٢

سے پہلے والدین اور دوسرے بہن بھائیوں کو اپنا اپنا حق نقدی کی صورت میں ادا کرے گا''۔ چند ماہ بعد باپ نے نافرمانی کی بناپر تملیک واپس کرنے کے لیے سیشن کورٹ میں دعویٰ دائر کیا۔واضح رہے کہ ابھی تک پلاٹ کا کسی قسم کا قبضہ دیا گیا ہے اور نہ ہی چاردیواری بنائی گئی ہے۔کیا ایسی صورت میں والد اپنے بیٹے سے دیا ہوا پلاٹ واپس لے سکتا ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

واضح رہے کہ ہبہ کے وقت اگر واہب کی طرف سے کسی عوض کی شرط لگائی گئی ہو تو یہ ہبہ ابتداءً ہبہ اور انتہاءً بیع ہوتی ہے اور موہوب لہ کی طرف سے مشروط عوض ادا کرنے سے پہلے یہ ہبہ تام نہیں ہوتا۔اس طرح ہبہ کے تام ہونے کے لیے قبضہ بھی ضروری ہے۔لہٰذا مسئولہ صورت میں اگر واقعی والد نے اپنے بیٹے کو ہبہ کرتے وقت یہ شرط لگائی ہو کہ ''اس پلاٹ میں والدین اور دیگر بہن بھائیوں کا جو حصہ ہے، وہ تعمیر سے پہلے نقدی کی صورت میں ادا کرنا ہوگا'' تو اس شرط کا اعتبار کر کے مذکورہ نقد رقم ادا کرنے سے پہلے ہبہ تام نہیں ہوگا۔لہٰذا والد کو اپنے اس ہبہ سے رجوع کا حق حاصل ہوگا۔اسی طرح اگر واقعی ابھی تک موہوب لہ نے پلاٹ پر قبضہ نہیں کیا ہو تو بھی واہب کو رجوع کا حق حاصل ہوگا کیونکہ ہبہ تام نہیں ہوا۔

والدّلیل علی ذلک:

وأما العوض المشروط في العقد، فإن قال: وهبت لك هذا الشيء على أن تعوض هذا الثوب، فقد اختلف في ماهية هذا العقد، قال أصحابنا الثلاثة رضى الله عنهم :أن عقده عقد هبة، وجوازه جواز بيع وربما عبروا أنه هبة ابتداء بيع انتهاء، حتى لا يجوز في المشاع الذي ينقسم، ولا يثبت الملك في كل واحد منهما قبل القبض، ولكل واحد منهما أن يرجع في سلعته ما لم يقبضا.(۱)

ترجمہ: اگر عقد کے وقت عوض کی شرط لگائی گئی ہو تو اگر واہب یہ کہے کہ میں نے یہ چیز تجھے ہبہ کردی، اس شرط پر کہ تم اس کے بدلے یہ کپڑا دو گے تو ایسے عقد کی حقیقت کے بارے میں علمائے کرام نے اختلاف کیا ہے، ہمارے تینوں ائمہ فرماتے ہیں کہ یہ عقد ہبہ کا ہے اور بیع کے طور پر جائز ہے۔کبھی وہ ایسے عقد کی تعبیر اس سے کرتے ہیں کہ یہ ابتداً ہبہ ہے اور انتہاً بیع ہے۔یہی وجہ ہے کہ مشاع قابل تقسیم چیز میں یہ جائز نہیں، اور قبضہ سے پہلے دونوں میں ملکیت ثابت

(۱) بدائع الصنائع، کتاب الهبة، فصل في حكم الهبة :۸/۱۳۰

نہیں ہوتی اور جب تک دونوں نے قبضہ نہ کیا ہو، ہر ایک کو رجوع کا حق ہے۔

❁❁❁

بہن کی شادی پر خرچ شدہ رقم کا مطالبہ کرنا

سوال نمبر(18):

ہمارے والدین فوت ہو چکے ہیں۔ان کی وفات کے بعد میں نے ایک بہن کی شادی کے لیے جہیز کا سارا سامان اپنے پیسوں سے خریدا۔اب بہن، بھائیوں نے والدین کی میراث کا مطالبہ کیا ہے۔کیا میں بہن کی شادی پر خرچ شدہ رقم کا مطالبہ بہن کے حصہ میں سے کرسکتا ہوں؟ یا تمام بھائیوں کے حصوں سے وصول کروں گا؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

مسئولہ صورت میں اگر والدین کی وفات کے بعد بھائیوں میں سے کسی ایک بھائی نے اپنی بہن کی شادی کے لیے جہیز لینے پر اپنا روپیہ پیسہ خرچ کیا ہو تو یہ بہن کے ساتھ ایک تبرع اور احسان ہے۔اب اس کے لیے اس بہن کے حصے یا بھائیوں کے حصوں سے پیسہ لینا جائز نہیں،البتہ اگر بھائی نے بہن سے پہلے یہ بات طے کی ہو کہ ”جتنا سامان وغیرہ تیرے لیے خریدتا ہوں، وہ تجھ پر قرض ہوگا“تو اس صورت میں والدین کے ترکہ میں سے بہن کا جو حصہ بنتا ہے، اس سے خرچ شدہ رقم وصول کرنا درست رہے گا۔

والدّليل على ذلك:

لو جهز ابنته وسلمه إليها ليس له في الاستحسان استرداده منها، وعليه الفتوى .....ولو كان لها على أبيها دين، فجهزلها أبوها،ثم قال جهزتهابدينها عليّ، وقالت بمالك، فالقول للأب .(۱)

ترجمہ: اگر باپ نے اپنی بیٹی کے لیے جہیز کا سامان کر کے اس کے حوالے کر دیا تو استحساناً اس کو واپس لینے کا حق نہیں ہے اور اسی قول پر فتویٰ ہے۔۔۔۔۔اور اگر بیٹی کا باپ پر قرض تھا تو باپ نے اس کے لیے جہیز کا سامان کر کے پھر کہا کہ یہ جہیز میں نے اس کو اس کی اس دین کے عوض دیا ہے اور بیٹی کہے کہ یہ تو نے اپنے مال سے دیا ہے تو (اس صورت میں)باپ کا قول معتبر ہوگا۔

(۱) الفتاوى الهندية، كتاب النكاح،الباب السابع في المهر،الفصل السادس عشر في جهازالبنت:۱/۳۲۷

ماں کے نام ہبہ کے انتقال کے بعد رجوع

سوال نمبر(19):

ایک عورت مسمیٰ زینب بنت زید نے اپنی ذاتی رقم تین لاکھ 3,00,000 روپے کے عوض تین 3 مرلہ مکان خریدا۔ خریداری کے وقت اس نے مکان کو اپنی والدہ (فاطمہ زوجہ زید) کے نام انتقال کیا۔ کچھ عرصہ بعد فاطمہ وفات پاگئی۔ ماں کی وفات کے بعد اب زینب اس مکان کو اپنے نام منتقل کرنا چاہتی ہے۔ کیا شریعت کی رُو سے اس مکان میں اس عورت کے ساتھ اس کے بھائی یا دوسرے رشتہ دار شریک ہوں گے، جب کہ اس کو ذاتی رقم سے خریدا گیا ہے۔ صرف انتقال ماں کے نام کیا ہے؟ بینوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شرعی نقطہ نظر سے ہبہ تام ہونے کے لیے موہوبہ چیز پر قبضہ ضروری ہے اور قبضہ صرف کاغذات میں موہوب لہ کے نام انتقال کرانے سے نہیں ہوتا جب تک موہوب لہ کو عملی قبضہ اور دیگر تصرفات کے تمام اختیارات نہ دیے جائیں۔ لہٰذا مسئولہ صورت میں اگر زینب نے مذکورہ مکان کو اپنی ماں (فاطمہ) کے نام انتقال کرانے کے بعد اس کو قبضہ اور تمام تصرفات کا اختیار بھی دیا ہو تو مذکورہ مکان پر اس کی ماں (فاطمہ) کی ملکیت ثابت ہو کر اس کی وفات کے بعد واہبہ (زینب) کے علاوہ دیگر ورثا بھی اس مکان میں شریک ہوں گے۔ تاہم اگر واہبہ (زینب) نے پورا قبضہ نہ دیا ہو صرف کاغذات میں اس کے نام انتقال کروایا ہو تو یہ ہبہ غیر تام شمار ہو کر مکان زینب کی ملکیت متصور ہوگی اور دیگر ورثا کا اس سے کوئی حق وابستہ نہ ہوگا۔

والدّلیل علی ذلک:

تنعقد الهبة بالإيحاب والقبول، وتتم بالقبض .(١)

ترجمہ: ہبہ ایجاب وقبول سے منعقد ہو کر قبضہ کے ساتھ تام ہوتا ہے۔

لأن معنى القبض هو التمكين والتخلي وارتفاع الموانع عرفاً وعادةً، وحقيقةً .(٢)

ترجمہ: قبضہ کا معنی ہے: قدرت دینا اور اس چیز کو مکمل چھوڑ دینا اور عرفاً، عادتاً اور حقیقۃً جو موانع ہوں اُن کو رفع کر دینا۔

(١) شرح المجلة لسليم رستم باز،المادة:٨٣٧،ص/٤٦٢

(٢) بدائع الصنائع، كتاب البيوع،فصل فيما يرجع إلى المعقود عليه :٥٧١/٦

ماں کا اپنے بچوں کو زیورات ہبہ کرنا

سوال نمبر (20):

میری پانچ نابالغ اور ایک بالغ بیٹی ہے، میرے شوہر فوت ہو چکے ہیں، بچیوں کی پرورش میں کرتی ہوں، میرے پاس تقریباً آٹھ تولے زیورات ہیں جسے میں اپنے بچوں میں تقسیم کرنا چاہتی ہوں۔اس کے لیے میں کیا طریقہ اختیار کروں؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

اگر کوئی مرد یا عورت اپنی زندگی میں اولاد کو کچھ ہبہ کرنا چاہیے تو سب اولاد کو برابر برابر حصہ دینا چاہیے۔ بلا کسی وجہ بعض کو زیادہ اور بعض کو کم دینا شرعاً درست نہیں۔ نیز جب ماں بچوں کی پرورش ونگہداشت کر رہی ہو تو نابالغ بچوں کے لیے ہبہ صرف عقد سے تام ہو جاتا ہے، اُن کو قبضہ دینا ضروری نہیں۔

چنانچہ مسئولہ صورت میں جب آپ کے شوہر فوت ہوئے ہیں اور آپ ہی اپنی اولاد کی پرورش کر رہی ہیں تو بیٹیوں میں زیورات تقسیم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ سب میں برابر برابر تقسیم کریں اور نابالغ بچیوں کے لیے آپ کا صرف اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ "میں یہ فلاں کو ہبہ کرتی ہوں اور اُسی کے لیے قبول بھی کرتی ہوں" اِس سے بچی مالکہ بن جائے گی۔ البتہ بالغ بیٹی کو ہبہ کرنے کے ساتھ ساتھ عملی قبضہ بھی دیا جائے تب وہ مالکہ متصور ہوگی۔

والدّلیل علی ذلك:

وهبة الأب لطفله تتم بالعقد...... وكذا لو وهبت أمه وهو في يدها والأب ميت، وليس له وصي وكذا كل من يعوله .(۱)

ترجمہ:

اور باپ کا اپنے چھوٹے بچے کو ہبہ کرنا عقد کے ساتھ تام ہو جاتا ہے۔۔۔اسی طرح اگر ماں نے بچے کو ہبہ

---

(۱) شرح المجلة لسلیم رستم باز،المادة:۸۳۷،ص/۴۶۲

(۲) الفتاوی الهندیة،كتاب الهبة،الباب السادس في الهبة للصغير:۴/۳۹۱

کیا اور وہ بچہ اس کی پرورش میں ہو اور باپ بھی فوت ہو گیا ہو اور اس کا کوئی وصی بھی نہ ہو، اسی طرح ہر وہ شخص جو بچے کی پرورش کرتا ہو (تو ان کا اس بچے کو ہبہ کرنا نفس عقد سے تام ہوتا ہے)

إذا وهب شيئاً لابنه الكبير البالغ العاقل يلزم التسليم. (۲)

ترجمہ:

باپ جب اپنے بالغ عاقل بیٹے کو کوئی چیز ہبہ کرے تو اس کا حوالہ کرنا اس پر لازم ہوتا ہے۔

❁❁❁

موہوب لہ کے مرجانے کے بعد ہبہ میں رجوع کرنا

سوال نمبر (21):

ایک آدمی نے اپنی حالتِ حیات میں اپنے ایک بیٹے کو زمین ہبہ کے طور پر دے کر قبضہ کروادیا ہے۔ والد صاحب زندہ ہیں جب کہ بیٹا وفات پا گیا۔ اب اس کا باپ دوبارہ اس زمین پر قبضہ کرنا چاہتا ہے کہ یہ زمین میری ہے، جب کہ مرحوم کے ورثا میں والدین کے علاوہ بیوہ، ایک بیٹی اور دو بہنیں موجود ہیں۔ والد کا دوبارہ زمین کا مطالبہ شرعاً کیسا ہے؟ اگر والد حق دار نہیں تو مذکورہ بالا ورثا کے حصص بھی متعین فرمائیں؟

بيّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

فقہ حنفی کی رُو سے واہب موہوب لہ سے موہوبہ چیز واپس لے سکتا ہے بشرطیکہ واہب اور موہوب لہ میں "ذی رحم محرم" کا رشتہ نہ ہو یا واہب اور موہوب لہ میں کوئی ایک مرا نہ ہو، ورنہ بصورتِ دیگر واہب کو رجوع کا حق باقی نہیں رہتا۔

مسئولہ صورت میں واقعی اگر باپ نے اپنے بیٹے کو کچھ زمین ہبہ کے طور پر دی تھی اور بیٹے نے اس پر باپ کی زندگی میں قبضہ بھی کیا ہو تو باپ کو اس میں رجوع کرنے کا حق دو وجوں سے نہیں۔ ایک یہ کہ باپ بیٹے دونوں کا آپس

(۱) الفتاوى الهندية، كتاب الهبة، الباب السادس في الهبة للصغير ۳۹۱/٤

(۲) شرح المجلة لسليم رستم باز، المادة: ۸٥۰، ص/٤٦٧

میں ذی رحم محرم کا رشتہ ہے، جبکہ ایسی صورت میں رجوع کا حق ساقط ہوتا ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ بیٹا وفات ہو چکا ہے اور جب موہوب لہ فوت ہو جائے تو اس کا ملک اس کے ورثا کو منتقل ہو جاتا ہے لہٰذا اب وہ موہوب لہ کی ملکیت نہیں، بلکہ ورثا کا حق ہے۔

لہٰذا مسئولہ صورت میں بیٹے کی وفات کے بعد باپ اس زمین کا اکیلے مالک نہیں، بلکہ تمام ورثا کا اس میں حق ہے اس لیے ورثا میں شرعی اصولوں کے تحت تقسیم ہوگا۔ اگر باپ، بیٹی، بیوہ اور دو بہنوں کے علاوہ اور کوئی وارث نہیں تو مرحوم کا پورا ترکہ ۲۴ حصوں میں تقسیم ہوگا۔ بیوہ کو آٹھواں حصہ ۲۴/۳، بیٹی کو آدھا، یعنی ۲۴/۱۲، باپ کو ۲۴/۵ اور ماں کو چھٹا حصہ یعنی ۲۴/۴ ملے گا۔ جب کہ دو بہنیں محروم ہوں گی۔ ان کو کچھ نہیں ملے گا، کیونکہ جب اصول وفروع موجود ہوں تو پھر میراث میں دوسرے رشتہ دار حق دار نہیں ہوتے۔

والدّليل على ذلك:

أما إذا مات الموهوب له فلأن الملك قد انتقل إلى الورثة، وأما إذا مات الواهب، فلأن النص لم يوجب حق الرجوع إلا للواهب، والوارث ليس بواهب.(١)

ترجمہ:

(واہب اور موہوب لہ میں سے کسی ایک کی موت سے ہبہ میں رجوع کا حق ختم ہو جاتا ہے) موہوب لہ کی موت سے اس لیے کہ اس کی ملکیت ورثا کی طرف منتقل ہو جاتی ہے اور واہب کی موت سے اس لیے کہ شریعت نے رجوع کا حق صرف واہب کو دیا ہے اور واہب کا وارث واہب نہیں (اس لیے رجوع کا حق بھی اس کو نہیں)۔

وإن وهب هبة لذي رحم محرم منه لم يرجع فيها لقوله عليه الصلاة والسلام:" إذا كانت الهبة لذي رحم محرم لم يرجع فيها".(٢)

ترجمہ:

اور اگر ہبہ ذی رحم محرم کو کیا ہو تو اس میں واہب رجوع نہیں کرے گا، بوجہ حضور ﷺ کے اس فرمان کے کہ "جب ہبہ ذی رحم محرم کے لیے ہو تو واہب اس میں رجوع نہیں کرے گا۔"

(١) ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الهبة، باب الرجوع في الهبة:٨/٥٠٧

(٢) الهداية، كتاب الهبة، باب الرجوع في الهبة :٣/٢٩٢

ہبہ اور وصیت میں فرق

سوال نمبر (22):

میں (بکر) نے اپنے ماموں (زید) کی بہت خدمت کی تھی۔ان خدمات کا صلہ دینے کے لیے ماموں نے میرے واسطے ایک مکان کی بابت اسٹامپ تیار کرکے اس میں یہ لکھا تھا کہ "میں نے اپنے بھانجے کو خدمت کا صلہ دینے کے لیے ایک عدد مکان جو کہ محلّہ فلاں میں واقع ہے، ہبہ/تملیک کرتا ہوں اور بحوالہ بکر کرتا ہوں، لیکن چند سطر بعد لکھا تھا کہ "میری وفات کے بعد بکر اس گھر کا مالک ہوگا"۔ پوچھنا یہ ہے کہ مذکورہ تحریر کی وجہ سے میں اس مکان کا مالک بن سکتا ہوں؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

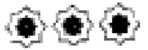
شریعتِ مطہرہ کی رُو سے بلاعوض کسی کو کوئی چیز دینا تبرع واحسان کہلاتا ہے۔ پھر اس تبرع کی اضافت اگر قائل نے اپنے مرنے کے بعد کی طرف کردی ہو تو یہ وصیت ہے، ورنہ ہبہ ہے۔ ہبہ اور وصیت میں فرق یہ ہے کہ ہبہ کے لیے قبضہ شرط ہے، جب کہ وصیت میں قبضہ ضروری نہیں۔ مزید یہ کہ وصیت وارث کے حق میں درست نہیں ہوتی اور ہبہ ہر کسی کو کیا جاسکتا ہے۔

مسئولہ صورت میں زید کے قلم سے جو اسٹامپ تحریر ہوا ہے، اس میں ہبہ اور وصیت دونوں طرح کے الفاظ معلوم ہوتے ہیں، اس لیے دونوں میں سے کسی ایک کا تعین مشکل ہے۔ تاہم شرعی نقطہ نظر سے الفاظ کی بجائے معانی اور مقاصد ہی پر حکم لگایا جاتا ہے، اس لیے مسمّٰی بکر نے اگر زید کی زندگی میں اس مکان پر قبضہ کیا ہو، پھر تو یہ ہبہ ہے، جو اس کے قبضہ سے تام ہوکر دوسرے ورثا کا حق اس سے متعلق نہیں، لیکن اگر بکر نے زید کی زندگی میں اس مکان پر قبضہ نہ کیا ہو تو پھر یہ وصیت شمار ہوکر مرحوم کے تہائی ترکہ میں نافذ ہوگی۔ تہائی سے زائد میں ورثا کی صوابدید پر موقوف رہے گی۔

والدّلیل علی ذلک:

العبرة في العقود للمقاصد والمعاني لا للألفاظ والمباني. (۱)

ترجمہ: تمام عقود میں مقاصد اور معانی کا اعتبار ہوگا الفاظ اور کلام کی ترکیبی عبارت کا نہ ہوگا۔



(۱) شرح المجلة لسليم رستم باز، المادة: ۳، ص/ ۱۹

بطورِ ہبہ ملی ہوئی زمین میں دوسرے بھائیوں کا حصہ

سوال نمبر(23):

ہمارے والد صاحب کو گورنمنٹ کی طرف سے کچھ زمین ہبہ اور عطیہ کے طور پر ملی تھی، اس وقت ہمارے دادا صاحب بھی زندہ تھے۔ جب دادا صاحب فوت ہوگئے تو والد صاحب اور ہمارے دوسرے چچا الگ الگ ہوگئے۔ کچھ عرصہ بعد جب والد صاحب بھی وفات پاگئے تو ہمارے چار چچا ہمارے ساتھ اس زمین میں دعویدار بن گئے۔ حل طلب مسئلہ یہ ہے کہ کیا یہ زمین ہمارے دادا کی میراث شمار ہوکر چچا بھی اس میں شریک ہوں گے یا والد صاحب کی میراث ہوکر صرف ہم (اس کی اولاد) اس کے حق دار ہوں گے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

شرعی نقطۂ نظر سے اگر بھائیوں میں ملک یا عقد کی کوئی شرکت نہ ہو، یعنی بھائیوں نے باہمی طور پر کوئی ایسا کاروبار شروع نہ کیا ہو جس کی آمدنی ان میں شریک ہو تو ہر بھائی کی آمدنی اس کی مستقل آمدنی شمار ہوکر محض بھائی ہونے کی حیثیت سے دوسرے کو کچھ نہیں ملتا۔ باپ کی زندگی میں اگر بیٹے کمائی کرکے باپ کو دیں تو وہ اس کا مالک بنتا ہے اور موت کے بعد سارے ورثا اس میں شریک ہوں گے اور اگر بیٹا ہبہ وغیرہ کی وجہ سے کسی چیز کا مالک بن جائے تو باپ اس میں اجنبی متصور ہوگا۔

لہٰذا مسؤلہ صورت میں اگر زمین ایک بھائی (سائل کے باپ) کو بطورِ ہبہ اور عطیہ ملی ہو اور قبضہ بھی اُسی کے ہاتھ میں ہو تو یہ اس کی ملکیت ہے، باپ کی میراث شمار نہ ہوگی لہٰذا سائل کے چچوں کا اس میں حصہ نہیں بنتا۔ بلکہ یہ اس موہوب لہ (سائل کے والد) کی وفات کے بعد اس کی اولاد اور دیگر شرعی ورثا اس زمین کے حق دار ہیں۔

والدّلیل علی ذلک:

وفي الفتاوی الخیریة سئل في ابن کبیر ذي زوجة وعیال، له کسب مستقل حصل بسببه أموالاً، ومات هل هي لوالده خاصة أم تقسم بین ورثته ؟ أجاب هي للابن، تقسم بین ورثته علی فرائض اللّٰه تعالی، حیث کان له کسب مستقل بنفسه. (۱)

---

(۱) تنقیح الفتاویٰ الحامدیة، کتاب الدعوی: ۱۷/۲

ترجمہ:

اور فتاویٰ خیریہ میں ہے کہ ایسے بڑے بیٹے کے بارے میں پوچھا گیا جو شادی شدہ اور صاحبِ عیال ہو اور اس کا کسب بھی مستقل علیحدہ ہو اور اس کسب سے اس نے مال حاصل کیا اور پھر فوت ہوگیا تو کیا یہ مال خاص اس کے باپ کا شمار ہوگا یا اس (بیٹے) کے ورثا میں تقسیم کیا جائے گا؟ جواب دیا کہ یہ مال اس بیٹے کا ہے جو اس کے ورثا میں اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ حصوں کے مطابق تقسیم کیا جائے گا، اس لیے کہ کسب اس کا اپنے طور پر علیحدہ تھا (تو آمدنی بھی اس کی شمار ہوگی)۔

❁❁❁

دادا کا پوتے کو بحالتِ صحت زمین دینا

سوال نمبر(24):

اگر کوئی شخص حالتِ صحت میں اپنے پوتے کو کچھ زمین دے دے تو کیا دادا کے مرنے کے بعد زید کے باپ کا اس زمین میں حصہ بن سکتا ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

واضح رہے کہ ہر انسان کو زندگی میں بحالتِ صحت اور بقائے ہوش وحواس کے اپنی مملوکہ جائیداد میں مالکانہ تصرفات کا حق حاصل ہے، اس لیے جب کوئی شخص اپنی مملوکہ چیز کسی کو ہبہ کرے تو اس کا یہ فعل شرعاً معتبر سمجھا جاتا ہے اور قبضہ کے بعد ہبہ تام ہو کر موہوب لہ اس کا مالک بن جاتا ہے۔

مسئولہ صورت میں اگر واقعی مذکورہ شخص نے اپنے پوتے کو بحالتِ صحت کچھ زمین دی ہو اور اس کی زندگی میں پوتے نے اس پر قبضہ بھی کیا ہو تو قبضہ کے بعد یہ اس کی ملکیت رہے گی اور اس ملکیت میں اس کے ساتھ کوئی اور وارث شریک ہونے کا حق دار نہ ہوگا۔

والدّلیل علی ذلك:

ومنها أن یکون الموهوب مقبوضاً، حتی لایثبت الملك للموهوب له قبل القبض......، وأن

یکون مملوکاً .(١)

ترجمہ:

اور ہبہ کے شرائط میں سے یہ بھی ہے کہ موہوبہ چیز پر قبضہ کیا گیا ہو، لہٰذا موہوب لہ کے لیے قبضہ سے پہلے ملک ثابت نہ ہوگی۔۔۔۔دوسری شرط یہ ہے کہ وہ چیز (واہب) کی اپنی ملکیت ہو۔

❁❁❁

کل مال ہبہ کرنا

سوال نمبر(25):

ہماری ایک پھوپھی زاد بیٹی تھی۔اس کی جائیداد میں ایک مکان تھا، جو اس نے اپنے خاوند اور ہم تین بھائیوں کو دیا تھا اور چالیس سال تک مسلسل ہماری ملکیت میں تھا، ہماری پھوپی زاد بیٹی نے جو مکان ہمیں دیا تھا، کیا وہ ہماری ملکیت بن سکتا ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

کسی چیز کے مالک بننے کے چند اسباب ہیں جن میں سے ایک ہبہ بھی ہے کہ آدمی کسی دوسرے شخص کو اپنی کسی چیز کا مالک بنا دے اور وہ شخص جس کو اس چیز کا مالک بنایا گیا ہے (یعنی موہوب لہ) وہ اس موہوبہ چیز پر قبضہ کرے، تب ہبہ تام متصور ہوگا۔تاہم اگر کوئی قریبی رشتہ دار موجود ہوں تو ان کو بلا کسی سبب محروم کرنے کی وجہ سے یہ شخص گناہ گار ہوگا۔

صورتِ مسئولہ میں اگر واقعی پھوپھی زاد بیٹی نے اپنا مکان اپنے خاوند اور اپنے تین ماموں زاد بھائیوں کو دیا ہو اور انہوں نے قبضہ بھی اس کی زندگی میں کیا ہو تو یہ ہبہ ہے اور اس میں ان چاروں کی ملکیت ثابت ہو جاتی ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

رجل وهب في صحته كل المال للولد جاز في القضاء، ويكون آثماً فيما صنع .(١)

---

(١) الفتاوى الهندية، كتاب الهبة، الباب الاول:٤/٣٧٤

(١) الفتاوى الهندية، كتاب الهبة، الباب السادس في الهبة للصغير:٤/٣٩١

ترجمہ:

ایک آدمی اپنی صحت کے زمانہ میں بیٹے کو تمام مال ہبہ کردے تو قضاءً یہ جائز ہے، البتہ اپنے کیے پر گناہ گار رہے گا۔

❁❁❁

مرنے کے بعد ہبہ واپس کرنے کی شرط لگانا

سوال نمبر (26):

ہم تین بھائیوں نے مشترکہ کمائی سے کچھ زمین خریدی۔ تقسیم کے وقت والد صاحب نے بھی اپنے حصہ کا مطالبہ کیا۔ ہم نے وہ زمین اُنہیں اس شرط پر دی کہ "اپنی زندگی تک استعمال کرتے رہیں"۔ بعد میں والد صاحب نے اسے فروخت کر کے کچھ رقم سے حج ادا کیا، جب کہ بقیہ رقم سے دوسرے بھائیوں کی امداد کرتا رہتا ہے۔ جب ہم مطالبہ کرتے ہیں تو انکار کرتے ہیں۔ پوچھنا یہ ہے کہ کیا ہمارے والد صاحب کو ہماری اجازت کے بغیر اسی رقم سے دوسرے بھائیوں کی امداد کرنا صحیح ہے؟ اور کیا ہمارا والد صاحب سے رقم کی واپسی کا مطالبہ کرنا صحیح ہوگا؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

اگر کوئی شخص کسی کو کوئی چیز باقاعدہ طور پر ہبہ کر کے دے دے تو موہوب لہ اس کا مالک بن جاتا ہے۔ اب اس کو اسی موہوبہ چیز میں بحیثیتِ مالک ہونے کے ہر قسم کے تصرفات کا حق حاصل ہوتا ہے۔

مسئولہ صورت میں تینوں بھائیوں کا اپنی مشترکہ زمین باپ کو اس شرط پر دینا کہ "اپنی زندگی تک اس سے نفع اُٹھاتے رہو" از روئے شریعت ہبہ ہے جس میں "زندگی تک" کی شرط باطل ہے۔ اس لیے باپ اس زمین کا مالک بن چکا تھا اور باپ کو اس میں جملہ مالکانہ حقوق حاصل تھے۔ جب اُس نے اپنی مرضی سے اُس کو بیچا تو اُس کا یہ تصرف شرعاً درست ہے اور اس کے عوض اُسے جو رقم حاصل ہوئی وہ بھی اُسی کی ملکیت ہے لہٰذا وہ اُس میں اپنی مرضی کے مطابق تصرفات کا حق رکھتا ہے۔

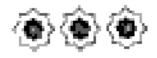
ہبہ کرنے والے بیٹوں کو اس زمین کی رقم کا مطالبہ کرنے کی اجازت نہیں۔

والدّلیل علی ذلک:

جعلتھالک عمرک، أوقال :ھي لك عمرك، أو حیاتك فإذا متّ أنت فھي ردُّ عليّ، أو قال: جعلتھالک عمري أو حیاتي، فإذا مت أنا فھي رد علی ورثتي، فھذا کله ھبة، وھي للمعمرله في حیاته ولورثته بعد وفاته، والتوقیت باطل، والأصل فیه ماروي عن رسول اللهﷺ أنه قال :"أمسکوا علیکم أموالکم، لاتعمروھا، فإن من أعمر شیئاً، فإنه لمن أعمره". (۱)

ترجمہ:

''میں نے یہ زمین تیرے عمر تک کے لیے تجھے دے دی'' یا یہ کہے کہ ''وہ زمین تیری عمر یا زندگی تک تیرے لیے ہے، پھر جب تو مر جائے تو یہ مجھے واپس ہوگی'' یا یہ کہا کہ ''یہ زمین میں نے اپنی عمر اور زندگی تک کے لیے تجھے دے دی، پس جب میں مر جاؤں تو یہ میرے ورثا پر واپس ہوگی'' تو یہ سب الفاظ ہبہ کے ہیں۔لہٰذا جس کو عمریٰ (ہبہ) کیا گیا، اس کی زندگی میں اس کے لیے ہوگی اور اس کی وفات کے بعد اس کے ورثا کی ہوگی اور توقیت (وقت مقرر کرنا) باطل ہوگی۔ اس بات کی اصل حضور ﷺ کی یہ روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''اپنے اموال کو اپنے پاس ہی رکھو، ان کو عمریٰ کرنے کا معاملہ نہ کرو، کیونکہ جس نے کسی چیز کو عمریٰ کر دیا تو وہ چیز معمرلہ کی ہوگی۔''



امامت میں ملی ہوئی زمین

سوال نمبر (27):

ہمارے دادا صاحب کو آج سے تقریباً سو سال پہلے گاؤں کے بڑوں نے کچھ زمین بطورِ ہبہ دی تھی۔دادا کی وفات کے بعد یہ زمین ان کے اکلوتے بیٹے زید کو منتقل ہوگئی۔زید نے حیات میں اپنے چھ بیٹوں کے درمیان یہ زمین تقسیم کر دی اور ہر ایک کو اپنا حصہ مل گیا جو تا حال بدستور ہمارے قبضہ میں ہے۔واضح رہے کہ زمین ہبہ کرنے والے لوگ اور ہمارے والد صاحب اور دادا صاحب کافی عرصہ پہلے فوت ہو چکے ہیں جو دونوں یہاں پر عرصہ دراز سے

---

(۱) بدائع الصنائع، کتاب الھبة :۸/۸۸

امامت کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ والد صاحب کی وفات کے بعد یہ فرائض ہمارے ایک عالم بھائی پچھلے چند سالوں تک سنبھالتے رہے۔

اب گاؤں کے چند افراد (جن میں ہبہ کرنے والوں کی اولاد میں سے کچھ افراد بھی شامل ہیں) مذکورہ زمین کو ہمارا حق تسلیم نہیں کرتے، بلکہ اسے مسجد کی زمین سمجھتے ہیں، جبکہ گاؤں کی اکثریت اور بالخصوص مذکورہ زمین کے ہبہ کرنے والوں کی اولاد میں سے کچھ ہمارے حق کو تسلیم کرتے ہیں اور گواہی دیتے ہیں کہ مذکورہ زمین کا مسجد یا امامت سے کوئی تعلق نہیں۔ کیا مذکورہ زمین ازروئے شریعت ہماری ملکیت ہوسکتی ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

بعض علاقوں میں مسجد کے پیش امام کو ایک خاص قسم کی زمین دی جاتی ہے جو ان کے عمل کے نتیجے میں انہیں ملتی ہے، لہٰذا وہ پیش امام یا ان کا کوئی وارث امامت پر جب تک قائم رہے گا، یہ زمین اس کی متصور ہو گی، لیکن ان کے چلے جانے کے بعد (وفات ہونے یا امامت نہ کرنے کی صورت میں) وہ زمین کا حق دار نہیں ہوگا۔

تاہم جہاں کہیں زمین پیش امام کو بطورِ ہبہ دی جائے، جس کا تعلق اس کی امامت سے نہیں ہوتا تو ایسی زمین میں امام ہر قسم کے تصرف کرنے کا اختیار رکھتا ہے، لہٰذا ایسی زمین کا بعد میں واپسی کا مطالبہ درست نہیں۔

اگر مسئولہ صورت کا تعلق دوسری قسم سے ہو تو محررہ حالات کے مطابق ہبہ کی ایک شکل معلوم ہوتی ہے۔

محررہ حالات کے مطابق ہبہ کنندگان میں سے کوئی بھی زندہ نہیں، لہٰذا ورثا کو رجوع کرنے کا حق حاصل نہیں، تاہم اگر یہ معاملہ ہبہ کا نہ ہو تو پھر بھی دعوی کرنا درست نہیں، کیونکہ اگر کوئی شخص بغیر کسی عذرِ شرعی کے چھتیس ۳۶ برس تک اپنے حق کا دعویٰ نہ کرے تو فقہائے کرام کی تصریحات کے مطابق اتنی مدت گزر جانے کے بعد اس کا دعویٰ قابل سماعت نہ ہوگا۔

تاہم جہاں کہیں یقینی ذرائع سے معلوم ہو جائے کہ مدعی حق پر ہے یا مدعیٰ علیہ خود مدعی کے حق ہونے کا اقرار کرے تو پھر طول زمانہ سے کسی کا حق باطل نہیں ہوتا۔

والدلیل علی ذلک:

علامہ ابن نجیمؒ فرماتے ہیں:

وإذامات الواهب فوارثه أجنبي عن العقد إذ هو ما أوجبه، وهو مجرد خيار فلا يورث .(١)

ترجمہ:

اور جب واہب فوت ہوجائے تو اس کے ورثا اس عقد سے اجنبی متصور ہوں گے، کیونکہ عقد اس نے (اپنے اوپر حالتِ حیات میں) لازم کیا ہے اور یہ محض اختیار ہے، اس لیے اس میں میراث جاری نہیں ہوگی۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں:

والعمریٰ جائزة للمعمرله حال حياته، ولو رثته من بعده. (٢)

ترجمہ:

اور عمریٰ معمرلہ کے لیے اس کی زندگی میں اور اس کی وفات کے بعد اس کے ورثا کے لیے جائز ہے۔

علامہ ابن عابدینؒ فرماتے ہیں:

قال المتأخرون من أهل الفتویٰ: لاتسمع الدعویٰ بعد ست وثلاثين سنة إلا أن يكون المدعي غائباً. (٣)

ترجمہ:

متاخرین اہل فتویٰ حضرات نے فرمایا ہے کہ چھتیس سال کے بعد دعویٰ نہیں سنا جائے گا، ہاں اگر مدعی غائب تھا (تو پھر بعد میں بھی وہ دعویٰ کرسکتا ہے)

❁❁❁❁❁

---

(١) البحرالرائق، کتاب الهبة، باب الرجوع في الهبة، قوله(موت احدالمتعاقدين) :٤٩٧/٧

(٢) الهداية، كتاب الهبة، باب مايصح رجوعه ومالايصح :٢٩٤/٣

(٣) ردالمحتارعلى الدرالمختار، كتاب القضاء، مطلب إذاترك الدعوى ثلاثا وثلاثين سنة :١١٧/٨

کتاب الإجارة

(مباحثِ ابتدائیہ)

تعارف اور حکمتِ مشروعیت:

انسان اپنی ضروریات پوری کرنے کے لیے جن بے شمار چیزوں کا محتاج ہوتا ہے، اُن میں سے بعض تو ایسی ہوتی ہیں جنہیں ملکیتی حقوق یا اباحت کی بنیاد پر حاصل کیے بغیر استعمال میں لانا حلال نہیں ہوتا، جیسے: انسان بھوک مٹانے کے لیے کھانے اور پیاس بجھانے کے لیے پانی کا محتاج ہوتا ہے، لیکن کھانے، پینے کی اشیا جب تک اس کی ملک میں نہ آئی ہوں یا کسی اور وجہ سے اس کے لیے مباح نہ ہوئی ہوں، یہ ان سے فائدہ حاصل نہیں کرسکتا۔ اشیاے خورونوش کے علاوہ ہروہ چیز جو استعمال کرنے سے ختم ہو جاتی ہو، اس فہرست میں داخل ہے۔

اس کے علاوہ ہزاروں اشیا ایسی بھی ہیں جن کی طرف انسان کا احتیاج ہوتا ہے، لیکن ان سے اپنی حاجت پوری کرنے کے لیے اسے اُن کی ذات کا مالک بننا ضروری نہیں ہوتا، بلکہ صرف اُن کے منافع کا مالک بن کر اس کے لیے ان سے استفادہ حاصل کرنا ممکن اور حلال ہو جاتا ہے، جیسے: انسان سفر کے لیے سواری کا محتاج ہے، لیکن ہر انسان کی بس میں نہیں کہ وہ سفر کے لیے اپنی سواری رکھے، اس لیے انسان اپنی ضرورت پوری کرنے کے لیے کسی اور کی سواری کے منافع کا مالک بن کر اس سے استفادہ کرسکتا ہے۔ یہی بات مکانات، دکانوں، زمینوں، اور مختلف قسم کی ملازمتوں میں بھی ہے۔

اب منافع کی ملکیت حاصل کرنے کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں: مفت یا کسی چیز کے عوض، پہلی صورت کو اصطلاحِ فقہا میں عاریت اور دوسری صورت کو اجارہ کہتے ہیں۔ شریعتِ مطہرہ نے انسانی ضروریات کے پیشِ نظر ان دونوں معاملات میں حدود و قیود کی تعیین کر کے ان کو جائز قرار دیا ہے۔

۱- مشروعیت:

عقد اجارہ کی مشروعیت قرآن کریم، احادیثِ مبارکہ اور اجماعِ امت تینوں سے ہے۔

قرآن کریم سے:

قرآن کریم میں حضرت شعیب اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کا واقعہ بیان فرماتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿قَالَتْ إِحْدٰهُمَا يٰٓأَبَتِ اسْتَأْجِرْهُ إِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَأْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْأَمِيْنُ قَالَ إِنِّيْ أُرِيْدُ أَنْ أُنْكِحَكَ إِحْدَى ابْنَتَيَّ هٰتَيْنِ عَلٰٓى أَنْ تَأْجُرَنِيْ ثَمٰنِيَ حِجَجٍ﴾ (۱)

اس آیت کریمہ میں دوجلیل القدر انبیاء کرام کا آپس میں عقد اجارہ طے کرنے کا تذکرہ ہے اور گزشتہ شرائع کے جن احکام کا منسوخ ہونا ثابت نہ ہو، وہ شریعت محمدیہ میں بھی مشروع اور جائز ہوتے ہیں۔ عقد اجارہ بھی ایسا ہی عقد ہے کہ اس کے منسوخ اور ناجائز ہونے پر کوئی دلیل نہیں اس لیے یہ جائز رہے گا۔

نیز اللہ تعالیٰ کے اس فرمان:

﴿فَإِنْ أَرْضَعْنَ لَكُمْ فَآتُوْهُنَّ أُجُوْرَهُنَّ﴾ (۲)

اور

﴿قَالَ لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ أَجْرًا﴾ (۳)

سے بھی اس کی مشروعیت ثابت ہوتی ہے۔

احادیث نبویہ ﷺ سے:

حضور پاک ﷺ سے قولاً، فعلاً اور تقریراً تینوں طرح عقد اجارہ کا جواز معلوم ومنقول ہے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"أَعْطُوا الْأَجِيْرَ أَجْرَهُ قَبْلَ أَنْ يَجِفَّ عِرْقُهُ." (٤)

ترجمہ: مزدور کو اس کی مزدوری اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے دے دیا کرو۔

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

"إِسْتَأْجَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَأَبُوْبَكْرٍ رَجُلًا مِنْ بَنِي الدِّيْلِ هَادِيًا خِرِّيْتًا." (٥)

ترجمہ: حضور پاک ﷺ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بنی الدیل میں سے ایک ماہر رہنما کو (ہجرت کرتے وقت) اجرت پر لیا۔

---

(١) القصص: ٢٧ (٢) طلاق: ٦ (٣) الكهف: ٧٧

(٤) خطيب التبريزي، أبوعبدالله محمدبن عبدالله، مشكوٰة المصابيح، كتاب الإجارة: ٢٥٨/١

(٥) البخاري، محمدبن اسماعيل، الصحيح للبخاري، الإجارة، اذااستأجر أجيرالعمل: ٣٠١/١

حضرت سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"إنّ النبي ﷺ إحتجم و أعطیٰ الحجام أجره."(۱)

ترجمہ: آپ ﷺ نے پچھنا لگوایا اور لگانے والے کو اجرت دی۔

اس کے علاوہ آپ ﷺ کی بعثت کے وقت سے لے کر وفات تک صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اجارہ کے مختلف معاملات کرتے رہے، لیکن کبھی آپ ﷺ نے اس پر نکیر نہیں فرمائی۔ آپ کا یہ نکیر نہ فرمانا بھی اس کے جائز ہونے پر واضح دلیل ہے۔

اجماعِ اُمت سے:

آپ ﷺ کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور پوری امت کا اس کے جائز ہونے پر اجماع ہے۔ اگرچہ ابوبکر اصمؒ، اسماعیل بن علیہؒ، حسن بصریؒ، نہروانیؒ اور ابن کیسانؒ سے بیع المعدوم ہونے کی وجہ سے اجارہ کا ناجائز ہونا منقول ہے اور قیاس بھی اسی کی تائید کرتی ہے، لیکن ان سے قبل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کے جواز پر اجماع کرلیا تھا، اس لیے ان کا اختلاف اجماع کو کوئی نقصان نہیں پہنچاتا۔(۲)

۲- اجارہ کا لغوی اور اصطلاحی مفہوم:

لُغۃً: اہل لغت نے اجارہ کا معنیٰ: "بیعُ المنفعَة" سے کیا ہے۔(۳)

شَرعاً: فقہائے کرام نے اجارہ کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

"بیعُ المنفعةِ المعلومةِ في مقابلة عوضٍ معلومٍ".(٤)

ترجمہ: ایک معلوم عوض کے مقابلہ میں معلوم و متعین منفعت کی بیع۔

---

(۲) سلیمان بن أشعث السجستانيؒ، سنن أبي داؤد، البیوع، باب کسب الحجام: ۲/۱۳۰؛ ایچ ایم سعید کراچی

(۳) وھبة الزحیليؒ، الفقه الاسلامی و أدلته، البیوع، الفصل الثالث عقدالایجار: ٤/٣٧٠؛ مکتبہ حقانیہ پشاور

(٤) الکاسانيؒ، علاء الدین أبوبکر بن مسعود، البیوع: ٥/٥١٧، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی

(٤) الأتاسيؒ، شرح المجلة، المادة: ٤٠٥، الإجارة، المقدمة: ٢/٤٧٢؛ مکتبہ حقانیہ پشاور

۳- رُکنِ اجارہ:

بیع کی طرح اجارہ کا رُکن بھی ''ایجاب وقبول'' ہے، خواہ وہ الفاظ کے ساتھ ہو یا تعاطی کے ساتھ یا خط وکتابت کے ذریعے۔(۱)

۴- عقدِ اجارہ کی صفت:

عقدِ اجارہ جب صحیح ہو اور اس میں خیارِ شرط، خیارِ عیب اور خیارِ رؤیت کی شرط نہ لگائی گئی ہو تو یہ لازم ہو جاتا ہے اور یک طرفہ طور پر فسخ نہیں کیا جا سکتا، اللہ تعالیٰ کے اس قول کی وجہ سے:

﴿أَوْفُوا بِالْعُقُودِ﴾ ترجمہ: عقد پورے کیا کرو۔ (۲)

۵- محلِ اجارہ:

عقدِ اجارہ کا محل وہ منافع ہیں، جن پر عقدِ اجارہ طے ہوتا ہے۔(۳)

۶- اجارہ کی شرائط:

فقہائے کرام نے بیع کی طرح اجارہ کے شروط بھی چار انواع میں تقسیم کیے ہیں:(۴)

(۱)......شروط الانعقاد　(۲)......شروط النفاذ

(۳)......شروط الصحۃ　(۴)......شروط اللزوم

۱- شرائط انعقاد:

اس سے مراد وہ شرائط ہیں جن پر عقدِ اجارہ کا وجود موقوف رہتا ہے، اس لیے اگر ان میں سے کوئی ایک شرط بھی موجود نہ ہو تو عقدِ اجارہ باطل ہوگا۔ ان شرائط میں سے بعض کا تعلق عاقدین (یعنی کرایہ پر دینے والے اور کرایہ دار) کے ساتھ ہے، بعض کا عینِ مؤجرہ (کرایہ پر دی جانے والی چیز) کے ساتھ، بعض کا نفسِ عقد کے ساتھ ہے اور بعض کا مکان عقد کے ساتھ۔

---

(۱) ایضاً، المادة:۴۳۳ و ۴۳۶ و ۴۳۷، الإجارة، الباب الثاني في بيان المسائل المتعلقة بالأجرة، الفصل الأول في بيان ركن الإجارة: ۲/۴۹۸-۵۰۱۔(۲) الكاسانيؒ، بدائع الصنائع، الإجارة، صفة الإجارة:۶/۳۶

(۳) الزيلعيؒ، تبيين الحقائق، الإجارة: ۶/۱۷۷، دارالكتب العلمية، بيروت

(۴) ملخص من شرح المجلةأتاسى، الإجارة: ۲/۵۲۶-۵۲۸ و بدائع الصنائع :الإجارة: ۵/۵۲۴

عاقدین سے متعلق شرائط:

(۱) عاقدین عقل وفہم اور تمیز رکھنے والے ہوں، لہٰذا مجنون اور نا سمجھ بچے کا اجارہ باطل ہوگا۔ اس کے علاوہ بلوغ، حُریت اور اسلام کی کوئی شرط نہیں، اس لیے سمجھ دار نابالغ بچے، غلام اور غیر مسلم کے ساتھ اجارہ کا معاملہ درست ہوگا۔

(۲) عاقدین کی تعداد کم از کم دو یا اس سے زائد ہو، لہٰذا اگر ایک شخص مؤجر اور مستأجر دونوں کی جانب سے وکیل بن کر اجارہ منعقد کرتا ہو تو یہ جائز نہیں ہوگا۔

عینِ مؤجرہ سے متعلق شرائط:

(۳) جس چیز کو اجارہ پر لیا جا رہا ہے، وہ مال متقوم ہو۔

(۴) بالفعل موجود ہو۔

(۵) کرایہ پر دی جانے والی چیز فی نفسہٖ کسی کی ملکیت میں داخل ہو۔

(۶) اُس کی حوالگی پر بھی قادر ہو۔

نفسِ عقد سے متعلق شرائط:

(۷) ایجاب قبول کے موافق ہو۔

(۸) ایجاب وقبول دونوں ماضی کے صیغے کے ساتھ ہوں۔

محلِ عقد سے متعلق شرط:

(۹) ایجاب وقبول دونوں ایک ہی مجلس میں ہوں، اتحادِ مجلس خواہ حقیقتاً ہو یا حکماً۔

۲-شرائطِ نفاذ:

اس سے مراد وہ شرائط ہیں جن پر عقد کا نفاذ موقوف ہوتا ہے، لہٰذا اگر ان میں سے کوئی ایک شرط مفقود ہو تو اجارہ موقوف رہے گا، یہ شرائط درج ذیل ہیں:

(۱) مؤجر کرایہ پر دی جانے والی چیز کا خود مالک ہو یا بوجہ ولایت یا وکالت اُس میں تصرف کا اختیار رکھتا ہو۔

(۲) عقد میں خیارِ شرط نہ لگائی گئی ہو۔

(۳) عاقدین مرتد نہ ہوں۔

(۴) مکانات کے اجارہ میں ان کو موقع پر حوالہ کردیا جائے۔

۳-شرائط صحت:

یہ وہ شرائط ہیں جن پر عقد اجارہ کی صحت موقوف ہوتی ہے، لہٰذا اگر ان میں سے کوئی ایک شرط بھی موجود نہ ہو تو عقد فاسد ہوگا۔شرائط صحت یہ ہیں:

(۱) مؤجر اور مستاجر دونوں اس عقد پر راضی ہوں۔

(۲) کرایہ پر دی جانے والی چیز اس نوعیت سے معلوم و متعین ہو کہ بعد میں نزاع پیدا ہونے کا خدشہ نہ رہے۔

(۳) اُس چیز سے حاصل کیا جانے والا نفع بھی متعین ہو۔پھر نفع کی تعیین مختلف قسم کی چیزوں میں مختلف طریقوں سے ہوتی ہے۔چنانچہ مکانات، دکانوں، رہائشی کمروں (جیسے ہوٹل یا سرائے کے کمرے) اور دودھ پلانے والی عورت کے اجارہ میں مدتِ اجارہ کی وضاحت سے؛ اراضی کے اجارہ میں جس مقصد کے لیے اراضی اجارہ پر لی جارہی ہو، اس کی وضاحت کے ساتھ؛ چوپایوں کے اجارہ میں مدتِ اجارہ یا جس جگہ تک اُسے لے جانا ہو اس کی تعیین، اِسی طرح سواری یا بار برداری میں سے جس غرض کے لیے اجارہ کیا جارہا ہو اس کی وضاحت کے ساتھ؛ اگر کسی آدمی کے منافع اُجرت پر لیے جارہے ہوں تو اُجیرِ خاص ہونے کی صورت میں تعیین مدت کے ساتھ اور اجیرِ مشترک (اجیر خاص ومشترک کی تعریفات آگے آرہی ہیں) ہونے کی صورت میں عمل کی تعیین کے ساتھ نفع متعین ہوتا ہے۔

(۴) اُجرت بھی معلوم اور متعین ہو۔

(۵) حقیقتاً یا شرعاً اس کی حوالگی میں کوئی مانع نہ ہو۔

(۶) جس کام کے لیے کسی آدمی کو اُجرت پر لیا جاتا ہے، وہ فرض، واجب، سنت یا نفل نہ ہو۔

(۷) اسی طرح وہ کام شرعاً مکروہ یا حرام بھی نہ ہو۔

(۸) جس چیز کو جس غرض کے لیے اجارہ پر لیا جارہا ہے، عرفِ عام میں بھی اس جیسی چیز سے اسی طرح کی منفعت حاصل کی جاتی ہو، لہٰذا اگر کپڑوں کے سُکھانے کے لیے درخت یا دیوار کو اجارہ پر لیا جائے تو یہ اجارہ فاسدہ ہوگا، کیونکہ عام عادت میں درخت یا دیوار کو اس غرض کے لیے اجارہ پر نہیں لیا جاتا۔

(۹) جس چیز کو اجارہ پر لیا جا رہا ہے اگر وہ منقولی (قابل انتقال) چیز ہے تو وہ مؤجر کے قبضہ میں ہو۔

(۱۰) جس چیز کو اُجرت کے طور پر مقرر کیا جائے وہ معقود علیہ کی جنس سے نہ ہو، بلکہ اس سے الگ ہو۔

(۱۱) صُلبِ عقد میں کوئی ایسی شرط نہ لگائی جائے جس کا عقد کے ساتھ کوئی تعلق اور مناسبت نہ ہو۔

۴-شرائطِ لزوم:

عقدِ اجارہ کے منعقد، نافذ اور صحیح ہونے کے بعد اس کے برقرار رہنے کے لیے جن شرائط کا ہونا لازمی ہے، وہ ''شرائطِ لزوم'' کہلاتی ہیں، یہ شرائط دو قسم کی ہیں: کچھ تو وہ ہیں جو عقد کے شروع اور ابتداء سے ہی لازم ہیں اور کچھ وہ ہیں جن پر عقد کی بقا موقوف ہوتی ہے۔

جو شرائط ابتدا ہی سے ضروری ہیں، وہ یہ ہیں:

(۱) عقد صحیح ہو فاسد نہ ہو،

(۲) عقد طے کرتے وقت یا قبضہ کرتے وقت اجارہ پر لی جانی والی چیز میں کوئی ایسا عیب موجود نہ ہو جو انتفاع میں خلل انداز ہوتا ہے،

(۳) کرایہ دار مستأجر (کرایہ پر لی جانے والی چیز) کو دیکھ لے، ورنہ اسے خیارِ رؤیت حاصل ہوگا۔

بقا اور برقرار رہنے کے لیے جو شرائط ضروری ہیں وہ درج ذیل ہیں:

(۴) کرایہ پر حاصل کی گئی چیز ایسے عیوب سے محفوظ رہے جو انتفاع میں خلل انداز ہوتے ہیں۔

(۵) عاقدین یا مستأجر (کرایہ پر لی گئی چیز) میں سے کسی کو عذر لاحق نہ ہو۔

(۶) عاقدین میں سے کوئی ایک بھی اختتامِ مدت تک فوت نہ ہو جائے۔

۷-اقسام الاجارۃ:

اجارہ کی مختلف اعتبارات سے مختلف قسمیں ہیں، چنانچہ معقود علیہ کے اعتبار سے اجارہ کی دو قسمیں ہیں اور صحت و عدمِ صحت کے اعتبار سے اس کی تین قسمیں ہیں:

معقود علیہ کے اعتبار سے اجارہ کی قسمیں:

جس چیز پر عقدِ اجارہ منعقد کیا جا رہا ہو، اُس کے اعتبار سے اجارہ کی دو قسمیں ہیں:

(۱) عقدِ اجارہ کسی چیز کے منافع پر منعقد کیا جائے، جیسے: گھر، دکان، اراضی، استعمال کے سامان یا

چوپایوں کا اجارہ۔

(۲) عقدِ اجارہ کسی کے عمل اور خدمت پر منعقد ہو، جیسے: کسی شخص کو مزدوری پر رکھنا، کسی صنعت کار کو ملازمت پر رکھنا یا کسی شخص کو اپنا کام (مثلاً: کپڑے سینا، یا دھونا وغیرہ) حوالہ کرنا۔

اس دوسری صورت میں جس شخص کے عمل پر اجارہ منعقد ہوتا ہے، اُسے اجیر کہتے ہیں۔ پھر اجیر کی دو قسمیں ہیں: اجیرِ خاص اور اجیرِ مشترک۔

اجیرِ خاص اور اجیرِ مشترک:

الف: اجیرِ خاص وہ اجیر ہوتا ہے جو صرف مستأجر (خواہ وہ ایک متعین شخص ہو یا گروہ جیسے: کمپنی یا گورنمنٹ) ہی کے واسطے کام کرنے کے لیے اجارہ پر رکھا جائے، جیسے: تنخواہ دار ملازم یا مزدور۔

ب: اجیرِ مشترک وہ اجیر ہوتا ہے، جو کسی ایک متعین شخص یا متعین گروہ کے لیے کام کرنے پر مامور نہ ہو، بلکہ وہ ہر کسی کے لیے کام کرنے میں آزاد ہو، جیسے: درزی، دھوبی، مستری یا دیگر کسب گر۔

اجیرِ خاص و مشترک کے احکام:

اجیرِ خاص متعین مدت میں حاضر ہو کر اپنے آپ کو مستاجر کے حوالہ کرنے پر اجرت کا مستحق ٹھہرتا ہے۔ اس مدت کے دوران وہ مستاجر کی اجازت کے بغیر فرائض کی ادائیگی کے سوا نہ اپنا کام کر سکتا ہے نہ کسی اور کا، نیز بلا اجازت اپنا کام کسی اور شخص کے حوالہ بھی نہیں کر سکتا، جب کہ اجیرِ مشترک حوالہ شدہ کام پورا کرنے پر اُجرت کا مستحق بنتا ہے۔

اسی طرح اجیرِ خاص سے اگر بلا تعدی غلطی سے مستاجر کا مال ضائع ہو جائے تو اس پر اس کا ضمان اور تاوان لازم نہیں ہوتا، جب کہ اجیرِ مشترک سے اگر بلا تعدی، غلطی سے بھی مال ضائع ہو تو صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ ضامن ہوگا۔ ہاں البتہ اگر کسی ایسی وجہ سے مال ہلاک ہو جائے جس سے اجیرِ مشترک کے لیے احتراز ممکن نہ ہو، جیسے: آگ لگ جانے سے یا کسی اور آفتِ سماوی کے پڑنے سے تو ایسی صورت میں اس پر ضمان کا بوجھ نہیں ڈالا جائے گا۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اجیرِ مشترک مطلقاً ضامن نہیں، لیکن فسادِ زمان کی وجہ سے صاحبینؒ کے قول پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔(۱)

(۱) الزیعلیؒ، تبیین الحقائق، الإجارۃ: ۱۳۵/۶، دارالکتب العلمیۃ، بیروت

صحت وعدم صحت کے اعتبار سے اجارہ کی قسمیں:

صحت وعدمِ صحت کے اعتبار سے اجارہ کی تین قسمیں ہیں:

(۱) -اجارۂ صحیحہ (۲) -اجارۂ فاسدہ (۳) -اجارۂ باطلہ

۱- اجارۂ صحیحہ:

جس اجارہ میں اجارہ کے تمام قسم کی شرائط موجود ہوں اور کسی قسم کی کوئی شرط مفقود نہ ہو وہ اجارۂ صحیحہ کہلاتا ہے۔

۲- اجارۂ فاسدہ:

جس اجارہ میں شرائطِ انعقاد تو موجود ہوں، لیکن شرائطِ صحت میں سے کوئی شرط مفقود ہو جائے تو یہ اجارۂ فاسدہ کہلائے گا۔

۳- اجارۂ باطلہ:

وہ اجارہ جس میں شرائطِ انعقاد میں سے کوئی شرط مفقود ہو جائے، اجارہ باطلہ کہلاتا ہے۔

۸- عقدِ اجارہ کا حکم:

صحت وعدمِ صحت کے اعتبار سے اجارہ کی جو تین قسمیں بیان ہوئیں ان میں سے ہر قسم کا علیحدہ حکم ہے:

اجارۂ صحیحہ کا حکم:

اجارۂ صحیحہ میں مستأجر منفعت کا مالک بنتا ہے اور مؤجر طے شدہ اُجرت کا۔ جس عقدِ اجارہ میں اُجرت کے نقد یا اُدھار ہونے کی وضاحت نہ کی گئی ہو، اُس میں عقد کے وقت سے ہی مؤجر اجرت کا مالک بن جاتا ہے اور اگر نقد یا ادھار ہونے کی وضاحت کی گئی ہو تو حسبِ وضاحت ملکیت ثابت ہوگی۔

اجارۂ فاسدہ کا حکم:

اجارۂ فاسدہ واجب الفسخ ہوتا ہے، لیکن اگر فسخ نہ کیا جائے تو استعمال سے نافذ ہو جاتا ہے، لہٰذا مستاجر منافع کا مالک بن جاتا ہے اور مؤجر اجرت کا، البتہ اجرت سے مراد اُجرتِ مثل ہے، اُجرتِ مسمّی نہیں۔

اجارۂ باطلہ کا حکم:

اجارۂ باطلہ میں خواہ مستاجر نے مستاجَر (اجارہ پر لی ہوئی چیز) کو استعمال کیا ہو یا نہ کیا ہو بہر حال اُجرت لازم نہیں ہوتی، البتہ اگر یتیم، مجنون یا وقف کا مال ہو تو اجرتِ مثل لازم ہوگی۔

۹- جن امور سے اجارہ اختتام تک پہنچتا ہے:

اجارہ تین امور میں سے کسی ایک سے اختتام تک پہنچ جاتا ہے:

(۱) عاقدین اقالہ کرلیں۔

(۲) مؤجر یا مستأجر میں سے کوئی ایک یا دونوں مرجائیں۔

(۳) عقدِ اجارہ جس وقت تک منعقد کیا گیا ہے، وہ وقت ختم ہوجائے۔ (۱)

۱۰- عقدِ اجارہ کو فسخ کرنے والے اعذار:

علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''ہر وہ عذر جس کے ہوتے ہوئے معقود علیہ سے ضرر اور نقصان کے بغیر فائدہ حاصل کرنا ممکن نہ ہو، اُس کی وجہ سے اجارہ فسخ کیا جاسکتا ہے۔'' (۲)

یہ اعذار کبھی مستاجر کو پیش آتے ہیں، کبھی مؤجر کو اور کبھی عین مؤجرہ (کرایہ پر لی گئی چیز) کو۔

مستأجر کو درج ذیل اعذار پیش آسکتے ہیں:

(۱) مستاجر مفلس ہوکر عقدِ اجارہ کو برقرار رکھنے سے قاصر ہوجائے۔

(۲) مستاجر اپنا پیشہ تبدیل کردے، مثلاً: زراعت سے تجارت کی طرف یا تجارت سے زراعت کی طرف منتقل ہوجائے اور اس کی وجہ سے اجارہ کا برقرار رکھنے میں اس کو نقصان پہنچتا ہو۔

(۳) کرایہ دار شہر چھوڑ کر دوسری طرف سفر اختیار کرلے جس کی وجہ سے اجارہ بغیر ضرر کے برقرار نہ رہ سکے۔

---

(۱) الكاسانيؒ، بدائع الصنائع، الإجارة، ما ينتهي به الإجارة: ۶/ ۱۰۸، دار الكتب العلمية

(۲) ابن عابدين الشاميؒ، ردالمحتار، الإجارة: ۹/ ۱۱۰، مكتبه امداديه ملتان

مؤجر کو پیش آنے والے اعذار درج ذیل ہو سکتے ہیں:

(۱) مؤجر اتنا مقروض ہو جائے کہ قرض ادا کرنے کے لیے عینِ مستاجرہ کو فروخت کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ ہو۔

(۲) مؤجر کوئی چیز خرید کر اُسے اجارہ پر دے دے۔ بعد میں اس کے اندر کوئی عیب معلوم ہو، جس کی وجہ سے اُسے خیارِ رؤیت کی بنیاد پر واپس کرنا چاہے تو اجارہ فسخ کر کے اُسے واپس کر سکتا ہے۔

(۳) کسی مزدور کو اجرت پر رکھ لیا، مگر دورانِ مدت وہ ایسا مریض ہو گیا کہ اس کام کے کرنے پر قادر نہ رہا تو اسے بوجہ عذر فسخِ اجارہ کا حق حاصل ہے۔

اس کے علاوہ سفر یا ایک شہر سے دوسرے شہر کی طرف منتقل ہونا مؤجر کے حق میں عذر شمار نہیں ہوتا۔

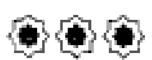
عینِ مؤجرہ کو در پیش ہونے والے اعذار:

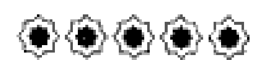
(۱) کسی نے ایک جگہ دکان کرایہ پر لی، مگر وہاں سے لوگوں نے ہجرت کر لی اور شہر سنسان ہو گیا تو مستاجر کو اجارہ فسخ کرنے کا اختیار ہوگا۔

(۲) آقا نے اپنے غلام کو اجارہ پر دیا اور مدتِ اجارہ کے دوران ہی اُسے آزاد کر دیا، ایسی صورت میں غلام کو اختیار ہوگا کہ چاہے تو اجارہ برقرار رکھے یا فسخ کر لے۔(۱)

عقدِ اجارہ میں عشر:

اجارہ کی صورت میں امام ابوحنیفہؒ کے ہاں عشر مالکِ زمین پر، جب کہ صاحبین کے ہاں کاشت کار یا زمین دار پر واجب ہے۔ بعض علما کی رائے یہ ہے کہ حالات کو دیکھا جائے گا کہ آمدن کس کی زیادہ ہوتی ہے، لیکن علامہ ابن عابدین شامیؒ نے اس میں یوں تفصیل بیان کی ہے کہ اگر مالکِ زمین اجرت بہت زیادہ لیتا ہو اور کاشت کار کے پاس بہت کم بچتا ہو تو عشر مالکِ زمین پر ہوگا اور اگر اجرت عام عادت کے موافق ہو تو پھر کاشت کار ہی کے ذمے واجب ہوگا۔(۲)





(۱) وھبۃ الزحیلیؒ، الفقہ الاسلامی و أدلتہ، العقود...، الفصل الثالث عقد الایجار: ۵/ ۳۸۳۰، دار الفکر دمشق

(۲) بدائع الصنائع، فصل في بیان شرائط الفرضیۃ: ۲/ ۴۹۹، ۵۰۰، الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الزکوۃ، باب العشر: ۳/ ۲۷۶-۲۷۸

کتاب الاجارہ

(اجارہ کے مسائل)

دینی مدارس کے مدرسین کی مدتِ اجارہ کی ابتدااورانتہا

سوال نمبر(28):

اگر کوئی مدرس کسی مدرسہ والوں کے ساتھ ماہِ رمضان میں آئندہ سال کے لیے تدریس کی بات کرلے اور تدریس معمول کے مطابق شوال سے شروع ہوتو یہ مدرس رمضان کی تنخواہ کا مستحق ہوگا یانہیں؟ نیز اگر کوئی مدرس سال پورا ہونے کے بعد شعبان کے مہینہ میں مستعفی ہوجائے تو وہ رمضان کی تنخواہ کا مستحق ہوگا یانہیں؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

فقہائے کرام کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر عقدِ اجارہ میں ابتدائی مدت کی تعیین کی گئی ہوتو اس متعین مدت سے اجرت کا حساب شروع ہوگا اور اگر عقد میں ابتدائی مدت کی کوئی تعیین نہ ہوئی ہوتو پھر وقتِ عقد کو ابتدائی مدت شمار کیا جائے گا۔

عام طور پر مدارس دینیہ میں نئے سال کی ابتدا ماہ شوال سے ہوتی ہے،اس لیے اگر کسی مدرس سے عقدِ اجارہ شوال سے قبل طے ہوجائے تو بھی وہ شوال سے تنخواہ کا مستحق ہوگا،کیوں کہ عرف عام میں ابتداے درس کی مدت متعین ہے۔جہاں تک سال کے آخر میں مستعفی ہونے والے مدرس کے رمضان کی تنخواہ کا مسئلہ ہے تو چھٹیاں عموماً گزشتہ سال کے تابع ہوتی ہیں،اس لیے اجارہ باقی رکھنے والے ایام رخصت کی تنخواہ کے مستحق ہوں گے۔ہاں اجارہ فسخ کرنے والے باہمی معاہدہ کے تابع رہیں گے اور جہاں کہیں معاہدہ صراحتاً نہ ہوتو دوسرے بڑے مدارس کے ضابطہ کو سامنے رکھیں جس کی رُو سے خود مستعفی ہونے والے کو صرف شعبان کی تنخواہ دی جاتی ہے،جب کہ ادارہ کی طرف سے معاہدہ ختم کرنے کی صورت میں مدرس کو رمضان کی تنخواہ بھی دی جاتی ہے۔

والدّلیل علی ذلك :

يصح العقد على مدة معلومة،أيّ مدة كانت، فصرت المدة كاليوم ونحوه،أو طالت كالسنين،

ويعتبر ابتداء المدة مما سمّي، وإن لم يسم شيئاً، فهو من الوقت الذي استأجرها. (١)

ترجمہ: معلوم مدت پر عقد درست ہے، خواہ وہ مدت جتنی بھی ہو، تھوڑی مدت ہو جیسے ایک دن یا اسی طرح کوئی اور تھوڑی مدت یا لمبی مدت ہو جیسے کئی سال اور مدت کی ابتدا اس وقت سے معتبر ہوگی جو بیان کی گئی ہو اور اگر کوئی مدت بیان نہ کی جائے تو ابتدا اس وقت سے ہوگی، جب سے اجارہ پر (کوئی چیز) لی ہو۔

❁❁❁

دُکان بمع مشینری وسامانِ تجارت کرایہ پر دینا

سوال نمبر (29):

زید نے ماہانہ تین ہزار 3000 روپے کے عوض اپنی دکان عمرو کو کرایہ پر دی۔ یہ کرایہ دکان، اس کے اندر موجود مشینری اور سامانِ تجارت کے عوض ہوگا۔ (سامانِ تجارت کی قیمت تقریباً پینسٹھ ہزار 65,000 روپے ہے) دونوں کے درمیان طے ہوا کہ عمرو اس دُکان میں اپنا کاروبار کرے گا۔ کاروبار میں اس کو نفع ہو یا نقصان، بہر صورت تین سال بعد وہ زید کو دُکان بمع مشینری وسامان تجارت (جس کی مالیت پینسٹھ ہزار 65,000 روپے کی ہو) حوالہ کرے گا۔ ازروئے شرع ان کا یہ معاملہ جائز ہے یا ناجائز؟ اگر ناجائز ہے تو اس کا متبادل جواز کی کوئی صورت بتا دیجیے۔

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

عقدِ اجارہ کی صحت کے لیے ضروری ہے کہ جو چیز اجارہ پر دی جائے، وہ بعینہ موجود رہے اور استعمال سے اس کا وجود ختم نہ ہو۔

صورتِ مسئولہ میں دُکان اور مشینری کو کرایہ پر دینا تو درست ہے، لیکن سامانِ تجارت چونکہ خرید وفروخت کی وجہ سے باقی نہیں رہتا، اس لیے اس کو اجارہ پر دینا درست نہیں۔ اس کے جواز کی صورت یہ ہے کہ:

(۱)......مستاجر اس سامان کو قیمتاً خرید لے اور اجارہ صرف دُکان اور مشینری کا ہو۔

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ مالک سامان تجارت نکال کر دُکان خالی کر دے اور صرف دُکان ومشینری کرایہ پر دے۔

---

(١) الفتاوى الهندية، كتاب الاجارة، الباب الثالث في الأوقات التي يقع عليها الاجارة: ٤١٥/٤

والدّليل على ذلك:

ومن شرائط الانعقاد كما في الطحطاوي عن الهندية : قيام المعقود عليه. (۱)

ترجمہ: اور (اجارہ کے) انعقاد کی شرائط میں سے جیسا کہ طحطاوی میں ہے: "معقود علیہ (وہ مال جس پر عقد کیا جارہا ہو) کا قائم رہنا ہے۔"

❁❁❁

عقدِ اجارہ میں معقود علیہ قائم رہنے کی شرط

سوال نمبر(30):

زید نے اپنی گاڑی ایک سال کے لیے بکر کو ماہانہ دس ہزار کے حساب سے اجارہ پر دے دی۔ بکر نے دو تین ماہ کا کرایہ ادا کر دیا، مگر پھر وہ کرایہ دینے سے قاصر ہو گیا، اس لیے اس نے زید سے عقدِ اجارہ فسخ کرنے کا مطالبہ کیا لیکن زید اسے فسخ کرنے کو تیار نہ ہوا اور صاف کہہ دیا کہ ایک سال کے لیے معاہدہ ہو چکا ہے، اس لیے ایک سال تک بہر حال تم مجھے ماہانہ کرایہ ادا کرو گے۔ بکر نے اس کا یہ حل نکالا کہ وہ زید سے کہتا ہے کہ "میں تمہاری گاڑی بیچ کر اس کی قیمت کاروبار میں لگا دوں گا اور تمہیں ماہانہ دس ہزار کرایہ دیتا رہوں گا۔ سال گزرنے کے بعد اصل رقم بھی واپس کر دوں گا"۔

براہِ کرم اس صورت کا شرعی حکم بیان کر کے ممنون فرمائیں۔ بيّنوا توجروا

الجواب وبالله التوفيق:

فقہائے کرام نے عقدِ اجارہ کی شرائط میں سے ایک شرط یہ بھی لکھی ہے کہ جو چیز اجارہ پر دی جائے اس کا وجود برقرار رہے، چنانچہ اگر اس کا وجود ہی ختم ہو جائے تو اجارہ خود بخود ختم ہو جاتا ہے۔

صورتِ مسئولہ کے مطابق اگر بکر زید کی اجازت سے اس کی گاڑی بیچ دے تو عقدِ اجارہ خود بخود ختم ہو جائے گا اور یہ رقم زید کی ملکیت ہوگی۔ پھر اگر دوسرا عقد کیے بغیر بکر زید کی اس رقم سے کاروبار شروع کر لے اور زید کو ماہانہ دس ہزار روپے دیتا رہے تو یہ سود کے زمرہ میں شمار ہوگا، البتہ اس کی جائز صورت یہ ہو سکتی ہے کہ عقدِ اجارہ کے فسخ کرنے کے

---

(۱) شرح المجلة لخالد الاتاسي، المادة: ٤٤٥، كتاب الاجارة، الباب الثاني في المسائل المتعلقة بالأجرة، الفصل الثاني في شروط انعقاد الاجارة: ٥٢٨،٥٢٧/٢

بعد متعاقدین ایک دوسرا نیا عقد کرلیں اور زید گاڑی بیچ کر اُس کی رقم بکر کو مضاربت پر دے دے اور اپنے لیے نفع میں سے فیصد کے لحاظ سے ایک حصہ متعین کر دے۔

والدّلیل علی ذلك:

يشترط في صحة الإجارة قيام وبقاء أربعة أشياء: العاقدين والمال المعقود عليه، وبدل الإجارة إن كان من العروض وإذا عدم أحد هؤلاء، فلا تصح الإجارة. (١)

ترجمہ:

عقدِ اجارہ کی صحت کے لیے چار چیزوں کا قیام اور بقا ضروری ہے: (۱،۲) عاقدین (یعنی بائع اور مشتری) (۳) وہ مال جس پر عقد کیا گیا ہو (۴) بدل الاجارہ، اگر وہ سامان میں سے ہو۔ جب ان میں سے کوئی ایک چیز بھی باقی نہ رہے تو اجارہ صحیح نہ ہوگا۔



رہن رکھنے کی شرط پر عقدِ اجارہ

سوال نمبر (31):

زید عمرو کو اس شرط کے ساتھ زمین اجارہ پر دیتا ہے کہ وہ زید کے ساتھ 20,000 روپے بطورِ رہن رکھے گا۔ یہ معاملہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

رقم بطورِ رہن رکھنے کی شرط کے ساتھ زمین کا اجارہ جائز ہے، لیکن ایسی صورت میں مالکِ زمین مرہونہ چیز کو اپنے پاس محفوظ رکھ کر اسے کسی قسم کے استعمال میں نہیں لائے گا۔

مسئولہ صورت میں حسبِ بیان اگر زید عمرو کو زمین اجارہ پر دیتا ہے اور اس سے رقم بطورِ رہن وصول کرتا ہے تو یہ معاملہ درست ہے، البتہ اس رقم کو محفوظ رکھ کر اس میں ہر قسم کے تصرف سے اجتناب کرے گا۔

(١) شرح المجلة لسليم رستم باز، المادة: ٤٤٧، كتاب الإجارة، الباب الثاني في المسائل المتعلقة بالأجرة، الفصل الثاني في شروط انعقاد الإجارة ونفاذها: ص/٢٥٣

والدّليل على ذلك:

لو استأجر داراً أو شيئاً وأعطى بالأجر رهناً جاز. (۱)

ترجمہ: اگر (کسی نے) گھر یا کوئی اور چیز کرایہ پر لی اور اجرت کے عوض رہن رکھ لیا تو یہ جائز ہے۔

❁❁❁

بینک میں بطور کھلاڑی ملازمت

سوال نمبر (32):

ایک شخص بینک میں ملازم ہے، لیکن وہ بطورِ کھلاڑی بینک کی طرف سے کھیل رہا ہے۔ بینک میں اس کا کام صرف اتنا ہوتا ہے کہ وہ اپنی تنخواہ لینے یا کسی تقریب میں شرکت کے لیے جاتا ہے، ورنہ اس کا کام گراونڈ میں کرکٹ کھیلنا ہے۔ کیا اس صورت میں اس کھلاڑی کے لیے بینک سے تنخواہ لینا جائز ہے؟

بيّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰه التّوفيق:

شرعی نقطہ نظر سے کسی ایسی چیز پر اجرت لینا جائز نہیں، جو غیر مقصودی ہو اور کرکٹ کا غیر مقصودی ہونا کسی سلیم الطبع شخص پر مخفی نہیں، لہٰذا کرکٹ پر اجرت لینا جائز نہیں، البتہ اگر مذکورہ شخص بینک میں ملازم ہے، لیکن بینک نے اُسے صرف کھیل کے لیے فارغ کیا ہے اور کھیل سے مقصود کھیل برائے کھیل نہیں، بلکہ بینک کی تشہیر ہے تو چونکہ تشہیر ایک مقصودی کام ہے، لہٰذا اس تشہیر کی بنا پر اس کی تنخواہ کو حرام نہیں کہا جاسکتا، البتہ دیگر مفاسد کے ساتھ ایک غیر شرعی ادارہ، یعنی سودی ادارہ کی تشہیر کی بنا پر اس ملازمت سے حتی الوسع بچنے اور دستبردار ہونے کی کوشش کرنی چاہیے۔

والدّليل على ذلك:

(الإجارة) وهي تمليك نفع مقصودة من العين. قال ابن عابدينؒ: (مقصودة من العين) أي في الشرع، ونظر العقلاء. (۲)

---

(۱) الفتاوى الهندية، كتاب الرهن، الباب الأوّل في تفسيره وركنه، الفصل الثالث: ٥/٤٣٥

(۲) ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الإجارة، ٩/٥٠٤

ترجمہ:

اجارہ کسی کو ایسے منافع کا مالک بنانے کا نام ہے، جو بالذات مقصود ہو۔ ابن عابدینؒ فرماتے ہیں کہ جو شریعت اور اہلِ دانش کے ہاں مقصود ہو۔

۞۞۞

ڈاکٹر فیس کی شرعی حیثیت

سوال نمبر(33):

کسی مریض کے مرض کی تشخیص اور پھر محض اس کو دوائی لکھنے کی صورت میں کیا ڈاکٹر مریض سے فیس وصول کرسکتا ہے؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

واضح رہے کہ ڈاکٹر اپنے اس تجربہ اور فہم کی فیس لیتا ہے، جس کی بنا پر وہ مرض کی تشخیص کرتا ہے اور معائنہ، فہم اور تجربہ کی بنا پر تشخیص قابلِ اجرت چیزیں ہیں، لہٰذا ڈاکٹر کا مریض سے مناسب فیس وصول کرنا جائز ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

الإجارة نوعان: نوع یرد علی منافع الأعیان، کاستیجار الدور، والأراضي...... ونوع یرد علی العمل کاستیجار المحترفین للأعمال.(۱)

ترجمہ:

اجارہ کی دو قسمیں ہیں: ایک وہ ہے جو اعیان کے منافع پر منعقد ہوتی ہے، جیسے گھروں کو اجارہ پر لینا اور دوسری قسم وہ ہے جو عمل پر منعقد ہوتی ہے، جیسے: کسب گر (صنعت کار) لوگوں کو کام کے لیے اجارہ پر لینا۔

۞۞۞

(۱) الفتاوی الھندیة، کتاب الإجارة، الباب الاول فی بیان تفسیر الإجارة ورکنھا: ٤/ ٤١١

حکومت کا ڈاکٹروں کے لیے معین فیس مقرر کرنا

سوال نمبر(34):

کیا حکومت ڈاکٹر حضرات کے لیے کوئی فیس مقرر کرسکتی ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

فیس ڈاکٹر اور مریض کے باہمی معاہدہ سے طے ہوتی ہے، لہٰذا اس میں حکومتی مداخلت مناسب نہیں، تاہم جہاں کہیں ڈاکٹر حضرات مریض کی حالت اور ضرورت سے غلط فائدہ اٹھاتے ہوئے فیس لینے میں زیادتی اور تجاوز کرتے ہوں تو ایسی صورت میں حکومت فیس کی حد مقرر کرسکتی ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

ولا يسعر حاكم إلا إذا تعدى الأرباب عن القيمة تعديا فاحشا، فيسعر بمشورة أهل الرأي.(١)

ترجمہ: اور حاکم کسی چیز کی قیمت مقرر نہیں کرسکتا، مگر جب تاجر حضرات قیمت میں حد سے زیادہ تجاوز کریں تو پھر دانش مند لوگوں کے مشورہ سے قیمت مقرر کرسکتا ہے۔

❁❁❁

ڈیجیٹل کیمروں کی مرمت پر اجرت

سوال نمبر(35):

میری ری پیئرنگ کی دُکان ہے جس میں مختلف الیکٹرانک چیزوں کی ری پیئرنگ کرتا ہوں، خصوصاً ڈیجیٹل کیمروں کی ری پیئرنگ میں بندہ مشہور ہے۔ کیا میرے لیے ان کیمروں کی ری پیئرنگ اور ان پر اجرت لینا جائز ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

شریعت مطہرہ کی رُو سے کسی ایسی چیز کی مرمت کرنا جائز ہے جو فی نفسہٖ معصیت کے لیے نہ ہو، لیکن اس کا

(١) تنویر الابصار علی صدر ردالمحتار، کتاب الحظر والاباحة، فصل فی البیع :٥٧٣/٩

استعمال جائز و ناجائز دونوں طرح کے کاموں کے لیے ہوسکتا ہو۔

صورتِ مسئولہ میں ڈیجیٹل کیمرہ بذاتِ خود معصیت کا آلہ نہیں، بلکہ اس کے ذریعہ بہت سے تعمیری اور جائز امور سرانجام دیے جاسکتے ہیں، لہٰذا اس کی مرمت کرنا اور اس پر اجرت لینا جائز ہے۔

والدّليل على ذلك:

ماقامت المعصية بعينه يكره بيعه تحريما، وإلا فتنزيها.(۱)

ترجمہ: جس چیز کی ذات کے ساتھ معصیت متعلق ہو اس کی بیع مکروہ تحریمی ہے، ورنہ تنزیہی ہے۔

وإن استاجره ليكتب له غناء بالفارسية أو بالعربية، فالمختار أنه يحل ؛لأن المعصية في القراءة.

(۲)

ترجمہ: اگر کسی نے دوسرے شخص کو اجرت پر لیا، تا کہ اس کے لیے فارسی یا عربی میں گانا لکھے تو مختار قول کے مطابق جائز ہے، کیونکہ گناہ گانا گانے میں ہے (لکھنے میں نہیں)۔

❁❁❁

سرکاری ملازم کا کم خرچ کر کے زیادہ ظاہر کرنا

سوال نمبر(36):

میرا بھائی سرکاری ملازم ہے۔ بعض اوقات سرکاری کام کے لیے انہیں بھیجا جاتا ہے اور یہ اجازت ہوتی ہے کہ تم ایسی جگہ رہائش اختیار کر سکتے ہو جس کا خرچ چھ سو روپے تک ہو، اگر چھ سو کی بجائے تین سو روپے والی جگہ رہائش پذیر ہو کر چھ سو روپے کا بل بنایا جائے تو ازروئے شرع یہ درست ہے یا نہیں؟

بيّنوا توجروا

الجواب وبالله التوفيق:

شرعی نقطہ نظر سے اگر کسی سرکاری ملازم کو ادارہ کی طرف سے بطور بونس اور الاؤنس کے نقد پیسے ملتے ہوں (جیسے گھر کا کرایہ اور ٹرانسپورٹ کی سہولت کے لیے مخصوص رقم) تو وہ پیسے لینا اور ان میں ہر قسم کا تصرف کرنا جائز ہے۔

(۱) الدر المختار على صدرردالمحتار، كتاب الجهاد،باب البغاة: ٤٢١/٦

(۲) الفتاوى الهندية، كتاب الإجارة، الباب السادس عشر في مسائل الشيوع :٤/ ٤٥٠

جہاں تک صورتِ مسئولہ کا تعلق ہے، تو حکومت کا یہ کہنا کہ تم چھ سو روپے تک خرچہ کر سکتے ہو، فقط اکثر کی تحدید اور اباحت ہے کہ تم اتنی مقدار تک خرچہ کر سکتے ہو اور وہ تمہیں ملے گا، لہٰذا مذکورہ شخص چھ سو روپے تک خرچ کا مجاز رہے گا۔ چونکہ یہ کہنا تملیک اور استحقاق کے درجہ میں نہیں، اس لیے باوجود کم خرچہ کے زیادہ مقدار لکھنا اور اسے اپنا حق سمجھنا غلط فہمی اور کذب بیانی ہے جس سے بچنا لازم ہے، البتہ جہاں کہیں کسی ملازم کو متعلقہ ذمہ داری نبھانے کے عوض متعین رقم کا استحقاق دیا جائے تو پھر خرچہ کی شرح کم ہونے کے باوجود معاہدہ کی بنیاد پر مقررہ رقم (جو خرچہ سے زائد ہو) وصول کر سکتا ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

ولو استصحبه على أن يجعل له رزقا كل شهر فهو جائز، إماإن بين مقدار مايعطيه، فالعقد جائز؛ لأن المعقود عليه منافعه، وهو معلوم، وإن لم يبين مقدار ذلك فهو في هذا كالقاضي، وللقاضي أن يأخذ رزقا بقدر كفايته من بيت المال، فكذلك من ينوب عن القاضي في شيء من عمله .(١)

ترجمہ:

اگر کسی (قاضی) نے ایک شخص کو اپنے ساتھ اس شرط پر رکھا کہ اُسے ماہوار رزق (خرچہ) دے گا تو ایسا کرنا جائز ہے۔ اگر وہ خرچہ کی مقدار بیان کرے تو یہ عقد جائز ہے کیوں کہ اس شخص کے منافع پر عقد کیا گیا ہے جو معلوم ہیں لہٰذا ان کی اجرت جائز ہے۔ اور اگر مقدار بیان نہیں کی گئی تو اس صورت میں یہ شخص قاضی کی طرح ہے۔ جس طرح قاضی کے لیے بیت المال سے بقدرِ کفایت خرچہ وصول کرنا جائز ہے، اسی طرح جو شخص قاضی کے کسی عمل میں اس کا نائب ہوگا (اس کے لیے بھی بقدرِ کفایت خرچہ لینا جائز ہوگا)۔

عن أنس بن مالكؓ عن النبي ﷺ قال :أكبر الكبائر الإشراك بالله، وقتل النفس، وعقوق الوالدين، وقول الزور، أوقال وشهادة الزور.(٢)

ترجمہ:

حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: کبیرہ گناہوں میں بڑا گناہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا، کسی کو قتل کرنا، والدین کی نافرمانی اور جھوٹی بات کہنا ہے۔ یا آپ ﷺ نے فرمایا جھوٹی گواہی دینا۔



(١) الفتاوى الهندية، كتاب الإجارة، فصل في المتفرقات: ٤/ ٣٥٤،٤٥٣

(٢) الصحيح البخاري، كتاب الديات، باب قول الله ومن احياها : ٢/ ١٠١٥

سامان کی منتقلی کے لیے مقررہ اجیر کا دوسرے کو اجیر مقرر کرنا

سوال نمبر (37):

میں ایک کمپنی کے لیے اپنی گاڑی میں سامان لے جاتا ہوں اور ان سے کرایہ وصول کرتا ہوں۔ کبھی ان کا سامان میں خود لے جاتا ہوں اور کبھی کمپنی مجھے سامان حوالہ کرکے کرایہ طے کرلیتی ہے تو میں سامان وصول کرکے کسی دوسری گاڑی کے حوالہ کرتا ہوں اور ان کو اپنی طرف سے کرایہ (جو کمپنی سے مجھے ملنے والے کرایہ سے کم ہوتا ہے) ادا کردیتا ہوں۔ پھر کمپنی کچھ روز بعد مجھے کرایہ ادا کرتی ہے۔ اس صورت میں مجھے جو نفع ملتا ہے، یہ میرے لیے حلال ہے یا حرام؟

بیّنوا توٴجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

جب کسی کو سامان کے نقل وحمل کے لیے اجیر بنادیا جائے تو اجیر پر لازم ہوتا ہے کہ وہ سامان خود مقررہ جگہ تک پہنچائے، کسی اور کے حوالہ نہ کرے کیونکہ بسا اوقات وہ اجیر خود معتمد ہوتا ہے اور وہ جس کے حوالہ کرتا ہے وہ معتمد نہیں ہوتا۔ تاہم اگر موٴجر کی طرف سے یہ اجازت ہو کہ اجیر کسی اور کے ذریعے بھی سامان لے جاسکتا ہے تو ایسی صورت میں اجیر وہ چیز کسی اور کو کرایہ پر دے کر اپنے لیے نفع کماسکتا ہے۔

صورتِ مسئولہ میں اگر کمپنی کا صرف آپ پر اعتماد ہو اور وہ آپ کو اجازت نہ دیتی ہو کہ آپ سامان کسی اور کے حوالہ کریں تو آپ کے لیے سامان کسی دوسری گاڑی والے کے حوالہ کرکے نفع کمانا جائز نہیں، البتہ اگر کمپنی کی طرف سے آپ پر خود سامان لے جانے کی پابندی نہ ہو تو آپ اسے کسی اور کے حوالہ کرکے نفع کماسکتے ہیں۔

والدلیل علی ذلک:

(وإن أطلق كان له) أي للأجير أن يستأجر غيره. (۱)

ترجمہ:

اور اگر موٴجر نے مطلقاً اجیر بنایا تو اس کو، یعنی اجیر کو یہ اختیار ہے کہ دوسرے کو (اس کام کے کرنے کے لیے) اجیر بنادے۔

(۱) الدرالمختار علی صدر ردالمحتار، کتاب الإجارة، باب شروط الإجارة: ۲۵/۹

لیز پر لی گئی دکان کسی اور کو اجارہ پر دینا

سوال نمبر (38):

میں نے ایک دُکان PDA سے تینتیس سال کے لیے لیز پر لی ہے۔کیا میں اُسے کسی اور کو کرایہ پر دے سکتا ہوں؟وضاحت فرمائیں۔

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

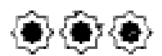
لیز پر لی گئی دکان آگے کسی اور کو اجارہ پر دینا جائز ہے،بشرطیکہ زیادہ سے زیادہ وہی کرایہ متعین کیا جائے جو پہلے اجارہ میں طے ہوا ہے۔اگر اس سے زیادہ کرایہ مقرر کیا گیا تو اس زائد رقم کو صدقہ کرنا لازم ہوگا،البتہ اگر لیز پر لینے والے نے دُکان میں اپنی طرف سے کوئی اضافہ کیا ہو اور پھر اس کے عوض زیادہ کرایہ مقرر کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

والدّلیل علی ذلک:

وإذا استأجر داراً وقبضها، ثم أجرها فإنه يجوز إن أجرها بمثل ما استأجرها أو أقل، وإن آجرها بأكثر مما استأجرها، فهي جائز أيضاً إلّا أنه إن كانت الأجرة الثانية من جنس الأجرة الأولى، فإن الزيادة لا تطيب له ويتصدق بها. (١)

ترجمہ:

اور جب گھر کرایہ پر لیا اور اس کو قبض کیا، پھر کسی اور کو کرایہ پر دیا تو جس قیمت کے عوض پہلے کرایہ پر لیا ہے، اگر اسی قیمت کے برابر یا اس سے کم قیمت پر کرایہ پر دیا ہو تو یہ جائز ہے اور اگر اس سے زیادہ قیمت پر دے دے تو یہ بھی جائز ہے،لیکن اگر دوسرا اجارہ پہلے اجارہ کے جنس میں سے ہو تو پھر زیادتی اس کے لیے حلال نہ ہوگی، بلکہ اس کو صدقہ کرے گا۔



(١) الفتاوى الهندية، كتاب الإجارة، الباب السابع في اجارة المستأجر: ٤/٤٢٥

کرایہ پر لی گئی دُکان کا ایک حصہ کسی اور کو کرایہ پر دینا

سوال نمبر (39):
میں نے ایک دُکان ماہانہ پندرہ ہزار روپے کے عوض دو سال کے لیے کرایہ پر لی ہے اور اس میں ایک کمپیوٹر والے کو جگہ دے کر اس سے ماہانہ 5000 روپے کرایہ وصول کرتا ہوں۔ کیا یہ کرایہ وصول کرنا میرے لیے جائز ہے؟
بیّنوا توٴجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:
اجارہ پر حاصل کی گئی دُکان میں کسی کو جگہ دے کر اس سے کرایہ وصول کرنا جائز ہے، بشرطیکہ وہ کرایہ پوری دُکان کے کرایہ سے زیادہ نہ ہو یا اگر زیادہ ہو تو دُکان میں کرایہ دار نے کسی ایسی چیز کا اضافہ کیا ہو جس کے عوض وہ اضافی کرایہ وصول کرتا ہو اور دوسری شرط یہ ہے کہ کسی ایسے شخص کو کرایہ پر نہ دی جائے جس کی صنعت وحرفت دُکان کی تعمیر کو متاثر کرے۔
مسئولہ صورت میں دُکان کا کچھ حصہ کمپیوٹر والے کو پانچ ہزار ماہانہ کرایہ کے عوض دیا ہے جو کہ پوری دُکان کے کرایہ سے کم ہے اور کمپیوٹر کے کام سے دُکان کی تعمیر پر بھی کوئی منفی اثر نہیں پڑتا، اس لیے یہ معاملہ درست ہے اور کرایہ وصول کرنا جائز ہے۔

والدّلیل علی ذلک:
یجوز استئجار دار أو حانوت بدون بیان من یسکنها، ولا بیان مایعمل فیها، فللمستأجر أن یسکنها بنفسه أو یسکنها غیره بإجارة، أو إعارة، ونحوهما. (۱)
ترجمہ: دُکان یا گھر کو کرایہ پر لینا، رہنے والے یا اس میں کام کرنے والے کی وضاحت کے بغیر بھی جائز ہے۔ سو کرایہ دار کو اختیار ہے کہ خود اس میں سکونت اختیار کرے یا کسی اور کو اس میں اجارہ پر یا عاریتاً بسائے۔
وله أن یسکنها وحده، أو یسکن غیره معه، ولو شرط علیه المؤجر أن یسکنها وحده، وکذا کل مالا یختلف بالاستعمال، فإن التقیید فیه باطل ؛لأنه غیر مفید. (۲)

(۱) شرح المجلة لسلیم رستم باز، المادة: ۵۲۲، کتاب الإجارة، الباب السادس فی أنواع المأجور: ص/۲۸٤
(۲) أیضاً

ترجمہ: اور کرایہ دار کو یہ اختیار حاصل ہے کہ اس میں اکیلے رہے یا کسی اور کو بھی اپنے ساتھ سکونت دے دے، اگرچہ مؤجر (مالک) نے اکیلے رہنے کی شرط لگائی ہو اور اسی طرح ہر وہ جگہ جس میں استعمال کی وجہ سے کوئی اثر نہیں پڑتا تو اس کے اجارے میں مخصوص قید لگانا باطل ہے، اس لیے کہ اس (تقیید) کا کوئی فائدہ نہیں۔

❁❁❁

کرایہ پر لی گئی چیز واپس اصل مالک کو کرایہ پر دینا

سوال نمبر (40):

زید نے عمرو سے چار لاکھ روپے ایڈوانس لے کر اس کو اپنی دُکان کرایہ پر دے دی۔ عمرو نے آگے ناصر کو کرایہ پر دی اور ناصر نے واپس زید (اصل مالک) کو کرایہ پر دے دی۔ کیا ان کا یہ معاملہ شرعاً درست ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

فقہائے کرام نے کرایہ پر لی گئی چیز کو آگے کرایہ پر دینے کے جو احکام بیان کیے ہیں، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ کرایہ دار اصل مالک کو وہ چیز کرایہ پر نہیں دے سکتا، خواہ بلاواسطہ خود دے یا کسی اور کو کرایہ پر دے دے اور پھر وہ دوسرا کرایہ دار اصل مالک کو کرایہ پر دے دے، دونوں صورتیں درست نہیں، کیونکہ اس میں مالک کو اپنی ہی چیز کرایہ پر دی جاتی ہے اور یہ جائز نہیں۔

صورتِ مسئولہ میں چونکہ دوسرے کرایہ دار (ناصر) نے دُکان اصل مالک (زید) کو کرایہ پر دی ہے، اس لیے یہ معاملہ درست نہیں۔

والدّلیل علی ذلك:

(للمستأجر إيجار المأجور من آخر)أي من غير مؤجره، أما من مؤجره، فلا يجوز سواء كان مؤجره مالكاً، أو مستأجراً من المالك ؛لأن المستأجر في حق المنفعة قائم مقام المؤجر، فإن أجره المأجور يكون قد ملك المالك منافع ملكه، وهو غير جائز شرعاً، وإن تخلل ثالث بين المؤجر والمستأجر، وبه يفتى. (۱)

---

(۱) شرح المجلة لسليم رستم باز، المادة : ٥٨٦، كتاب الإجارة، الباب السابع ، الفصل الثاني : ص/٣١٣

ترجمہ: کرایہ دار کو یہ اختیار ہے کہ وہ کرایہ پر لی ہوئی چیز کو کرایہ پر دینے والے کے علاوہ کسی اور کو کرایہ پر دے دے، جب کہ کرایہ پر دینے والے کو (وہی چیز) اجارہ پر دینا جائز نہیں۔ خواہ وہ (موٴجر) اس چیز کا مالک ہو یا مالک سے کرایہ پر لینے والا ہو، کیونکہ کرایہ دار منفعت کے حق میں کرایہ پر دینے والے کا قائم مقام ہوتا ہے۔ سو اگر کرایہ دار موٴجر کو وہ چیز کرایہ پر دے دے تو یہ ایسا ہوگا کہ اس نے مالک کو اس کی ملک کے منافع کا مالک بنا دیا اور یہ شرعاً جائز نہیں، اگرچہ کرایہ دار اور کرایہ پر دینے والے کے درمیان کوئی تیسرا شخص حائل ہو جائے، پھر بھی جائز نہیں۔ اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔

❁❁❁

روزانہ سو روپے کے عوض رکشہ کسی ڈرائیور کو اجارے پر دینا

سوال نمبر (41):

ہمارے ہاں اکثر لوگ رکشہ خرید کر کسی ڈرائیور کو روزانہ سو روپے کے عوض کرایہ پر دے دیتے ہیں۔ پھر چاہے ڈرائیور کچھ کمائے یا نہ کمائے، بہر حال اس سے متعین رقم وصول کی جاتی ہے۔ کیا یہ معاملہ شرعاً جائز ہے؟

بیّنوا توٴجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

مسئولہ معاملے میں اُجرت بھی متعین ہے اور مدت بھی اس لیے شرعاً اس کو اختیار کرنے کی گنجائش ہے۔ ڈرائیور کچھ کمائے یا نہ کمائے، بہر حال وہ مقررہ کرایہ مالک کو دینے کا پابند ہوگا۔

والدّلیل علی ذلك:

ولا تصح حتی تکون المنافع معلومة والأُجرة معلومة. (۱)

ترجمہ: اور اجارہ صحیح نہیں یہاں تک کہ منافع اور اُجرت معلوم ہو۔

من استأجر دابة یوماً لأجل الرکوب، فحبسها المستأجر في منزله، ولم یرکبها حتی مضی الیوم، فإن استأجرها للرکوب في المصر یجب علیه الأجر لتمکنه من الاستیفاء في المکان الذي أضیف إلیه العقد. (۲)

(۱) الهدایة، کتاب الاجارات: ۲۹۶/۳

(۲) الفتاوی الهندیة، کتاب الإجارة، الباب الثاني في بیان أنه متی تجب الأجرة وما یتعلق به من الملك وغیره: ۴۱۳/۴

ترجمہ:

جس نے ایک دن کے لیے جانور سواری کے لیے کرایہ پر لیا، پھر اس کو کرایہ دار نے اپنے گھر میں ٹھہرایا اور اس پر سوار نہ ہوا، یہاں تک کہ دن گزر گیا تو اگر شہر میں سواری کے لیے کرایہ پر لیا تھا تو اس پر کرایہ لازم ہوگا، کیونکہ جس جگہ کی طرف عقد کی نسبت کی گئی تھی، اس میں مالک نے اس کو منفعت حاصل کرنے کی قدرت دی ہے۔

❁❁❁

ایڈوانس فروخت کیے گیے ٹکٹ کی رقم استعمال کرنا

سوال نمبر(42):

اگر گاڑی میں سفر کرنے کے لیے پہلے سے ٹکٹ خرید لیا جائے تو ٹکٹ استعمال کرنے سے قبل گاڑی کا مالک اس رقم کو استعمال کر سکتا ہے یا نہیں؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

شرعی نقطۂ نظر سے کسی گاڑی میں سفر کرنے سے قبل اس کا ٹکٹ خریدنا جائز ہے اور مالک کے لیے ٹکٹ کے استعمال سے قبل اس رقم کو اپنی استعمال میں لانا درست ہے، کیونکہ معاملہ کی رُو سے وہ اس رقم کا مالک بن جاتا ہے۔

والدّلیل علی ذلك:

ثم الأجرة تستحق بأحد معان ثلاثة:إما بشرط التعجیل،أو بالتأجیل،أو باستیفاء المعقودعلیه.(١)

ترجمہ:

تین صورتوں میں سے کسی ایک صورت میں اجرت کا استحقاق بن جاتا ہے:

(۱)......معجّل ادا کرنے کی شرط کے ساتھ۔

(۲)......یا معیّن مدت تک ادا کرنے کی شرط کے ساتھ۔

(۳)......یا معقود علیہ کو پورا پورا وصول کرنے کے بعد۔

(١) الفتاوی الهندیة، کتاب الإجارة، الباب الثاني في بیان أنه متی تجب الأجرة ومایتعلق به من الملك وغیره:
٤/١٣؛

ایڈوانس کی واپسی میں تاخیر کی وجہ سے جرمانہ مقرر کرنا

سوال نمبر(43):

زید نے عمرو کو تین سال کے لیے دکان کرایہ پر دی۔ طے ہوا کہ عمرو تین لاکھ روپے ایڈوانس اور چھ ہزار روپے ماہوار کرایہ ادا کرے گا۔ اب یہ مدت پوری ہو چکی ہے اور عمرو زید سے ایڈوانس کی واپسی کا مطالبہ کرتا ہے، مگر اس کے پاس رقم موجود نہیں، اس لیے عمرو اس سے کہتا ہے کہ جب تک تم مجھے یہ ایڈوانس واپس نہیں کرتے، میں دکان کرایہ کے بغیر استعمال کرتا رہوں گا اور اگر کسی دوسرے شخص کو کرایہ پر دیتے ہو تو وہ کرایہ میں وصول کروں گا۔ کیا شرعاً یہ صورت جائز ہے؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

شرعی نقطہ نظر سے عمرو کے تین لاکھ روپے زید کے ذمے قرض ہیں جس کا ادا کرنا زید کی ذمہ داری ہے، البتہ اگر وہ کسی وجہ سے فی الفور اس کی ادائیگی سے قاصر ہو تو عمرو کے لیے اس کی پاداش میں زید سے مزید مدت کے لیے بلاعوض دکان روکنا یا دکان حوالہ کرکے اس کا کرایہ لینا سود کے زمرے میں شامل ہو کر ناجائز اور حرام ہے، اس لیے اس سے احتراز ضروری ہے۔

ہاں اگر یہ صورت اختیار کی جائے کہ زید یہی دکان عمرو کو دوبارہ کرایہ پر دے دے اور عمرو کرایہ ادا کرنے کی بجائے زید کے ذمے واجب الادا قرض سے منہا کرتا رہے، یہاں تک کہ قرض ختم ہو جائے یا وہ نقد ادا کردے تو اس میں کوئی قباحت نہیں۔

والدّلیل علی ذلك:

الربوا فضل مال بلاعوض في معاوضة مال بمال. (۱)

ترجمہ: سود اس منفعت کو کہا جاتا ہے جو اموال کے باہم تبادلے میں بلاعوض حاصل ہو۔

❁❁❁

(۱) كنز الدقائق على صدر البحر الرائق، باب الربوا: ۲۰۷/۶

امام مسجد کو پیشگی تنخواہ دینا

سوال نمبر(44):

ہماری مسجد کے امام صاحب کو کچھ رقم کی ضرورت ہے جو وہ پیشگی تنخواہوں کی شکل میں لینا چاہتا ہے۔مسجد کے کمیٹی والے اس کو چند مہینوں کی تنخواہ ایڈوانس میں دے سکتے ہیں یا نہیں؟حکم واضح فرمائیں۔

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

تنخواہ دار امام چونکہ اجیر خاص کے حکم میں ہے اور اجیر کو مؤجر یا ادارہ کی رضامندی سے پیشگی تنخواہ دی جاسکتی ہے،اس لیے اگر کمیٹی والوں کو امام پر اعتماد ہو کہ وہ ایڈوانس تنخواہ لینے کے بعد بلا اطلاع امامت چھوڑ کر کہیں جائے گا نہیں تو پھر پیشگی تنخواہ دینے میں کوئی حرج نہیں۔

والدّلیل علی ذلك:

الأجر لایملك بنفس العقد، ولا یجب تسلیمه به عندنا عیناً کان أو دیناً، کذا في الکافي ......ثم الأجرة تستحق بأحد معانٍ ثلاثة: إما بشرطِ التعجیل، أو بالتأجیل، أو باستیفاءِ المعقود علیه.(١)

ترجمہ:

نفسِ عقد کی وجہ سے اجرت ملک میں داخل نہیں ہوتی اور ہمارے ہاں صرف اس (نفسِ عقد) کی وجہ سے (اُجرت کا) حوالہ کرنا بھی واجب نہیں۔اسی طرح کافی میں بھی لکھا ہے....پھر تین صورتوں میں سے کسی ایک صورت سے اجرت کا استحقاق بن جاتا ہے:

(١)......معجّل ادا کرنے کی شرط کے ساتھ۔

(٢)......یا معین مدت تک ادا کرنے کی شرط کے ساتھ۔

(٣)......یا معقود علیہ کو پورا پورا وصول کرنے کے بعد۔

❁❁❁

(١) الفتاوی الهندیة، کتاب الإجارة، الباب الثاني فی بیان أنّه متی تجب الأجرة ومایتعلق به من الملك وغیره: ٤١٣،٤١٢/٤

امام مسجد کوتنخواہ کی بجائے ''اڑہ'' دینا

سوال نمبر(45):

ہمارے علاقہ میں امام مسجد کو ماہانہ تنخواہ کی بجائے ہر فصل میں ایک مخصوص مقدار دی جاتی ہے، جس کو''اڑہ'' کہتے ہیں۔کیا اس طرح کرنا درست ہے؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

امام مسجد کوتنخواہ میں روپوں کی بجائے غلہ دینا مرخص ہے،لیکن اس میں دو باتوں کی رعایت ضروری ہے:

(۱)......غلہ کی مقدار متعین ہو،مثلاً 20 من گندم یا 15 من جو وغیرہ۔آج کل اڑہ میں مقدار متعین نہیں ہوتی،عموماً فصل کا کوئی مخصوص حصہ دیا جاتا ہے جس کی مقدار نامعلوم ہوتی ہے،ایسا کرنا درست نہیں۔

(۲)...... یہ غلہ تنخواہ میں دیا جائے،عشر میں نہیں،کیوں کہ تنخواہ کے ساتھ عشر کی نیت کرنا درست نہیں۔ایسی صورت میں عشر ادا نہیں ہوگا۔

والدّلیل علی ذلك:

والأجرة في الإجارات معتبرةبالثمن في البياعات......فما يصلح ثمناً في البيعات، يصلح أجرة في الإجارات، ومالا فلا. (۱)

ترجمہ: جو چیز بیع میں ثمن بننے کی صلاحیت رکھتی ہو وہ اجارہ میں اُجرت بننے کی صلاحیت رکھتی ہے۔۔۔۔۔اور جو ثمن بننے کی صلاحیت نہ رکھے،وہ اُجرت بھی نہیں بن سکتی۔

❁❁❁

مالکِ زمین کو اجارہ میں پیسے یا گندم دینا

سوال نمبر(46):

ایک مالک زمین نے دوسرے شخص کو اپنی دس کنال زمین پانچ سال کے لیے اجارہ پر دے دی اور یہ کہا کہ

(۱) بدائع الصنائع، کتاب الإجارة، فصل في أنواع شرائط رکن الإجارة: ۱۸/٦، ۱۹

سالانہ مجھے دس من گندم یا پانچ ہزار روپے دوگے، کیا یہ عقد درست ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

شرعی لحاظ سے زمین کے اجارہ میں ہر وہ چیز عوض کے طور پر مالکِ زمین کو دی جاسکتی ہے جو خرید وفروخت کے معاملہ میں عوض بننے کی صلاحیت رکھتی ہو، چاہے وہ پیسے ہوں یا غلہ وغیرہ۔

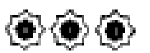
صورتِ مسئولہ میں مالکِ زمین کا دس من گندم یا پانچ ہزار روپے کے عوض اپنی زمین اجارہ پر دینا درست ہے، لیکن ان دونوں میں سے کسی ایک کی تعیین کی جائے، تاکہ بعد میں اختلاف پیدا نہ ہو۔

والدّلیل علی ذلك:

ماجازأن يكون ثمنا في البيع، جاز أن يكون أجرة في الإجارة ؛لأن الأجرة ثمن المنفعة، فتعتبر بثمن المبيع، ومراده من الثمن ما كان بدلاً عن شيء، فدخل فيه الأعيان. (١)

ترجمہ:

جس چیز کا خرید وفروخت میں ثمن بننا جائز ہو، اس چیز کا عقد اجارہ میں اجرت بننا بھی جائز ہے، کیوں کہ اجرت کسی چیز سے فائدہ اُٹھانے کا عوض ہوتا ہے، لہٰذا اس کا قیاس مبیع کے ثمن پر کیا جاتا ہے اور ثمن سے مراد ہر وہ چیز ہے جو عوض بن سکتا ہو، لہٰذا اس میں اعیان داخل ہیں۔



جبراً روکی گئی تنخواہ پر منافع

سوال نمبر (47):

میرا بھائی فوج میں ملازم ہے۔ تقریباً تین سال قبل کسی وجہ سے اس نے صوبیدار میجر کے ساتھ تلخ کلامی کی، جس کی بنا پر اس نے میرے بھائی کی تنخواہ روک دی اور تین سال تک تنخواہ نہیں دی۔ اب یہ تنخواہ جمع ہو کر تقریباً ایک لاکھ نوے ہزار روپے (1,90,000) بن گئی ہے اور اس کے ساتھ ہی حکومت کی طرف سے اکیس ہزار (21,000) روپے بطورِ منافع مزید جمع ہوگئے ہیں۔ اب حکومت یہ اصل رقم بمع منافع کے ادا کررہی ہے۔ کیا ہمارے

(١) البحرالرائق، كتاب الإجارة، باب تعريف الإجارة، تحت قوله(ماصح ثمنا صح أجرة): ٥٠٨/٧

لیے اس نفع کو وصول کرنا جائز ہے یا نہیں؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

جو تنخواہ حکومت ملازم کے اختیار کے بغیر جبراً کچھ مدت تک روک کر نفع کے ساتھ ادا کرے تو ملازم کے لیے اس نفع کا وصول کرنا جائز ہے، خواہ وہ سود ہی کے نام سے کیوں نہ ہو۔ اس لیے کہ درحقیقت یہ حکومت کی طرف سے عطیہ ہوتا ہے، سود نہیں، لہٰذا محض سود کے نام پر ہونے کی وجہ سے، جب کہ حقیقت میں سود نہ ہو، یہ نفع حرام متصور نہیں ہوتا، بلکہ یہ اضافہ تنخواہ کا حصہ متصور ہوگا۔

صورتِ مسئولہ میں اگر فوج کے ملازم سے حکومت نے کسی وجہ سے جبراً بلا اختیار تین سال کی تنخواہیں روک لی ہوں اور تین سال کے بعد نفع سمیت ادا کر رہی ہو تو ملازم کے لیے اس کا لینا جائز ہے۔ شرعاً اس کے لینے میں کوئی حرج نہیں۔

والدّلیل علی ذلک:

الأجر لایملك بنفس العقد، ولا یجب تسلیمه به عندنا عیناً کان أو دیناً، کذا في الکافي......

ثم الأجرة تستحق بأحد معان ثلاثة: إما بشرطِ التعجیل، أو بالتأجیل، أو باستیفاءِ المعقود علیه. (۱)

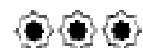
ترجمہ:

نفسِ عقد کی وجہ سے اجرت ملک میں داخل نہیں ہوتی اور ہمارے ہاں صرف اس (نفسِ عقد) کی وجہ سے (اُجرت کا) حوالہ کرنا بھی واجب نہیں۔ اسی طرح کافی میں بھی لکھا ہے۔ پھر تین صورتوں میں سے کسی ایک صورت سے اجرت کا استحقاق بنتا ہے

(۱)......معجّل ادا کرنے کی شرط کے ساتھ۔

(۲)......یا معین مدت تک ادا کرنے کی شرط کے ساتھ۔

(۳)......یا معقود علیہ کو پورا پورا وصول کرنے کے بعد۔



(۱) الفتاوی الهندیة، کتاب الإجارة، الباب الثاني في بیان أنّه متی تجب الأجرة ومایتعلق به من الملك وغیره: ۴/۴۱۲،۴۱۳

ایامِ تعطیل میں عمل کرنے کا معاوضہ

سوال نمبر (48):

سرکاری ملازمین کو سال میں جب چاہیں دس دن کی چھٹی کرنے کا اختیار ہوتا ہے۔ جو ملازم سال بھر کوئی چھٹی نہیں کرتا، انہیں حکومت دس دن کی اضافی تنخواہ دیتی ہے۔ کیا ان کے لیے یہ رقم وصول کرنا جائز ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

جو سرکاری ملازمین حکومت کی طرف سے دیے گئے اختیار اور سہولت کے مطابق سال میں دس دن کی چھٹی کرنے کی بجائے سال بھر ڈیوٹی دیتے رہے ہوں، انہیں حکومت چھٹی کے ان دس دنوں میں عمل کرنے کی وجہ سے جو اضافی تنخواہ دیتی ہے، یہ اُجرت ہی کا حصہ ہے، اس لیے ملازمین کے لیے یہ اضافی تنخواہ وصول کرنا جائز ہے۔

والدلیل علیٰ ذلک:

والأجير الخاص :الذي يستحق الأجرة بتسليم نفسه في المدة. (١)

ترجمہ:

اور اجیر خاص وہ ہے جو (عمل کی) مدت میں اپنے آپ کو کام کے حوالہ کرنے سے اُجرت کا مستحق بنتا ہے۔

❁❁❁

بھائی سے مشترکہ مکان استعمال کرنے کا کرایہ وصول کرنا

سوال نمبر (49):

دو بھائی ایک مکان میں شریک ہیں۔ بڑا بھائی اپنی فیملی کے ساتھ امریکہ میں رہتا ہے، اس لیے گھر میں دس سال سے صرف چھوٹا بھائی رہائش پذیر ہے۔ ابھی تک دونوں بھائیوں کے تعلقات اچھے تھے، اس لیے بڑے بھائی کو اس پر کوئی اعتراض نہ تھا۔ کچھ ماہ پہلے کسی بات پر ان کے تعلقات خراب ہوگئے ہیں، اس لیے اب بڑا بھائی چھوٹے بھائی سے کہتا ہے کہ تم مجھے اس گھر میں رہنے کے گزشتہ دس سالوں کا آدھا کرایہ ادا کروگے اور آئندہ بھی اگر تم اس میں رہتے

(١) الهداية، كتاب الإجارة، باب ضمان الأجير:٣/٣١٢

ہوتو مجھے آدھا کرایہ دو گے۔ کیا اس کو اس مطالبہ کا حق حاصل ہے؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

جب شرکا میں سے کوئی ایک شریک مشترکہ چیز اکیلے استعمال کررہا ہو اور دوسرے شریک نے اس سے باقاعدہ عقدِ اجارہ نہیں کیا ہو تو یہ اپنے حصے کو استعمال کرنے والا شمار ہوتا ہے، لہٰذا بعد میں اس سے کرایہ کا مطالبہ کرنا بے سود ہے، البتہ اگر وہ باقاعدہ معاہدہ کے تحت پہلے سے کرایہ کی تعیین کرے تو پھر اسے مطالبہ کا حق حاصل رہتا ہے۔

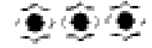
مسئولہ صورت میں جن دو بھائیوں کا مشترکہ مکان ہے اور چھوٹا بھائی دس سال سے اکیلے اس میں رہائش پذیر ہے تو اگر بڑے بھائی نے پہلے سے اس کو کرایہ دینے کا پابند نہیں بنایا تھا تو دس سال بعد گزشتہ مدت کے کرایہ کا مطالبہ کرنا درست نہیں، البتہ آئندہ کے لیے چونکہ اس نے اپنے حصے کا کرایہ وصول کرنے کا کہہ دیا ہے، اس لیے دونوں آپس میں کرایہ متعین کریں اور پھر گھر استعمال کرنے والا نصف حصہ کا کرایہ ادا کرتا رہے۔

والدّلیل علی ذلك:

إذا سكن أحد الشريكين مدةً في الدار بدون إذن الآخر، فيعد ساكناً في ملك نفسه، فلا تلزمه الأجرة لأجل حصة شريكه............لكن لو حضر الشريك الآخر، وتقاضى الأجر من الشريك الساكن، فسكن بعده، لزمه الأجر عن حصة شريكه؛ لأنه يكون ملتزماً.(١)

ترجمہ:

جب دو شرکا میں سے ایک دوسرے کی اجازت کے بغیر کچھ مدت تک گھر میں سکونت اختیار کرے تو وہ اپنی ملکیت میں ساکن شمار ہوگا، اسی وجہ سے اس پر دوسرے شریک کے حصے کی اُجرت لازم نہیں ہوتی۔۔۔۔۔ لیکن اگر دوسرا شریک حاضر ہو کر ساکن شریک سے اجرت کا مطالبہ کرے اور وہ (ساکن) اس کے بعد بھی وہاں رہائش پذیر رہے تو شریک کے حصے کے برابر اُجرت اس کے ذمے لازم ہوتی ہے، اس لیے کہ یہ (شریک کا مطالبہ دوسرے شریک پر اجرت) لازم کرنا ہی ہے۔



(١) شرح المجلة لسليم رستم باز، المادة: ١٠٧٥، كتاب أنواع الشركات، باب في كيفية التصرف في الأعيان المشتركة: ص/٦٠٢

ایڈوانس دینے کی صورت میں ماہانہ کرایہ میں کمی

سوال نمبر(50):

ہمارے علاقہ میں یہ رسم چلی ہے کہ بعض لوگ اپنی زمین بطورِ اجارہ اس طور پر دیتے ہیں کہ مالک کرایہ دار سے پیشگی رقم بطورِ ایڈوانس کرایہ وصول کرتا ہے اور اس کی وجہ سے اجارہ میں تخفیف کرتا ہے۔اس طرح رہن رکھنے سے نجات مل جاتی ہے اور مالک کو نقد رقم حاصل ہو جاتی ہے، جسے وہ استعمال بھی کرتا ہے۔سوال یہ ہے کہ یہ طریقۂ کار جائز ہے یا ناجائز؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

صورتِ مسئولہ میں اگر پیشگی رقم بطورِ ایڈوانس کرایہ کے وصول کی جاتی ہو تو مالک کے لیے اس کا استعمال جائز ہے اور اس کی وجہ سے ماہانہ کرایہ میں کمی کرنا بھی مرخص ہے، اس لیے کہ جس طرح بیع وشرا میں نقد اور ادھار معاملہ میں قیمت میں تفاوت رکھنا جائز ہے، اسی طرح اجارہ میں بھی پیشگی ادا کرنے کی صورت میں کم کرایہ اور ماہانہ قسطوار ادا کرنے کی صورت میں زیادہ کرایہ مقرر کرنا جائز ہے۔

لیکن اگر پیشگی رقم بطورِ رہن یا قرضِ حسنہ دی جاتی ہو اور اس کی وجہ سے کرایہ میں کمی کی جائے تو پھر یہ قرض سے انتفاع کی ایک صورت ہو کر سود متصور ہوگی لہٰذا جائز نہ ہوگی۔

والدّلیل علی ذلک:

لأن للأجل شبهاً بالمبيع، ألا يرى أنه يزاد في الثمن لأجل الأجل. (١)

ترجمہ: مدت کو مبیع سے مشابہت حاصل ہے، کیونکہ یہ بات مشاہدہ میں آچکی ہے کہ اس کی وجہ سے قیمت میں مدت کی وجہ سے اضافہ کیا جاتا ہے۔

أو أقرضه، وشرط شرطا له فيه منفعة؛ لما روي عن رسول الله ﷺ أنه نهى عن قرض جرّ نفعا.(٢)

(١) الهداية، البيوع، المرابحة والتولية: ٧٨/٣

(٢) بدائع الصنائع، كتاب القرض، فصل في الشروط: ٥٩٨/١٠

ترجمہ:
اور یا کوئی (کسی کو) قرض دے دے اور اس میں ایسی شرط لگائے کہ جس میں اس کا نفع ہو (تو وہ قرضہ درست نہیں) کیونکہ حضور علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپ علیہ السلام نے منع فرمایا ہے اس قرض سے جو کسی قسم کی منفعت کھینچے۔

❁❁❁

مدتِ اجارہ کے دوران کرایہ میں اضافہ کرنا

سوال نمبر(51):

ہماری مسجد کے سامنے فٹ پاتھ پر چار آدمی بیٹھ کر دُکان چلاتے ہیں۔ مسجد کی کمیٹی والوں نے ان کے ساتھ دو سال کے لیے ماہانہ تین سو300 روپے کرایہ طے کیا ہے۔ ایک سال گزرنے کے بعد اب کمیٹی والوں نے کرایہ بڑھا کر پندرہ سو1500 روپے کر دیا ہے۔ دُکان والے اس کرایہ پر راضی نہیں، مگر مجبوراً ناراضگی سے ادا کر رہے ہیں۔ کیا یہ رقم مسجد میں لگانا جائز ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

معاملات میں شریعت کسی پر زبردستی کی اجازت نہیں دیتی اور نہ ہی کسی دوسرے کی ملکیت میں بے جا تصرف جائز سمجھتی ہے، اس لیے کسی بھی عقد میں متعاقدین (عقد کرنے والے) کی رضامندی کو بنیادی حیثیت حاصل ہے اور یہ بھی ضروری ہے کہ عقد کا تعلق اپنی ملکیت کے ساتھ ہو۔

صورتِ مسئولہ میں اگر یہ فٹ پاتھ حکومت کی ملکیت ہے تو مسجد والوں کا حکومت سے باقاعدہ اجازت لیے بغیر اس کو کرایہ پر دینا درست نہیں، البتہ اگر یہ مسجد کے حدود میں داخل ہو تو پھر مسجد کے متولی کو یہ اختیار حاصل ہے کہ فٹ پاتھ کسی کو کرایہ پر دے دے۔ تاہم اجارہ کی مدت ختم ہونے سے قبل کرایہ میں اضافہ کرنے کی دو وجوہات ہو سکتی ہیں:

(۱)......پہلی وجہ: کرایہ میں اضافہ محض تعنت اور کرایہ دار کو نقصان پہنچانے کی غرض سے کیا گیا ہو۔ اس قسم کے اضافے کا شرعاً کوئی اعتبار نہیں۔

(۲)......دوسری وجہ: اضافہ متعلقہ جگہ کی قیمت بڑھ جانے کی وجہ سے مسجد کے مفاد کو مدنظر رکھ کر کیا گیا ہو تو اس صورت میں یہ اضافہ شرعاً درست ہے اور مسجد میں اس رقم کو صرف کرنا جائز ہے۔

واضح رہے کہ پہلی صورت میں بھی جب کرایہ دار اپنے اختیار سے اجارہ فسخ کرنے کی بجائے اضافی کرایہ ادا کر رہے ہوں تو اس کا استعمال بھی شرعاً مسجد میں جائز ہے۔ کمیٹی والوں کے اس غیر مناسب اقدام کی وجہ سے کرایہ داروں کی ناراضگی کرایہ کی حلت پر اثر انداز نہیں ہوتی۔

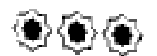
والدّلیل علی ذلک:

إذا آجر ناظر الوقف إجارة صحيحة بأجرة المثل،ثم حصلت زيادة على المستأجر في الأجرة المسماة في أثناء المدة. وحاصل ماذكره في الدر، وحواشيه، والأشباه، وشروحها أن الزيادة إن كانت إضراراً وتعنتاً، وفسرها ابن نجيم في فتاواه بالزيادة اللتي لا يقبلها إلا واحد، أو اثنان، فلا تقبل. وإن كانت زيادة في نفسها لغلو سعرها عند الكل أو لكثرة رغبة الناس في استجاره، تقبل، على ما هو المختار. وحينئذ يعرضها الناظر على المستأجر الأول، فإن قبل بالزيادة، فهو أحق من غيره. (١)

ترجمہ:

جب وقف کا نگہبان (وقف کی ہوئی چیز کو) اجرت مثل کے ساتھ اجارہ پر دے دے۔ پھر مدت کے دوران مقرر شدہ اجرت پر اضافہ کیا جائے تو درمختار، اس کے حاشیہ، اشباہ اور اس کے شروح نے جو ذکر کیا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ "اگر یہ زیادتی (مستاجر) کو ضرر پہنچانے اور تعنت کی نیت سے کی ہو اور ابن نجیمؒ نے تعنت کی تشریح یوں کی ہے کہ "وہ اضافہ جو ایک، دو اشخاص کے علاوہ کوئی قبول نہ کرتا ہو" تو یہ (اضافہ) قبول نہیں کیا جائے گا اور اگر یہ اضافہ اس چیز کی ذات کی وجہ سے ہو، یعنی سب لوگوں یا اکثر لوگوں کے نزدیک یا رغبت کی وجہ سے اس کی قیمت میں اضافہ ہوا ہو تو پھر یہ (اضافہ) مختار قول کے مطابق قابل قبول ہوگا۔

ایسے وقت میں ناظر سب سے پہلے اس پرانے کرایہ دار کو یہ اضافہ پیش کرے گا۔ اگر وہ اس کو قبول کرلے تو وہ دوسروں کی بہ نسبت اس کا زیادہ حقدار ہے۔



(١) شرح المجلة لخالد الأتاسيؒ، المادة:٤٤١، الاجارات، الباب الثاني في بيان المسائل المتعلقة بالأجرة، الفصل الأول في بيان مسائل ركن الإجارة:٥١١/٢

مکان کرایہ پر دے کر اس میں دخل اندازی کرنا

سوال نمبر(52):

ایک صاحب نے اپنا مکان کرایہ پر دیا ہے جس میں ایک باپردہ گھرانہ رہائش پذیر ہے اور مالک کو بروقت کرایہ ادا کرتا ہے، مگر یہ صاحب کبھی کبھی گھر کے اندر آتا ہے جس کی وجہ سے خواتین کو تکلیف ہوتی ہے اور پردہ کرنے میں دشواری کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ کیا اس کا یہ فعل درست ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

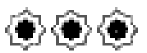
جب کوئی شخص اپنی مملوکہ چیز کرایہ پر دے دے تو مدتِ اجارہ کے دوران یہ اُس سے کسی قسم کا فائدہ لینے کا حق نہیں رکھتا۔ لہٰذا صورتِ مسئولہ میں مالک کا کرایہ پر دیے ہوئے مکان میں کبھی کبھار آنا جانا، جب کہ کرایہ داروں کو اس سے تکلیف بھی ہو، درست نہیں، البتہ اگر ان کی رضامندی سے کسی ضرورت کے تحت اجازت لے کر اندر جانا چاہے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

والدّلیل علی ذلک:

إذا انعقدت الإجارة صحيحة على المدة، أو المسافة يلزم تسليم المأجور للمستأجر. (١)

ترجمہ:

جب اجارہ مدت یا مسافت کے بیان کے ساتھ صحیح طور پر منعقد ہو جائے تو اجارہ پر لی گئی چیز کرایہ دار کو حوالہ کرنا لازم ہو جاتا ہے۔



غیر مسلم افسر کے ماتحت کام کرنا

سوال نمبر(53):

کیا ایک مسلمان کے لیے جائز ہے کہ وہ کسی فرم یا کمپنی میں غیر مسلم افسر کے تحت ملازمت کرے؟

(١) شرح المجلة لخالد الأتاسي، المادة:٥٨٣، الإجارة، الباب السابع في وظيفة الآجر والمستأجر:٢/٦٨٢

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

واضح رہے کہ غیر مسلم کی ملازمت اس طور پر کرنا کہ جس سے اسلام اور مسلمانوں کی توہین لازم نہ آتی ہو جائز ہے، تاہم جہاں کہیں اس میں مسلمانوں کی تحقیر یا دینِ اسلام کی توہین کا شائبہ ہو تو ایسی ملازمت سے احتراز بہتر ہے۔

والدّلیل علی ذلك:

المسلم إذا آجر نفسه من الكافر ليخدمه جاز، ويكره .وقال الفضلي :لايجوز في الخدمة، و ما فيه إذلال، بخلاف الزراعة و السقي.(١)

ترجمہ: اگر کوئی مسلمان کسی کافر کی خدمت اجرت کے عوض کرے تو جائز ہے، تاہم ایسا کرنا مکروہ ہے۔ فضلیؒ نے فرمایا کہ: ایسی خدمت جائز نہیں، جس میں ذلیل ہونا پڑے، بخلاف زراعت اور آب پاشی کے۔

❁❁❁

گاڑی کے سپیئر پارٹس اجارہ پر دینا

سوال نمبر (54):

کیا دُکان دار کسی گاڑی والے کو سپیئر پارٹس یا گاڑی کے ٹائر کرایہ پر دے سکتا ہے؟ بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

شریعتِ مطہرہ میں اجارہ نام ہے کسی چیز کے منافع سے اجرت کے عوض فائدہ حاصل کرنا، بشرطیکہ اس میں عقدِ اجارہ کے جملہ شرائط موجود ہوں۔

لہٰذا اگر صورتِ مسئولہ میں مدت اور کرایہ معلوم ہو تو گاڑیوں کے ٹائر اور سپیئر پارٹس کرایہ پر دینے میں شرعاً کوئی قباحت نہیں۔

والدّلیل علی ذلك:

يشترط أن تكون الأجرة معلومة.(٢)

---

(١) خلاصة الفتاوى، كتاب الاجارات، الفصل العاشر في الحظر والاباحة: ١٤٩/٣

(٢) شرح المجلة لسليم رستم باز، الكتاب الثاني في الإجارة، الفصل الثالث، المادة: ٤٥٠، ص/ ٢٥٤

ترجمہ: اجارہ (کی صحت) کے لیے شرط یہ ہے کہ اجرت معلوم ہو۔

يشترط في الإجارة أن تكون المنفعة معلومة بوجه يكون مانعا للمنازعة. (١)

ترجمہ: (جس) منفعت (پر اجارہ منعقد ہو رہا ہو اس) کا اس طرح معلوم ہونا (اجارہ کی صحت کے لیے) شرط ہے جو باہمی نزاع کے لیے مانع ہو۔

❁❁❁

ٹریول ایجنٹ کی آمدنی

سوال نمبر(55):

آج کل ٹریول ایجنٹ لوگوں کے لیے مختلف ممالک کے ویزے لگاتے ہیں، چونکہ یہ ویزے مخصوص مدت کے لیے ہوتے ہیں، لہٰذا مدت پوری ہونے کے بعد ان لوگوں کا اس ملک میں رہنے کا کوئی جواز نہیں رہتا، لیکن اکثر لوگ ان ممالک کا ویزہ لے کر وہاں پر غیر قانونی طور پر چھپ جاتے ہیں، کیا ان لوگوں کے اس فعل کی بنا پر ٹریول ایجنٹ کی اجرت پر کچھ اثر پڑتا ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

ٹریول ایجنٹ اور اس کے مؤکل کے درمیان ویزہ کے حصول کے لیے جو رقم متعین کی جاتی ہے، وہ سروس چارجز ہیں، جو ٹریول ایجنٹ کی خدمت کا عوض ہے، لہٰذا اس خدمت پر اجرت لینے میں کوئی قباحت نہیں۔

جہاں تک مؤکل کا تعلق ہے تو کسی ملک میں داخلہ اور خروج کے قوانین کی پابندی اس کا قانونی اور شرعی فرض ہے، تاہم اگر وہ کسی ملک کے قوانین کا احترام نہیں کرتا تو وہ خود اس کا ذمہ دار ہے، اس کا اثر ایجنٹ کی اجرت پر نہیں پڑتا۔

والدّلیل علی ذلک:

وإذا اشترطت الأجرة في الوكالة، وأوفاها الوكيل استحق الأجرة. (٢)

---

(١) شرح المجلة لسليم رستم باز، الكتاب الثاني في الإجارة، الفصل الثالث في شروط صحة الإجارة، المادة: ٤٥١، ص/٢٥٤

(٢) شرح المجلة لسليم رستم باز، كتاب الوكالة، الباب الثالث في احكام الوكالة، المادة: ١٤٦٧، ص/٧٨٩

ترجمہ:

اور جب وکالت میں اجرت مشروط کی گئی ہو اور وکیل وکالت (یعنی اپنی ذمہ داری) پوری کرے تو وہ اس کا مستحق بن جاتا ہے۔

❀❀❀

قصاب کی اجرت

سوال نمبر(56):

عیدالاضحیٰ کے موقع پر بعض لوگ قربانی کا جانور ذبح کرنے کے لیے قصاب کی خدمات حاصل کرتے ہیں اور اس کے عوض پیسے دیتے ہیں، شرعاً قصاب کو اجرت دینا کیسا ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

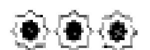
شریعت کی رو سے جانور کو ذبح کرنے کے لیے کسی دوسرے شخص کی خدمات حاصل کرنا اور اس کی خدمت کے عوض اُس کو اجرت دینا جائز ہے، لہٰذا کسی جانور کے ذبح کرنے کے لیے قصاب کو اجرت دینا اور اس کے لیے وصول کرنا جائز ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

ویجوز الاستیجار علی الذکاة ؛لأن المقصود منها قطع الأوداج دون إفاتة الروح، وذلك يقدر عليه.(١)

ترجمہ:

اور ذبح کرنے کے لیے (کسی کو) کرایہ پر لینا جائز ہے، کیونکہ اس سے مقصود (جانور کی) رگیں کاٹنا ہے نہ کہ روح کا نکالنا اور یہ (شخص) اس پر (یعنی رگیں کاٹنے) پر قادر ہے۔



(١) الفتاوى الهندية، كتاب الإجارة، فصل في المتفرقات:٤/٤٥٤

شفائے مرض کے لیے آیتِ قرآنی پڑھنے یا لکھنے پر اجرت

سوال نمبر(57):

کسی بیماری سے شفایابی کے لیے قرآنی آیات پڑھنے یا لکھنے پر اجرت لینا جائز ہے یا نہیں؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

شرعی نقطۂ نظر سے آیت قرآنیہ کو بطورِ علاج پڑھ کر اس پر اجرت لینا جائز ہے۔ کتب احادیث میں بعض صحابہؓ کا عمل مذکور ہے کہ انہوں نے شفا کے لیے آیاتِ قرآنیہ پڑھنے پر اجرت لی ہے اور آنحضرت ﷺ نے ان کی عمل کی تصویب فرمائی۔

لہٰذا کسی بیماری کی شفایابی کے لیے پڑھے گئے قرآنی آیات کے عوض اجرت وصول کرنا صحیح ہوگا۔

والدّلیل علی ذلک:

جوّزوا الرقية بالأجرة، ولو بالقرآن، كماذكره الطحاوي؛ لأنها ليست عبادة محضة، بل من التداوي.(١)

ترجمہ: اجرت پر تعویذ کو علما نے جائز قرار دیا ہے، اگر چہ تعویذ قرآنی آیات پر مشتمل ہو، جیسا کہ طحاویؒ نے ذکر کیا ہے، کیوں کہ یہ صرف عبادت کے طور پر نہیں، بلکہ علاج کے لیے ہے۔

❁❁❁

کرایہ کی گاڑی چار گھنٹے بعد واپس کرنے پر پورے دن کا کرایہ وصول کرنا

سوال نمبر(58):

آج کل رینٹ اے کار والے حضرات جب گاڑی کرایہ پر دیتے ہیں تو وہ پورے دن، یعنی چوبیس گھنٹے کے حساب سے گاڑی کرایہ پر دیتے ہیں، اگر کسی شخص کی ضرورت چار گھنٹوں میں پوری ہو جائے اور گاڑی واپس کرے تو پھر

(١) ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، مطلب تحريرمهم في عدم جواز الاستيجار على التلاوة والتهليل: ٩/ ٧٨

بھی وہ لوگ پورے دن کا کرایہ وصول کرتے ہیں، شرعاً ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

اگر رینٹ اے کار والے حضرات اور گاہک کے درمیان معاملہ ایک دن کے لیے ہوا ہو اور رینٹ اے کار والے کی طرف سے قبل از وقت گاڑی حوالہ کرنے کا کوئی ذکر نہ ہو تو اگر گاہک اپنی خوشی سے چار گھنٹے بعد گاڑی واپس کرتا ہے تو وہ مکمل چوبیس گھنٹوں کا کرایہ ادا کرنے کا پابند ہوگا، صرف چار گھنٹے کا کرایہ ادا کرنا کافی نہیں ہوگا۔

والدلیل علی ذلک:

(فیجب الأجر لدار قبضت ولم تسکن) لوجود تمکنه من الانتفاع.(۱)

ترجمہ:

ایسے گھر کا کرایہ واجب ہوگا جس میں وہ شخص نہیں رہتا لیکن اس کے قبضہ میں ہے، کیوں کہ وہ اس (گھر) سے فائدہ اٹھانے پر قادر ہے۔



بیوی کی ملازمت کرنا

سوال نمبر(59):

جاوید نے ایک مالدار عورت سے شادی کی، جاوید کی مالی حالت کافی کمزور ہے، لیکن وہ نہایت خوددار آدمی ہے، اپنی بیوی سے ایک پیسہ لینے کا روادار نہیں، اب وہ تنخواہ پر اپنی بیوی کی گاڑی چلاتا ہے، شرعاً ایسا کرنا صحیح ہے یا نہیں؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

فقہائے کرام کی آرا کے مطابق اگر کوئی عورت اپنے شوہر سے اجرت کے عوض کوئی خدمت لے تو ایسا کرنا مرخص ہے، لہٰذا جاوید کا تنخواہ کے عوض اپنی بیوی کی گاڑی چلانا جائز ہے۔

---

(۱) الدر المختار علی صدر ردالمحتار، کتاب الإجارۃ: ۱۵/۹

والدّليل على ذلك:

ولو استأجرت المرأة زوجها ليخدمها في البيت بأجر مسمى فهو جائز.(١)

ترجمہ:

اگر عورت نے اپنے شوہر کو معین اجرت پر رکھ لیا، تاکہ گھر میں اس کی خدمت کرے تو ایسا کرنا جائز ہے۔

❁❁❁

جعلی سند کے ذریعے حاصل کردہ ملازمت کی تنخواہ

سوال نمبر (60):

اگر ایک شخص F.A کے امتحان میں فیل ہو چکا ہو، لیکن جعلی سند بنا کر ایک ایسی جگہ ملازمت حاصل کرے، جہاں کم از کم انٹرمیڈیٹ تعلیم کی ضرورت ہو تو اس کی تنخواہ حلال ہوگی یا حرام؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وبالله التوفيق:

واضح رہے کہ اجیر خاص کو اُجرت اس کے عمل کے عوض ملتی ہے۔ لہٰذا اگر وہ مفوضہ کام صحیح طرح سے سرانجام دینے پر قادر ہو اور مقررہ وقت میں اپنی حاضری یقینی بناتا ہو تو اس کے لیے اُجرت لینا جائز ہوتا ہے۔

مسئولہ صورت کے مطابق جب کوئی شخص جعلی سند کے ذریعہ ملازمت حاصل کرتا ہے تو اگر وہ مفوضہ ڈیوٹی بخوبی سرانجام دینے پر قادر ہو تو اس کے لیے تنخواہ لینا حلال ہے، لیکن ملازمت حاصل کرنے کے لیے اختیار کیا گیا یہ طریقہ بہرحال ناجائز اور حرام ہے، کیونکہ اس میں جھوٹ، دھوکہ دہی اور دوسروں کے حق پر ڈاکہ ڈالنے جیسے سنگین گناہوں کا ارتکاب کیا گیا ہے، جبکہ نااہلیت کی صورت میں تنخواہ لینا بھی جائز نہیں۔

والدّليل على ذلك:

تنعقد الإجارة بالإيجاب والقبول كالبيع. (٢)

---

(١) بدائع الصنائع، كتاب الإجارة: ١٥/٦

(٢) شرح المجلة لسليم رستم باز، المادة: ٤٣٣، كتاب الإجارة، الباب الثاني في المسائل المتعلقة بالأجرة: ص/٢٤٣

ترجمہ: اجارہ بیع کی طرح ایجاب وقبول سے منعقد ہوتا ہے۔

يشترط في صحة الإجارة رضا العاقدين. (١)

ترجمہ: صحت اجارہ کے لیے عاقدین کی رضامندی شرط ہے۔

❀❀❀

کذب بیانی سے حاصل کردہ ملازمت کی تنخواہ

سوال نمبر(61):

بندہ سول ایوی ایشن اتھارٹی میں بطور Typist بھرتی ہوا ہے۔ بھرتی ہوتے وقت مجھ سے زیادہ قابل لڑکے بھی موجود تھے، لیکن میرے ایک رشتہ دار نے میرے نمبر کسی طرح سے زیادہ دکھا کر مجھے بھرتی کروادیا۔ پھر انٹرویو میں بھی میں نے تھوڑا بہت جھوٹ بولا، اب کیا مجھے اس پوسٹ کی تنخواہ لینا حلال ہے یا نہیں؟ جب کہ میں مکمل ڈیوٹی کرتا ہوں اور افسران بالا میرے کام سے مطمئن اور راضی ہیں۔

بینوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

دھوکہ، جھوٹی گواہی اور کذب بیانی کبیرہ گناہوں میں سے ہیں جن کا ارتکاب کسی مسلمان کو زیب نہیں دیتا، بالخصوص جب کہ اس سے دوسروں کے حقوق متاثر ہونے کا بھی اندیشہ ہو، تاہم اگر کسی محکمہ میں بھرتی ہونے کے لیے ان گناہوں کا ارتکاب کیا جائے تو ان گناہوں کی سنگینی اپنی جگہ، لیکن اگر ملازم میں مفوضہ امور بخوبی سرانجام دینے کی صلاحیت موجود ہو اور وہ وقتِ مقرر پر ڈیوٹی دیتا ہو تو اس کے لیے تنخواہ لینا حلال ہے۔

مسئولہ صورت میں سائل کا کسی رشتہ دار کے ذریعہ نمبرات زیادہ دکھا کر اپنا نام میرٹ پر لانا اور پھر انٹرویو میں جھوٹ بولنا شرعی اور اخلاقی جرم ہے جس کا کفارہ یہی توبہ اور استغفار کے سوا کچھ نہیں، لیکن اس طرح بھرتی ہونے کے بعد اگر واقعی حسب بیان سائل مکمل ڈیوٹی کرتا ہو اور افسرانِ بالا اس کے کام سے مطمئن ہوں تو اس کے لیے تنخواہ لینا حلال ہے۔

---

(١) شرح المجلة لسليم رستم باز، المادة:٤٤٨، كتاب الإجارة، الباب الثاني في المسائل المتعلقة بالأجرة: ص/٢٥٤

والدلیل علی ذلک :

تنعقد الإجارة بالإيحاب والقبول كالبيع. (١)

ترجمہ: اجارہ بیع کی طرح ایجاب وقبول سے منعقد ہوتا ہے۔

يشترط في صحة الإجارة رضا العاقدين. (٢)

ترجمہ: صحت اجارہ کے لیے عاقدین کی رضامندی شرط ہے۔

❁❁❁

مسجد کا کمرہ کرایہ پر دینا

سوال نمبر(62):

ہماری مسجد میں ایک کمرہ ہے جو بالکل خالی پڑا ہے اور مسجد کی ضروریات سے فارغ ہے، کیا ہم وہ کسی کو کرایہ پر دے سکتے ہیں؟ جب کہ کرایہ کی رقم ہم مسجد ہی میں خرچ کریں گے۔

بيّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

وقف مسجد کا کوئی حصہ کسی کو کرایہ پر دینا شرعاً جائز نہیں۔ یہ مسجد کے تقدس اور احترام کے منافی ہے۔ لہٰذا صورتِ مسئولہ میں اگر مذکورہ کمرہ مسجد کے حدود میں شامل ہو تو اس کو کرایہ پر دینا جائز نہیں اس سے احتراز ضروری ہے۔

والدلیل علی ذلک :

قيم المسجد لا يجوز له أن يبني حوانيت في حدّ المسجد،أو في فنائه ؛لأن المسجد إذا جعل حانوتاً، ومسكناً تسقط حرمتهُ. (٣)

---

(١) شرح المجلة لسليم رستم باز، المادة:٤٣٣، كتاب الإجارة، الباب الثاني في المسائل المتعلقة بالأجرة: ص/٢٤٣۔

(٢)أيضاً، المادة:٤٤٨، كتاب الإجارة، الباب الثاني في المسائل المتعلقة بالأجرة:ص/٢٥٤

(٣) الفتاوى الهندية، كتاب الوقف الباب الحادي عشرفي المسجد ومايتعلق به : ٤٦٢/٢

ترجمہ:

مسجد کے متولی کے لیے جائز نہیں کہ وہ مسجد کے حدود یا اس کے صحن میں دکانیں تعمیر کرے۔ اس لیے کہ جب مسجد (کے کسی حصے) کو دکان یا جائے سکونت بنایا جائے تو اس کا احترام ختم ہو جائے گا۔

❁❁❁

مسجد کے چندہ سے قاری صاحب کو تنخواہ دینا

سوال نمبر(63):

مسجد میں بچوں کو پڑھانے والے قاری صاحب کی تنخواہ کا انتظام چندہ سے کیا جاتا ہے۔ چندہ دہندگان متعین لوگ ہیں اور چندہ سے تنخواہ دینے کا اعلان بھی ہوتا ہے۔ کیا ایسا کرنا جائز ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

مسجد میں بچوں کو پڑھانے کے لیے قاری صاحب کی تقرری مسجد کی ضروریات میں سے ہے، اس لیے فقہائے کرام نے مسجد کے چندہ سے مسجد میں پڑھانے والے قاری صاحب کی بقدر کفالت تنخواہ کا انتظام جائز لکھا ہے۔ مسئولہ صورت میں جب کہ چندہ دہندگان بھی متعین ہیں اور چندہ سے قاری صاحب کو تنخواہ دینے کا اعلان بھی کیا جاتا ہے تو اس کے جواز میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا۔

والدّلیل علی ذلك:

(ویبدأ من غلته بعمارته) ثم ماهو أقرب لعمارته كإمام مسجد، ومدرس مدرسة يعطون بقدر كفايتهم. (۱)

ترجمہ:

وقف کی آمدن سے اس کی تعمیر پر خرچ سے ابتدا کی جائے گی، پھر جو تعمیر سے قریب تر ہو (اس میں خرچ کیا جائے گا) جیسا کہ مسجد کا امام اور مدرسہ کا مدرس، ان کو بقدر کفایت دیا جائے گا۔

---

(۱) الدرالمختار علی صدر ردالمحتار، کتاب الوقف: ۶/۵۵۹۔۵۶۱

وکیل بالشراء کا متعاقدین سے خفیہ طور پر اپنے لیے نفع کمانا

سوال نمبر(64):

ایک شخص نے اپنی مشینری فروخت کرنے کے لیے کسی کو وکیل بنایا اور اجرت مقرر نہیں کی۔اس وکیل نے وہ مشینری کسی کے ہاتھ پچاس ہزار روپے میں فروخت کردی اور مالک کو چالیس ہزار روپے دے کر کہا کہ میں نے مشینری چالیس ہزار میں فروخت کردی۔یوں اس نے دس ہزار روپے مالک یا مشتری کو اطلاع دیے بغیر خود رکھ لیے۔

اب مالک کو کہیں سے معلوم ہوا ہے کہ وکیل نے مشینری پچاس ہزار روپے میں فروخت کی ہے۔ایسی صورت میں کیا وہ وکیل سے بقایا رقم کا مطالبہ کرسکتا ہے یا نہیں؟

واضح رہے کہ مؤکل کو پہلے سے اس بات کا یقین تھا کہ یہ وکیل مفت میں یہ خدمت نہیں کرتا، بلکہ اپنے لیے ضرور کوئی مزدوری کاٹے گا۔

بینوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

شریعتِ مطہرہ کی رُو سے وکیل کا اپنی وکالت پر اجرت لینا جائز ہے، البتہ اس میں تفصیل یہ ہے کہ اگر مؤکل نے وکیل مقرر کرتے وقت اجرت متعین کی ہو تو متعین کردہ اُجرت لازم ہوگی، ورنہ اگر پہلے سے اُجرت متعین نہ ہوئی ہو تو پھر دیکھا جائے گا کہ یہ وکیل دوسرے لوگوں سے اپنی وکالت کی خدمت کا عوض وصول کرتا ہے یا نہیں۔اگر وصول کرتا ہو تو مؤکل اجرِ مثل (معروف ومروج اُجرت) دینے کا پابند ہوگا اور اگر وہ مفت خدمت کرتا ہو تو پھر وہ کسی قسم کی اجرت کا مستحق نہیں۔

مسئولہ صورت میں مالکِ مشین نے جس شخص کو مشین فروخت کرنے کے لیے وکیل بنایا تھا، اگر وہ خدمت کا عوض لینے والا ہو، جیسا کہ سوال سے معلوم ہوتا ہے تو چونکہ اس کے لیے پہلے سے اجرت متعین نہیں ہوئی ہے، اس لیے وہ اجرِ مثل (معروف اور مروج اجرت) کا مستحق ہوگا اور اس نے جس قیمت پر مشینری فروخت کی ہے، وہ پوری رقم مالک ہی کے حوالہ کرنا لازمی ہے۔وکیل اس سے کٹوتی کا کوئی حق نہیں رکھتا۔

والدّلیل علی ذلک:

إذا اشترطت الأجرة في الوكالة ، وأوفاها الوكيل استحق الأجرة. قال الشارحؒ:إطلاقه يدل

علی أنه لا فرق فیما إذا وقت وقتاً معلوماً لإیفاء الوکالة، أولا. وإن لم تشترط، ولم یکن الوکیل ممن یخدم بالأجرة کان متبرعا،فلیس له أن یطالب بالأجر،وأماإذاکان ممن یخدم بالأجرة، فله أجرمثله،لأن المعروف عرفاً، کالمشروط شرطاً. (۱)

ترجمہ: جب وکالت میں اجرت کی شرط لگادی گئی ہواور وکیل وہ کام پورا کردے تو وہ اجرت کا مستحق بن جاتا ہے۔ شارح فرماتے ہیں:اس عبارت کا مطلق ہونا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ایفاءِ وکالت کے لیے وقت کی تعیین اور عدم تعیین سے کوئی فرق نہیں پڑتا اور اگر (اجرت کی) کوئی شرط نہ لگائی گئی ہواور وکیل اجرت کے ساتھ خدمت کرنے والوں میں سے نہ ہو،تو محض احسان کرنے والا ہوگا پس اس کے لیے اجرت کا مطالبہ جائز نہیں ہے اور اگر اجرت کے عوض خدمت کرنے والا ہوتو اس کو اجرِ مثل ملے گا،اس لیے کہ عرف میں جو کام معروف ہو وہ مشروط ہی کی طرح ہوا کرتا ہے۔

❁❁❁

ڈاکٹر کا مرض کی تشخیص نہ کرسکنے کی صورت میں فیس کا استحقاق

سوال نمبر (65):

اگر ایک مریض ڈاکٹر کے پاس علاج کرنے چلا جائے،مگر ڈاکٹر مرض کی تشخیص نہ کرسکے تو وہ فیس کا مستحق بنتا ہے یا نہیں؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

مریض ڈاکٹر کے پاس علاج کرنے جاتا ہے تو ڈاکٹر کی تین ذمہ داریاں ہوتی ہیں:(۱)طبی معائنہ(۲)مرض کی تشخیص (۳)مرض کا علاج بتانا۔یعنی ڈاکٹر طبی معائنہ کرتا ہے،پھر اس کے نتیجہ میں جب مرض کی تشخیص ہوجاتی ہے تو اس کا علاج دوائی یا پرہیز کی صورت میں بتادیتا ہے اوران تمام خدمات کے عوض فیس وصول کرتا ہے۔اب اگر کوئی ڈاکٹر مریض کا معائنہ کرلے،لیکن کسی نتیجہ تک نہ پہنچ سکے تو چونکہ اس نے اپنا وقت اور تجربہ بہر حال صرف کرلیا ہے،اس لیے وہ فیس کا مستحق ہوگا۔تاہم یہ بھی واضح رہے کہ اگر ڈاکٹر مریض سے جان چھڑانے کی کوشش کرے اور صرف اپنی فیس کی خاطر مریضوں کی تعداد میں اضافہ کرے اوران کے امراض کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش ہی نہ کرے تو وہ عنداللہ مجرم ہوگا۔

(۱) شرح المجلة لسلیم رستم باز، المادة:۱٤٦٧، کتاب الوکالة، الباب الثالث فی أحکام الوکالة: ص/۷۸۹

والدّليل على ذلك:

ثم الأجرة تستحق بأحد معان ثلاثة:إما بشرط التعجيل، أو بالتأجيل، أو باستيفاء المعقود عليه. (١)

ترجمہ:

تین صورتوں میں سے کسی ایک صورت سے اجرت کا استحقاق بنتا ہے:

(۱)......معجّل ادا کرنے کی شرط کے ساتھ۔

(۲)......یا معین مدت تک ادا کرنے کی شرط کے ساتھ۔

(۳)...... یا معقود علیہ کو پورا پورا وصول کرنے کے بعد۔

❁❁❁

سٹاک ایکسچینج میں ملازمت

سوال نمبر(66):

میں سٹاک ایکسچینج میں ملازم ہوں۔ سٹاک ایکسچینج میں چونکہ سودی اور غیر سودی دونوں قسم کی کمپنیوں کے شیئرز فروخت ہوتے ہیں، اس لیے مجھے شک ہے کہ میری یہ ملازمت کہیں سود کی وجہ سے ناجائز نہ ہو؟ آپ سے درخواست ہے کہ سٹاک ایکسچینج میں ملازمت کی شرعی حیثیت واضح فرمائیں۔

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

موجودہ دور میں جن اداروں یا کمپنیوں کی بنا کا مقصد ہی سودی معاملات کو فروغ دینا ہو تو ان کے ساتھ ملازمت کرنا شرعاً جائز نہیں، البتہ جن کمپنیوں کی بنا کی غرض تو سودی معاملات کی خدمت نہ ہو، لیکن وہ اپنے کاروبار کو چلانے میں سودی ذرائع سے بھی استفادہ کرتے ہوں تو ان کے ساتھ ملازمت کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

مسئولہ صورت میں سٹاک ایکسچینج کی بنا کی غرض چونکہ سودی لین دین کو ترویج دینا نہیں، بلکہ کمپنی اور گاہک

(١) الفتاوى الهندية، كتاب الإجارة، الباب الثاني في بيان أنّه متى تجب الأجرة ومايتعلق به من الملك وغيره: ٤١٣/٤

کے درمیان دلال (واسطہ) بن کر کمپنی کے شیئرز گاہک پر فروخت کرتا ہے، اس لیے سٹاک ایکسچینج کی ملازمت میں کوئی حرج نہیں۔

والدّلیل علی ذلك:

ولو استأجر الذمي مسلماً ليبني له بيعةً أو كنيسةً جاز، ويطيب له الأجر. (۱)

ترجمہ:

اور اگر ذمی نے مسلمان کو یہودی عبادت خانہ یا عیسائی عبادت خانہ بنانے کے لیے اجرت پر رکھا تو (مسلمان کے لیے یہ مزدوری) جائز ہے اور اس کے لیے اجرت لینا بھی حلال ہے۔

❁❁❁

کفار کے ساتھ ملازمت

سوال نمبر(67):

کفار کے ساتھ ملازمت کرنے کا کیا حکم ہے۔ جواز یا عدم جواز؟ بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰه التوفیق:

کفار کے ساتھ ملازمت کرنا اس صورت میں جائز ہے جب:

(۱)......مسلمان کو اپنے عقائد اور اعمال کے متاثر ہونے کا اندیشہ نہ ہو۔

(۲)......اور اس میں کفار کے سامنے ذلیل ہونا نہ پڑے۔

چنانچہ جو ملازمت مسلمان کے عقائد اور اعمال پر اثر انداز ہوتی ہو یا اس میں کافر کے سامنے ذلیل ہونا پڑے، وہ مکروہ ہے۔

والدّلیل علی ذلك:

المسلم إذا أجر نفسه من الكافر ليخدمهُ جاز، ويكره، قال الفضليؒ: لا يجوز في خدمة مافيه إذلال، بخلاف الزراعة، والسقي. (۲)

(۱) الفتاوی الهندية، كتاب الإجارة، الباب الخامس عشرفی بيان مايجوزمن الإجارة ومالايجوز: ٤/٤٥٠

(۲) خلاصة الفتاوی، كتاب الاجارات، الفصل العاشرفی الحظروالاباحة: ۳/۱٤۹

ترجمہ:

مسلمان جب کافر کو اپنا نفس اُجرت پر دے دے، تاکہ اس کی خدمت کرے تو یہ جائز مگر مکروہ ہے۔ فضلیؒ نے کہا ہے کہ: ''اس کی ایسی خدمت جائز نہیں، جس میں ذلیل ہونا پڑے''۔ بخلاف زراعت اور درخت سینچنے کے (یعنی جن ملازمت میں مسلمان کی اہانت نہ ہو)۔



این جی اوز میں ملازمت

سوال نمبر (68):

آج کل ہمارے ملک کے اندر بہت سی این، جی، اوز (N.G.O's) مختلف شعبوں کے اندر سرگرم عمل ہیں، اگرچہ ان میں سے بعض کے مقاصد اور اہداف محل نظر ہیں، لیکن بعض ایسی این، جی اوز بھی موجود ہیں جن کے اغراض ومقاصد اور سرگرمیوں میں بظاہر کوئی سازش معلوم نہیں ہوتی۔ تو کیا ایک مسلمان کے لیے ان کے ساتھ ملازمت کرنا جائز ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شریعتِ مطہرہ نے بوقتِ ضرورت مسلمانوں کو کفار کے ساتھ ملازمت کرنے کی اجازت دی ہے، بشرطیکہ اس سے مسلمانوں کی تحقیر اور اسلامی اقدار کی پائے مالی نہ ہو۔

آج کل تمام این جی اوز (N.G.O's) پر کوئی ایک حکم لگانا مشکل ہے کیونکہ ان میں ملازمت کے جواز یا عدمِ جواز کا دارومدار ان کے مقاصد پر ہے، چنانچہ اگر کسی این جی او کے بارے میں یقینی طور پر معلوم ہو جائے کہ وہ رفاہی کاموں کی آڑ میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشوں میں مصروف ہے اور ان کے عزائم مسلمانوں کے حق میں خطرناک ہیں تو کسی مسلمان کے لیے ان کے ساتھ ملازمت کرنا جائز نہیں، کیوں کہ یہ اُن کے مذموم عزائم کی تکمیل میں اُن کے ساتھ تعاون کرنے کے مترادف ہے۔

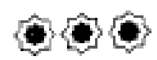
تاہم اگر کسی این جی او کے بارے میں یقینی طور پر معلوم ہو جائے کہ ان کے عزائم اسلام کے خلاف نہیں تو ایسی صورت میں یہ دیگر عالمی اداروں کے زمرہ میں داخل ہوں گے اور ان کے ساتھ ملازمت کرنا جائز ہوگا۔

والدّلیل علی ذلك :

مسلم آجر نفسه من نصراني،إن استأجره لعمل غير الخدمة جاز، وإن آجر نفسه للخدمة، قال الشيخ الإمام أبوبكر محمد بن الفضل :لايجوز، وذكر القدوري أنه يجوز،و يكره له خدمة الكافر. (١)

ترجمہ:

ایک مسلمان نے اپنے آپ کواجرت پرکسی نصرانی کے حوالہ کیا،اگراس نے خدمت کے علاوہ کسی اورکام کے لیے اپنے آپ کواجرت پرحوالہ کیا ہوتو یہ جائز ہےاوراگرخدمت کے لیے اپنے آپ کواجارہ پردیا ہوتوامام ابوبکرمحمد بن فضل ؒفرماتے ہیں کہ یہ جائز نہیں اورقدوری نے ذکرکیا ہے کہ یہ جائز ہے،البتہ اس (مسلمان) کے لیے کافرکی خدمت کرنامکروہ ہے۔



آغاخان یونیورسٹی کے لیے کام کرنے پراُجرت

سوال نمبر(69):

آغاخان میڈیکل یونیورسٹی کے لیے انٹری ٹیسٹ پشاورمیں''آرمی پبلک سکول اینڈ کالج''میں منعقدہوتا ہے۔اس ٹیسٹ میں یہاں کے اساتذہ کویونیورسٹی کی طرف سے نگرانی کے لیے مقررکیا جاتا ہےاورمعاوضہ بھی یونیورسٹی ہی کی طرف سے دیا جاتا ہے۔اب سوال یہ ہے کہ مذکورہ یونیورسٹی چونکہ غیرمسلموں کی ہے،اس لیےان سے معاوضہ لینا شرعاًحلال ہے یاحرام؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰه التّوفیق:

فقہائے کرام نے جائزامورمیں کفارکی ملازمت کوجائزقراردیا ہے۔اس لیےآغاخان یونیورسٹی کے انٹری ٹیسٹ میں نگرانی کرکےاس کامعاوضہ لینے میں شرعاًکوئی قباحت نہیں۔

والدّلیل علی ذلك:

المسلم إذاآجر نفسه من الكافر ليخدمهٗ جاز، ويكره، قال الفضليؒ: لا يجوز في خدمة مافيه

(١) فتاوی قاضي خان علی هامش الهندية، كتاب الاجارات،باب الإجارة الفاسدة : ٢/٣٢٤

إذلالٌ، بخلاف الزراعة، والسقي. (۱)

ترجمہ:

مسلمان جب کافر کو اپنا نفس اُجرت پر دے دے تا کہ اس کی خدمت کرے تو یہ جائز مگر مکروہ ہے۔ فضلیؒ نے کہا ہے کہ: ''اس کی ایسی خدمت جائز نہیں، جس میں ذلیل ہونا پڑے''۔ بخلاف زراعت اور درخت سینچنے کے۔

❁❁❁

اسٹیٹ بینک کے میوزیم میں ملازمت

سوال نمبر (70):

اسٹیٹ بینک کے شعبہ میوزیم یا لائبریری میں ملازمت کرنے کا کیا حکم ہے؟ جب کہ اس میں ملازمت کا سود کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

[illegible]کسی بینک یا دوسرے سودی ادارے میں ایسی ملازمت، جس میں براہ راست سود دینے والے، لینے والے، [illegible]اور گواہ بننے والے کی ذمہ داری اُٹھانی نہ پڑے، شرعاً مرخص ہے۔ جیسے بینک کا سیکورٹی گارڈ، سویپر، [illegible]ریری اور میوزیم جیسے شعبہ جات میں ملازمت کرنے والا، لیکن پھر بھی چونکہ سودی ادارے کے اندر ملازمت کچھ نہ کچھ حد تک ان کے ساتھ تعاون کرنے کے مترادف ہے، اس لیے بہتر یہ ہے کہ آدمی کوئی بے تردد حلال ملازمت تلاش کر کے اس کو چھوڑ دے۔

والدّلیل علی ذلک:

لو استأجر الذمي مسلما لیبنی له بیعة أو کنیسة جاز، ویطیب له الأجر. (۲)

ترجمہ: اگر ذمی نے کسی مسلمان کو بیعہ یا کنیسہ تعمیر کرنے کے لیے اُجرت پر لے لیا تو یہ جائز ہے اور مسلمان کے لیے اُجرت حلال ہے۔

---

(۱) خلاصة الفتاوی، کتاب الاجارات، الفصل العاشر في الحظر والاباحة: ۱۴۹/۳

(۲) الفتاوی الهندیة، کتاب الإجارة، الباب الخامس عشر في بیان مایجوز من الإجارة ومالایجوز: ۴۵۰/۴

عن جابرؓ قال: لعن رسول اللہ ﷺ اکل الربوا، وموکلہ، وکاتبہ، وشاھدیہ، وقال:ھم سواء.(۱)

ترجمہ:

حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ حضور علیہ السلام نے سود کھانے، کھلانے، لکھنے اور اس پر گواہ بننے والوں پر لعنت فرمائی ہے اور فرمایا یہ سب (حکم کے اعتبار سے) ایک جیسے ہیں۔

❁❁❁

حرام آمدنی والے شخص کے ساتھ ملازمت

سوال نمبر(71):

میرا ایک رشتہ دار سودی بینک میں ملازم ہے۔میں اس کے بچوں کو ٹیوشن پڑھاتا ہوں، وہ اس کے عوض مجھے ماہانہ فیس دیا کرتا ہے۔میرا سوال یہ ہے کہ میرے لیے اس سے ٹیوشن فیس وصول کرنا جائز ہے یا ناجائز؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

جس شخص کی آمدنی خالصۃً حرام ہو، اس کے ساتھ ملازمت کر کے تنخواہ وصول کرنا شریعت کی رو سے جائز نہیں۔البتہ جس شخص کی آمدنی مشتبہ یا حلال وحرام سے مخلوط ہو اور حلال اس میں غالب ہو تو اس کی ملازمت ایسی صورت میں جائز ہوگی، جب وہ حلال مال سے تنخواہ دیتا ہو۔

صورتِ مسئولہ میں سائل جس بینک ملازم کے بچوں کو ٹیوشن پڑھاتا ہے، اگر اس کی آمدنی کا واحد ذریعہ یہی ملازمت ہو تو اس کے حرام ہونے کی وجہ سے سائل کے لیے اس سے ملازمت کا عوض لینا جائز نہیں، تاہم اگر وہ کسی سے قرض لے کر آپ کو تنخواہ دے دے تو وہ رقم آپ کے لیے حلال ہوگی یا اگر بینک ملازمت کے علاوہ اس کی آمدنی کا کوئی اور حلال ذریعہ بھی ہو اور وہ اس سے آپ کو تنخواہ دے تو بھی آپ کے لیے تنخواہ لینا جائز ہوگا۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

(الحرام ینتقل)أي تنتقل حرمته، وإن تداولته الأیدي، وتبدلت الأملاك، ومانقل عن بعض

(۱) الصحیح للمسلم، کتاب البیوع، باب الربوا:۲/۲۷

الحنفية من أن الحرام لايتعدى ذمتين، سئلت عنه الشهاب بن الشلبيؒ فقال : هو محمول على ما إذا لم يعلم بذلك. (۱)

ترجمہ:

حرام منتقل ہوتا ہے، یعنی اس کی حرمت منتقل ہوتی ہے، اگر چہ ہاتھ بدل جائیں اور ملکیت تبدیل ہو اور یہ جو بعض احناف سے نقل کیا گیا ہے کہ حرام دو ذموں کی طرف متعدی نہیں ہوتا، اس بارے میں میں نے شیخ شہاب بن شلبیؒ سے سوال کیا تو آپؒ نے فرمایا: یہ علم نہ ہونے کی صورت پر محمول ہے۔

❁❁❁

بے جان چیز کی ویڈیو بنانے کی ملازمت

سوال نمبر (72):

مجھے محکمہ زراعت میں فصلوں کی ویڈیو بنانے کی ملازمت مل رہی ہے کیا میں اس کو اختیار کر سکتا ہوں؟ شرعاً یہ ناجائز تو نہیں ہوگا؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شریعتِ مقدسہ کی رُو سے ذی روح اشیا کی تصویر بنانا ناجائز اور غیر ذی روح کی تصویر بنانا جائز ہے۔ اس لیے اگر کوئی شخص درخت، پتھر، پہاڑ، دریا وغیرہ کی تصاویر بناتا ہو تو شرعاً اس میں کوئی حرج نہیں۔

مسئولہ صورت کے مطابق اگر کسی کو صرف فصلوں کی ویڈیو بنانے کی ملازمت مل رہی ہو تو وہ بلا تردد اس کو اختیار کر سکتا ہے، تاہم اسے چاہیے کہ وہ ویڈیو بنانے میں احتیاط کرے، تاکہ کسی جاندار، ذی روح چیز کو ویڈیو میں لا کر گناہ گار نہ ہو۔ ہاں بوقتِ ضرورت جان دار کی ویڈیو بنانا بھی مرخص ہے۔

والدّليل على ذلك:

عن سعيد بن أبي الحسن قال : كنت عند ابن عباس إذ أتاه رجل، فقال يا ابن عباس إني إنسان إنما معيشتي من صنعة يدي، وإني أصنع هذه التصاوير، فقال ابن عباسؓ :لا أحدثك إلا ماسمعت رسول الله ﷺ

---

(۱) ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مطلب الحرمة تتعدد :۷/ ۳۰۰،۳۰۱

يقول: سمعته، يقول: من صوّر صورة، فإن الله معذبه حتى ينفخ فيها الروح، وليس بنافخ فيها أبداً، فربا الرجل ربوةً شديدةً، واصفر وجهه، فقال: ويحك إن أبيت إلّا أن تصنع، فعليك بهذا الشجر، وكل شيء ليس فيه روح. (۱)

ترجمہ:

حضرت سعید بن ابی الحسن سے روایت ہے کہ میں ابن عباسؓ کے پاس تھا، اتنے میں ایک آدمی نے آ کر آپؓ سے کہا: اے ابوالعباس! میں ایک انسان ہوں، میری کمائی میرے ہاتھ کی صنعت سے ہے، میں یہ تصاویر بناتا ہوں۔ ابن عباسؓ نے فرمایا: میں تمہیں بیان نہیں کرتا، مگر وہ جو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے۔ میں نے آپ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: جو شخص کوئی تصویر بنائے تو اللہ تعالیٰ اس وقت تک اسے عذاب دیں گے، جب تک وہ اس تصویر میں روح نہ پھونکے اور وہ ہرگز اس میں روح پھونک نہ سکے گا۔ سو (یہ سن کر) اس شخص کی سانس (پریشانی کی وجہ سے) چڑھنے لگی اور اس کا چہرہ زرد ہوگیا۔ پھر ابن عباسؓ نے فرمایا: تجھ پر ہلاکت ہو! اگر تم ضرور یہی کام کرتے ہو تو اس درخت اور ہر اس چیز کو لازم پکڑو، جس میں روح نہ ہو۔

❁❁❁

بینک کے ذریعے تنخواہ دینے والے محکمہ میں ملازمت

سوال نمبر (73):

ہمارے ملک میں تقریباً تمام سرکاری ملازمین کی تنخواہیں بینک کے ذریعے ادا کی جاتی ہیں اور بینک کا نظام سودی ہے، اس لیے یہ شبہ ہوتا ہے کہ تمام سرکاری ملازمتیں ناجائز ہوں گی۔ برائے مہربانی اس شبہ کو حل فرمائیں۔

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

سرکاری ملازمین کو بینک کے ذریعے جو تنخواہ دی جاتی ہے، وہ درحقیقت سرکاری محکموں میں خدمات سرانجام دینے کا معاوضہ ہوتا ہے اور غیر سودی سرکاری اداروں میں ملازمت جائز ہے، اس لیے ان کی اُجرت لینا بھی بلاشبہ جائز ہے۔ بینک کے ذریعہ تنخواہ کی ادائیگی اس کی حلت پر اثر انداز نہیں ہوتی۔

(۱) الصحيح للبخاري، كتاب البيوع، باب بيع التصاوير التي ليس فيها روح وما يكره من ذلك: ۱/۲۹۶

ہاں یہ الگ بات ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی پیشین گوئی کے عین مطابق آج وہ زمانہ آ گیا ہے کہ جس میں کوئی آدمی سود کھائے بغیر نہیں رہ سکتا۔ جتنی بھی احتیاط برتی جائے، بہر حال کم از کم سود کا غبار تو کمائی تک پہنچ ہی جاتا ہے، اس لیے مقدور بھر کوشش کرنی چاہیے کہ کسی سودی معاملہ میں ملوث نہ ہوں، پھر بھی اگر غیر اختیاری طور پر سود کا غبار پہنچے تو اس میں آدمی عند اللہ معذور ہوگا۔

والدّليل على ذلك:

عن أبي هريرةؓ :أن رسول اللهﷺ قال : ليأتين على الناس زمان لا يبقىٰ أحد إلا أكل الربوا، فإن لم يأكله أصابه من بخاره. قال ابن عيسىٰ: أصابه من غباره. (١)

ترجمہ:

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عنقریب لوگوں پر ایسا زمانہ آئے گا کہ کوئی بھی سود کھائے بغیر باقی نہیں رہے گا۔ پس اگر کوئی سود نہ کھاتا ہو تو اس کو اس کا بخار ضرور پہنچے گا۔ ابن عیسیٰ نے (بخار کا معنیٰ بیان کرتے ہوئے) کہا یعنی اس کا غبار پہنچے گا۔

❁❁❁

اسٹیٹ بینک کی مسجد میں امامت

سوال نمبر(74):

اسٹیٹ بینک کی مسجد میں امام بن کر بینک سے تنخواہ لینا جائز ہے یا ناجائز؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

حضور پاک ﷺ نے سود لینے والے، دینے والے، سود لکھنے والے اور سودی معاملہ پر گواہ بننے والے کو گناہ میں ایک برابر قرار دیا ہے اور سب پر لعنت بھیجی ہے۔ اس لیے کسی بھی کنونشنل بینک یا سودی ادارے کے اندر ایسی ملازمت جس میں سود لینا، دینا، لکھنا یا اس پر گواہ بننا پڑے، ناجائز ہے۔ اس کے علاوہ بینک کی جن ملازمتوں میں سودی معاملات کے ساتھ اس طرح کا براہ راست واسطہ نہ پڑتا ہو، وہ اگرچہ جائز ہیں، لیکن کچھ نہ کچھ درجہ میں تعاون علی الاثم کی

(١) سنن أبي داؤد، كتاب البيوع، باب في اجتناب الشبهات : ١١٨/٢

وجہ سے ان ملازمتوں سے بھی احتراز بہتر ہے۔

صورتِ مسئولہ کے مطابق اگر کوئی شخص اسٹیٹ بینک کی مسجد میں امام ہو اور اسے بینک کی طرف سے تنخواہ ملتی ہو تو اس کے لیے تنخواہ لینا جائز ہے، تاہم اگر کسی اور جگہ امامت یا کوئی اور ملازمت تلاش کر کے بینک کی تنخواہ سے جان چھڑائی جائے تو بہت بہتر ہوگا۔

والدّليل علیٰ ذلك:

عن جابرؓ :قال : لعن رسول الله ﷺ آكل الربوا،وموكله،وكاتبه،وشاهديه،وقال:هم سواء.(١)

ترجمہ:

حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے سود کھانے، کھلانے، لکھنے اور اس پر گواہ بننے والوں پر لعنت فرمائی ہے اور فرمایا یہ سب (حکم کے اعتبار سے) ایک جیسے ہیں۔

❁❁❁

غیر مسلم ملک میں چرچ کی تعمیر کا ٹھیکہ لینا

سوال نمبر (75):

میں الحمدللہ مسلمان ہوں اور بہت عرصہ سے امریکہ میں مقیم ہوں۔ وہاں میں مختلف قسم کی عمارتیں بنانے کا ٹھیکہ لیتا ہوں۔ اس مرتبہ مجھے چرچ بنانے کا ٹھیکہ ملا ہے۔ کیا اس کی اُجرت لینا میرے لیے جائز ہے؟

بيّنوا توجروا

الجواب وبالله التوفيق:

مسلمان کے لیے غیر مسلموں کے عبادت خانہ کی تعمیر اور اس کے عوض اُجرت لینا جائز ہے۔ لہٰذا امریکہ میں کسی چرچ بنانے کا ٹھیکہ لینا اور اس کے عوض اُجرت حاصل کرنے میں کوئی حرج نہیں، البتہ ایمانی غیرت کا تقاضہ یہ ہے کہ باطل ادیان کے عبادت خانوں کی تعمیر سے گریز کیا جائے۔

---

(١) الصحيح للمسلم، كتاب البيوع، باب الربوا:٢/٢٧

والدّلیل علی ذلک:

(وجاز تعمیر کنیسة)قال في الخانیة :ولو آجر نفسه لیعمل في الکنسیة، ویعمرها لا بأس به؛ لأنه لامعصیة في عین العمل. (۱)

ترجمہ:

اور کنیسہ (گرجا) کوتعمیر کرنا جائز ہے، خانیہ میں کہا ہے کہ اگر گرجا میں کام کرنے کے لیے اپنے آپ کو اُجرت پردے دے اوراس کو تعمیر کرلے تو اس میں کوئی حرج نہیں، اس لیے کہ بذاتِ خود عمل میں کوئی گناہ نہیں۔

❁❁❁

بینک تعمیر کرنے پر اُجرت

سوال نمبر(76):

میں ایک معمار کے ساتھ مزدوری کرتا ہوں۔بعض اوقات ہمیں بینک کی تعمیر یا مرمت کا ٹھیکہ مل جاتا ہے۔کیا ہمارے لیے بینک کی تعمیر کرنا اوراس کے عوض اجرت لینا جائز ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

جس عمل کے کرنے میں بالذات کوئی قباحت نہ ہو تو اس کے بدلے اُجرت لینے میں بھی شرعاً کوئی قباحت نہیں۔بینک کی تعمیر بھی ایسا عمل ہے کہ اس میں بذاتِ خود کوئی قباحت نہیں، کیوں کہ بینک کے لیے تعمیر شدہ مکان بینک کے علاوہ دوسرے مقاصد کے لیے بھی استعمال ہوسکتا ہے،لہٰذا بینک کی تعمیر کی اجرت معمار یا مزدور کے لیے جائز ہے، شرعاً اس میں کوئی قباحت نہیں۔

والدّلیل علی ذلک:

(وجاز تعمیر کنیسة)قال في الخانیة :ولو آجر نفسه لیعمل في الکنسیة، ویعمرها لا بأس به؛ لأنه لامعصیة في عین العمل. (۲)

---

(۱) ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الحظروالاباحة، باب الاستبراء وغیرہ : ۵٦۲/۹

(۲) ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الحظروالاباحة، باب الاستبراء وغیرہ : ۵٦۲/۹

ترجمہ: اور کنیسہ (گرجا) کو تعمیر کرنا جائز ہے، خانیہ میں کہا ہے اگر کنیسہ میں کام کرنے کے لیے اپنے آپ کو اُجرت پر دے دے اور اس کو تعمیر کرلے تو اس میں کوئی حرج نہیں، اس لیے کہ بذاتِ خود عمل میں کوئی گناہ نہیں۔

❁❁❁

تعویذ لکھنے پر اُجرت

سوال نمبر(77):

تعویذ لکھنے پر اُجرت لینا یا لکھوانے پر اُجرت دینا جائز ہے یا ناجائز؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

تعویذ لکھنا یا لکھوانا چونکہ کوئی مقصودی عبادت نہیں، بلکہ علاج کا ایک طریقہ ہے، اس لیے اس کے عوض اُجرت لینا یا دینا دونوں جائز ہیں، البتہ اس بات کی رعایت ضروری ہے کہ تعویذ جائز اور مشروع ہو، یعنی اس میں شیاطین یا جنات سے مدد طلب نہ کی گئی ہو اور کفریہ کلمات استعمال نہ ہوئے ہوں۔ نیز تعویذ فروشی کو مستقل کاروبار بنانا بھی مسلمان کو زیب نہیں دیتا۔

والدّلیل علی ذلك:

عن أبي سعيد الخدريؓ قال :بعثنا رسول اللهﷺ في سرية .... قلت:نعم أنا،ولكن لا أرقيه، حتى تعطونا غنماً. (١)

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ ہمیں رسول اللہﷺ نے ایک سریہ میں بھیجا۔۔۔۔میں نے کہا: ہاں میں (دم کرسکتا ہوں) لیکن میں اُس وقت تک اس کو دم نہیں کروں گا، جب تک تم ہمیں بکریاں نہیں دو گے۔

جوزوا الرقية بالأجرة، ولو بالقرآن، كما ذكره الطحاوي؛ لأنها ليست عبادة محضة، بل من التداوي. (٢)

---

(١) جامع الترمذی،أبواب الطب، باب ماجاء فی اخذ الاجرة علی التعویذ:٢/ ٤٧٠،٤٧١

(٢) ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، مطلب تحریرمهمّ فی عدم جوازالاستیجار علی التلاوة والتهلیل: ٩/ ٧٨

ترجمہ:

(فقہائے کرام نے) اُجرت کے عوض دم کرنے کو جائز قرار دیا ہے، اگرچہ یہ قرآن کے ذریعے ہو، جیسا کہ طحاوی نے بھی ذکر کیا ہے، کیوں کہ یہ عبادتِ محضہ نہیں، بلکہ علاج میں سے ہے۔

❁❁❁

نکاح خوانی پر اُجرت

سوال نمبر(78):

نکاح پڑھانے کے عوض اُجرت لینا جائز ہے یا ناجائز؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

نکاح دو گواہوں کی موجودگی میں مرد اور عورت کا خود یا وکیل کے ذریعے ایجاب وقبول کرنے سے عبارت ہے۔اس میں خطبہ پڑھنا سنت عمل ہے، جو کوئی بھی شخص پڑھ سکتا ہے، تاہم اگر تصحیح الفاظ، رعایتِ شروط، احتیاط اور تبرک کی غرض سے کسی عالم دین یا بزرگ سے نکاح پڑھانے کے لیے وقت لیا جائے تو چونکہ نکاح پڑھانا اس کی ذمہ داری نہیں اس لیے وہ اس کے عوض اُجرت وصول کرسکتا ہے۔ بشرط یہ کہ پہلے سے اُجرت اور مستاجر کی تعیین ہو چکی ہو یا یہ کہ عرف میں یہ چیزیں متعین ہوں، کیونکہ اس تعیین کے بغیر اجارہ فاسد ہوتا ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

وكل نكاح باشره القاضي، وقد وجبت مباشرته عليه، كنكاح الصغار، والصغائر، فلا يحل له أخذ الأجرة عليه، وما لم تجب مباشرته عليه، حل له أخذ الأجرة عليه. (۱)

ترجمہ:

اور ہر وہ نکاح جو قاضی منعقد کرے اور اس کا انعقاد اس کے ذمہ لازم بھی ہو، جیسے (مخصوص صورتوں میں) چھوٹے بچوں اور بچیوں کا نکاح تو اس کے عوض اُجرت لینا حلال نہیں اور جس نکاح کا کرانا اس پر لازم نہ ہو، اس کے کرانے پر اجرت لینا حلال ہے۔

(۱) الفتاوى الهندية، كتاب أدب القاضي، الباب الخامس عشر: ۳/۳۴۵

فریقین کے مابین صلح کرنے کے عوض اُجرت لینا

سوال نمبر(79):

متنازع فریقین کے مابین صلح کرانے کے عوض اُجرت وصول کرنا جائز ہے یا ناجائز؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

جب متنازع فریقین کسی شخص کو اپنے مابین تنازعات کے تصفیہ کے لیے حَکَم بنادے اور حَکَم پہلے سے صلح کرانے کے عوض اُجرت کا مطالبہ کرے تو فیصلہ کرنے کے بعد وہ اُجرت کا مستحق ہوتا ہے، لہٰذا اس کے لیے اُجرت لینا جائز ہے۔ البتہ اگر حَکَم نے پہلے سے اُجرت کا مطالبہ نہ کیا ہو تو پھر وہ اُجرت کا مستحق نہیں بنتا۔

والدّلیل علی ذلك:

قال ابن العربي: الصحیح جواز أخذ الأجرة علی الأذان، والصلوٰة، والقضاء، وجمیع الأعمال الدینیة. (۱)

ترجمہ: ابن عربیؒ نے کہا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ اذان دینے، نماز پڑھانے، فیصلہ کرنے اور تمام دینی اعمال پر اجرت لینا جائز ہے۔

۞۞۞

وکیل کی اُجرت

سوال نمبر(80):

آج کل جو وکیل حضرات لوگوں کے لیے عدالت میں کیس لڑاتے ہیں اور اس کے عوض فیس وصول کرتے ہیں، یہ جائز ہے یا ناجائز؟

بینوا تؤجروا

---

(۱) الشوکانيؒ، محمد بن علي بن محمد، نیل الاوطار، کتاب الصلوٰة، باب النهي عن أخذ الأجرة علی الأذان: ۶۰/۲، دارالکتب العلمیة بیروت

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

وکیل حضرات کا عدالت میں دوسروں کے مقدمات لڑنا وکالت بالخصومۃ ہے اور وکالت بالخصومۃ پر اُجرت لینا اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ وکیل عدل وانصاف کا دامن نہ چھوڑے اور مظلوم کو ظالم، ظالم کو مظلوم ثابت کرنے کی مذموم سعی نہ کرے۔

چنانچہ جو وکیل لوگوں کے احیائے حقوق کے لیے حدودِ شرعیہ کی رعایت رکھتے ہوئے وکالت کرتا ہو، اس کے لیے فیس وصول کرنا جائز ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

وإذا اشترطت الأجرة في الوكالة، وأوفاها الوكيل، استحق الأجرة. (۱)

ترجمہ:

اور جب وکالت میں اُجرت مشروط کی گئی ہو اور وکیل وکالت (یعنی اپنی ذمہ داری) پوری کرے تو وہ اس کا مستحق بن جاتا ہے۔

❁❁❁

قرض کی وصولی کے لیے مقرر کیے گئے وکیل کی اُجرت

سوال نمبر(81):

زید کا عمرو کے ذمے قرض ہے جو کہ وہ خود اس سے وصول نہیں کرسکتا، چنانچہ ایک دوسرا شخص زید سے کہتا ہے کہ میں تمہارے لیے عمرو سے یہ رقم وصول کرلوں گا، بشرطیکہ آپ مجھے 2000 روپے دے دیں۔

سوال یہ ہے کہ زید کا کسی کے ذریعے قرض وصول کرکے اس کو کچھ رقم دینا جائز ہے یا نہیں؟ نیز اس شخص کے لیے یہ رقم لینا کیسا ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

زید کا کسی شخص کو عمرو سے قرض وصول کرنے پر مامور کرنا اس کو وکیل بنانا ہے اور وکالت کے عوض اُجرت

(۱) شرح المجلة لسليم رستم باز، المادة: ۱٤٦٧، كتاب الوكالة، الباب الثالث في أحكام الوكالة: ص/ ۷۸۹

حاصل کرنا جائز ہے، اس لیے اس شخص کا یہ مطالبہ کہ "میں تمہارے لیے عمرو سے رقم وصول کرلوں گا، بشرطیکہ آپ مجھے 2000 روپے دے دیں" اپنی جگہ درست ہے، چنانچہ جب وہ رقم وصول کرکے زید کو دے گا تو زید اسے 2000 روپے دینے کا پابند ہوگا۔

والدّلیل علی ذلك:

إذا أخذ الوكيل الأجرة لإقامة الوكالة، فإنه غير ممنوع شرعاً، إذ الوكالة عقد جائز لايجب على الوكيل إقامتها، فيجوز أخذ الأجرة فيها. (۱)

ترجمہ:

جب وکیل وکالت کے قیام کے لیے اُجرت وصول کرے تو یہ شرعاً ممنوع نہیں، اس لیے کہ وکالت ایک ایسا جائز عقد ہے، جس کا قیام وکیل پر واجب نہیں، سو اس میں اجرت لینا بھی جائز ہے۔

❁❁❁

مروجہ کمیٹی کے ذمہ دار شخص کا اُجرت لینا

سوال نمبر (82):

ہم 20 دُکان دار آپس میں اجتماعی طور پر روزانہ 200 روپے ایک ذمہ دار دکاندار کے پاس جمع کرتے ہیں۔ پہلے مہینے کی جمع شدہ رقم ذمہ دار شخص بغیر قرعہ کے لیتا ہے اور باقی اقساط ہر ماہ قرعہ اندازی کے ذریعے باقی ساتھیوں میں تقسیم کی جاتی ہیں۔

ہماری کمیٹی کا ذمہ دار کہتا ہے کہ اپنی قسط کے علاوہ مجھے ہر ساتھی اپنی قسط میں سے ایک ہزار روپے میری خدمات کا عوض ادا کرے گا۔ کیا اس کا یہ مطالبہ درست ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

کمیٹی کا ذمہ دار شخص باقی ارکان کی طرح قرعہ اندازی کے ذریعے ایک قسط لینے کا حق دار ہے، تاہم کمیٹی کے شرکا کا پہلی قسط بغیر قرعہ اندازی کے ذمہ دار کو دینا اس کے ساتھ تبرع اور احسان ہے۔ اپنی قسط کے علاوہ چونکہ وہ روزانہ

(۱) فتح القدیر، کتاب الوکالۃ: ۲/۷

کچھ نہ کچھ وقت نکال کرشرکا سے قسطاً اکٹھا کر کے محفوظ رکھتا ہے اور پھر ہر ماہ قرعہ اندازی کا اہتمام کرتا ہے، اس لیے وہ اس خدمت کے عوض اُجرت کا مطالبہ کرسکتا ہے، البتہ اس کا مطالبہ تب معتبر ہوگا، جب وہ کمیٹی ڈالنے سے پہلے تمام ارکان کو خبردار کردے اور وہ اس پر راضی ہوں، پہلے خبردار کیے بغیر بعد میں مطالبہ کرنا درست نہیں۔

والدّلیل علی ذلك:

الإجارة نوعان:نوع يردعلى منافع الأعيان كاستئجارالدور،والأراضي.......... ونوع يرد على العمل كإجارة المحترفين للأعمال. (١)

ترجمہ:

اجارہ دو قسم پر ہے: پہلی قسم وہ ہے جو اشیا کے منافع سے تعلق رکھتی ہو جیسے گھروں اور اراضی کا اجارہ پر دینا اور دوسری وہ جو محنت سے تعلق رکھتی ہو، جیسے صنعت کار لوگوں کو کام کے لیے اجارہ پر لینا۔

❁❁❁

ڈاکٹروں کا نجی کلینک میں پریکٹس اور سرکاری قانون

سوال نمبر(83):

حکومتی قوانین کے تحت ڈاکٹروں کو ہسپتال کے اوقات کے بعد پرائیویٹ پریکٹس کی صرف ہسپتالوں کے اندر اجازت ہے، اس کے برعکس اگر کوئی ڈاکٹر نجی کلینک میں پریکٹس کرے تو اس کا فعل کیسا ہے؟

بيّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

شرعی نقطۂ نظر سے سرکاری ملازم اجیرِ خاص ہوتا ہے اور اجیر خاص اجرت اور عمل کے حوالہ سے اس معاہدہ کا پابند ہوتا ہے جو معین مدت تک طے پایا گیا ہو۔لہٰذا زمانہ عمل کے معینہ اوقات میں ملازم صرف سرکاری کام کرتا رہے گا، تاہم مقررہ ڈیوٹی کے معینہ اوقات کے علاوہ ایسے ملازم کو مزید پابند نہیں کیا جاسکتا، جب تک اجیر اور مستاجر کے مابین کوئی نیا معاہدہ نہ ہو جائے۔

صورت مسئولہ میں بھی ڈاکٹر صاحبان اجیرِ خاص کے زمرہ میں شمار ہو کر مقررہ ڈیوٹی کے معینہ اوقات میں

---

(١) الفتاوى الهندية، كتاب الإجارة، الباب الأوّل في بيان تفسير الإجارة وأركانها: ٤/ ٤١١

سرکار کے پابند رہیں گے، تاہم ان اوقات کے علاوہ اگر ملازم اور سرکار کے مابین کوئی نیا معاہدہ نہیں ہوا ہو تو پرائیویٹ پریکٹس کے حوالہ سے ان کو ہسپتال میں کلینک چلانے کا پابند نہیں کیا جا سکتا۔

ایک طرف اگر اس میں اجیرِ خاص کی حیثیت ختم ہو جاتی ہے تو دوسری طرف مفادِ عامہ کے متاثر ہونے کا بھی قوی امکان ہے، اس لیے کہ مریضوں کے لیے ڈاکٹر حضرات کی کامل توجہ، اطمینان اور دوسری سہولیات کی وجہ سے کلینکس کی طرف جو رجحان پایا جاتا ہے، وہ ہسپتالوں کی طرف نہیں ہوتا اور نہ ہی ڈاکٹر حضرات ہسپتال میں مکمل تشفی اور تسلی سے مریضوں کا معائنہ کر سکتے ہیں۔

لہٰذا ان وجوہات کو مدنظر رکھتے ہوئے ڈاکٹر صاحبان کا سرکاری اوقات کے بعد نجی کلینک میں پریکٹس کرنے اور اس سے حاصل ہونے والی آمدنی کی حلت میں اس قسم کا قانون آڑے نہیں آتا، اس لیے کہ یہ پابندی اس اجیر اور مستاجر کے درمیان زمانۂ عمل کے معاہدے پر اضافہ ہے، جس پر ملازم راضی نہیں، لہٰذا سرکاری اوقات کے بعد ڈاکٹر صاحبان کا نجی کلینک میں پرائیویٹ پریکٹس کرنا اور اس پر آمدنی حاصل کرنا صحیح ہوگا۔

والدّليل على ذلك:

(الخاص)......(وهو من يعمل لواحد عملا مؤقتا بالتخصيص، ويستحق الأجر بتسليم نفسه في المدة، وإن لم يعمل).(۱)

ترجمہ:

اور اجیر خاص وہ ہوتا ہے جو کسی ایک کے لیے خاص وقت تک کام کرے اور اجرت کا مستحق تب ہوتا ہے، جب وہ معین مدت میں اپنے آپ کو مستاجر کے حوالہ کرے، اگرچہ کام نہ کرے۔

❁❁❁

کسی تجربہ کار شخص کا اپنے معائنے کے عوض اجرت وصول کرنا

سوال نمبر (84):

زید بارہ سال سے رکشہ ڈرائیور ہے۔ جس کی وجہ سے وہ رکشہ کے تمام پُرزوں سے بخوبی واقف ہے اور اس کے اصل و نقل معلوم کرنے میں اچھا خاصا تجربہ رکھتا ہے۔ اب بعض لوگ جو رکشہ خریدنے کا ارادہ رکھتے ہوں، اس کو

(۱) الدرالمختار على صدر ردالمحتار، كتاب الإجارة، باب ضمان الأجير: ۹/ ۹٤-۹٥

اپنے ساتھ لے جا کر اس سے رکشے کا معائنہ کرواتے ہیں، چونکہ اس وجہ سے اس کی مزدوری کا وقت ضائع ہوتا ہے، اس لیے وہ چاہتا ہے کہ اس کے بدلے ان سے باقاعدہ اجرت لیا کرے۔سوال یہ ہے کہ اس کے لیے یہ اجرت لینا جائز ہوگا؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

شریعتِ مطہرہ کی رُو سے عامل کے لیے اپنے عمل کی اجرت لینا جائز ہے، بشرطیکہ پہلے سے عمل، وقت اور اجرت کی تعیین ہو چکی ہو۔

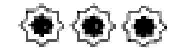
صورتِ مسئولہ کے مطابق اگر کوئی ڈرائیور کسی کے رکشے کا معائنہ کرنے کے لیے اپنا وقت نکال کر اس کے ساتھ چلا جائے تو اگر اس نے پہلے سے اجرت کی تعیین کر لی ہو تو اجرت لینا اس کے لیے جائز اور حلال ہے، ہاں یہ مناسب نہیں کہ احسان کے طور پر رکشہ خریدنے میں تعاون کرے اور بعد میں اجرت مانگے۔

والدّلیل علی ذلک:

الإجارة نوعان:نوع يردعلى منافع الأعيان كاستئجارالدور،والأراضي.......... ونوع يرد على العمل كإجارة المحترفين للأعمال. (۱)

ترجمہ:

اجارہ دو قسم پر ہے: پہلی قسم وہ ہے جو اشیاء کے منافع سے تعلق رکھتی ہو جیسے گھروں اور اراضی کا اجارہ پر دینا اور دوسری وہ جو عمل سے تعلق رکھتی ہو، جیسے صنعت کار لوگوں کو کام کے لیے اجارہ پر لینا۔



لوگوں کے بل (Bill) جمع کرانے کے عوض اُجرت

سوال نمبر (85):

زید لوگوں کے گھروں پر جا کر ان سے ٹیلی فون، بجلی، گیس اور پانی کے بل (Bill) اکٹھا کر کے بینک میں جمع کراتا ہے اور اس عمل کی اُجرت وصول کرتا ہے۔کیا اس کے لیے مذکورہ عمل کی اُجرت وصول کرنا جائز ہے؟

(۱) الفتاوى الهندية، كتاب الإجارة، الباب الأوّل في بيان تفسير الإجارة وأركانها: ٤/ ٤١١

الجواب وباللہ التوفیق:

آزاد مسلمان کا اپنی خدمات کے عوض اجرت وصول کرنا شرعاً جائز ہے، البتہ اس میں پہلے سے اجرت اور عمل کا تعیین ضروری ہے، تاکہ بعد میں جہالت کی وجہ سے باہم جھگڑے کی صورت پیش نہ آئے۔

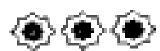
مسئولہ صورت میں زید کا لوگوں کے بل جمع کرانے کے عوض اُن سے اُجرت وصول کرنے میں شرعاً کوئی قباحت نہیں، البتہ اس پر لازم ہے کہ وہ پہلے سے اُجرت متعین کرلیا کرے۔

والدّلیل علی ذٰلک:

الإجارة نوعان: نوع يرد على منافع الأعيان كاستئجار الدور، والأراضي .... ونوع يرد على العمل كإجارة المحترفين للأعمال. (۱)

ترجمہ:

اجارہ دو قسم پر ہے: پہلی قسم وہ ہے جو اشیا کے منافع سے تعلق رکھتی ہو جیسے گھروں اور اراضی کا اجارہ پر دینا اور دوسری وہ جو محنت سے تعلق رکھتی ہے، جیسے صنعت کار لوگوں کو کام کے لیے اجارہ پر لینا۔



کاروبار چلانے کے لیے کسی کو تنخواہ پر رکھنا

سوال نمبر (86):

میں کاروبار چلانے کے لیے ایک شخص کو تنخواہ پر رکھتا ہوں۔ کاروبار میں مجھے نفع ہو یا نقصان، بہرحال اس کو اس کی تنخواہ ادا کرتا رہوں گا۔ کیا شریعت اس کی اجازت دیتی ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

کاروبار چلانے کے لیے کسی کو تنخواہ پر رکھنا شرعاً جائز ہے۔ اس طرح کا ملازم اجیر خاص ہوا کرتا ہے۔ وہ مقررہ اوقات میں مفوضہ ذمہ داریوں کے لیے اپنے آپ کو فارغ اور حوالہ کرنے پر اُجرت کا مستحق ٹھہرتا ہے۔ کاروبار چلانے والا تنخواہ دار ملازم جب اپنا کام خوب لگن کے ساتھ کرتا ہو تو پھر کاروبار میں خواہ نفع ہو یا نقصان وہ اُجرت کا مستحق ہوگا۔

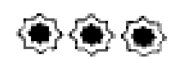
(۱) الفتاوى الهندية، كتاب الإجارة، الباب الأوّل في بيان تفسير الإجارة وأركانها: ٤١١/٤

والدّليل علی ذلك:

والأجير الخاص الذي يستحق الأجرة بتسليم نفسه في المدة. (١)

ترجمہ:

اوراجیر خاص وہ ہے، جومقررہ مدت میں اپنے آپ کو کام کرنے کے لیے حوالہ کرنے پر اُجرت کا مستحق ہوتا ہے۔



گٹر کی صفائی پر اُجرت

سوال نمبر(87):

اگر کوئی مسلمان گٹر کی صفائی کا کام کرکے اس کے عوض اُجرت وصول کرتا ہو تو یہ اس کے لیے جائز ہے یا ناجائز؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ عیسائیوں کا کام ہے، اس لیے مسلمانوں کے لیے یہ کام کرنا جائز نہیں۔ آج کل یہ کام ہاتھوں سے نہیں ہوتا، بلکہ مشین کے ذریعہ کیا جاتا ہے تو کیا یہ جائز ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

جن کاموں کے کرنے میں بالذات کوئی شرعی قباحت موجود نہ ہو، شرعاً اُن پر اجرت لینا بھی جائز ہے۔ صفائی اور ستھرائی ایسے امور ہیں جو شریعتِ مطہرہ کی رو سے صرف جائز ہی نہیں، بلکہ لازمی اور ضروری بھی ہیں، لہٰذا خود کسی جگہ کی صفائی کرنا یا کسی کے لیے اُجرت پر صفائی کرنا دونوں جائز اور مباح ہیں۔ چنانچہ گٹر کی صفائی پر بھی اُجرت لینا جائز اور حلال ہے، اس میں حرمت کی کوئی وجہ نہیں۔

البتہ جہاں تک اس کو مستقل پیشہ بنانے کا تعلق ہے تو اس پیشہ کے جائز ومباح ہونے میں اگرچہ کوئی شبہ نہیں، لیکن ایک مسلمان کے لیے اشد ضرورت کے بغیر اس پیشہ کو اختیار کرنا مناسب نہیں، کیوں کہ ایسے پیشے جن میں نجاست سے واسطہ پڑتا ہو یا غلاظت اور بدبو کی چیزوں کے ساتھ زیادہ وابستہ ہونا پڑے، وہ فرشتوں کی دوری کا سبب بن کر اخلاقِ حسنہ سے انسان کو محروم کردیتے ہیں۔ اسی وجہ سے حضور پاک ﷺ نے بعض ایسے پیشوں کی بھی مذمت بیان کی ہے جو

(١) الهداية، كتاب الإجارة، باب ضمان الأجير: ٣/٣١٢

بذاتِ خود تو مباح ہیں، لیکن تجربہ سے ثابت ہے کہ ان کی خامیات واثرات اور عواقب عموماً برے ہوتے ہیں، لہٰذا ایک مسلمان کے لیے مناسب یہ ہے کہ وہ اپنے لیے کوئی پاک، صاف اور باعزت روزگار تلاش کرے۔ اگر کوئی اور کام نہ ملے اور ضرورت ہو تو اسی کو اختیار کرلے اور اس میں اپنی صفائی اور عبادات کی ادائیگی کا خاص خیال رکھے۔

والدّلیل علی ذلک :

ویجوز الاستئجار لنقل المیتات، والجیف، والنجاسات؛ لأنّ فیه رفع أذیتها عن الناس،فلو لم تجز لتضرر بها الناس.(۱)

ترجمہ:

اور مُردوں، مردار چیزوں اور نجاستوں کے منتقل کرنے کے لیے کسی کو اجارہ پر لینا جائز ہے، اس لیے کہ اس میں لوگوں سے ان چیزوں کی تکلیف واذیت دور کرنا ہے، اگر یہ جائز نہ ہو تو لوگوں کو اس سے تکلیف ہوگی۔

وقال النبي ﷺ:وهبت خالتي فاختة بنت عمرو غلاماً، فأمرتها أن لا تجعله جزّاراً،ولا صائغاً،ولا حجاماً.(۲)

ترجمہ:

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی خالہ فاختہ بنت عمرو کو ایک غلام ہبہ کیا اور اُسے حکم دیا کہ اس کو قصاب، سنار اور حجام مت بنانا۔



T.V، V.C.R وغیرہ کے کاروبار کے لیے دکان کرایہ پر دینا

سوال نمبر(88):

ہمارے ہاں شہر میں ایک مارکیٹ ہے جس میں صرف T.V, V.C.R وغیرہ بیچے جاتے ہیں۔اس کے علاوہ وہاں اور کوئی چیز نہیں بکتی۔ میری بھی اس مارکیٹ میں ایک دکان ہے جو میں کرایہ پر دینا چاہتا ہوں، چونکہ اس مارکیٹ میں کوئی اور چیز بکتی ہی نہیں، اس لیے مجبوراً کسی ایسے شخص کو کرایہ پر دوں گا جو اس میں T.V, V.C.R وغیرہ

(۱) بدائع الصنائع، کتاب الإجارۃ، فصل في شرائط الرکن:۵/۵۷۰

(۲) کنزالعمّال في سنن الأقوال والأفعال، رقم الحدیث ۹٤۱۷:٤/۲،٤۲،٤۳

فروخت کرے گا۔کیا میرے لیے اس طرح کے کام کے لیے دکان کرایہ پر دینا جائز ہوگا؟

بینوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

ٹی وی ایک ایسا آلہ ہے جسے جائز کاموں میں بھی استعمال کیا جاسکتا ہے اور ناجائز میں بھی۔اس کے ذریعے معلوماتی، تعلیمی، مذہبی اور اصلاحی پروگرام نشر ہوں تو یہ تبلیغ اور تعلیم کا ایک جائز اور مؤثر ذریعہ ثابت ہوسکتا ہے۔کفریہ طاقتوں کے خلاف میڈیا وار لڑنے کے لیے اس کی ضرورت سے انکار مشکل ہے۔اس حیثیت سے دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ محض آلۂ معصیت نہیں، بلکہ اس کا جائز استعمال بھی ممکن ہے، لہٰذا اس کی خرید وفروخت کا کاروبار کرنا اور اس کے لیے دکان کرایہ پر دینا شرعاً جائز ہے۔

تاہم ہمارے معاشرہ میں چونکہ اکثر چینلز پر بے دین لوگوں کا قبضہ ہے، اس لیے معاصی میں اس کا استعمال غالب ہے۔اکثر معاشرتی جرائم اور بے راہ رویاں اسی وجہ سے جنم لے رہی ہیں، اس لیے بہتر یہ ہے کہ آپ اپنی دُکان ٹیلی ویژن کا کاروبار کرنے والے کو کرایہ پر دینے کی بجائے کسی دوسرے کاروبار والے کو دے دیں۔

والدّلیل علی ذلک:

وعرف بهذا أنه لايكره بيع مالم تقم المعصية به كبيع الجارية المغنية.(١)

ترجمہ:

اور اس سے معلوم ہوا کہ جس چیز کی عین کے ساتھ معصیت قائم نہ ہو، اس کی بیع مکروہ نہیں، جیسا کہ گانے والی باندی کا بیچنا۔



زمین کاشت کے لیے اجارہ پر دینا

سوال نمبر(89):

ہمارے علاقہ کے بعض زمین دار، کاشت کاروں کو ایک متعین مقدار (مثلاً: فی جریب 2 من گندم) کے عوض زمین ٹھیکہ پر دیتے ہیں۔کاشتکاروں کو یہ اختیار ہوتا ہے کہ وہ زمین میں جو چاہیں، کاشت کریں اور سال کے آخر میں

---

(١) ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الجهاد، باب البغاة، مطلب في كراهية ماتقوم المعصية بعينه:٦/٤٢١

زمین دار کو وہی متعین اجرت دیا کریں گے۔ کیا یہ صورت شرعاً جائز ہے؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

زمین دار کے لیے جس طرح اپنی زمین کسی کاشت کار کو مزارعت پر دینا جائز ہے، اسی طرح اجارہ پر دینے میں بھی کوئی حرج نہیں، البتہ عقدِ اجارہ میں یہ ضروری ہے کہ عاقدین کے درمیان مدتِ اجارہ اور اجرت کے تعیین کے ساتھ ساتھ اس بات کا بھی تعیین ہو کہ کاشت کار زمین میں کون کون سی فصل کاشت کرے گا اور یا یہ کہ اس کو ہر قسم کی فصل کاشت کرنے کی اجازت دے دی جائے۔ چاہے یہ اجازت صراحتاً ہو یا دلالۃً

مسئولہ صورت میں اُجرت اور مدتِ اجارہ متعین ہیں اور زمین دار نے کاشت کار کو ہر قسم کی فصل کاشت کرنے کی اجازت بھی دی ہے۔ اس لیے یہ معاملہ درست ہے۔

والدّليل على ذلك:

ويجوز استئجار الأراضي للزراعة ؛لأنها منفعةٌ مقصودةٌ. (۱)

ترجمہ:

اور زمین زراعت کے لیے اجارہ پر دینا جائز ہے۔ اس لیے کہ یہ (زراعت) مقصودی منفعت ہے۔

ولا بد في إجارة الأراضي من بيان ما يستأجر له من الزراعة، والغرس، والبناء، وغير ذلك، فإن لم يبين كانت الإجارة فاسدة، إلا إذا جعل له أن ينتفع بها بما شاء. (۲)

ترجمہ:

اور اراضی کو اجارہ پر دینے میں یہ ضروری ہے کہ زراعت، درخت لگانے، تعمیر کرنے یا کسی اور چیز کے لیے زمین اجارہ پر دیتا ہو تو اُسے بیان کیا جائے۔ سو اگر اس کا بیان نہ ہو تو اجارہ فاسد ہوگا، البتہ جب اس (کرایہ دار) کو اجازت دی جائے کہ وہ جس طرح چاہے اس سے فائدہ حاصل کرے (تب اجارہ فاسد نہیں ہوگا)۔

❁❁❁

(۱) الهداية، كتاب الإجارة، باب مايجوز من الإجارة وما يكون خلافا فيها: ۳/۳۰۰

(۲) الفتاوى الهندية، كتاب الإجارة، الباب الخامس العشر: ۴/۴۴۰

زمین کے اجارہ میں مالک کا پیشگی رقم لینا

سوال نمبر (90):

بندہ چند کنال زرعی زمین بطورِ اجارہ لینا چاہتا ہے۔ مالکِ زمین شروع سے بیس ہزار 20,000 روپے بطورِ پیشگی لے رہا ہے اور کہتا ہے کہ ہر ماہ ان میں سے پانچ سو 500 روپے کرایہ کے عوض کاٹے جائیں گے۔ کیا یہ معاملہ شرعاً درست ہے؟ نیز مالک ان پیسوں کو اپنے استعمال میں لاسکتا ہے یا نہیں؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

زمین کا کرایہ جیسا کہ مدت گزرنے کے بعد وصول کیا جاسکتا ہے، ایسا ہی پیشگی کرایہ وصول کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں، تاہم عوام کے عرف میں "پیشگی" کے نام سے جو رقم مالک کو دی جاتی ہے، وہ دراصل گروی (رہن) ہوتی ہے جو اجارہ فسخ ہونے کے بعد کرایہ دار کو لوٹائی جاتی ہے۔ ایسی صورت میں گروی رقم مالکِ زمین کے پاس امانت ہوتی ہے جو وہ خوداُسے استعمال نہیں کرسکتا۔

صورتِ مسئولہ میں زمین کے کرایہ کے عوض جو رقم پیشگی وصول کی جائے گی، اگر یہ رواج کے مطابق رہن ہی ہو تو عقد جائز ہے، لیکن مالک اس رقم میں کسی قسم کا تصرف نہیں کرسکتا اور اگر یہ اجرتِ معجلہ (پیشگی کرایہ) ہو، جس سے ہر ماہ کچھ کٹوتی ہوگی تو بھی عقد جائز ہے اور اس صورت میں مالک اس رقم کو اپنے استعمال میں لاسکتا ہے۔

والدّلیل علی ذلك:

ثم الأجرة لو معجلة طالبه بها، وله حبس الدار لاستيفائها. (۱)

ترجمہ:

پھر اگر اجرت معجلہ ہو تو (مؤجر) پہلے ہی سے (اجرت کا) مطالبہ کرسکتا ہے اور اس کو اختیار ہے کہ اجرت معجلہ کی ادائیگی کے لیے گھر (حوالہ کرنے سے) روک دے۔

❁❁❁

(۱) الفتاوى الهندية، كتاب الإجارة، الباب الثاني في بيان أنه متى تجب الأجرة وما يتعلق به من الملك وغيره: ٤١٣/٤

شریک کا حصہ کرایہ پر لینا

سوال نمبر(91):

دو دوست ایک فیکٹری میں شریک ہیں۔کیاان میں سے ایک شریک دوسرے کی رضامندی سے پوری فیکٹری کرایہ پر لے کر اس کو متعین کرایہ دے سکتا ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

مشترکہ چیز کا کسی ایک شریک کے لیے اُجرت پر لینا جائز ہے،لہٰذا اگر مشترکہ فیکٹری کوئی ایک شریک دوسرے کی رضامندی سے اجارہ پر لے لے اور شریک کو اس کے حصے کا معین کرایہ ادا کرتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

والدّلیل علی ذلك:

وأجمعوا أنه لو آجر من شريكه يجوز، سواء كان مشاعاً يحتمل القسمة، أو لا يحتمل، و سواء آجر كل نصيبه منه أو بعضه. (١)

ترجمہ:

اور فقہائے کرام نے اجماع کیا ہے کہ اگر کوئی مشترکہ چیز اپنے شریک سے کرایہ پر لے لے تو یہ جائز ہے۔ خواہ وہ مشترکہ چیز مشاع قابلِ تقسیم ہو یا قابلِ تقسیم نہ ہو اور خواہ اس سے اس کا پورا حصہ کرایہ پر لے لے یا بعض حصہ۔

❁❁❁

منڈی مویشیاں میں خرید وفروخت کرنے والوں سے ٹیکس لینا

سوال نمبر(92):

منڈی مویشیاں میں حکومت جانور خریدنے یا فروخت کرنے والوں سے جو ٹیکس وصول کرتی ہے۔اس کی شریعت میں کیا حیثیت ہے؟ وضاحت کیجیے۔

بیّنوا تؤجروا

---

(١) الفتاوى الهندية، كتاب الإجارة، الباب الخامس عشر في بيان ما يجوز من الإجارة وما لا يجوز: ٤٤٨/٤

الجواب وباللہ التوفیق:

مویشیوں کی منڈی چونکہ اکثر سرکاری زمین میں ہوتی ہے اور حکومت اس میں پانی، سایہ، حفاظت وغیرہ مختلف سہولیات کا انتظام کرتی ہے، اس لیے حکومت کا تاجروں سے ٹیکس وصول کرنا اُجرت کے حکم میں داخل ہو کر جائز ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص یا ادارہ نجی طور پر کسی جگہ منڈی مویشیاں بنائے اور اس میں ان سہولیات کا انتظام کرے تو ان کے لیے بھی خدمات کے عوض اُجرت لینا جائز ہوگا۔

والدّلیل علی ذلك:

الإجارة نوعان: نوع یرد علی منافع الأعیان کاستئجار الدور والأراضي. (۱)

ترجمہ:

اجارہ دو قسم پر ہے، پہلی قسم وہ ہے جو چیزوں کے منافع پر منعقد ہو، جیسے گھروں اور اراضی کو کرایہ پر دینا۔

❁❁❁

مرتہن کا مرہونہ اجارہ پر لینا

سوال نمبر(93):

میں نے اپنے چچازاد بھائی سے ایک سال کے لیے ڈھائی لاکھ روپے قرض لے کر اپنا گھر اس کے ساتھ گروی (رہن) رکھ دیا ہے۔ اس مدت کے دوران وہ یہ گھر استعمال بھی کرے گا اور مجھے اس کا ماہانہ 300 روپے کرایہ ادا کرے گا۔ مدت معینہ ختم ہونے کے بعد میں اس کو قرض ادا کر کے گھر واپس لے لوں گا۔ شرعی نقطہ نظر سے یہ معاملہ جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز نہیں تو اس کے صحیح حل سے آگاہ فرمائیں۔

بینوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

جس طرح کسی کو قرضہ دے کر اس سے اصل مالیت سے زائد رقم کی وصولی کا معاہدہ کرنا سود شمار ہوتا ہے، اسی طرح گروی چیز سے قرض خواہ کا فائدہ اُٹھانا بھی سود کے زمرہ میں آتا ہے، البتہ اگر قرض خواہ گروی چیز سے فائدہ اُٹھانے کے عوض قرض دار کو معروف اجرت دیتا ہو تو پھر یہ معاملہ جائز رہتا ہے۔

---

(۱) الفتاوی الهندیة، کتاب الإجارة، الباب الأوّل في بیان تفسیر الإجارة وأرکانها: ٤/٤١١

صورتِ مسئولہ میں معاملہ کے جواز وعدم جواز کا دارومدار اس بات پر ہے کہ معاہدہ میں گھر کا جو کرایہ مقرر کیا گیا ہے، یہ اس کا معروف اور مروجہ کرایہ ہے یا نہیں؟ اگر اس جگہ اس جیسے گھروں کا عموماً اتنا ہی کرایہ ہو تو یہ معاملہ جائز رہے گا، ورنہ یہ قرض سے انتفاع شمار ہو کر سود کے زمرہ میں شامل ہوگا، البتہ اس معاملے کی جائز صورت یہ ہوگی کہ قرض خواہ سے یہ طے کیا جائے کہ وہ گھر کا مروجہ کرایہ ادا کرے یا گھر کو اپنی استعمال میں نہ لائے۔

والدلیل علی ذلک:

(کل قرض جرّ نفعاً حرام)أي إذا کان مشروطاً.(۱)

ترجمہ: ہر وہ قرض جو نفع کھینچ لائے حرام ہے، یعنی جب یہ اضافی نفع مشروط ہو۔

❁❁❁

روزانہ متعین روپے اجارہ کے عوض گاڑی دینا

سوال نمبر(94):

ایک شخص اپنی گاڑی کسی کو ایک سال کے لیے اجارہ پر دے کر اس سے کہتا ہے کہ روزانہ مجھے تین سو روپے دیا کرو۔ باقی جتنا بھی تم کماؤ وہ تمہارا ہوگا۔ کیا شرعاً یہ صورت جائز ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

گاڑی کو اجارہ پر دینے کے مذکورہ معاملہ میں چونکہ اُجرت، مدتِ اجارہ اور منافع سب متعین ہیں، اس لیے شرعاً یہ صورت جائز ہے اور اس کے اختیار کرنے میں کوئی قباحت نہیں۔

والدّلیل علی ذلک:

یشترط أن تکون الأجرة معلومة .... یشترط في الإجارة أن تکون المنفعة معلومة بوجه یکون مانعاً للمنازعة. (۲)

---

(۱) رد المحتار علی الدرالمختار، کتاب البیوع، باب المرابحة والتولیة، مطلب کل قرض جرّنفعاً حرام: ۳۹۵/۷

(۲) شرح المجلة لسلیم رستم باز، المادة: ۴۵۰-۴۵۱، کتاب الإجارة، الباب الثاني في المسائل المتعلقة بالأجرة، الفصل الثالث في شروط صحة الإجارة: ص/۲۵۴

ترجمہ:

(اجارہ میں یہ) شرط ہے کہ اجرت معلوم ہو۔۔۔۔۔۔اجارہ میں شرط یہ ہے کہ منفعت اس طرح معلوم ہو کہ یہ نزاع کے لیے مانع ہے۔

❀❀❀

گندم کے عوض زمین میں ہل چلانا

سوال نمبر(95):

ایک شخص لوگوں کے کھیتوں میں ہل چلاتا ہے اور اس کی مزدوری میں ان سے فی جریب ایک من گندم لیتا ہے۔ پوچھنا یہ ہے کہ اس کی یہ کمائی حلال ہے یا نہیں؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

اجارہ میں جب عمل (کام) وقت اور اجرت متعین ہو جائے تو وہ اجارہ شرعاً درست ہوتا ہے، جب تک کوئی فاسد شرط نہ ہو۔ لہٰذا کسی کی زمین میں ہل چلانے کے عوض اس سے اجرت لینا جائز اور حلال ہے، شرعاً اس میں کوئی قباحت نہیں، تاہم پہلے سے وقت اور اُجرت کی تعیین ضروری ہے، تاکہ اجارہ فاسد نہ ہو۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

وفي إجارة الدواب لابد من بيان المدة أو المكان، فإن لم يبين أحدهما فسدت. (۱)

ترجمہ:

اور چوپایوں کے اجارہ پر دینے میں وقت یا مکان کا بیان ضروری ہے۔ سو اگر ان میں سے کوئی ایک بھی متعین نہ کرے تو اجارہ فاسد ہو جائے گا۔

❀❀❀

(۱) الفتاوى الهندية، كتاب الإجارة، الباب الخامس عشر في بيان مايجوز من الإجارة ومالايجوز: ٤٤٠/٤

''سروانی'' لینے کی شرعی حیثیت

سوال نمبر(96):

ہمارے ہاں کپڑے کے تھوک بازار میں یہ رواج ہے کہ جب کوئی شخص دکان دار سے خریداری کر لیتا ہے تو خریداری کے بعد جب تک وہ خریدا ہوا مال بائع کی دکان یا گودام میں پڑا رہتا ہے، دکان دار اس سے روزانہ فی تھان دو روپے وصول کرتا ہے۔اس کو''سروانی'' کہا جاتا ہے۔کیا شرعاً یہ جائز ہے؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

بائع اور مشتری کے مابین بیع منعقد ہو جانے کے بعد اگر بائع مشتری سے معاہدہ کرے کہ جب تک تمہارا مال میرے پاس دکان یا گودام میں پڑا رہے گا تم اس کا کرایہ ادا کرتے رہو گے اور مشتری بھی یہ تسلیم کر لے یا بائع اور مشتری کے مابین اس طرح معاہدہ زبانی تو نہ ہوا ہو لیکن وہاں کے تاجروں کے عرف اور رواج میں اس طرح معاملہ کیا جاتا ہو تو شرعاً بائع کو مشتری سے کرایہ وصول کرنا جائز ہے۔

صورتِ مسئولہ کے مطابق جو دکان دار حضرات خریداروں سے مال خریدنے کے بعد دکان یا گودام میں پڑے رہنے کے عوض روزانہ کے حساب سے کرایہ وصول کرتے ہیں، یہ معاملہ اگر عرف ورواج کی حیثیت اختیار کر چکا ہو تو جائز ہے۔تاہم زبانی طور پر اگر معاملہ طے پائے تو زیادہ مناسب ہوگا۔

والدّلیل علی ذلک:

المعروف بین التجار کالمشروط بینهم. (١)

ترجمہ:

تجار کے مابین معروف معاملہ ایسا ہے، جیسا کہ یہ ان کے مابین مشروط ہو۔

۞۞۞

(١) شرح المجلة للأتاسي، المادة: ٤٤، کتاب البیوع، الباب الثاني في المسائل المتعلقة بالمبیع، الفصل الثاني فیما یجوز بیعه ومالا یجوز: ١٠١/١

تنخواہ مخصوص مقدار کی Output پر موقوف کرنا

سوال نمبر(97):

ایک کمپنی اپنے لیبرز کے ساتھ یہ معاہدہ کرتی ہے کہ اگر تم ایک ماہ کے دوران اتنی Output تیار کرسکو تو تمہیں تنخواہ بمع اضافی کمیشن ملے گی اور اگر اس حد تک تیار نہ کرسکو تو اصل تنخواہ بھی نہیں ملے گی۔کیا یہ معاہدہ درست ہے؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

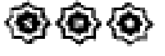
کمپنی کا مطلوبہ ہدف تک رسائی پر تنخواہ اور کمیشن کو موقوف کرنا درست نہیں، یہ اجارہ فاسدہ کے حکم میں داخل ہے،اس لیے کہ اس طرح کے معاہدہ میں مزدور کی محنت کا رائیگاں جانا ممکن، بلکہ متوقع ہوتا ہے۔کمپنی کو چاہیے کہ وہ تنخواہ بہر حال دیا کرے،البتہ اگر اضافی کمیشن کو کسی خاص مقدار کی تیاری پر موقوف کرے تو اس کی گنجائش موجود ہے۔

والدّلیل علی ذلك:

قال: الإجارة تفسدها الشروط كما تفسد البيع؛ لأنه بمنزلته. (۱)

ترجمہ:

(صاحب قدوری) فرماتے ہیں:اجارہ کو شرطیں فاسد کردیتی ہیں،جیسا کہ بیع کو فاسد کرتی ہیں،اس لیے کہ یہ بھی بمنزلہ بیع ہے۔



مدتِ اجارہ مجہول ہونے کی ایک صورت

سوال نمبر(98):

میں نے اپنی دُکان ایک شخص کو کرایہ پر دے دی اور ماہانہ کرایہ طے کرلیا، جب کہ مدت کا تعین نہیں کیا۔اب کچھ عرصہ بعد مجھے خود اس دُکان کی ضرورت پڑی تو میں نے کرایہ دار سے دکان خالی کرانے کا مطالبہ کیا۔اس نے جواب

(۱) الهداية، الاجارات، باب الإجارة الفاسدة: ۳/۳۰۳

دیا کہ اگر تم مجھے چار لاکھ روپے دیتے ہو تو میں دکان خالی کر لیتا ہوں، ورنہ میں دکان خالی کرنے کے لیے تیار نہیں۔

شریعت کی رُو سے مجھے دکان خالی کروانے کا حق حاصل ہے یا نہیں؟ نیز کرایہ دار کا یہ مطالبہ جائز ہے یا ناجائز؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

فقہائے کرام نے لکھا ہے کہ جب مالک ومستاجر کے درمیان ماہانہ اجرت متعین ہو لیکن مدتِ اجارہ کا تعین نہ ہوا ہو تو یہ معاملہ صرف ایک ماہ میں صحیح جب کہ باقی مہینوں میں فاسد ہوگا اور اس میں عاقدین کو یہ اختیار حاصل ہوتا ہے کہ وہ کسی بھی مہینے کے شروع میں اجارہ فسخ کر لیں۔ اگر دورانِ مہینہ مالک کو خود کرایہ پر دی ہوئی چیز کی ضرورت پڑے تو وہ کرایہ دار کو نوٹس دے کر مہینہ کے اختتام کا انتظار کرے گا۔

مسئولہ صورت میں اگر ماہانہ کرایہ کی تعیین ہو چکی ہو لیکن مدتِ اجارہ متعین نہ ہو تو یہ معاملہ فاسد ہے اور مالک کو کسی بھی مہینہ کے شروع میں کرایہ دار سے دکان خالی کروانے کا حق حاصل ہے۔ ایسی صورت میں کرایہ دار کا مالک سے دکان خالی کرنے کے عوض رقم کا مطالبہ کرنا رشوت کے زمرہ میں داخل ہونے کی وجہ سے جائز نہیں۔

والدّلیل علی ذلک:

أجر داره كل شهر بكذا، ينعقد عند رأس كل شهر، ولكل خيار الفسخ عند رأس كل شهر. (۱)

ترجمہ:

(کسی نے) اپنا گھر متعین کرایہ کے عوض ایک ماہ کے لیے کرایہ پر دے دیا تو ہر ماہ کے شروع میں (اجارہ) منعقد ہوگا اور (متعاقدین میں سے) ہر ایک کو ہر مہینہ کے شروع میں (اجارہ) فسخ کرنے کا اختیار ہے۔

❁❁❁

تھریشر کرنے کے عوض گندم دینا

سوال نمبر (99):

آج کل اکثر کسان گندم تھریشر کرنے کی مزدوری میں گندم کا بیسواں حصہ تھریشر کرنے والے کو بطورِ اجرت

(۱) الفتاوی البزازیۃ علی ہامش الہندیۃ، کتاب الاجارات، الفصل الثانی فی صفتها: ۱۷/۵

دیتے ہیں۔ کیا ایسا کرنا درست ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

مذکورہ معاملہ میں اگر کسان تھریشر کرنے کے عوض اُسی گندم میں سے بیسواں حصہ بطور اُجرت متعین کرتا ہو جس کو وہ تھریشر کرتا ہے تو یہ قفیز الطحان کے قبیل سے ہو کر ناجائز ہے، لیکن اگر مطلقاً گندم کا دینا طے ہو جائے اور یہ تعیین نہ کی جائے کہ اسی گندم میں سے دوں گا تو پھر معاملہ جائز ہوگا اور کسان کی مرضی کہ وہ اُسی گندم میں سے دے یا کسی اور گندم سے اُجرت ادا کرے۔

والدّلیل علی ذلک:

استأجر بغلاً ليحمل طعاماً ببعضه أو ثوراً ليطحن بُرَّه ببعض دقيقه) فسدت في الكل ؛ لأنه استأجره بجزء من عمله.......... والحيلة أن يقرر الأجر أولاً، أو يسمي قفيزاً بلا تعيين، ثم يعطيه قفيزاً منه. (۱)

ترجمہ:

اگر کوئی خچر کرایہ پر لے تاکہ اس پر غلہ وغیرہ لادے اور اس کے کچھ حصے کو بطور عوض مقرر کرے یا بیل کرایہ پر لے تاکہ اس کے ذریعے جَو پیس لے اور اسی آٹے میں کچھ عوض مقرر کرے تو اِن سب صورتوں میں اجارہ فاسد ہے، اس لیے کہ اس نے اجیر کو اس کے عمل کے ایک جز کے عوض اجارہ پر لیا ہے۔۔۔۔۔ اور اس میں (جواز کے لیے) حیلہ یہ ہے کہ پہلے اُجرت مقرر کی جائے یا غیر متعین قفیز اُجرت قرار دیا جائے، پھر اُسی میں سے ایک قفیز دے دے۔

❁❁❁

گندم پیسنے کی اُجرت میں آٹا مقرر کرنا

سوال نمبر(100):

چکی والے کو گندم یا کوئی اور غلہ پیسنے کے لیے دے دیا جائے اور فی من پیسنے کی اجرت ایک کلو آٹا مقرر ہو تو کیا یہ معاملہ جائز ہوگا؟

بینوا توجروا

(۱) ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۹/ ۷۹

الجواب وباللہ التوفیق:

جو چیز خود اجیر کے عمل پر موقوف ہو، اس کو اسی عمل کی اُجرت میں مقرر کرنا جائز نہیں، چنانچہ گندم پینے کے عوض اسی گندم سے پیسا ہوا آٹا اُجرت میں مقرر کرنا درست نہیں۔ البتہ فقہائے کرام نے اس کے جواز کے لیے یہ صورت لکھی ہے کہ پینے کی اجرت میں آٹا مقرر کیا جائے لیکن یہ تعیین نہ ہو کہ پیسے ہوئے آٹے میں سے دیا جائے گا، پھر مستأجر چاہے تو اسی آٹے میں سے اُجرت دے دے یا کسی اور آٹے سے۔

والدّلیل علی ذلك:

وكذا لو استأجر حماراً يحمل عليه طعاماًبقفيز منه، فالإجارة فاسدةٌ ؛لأنه جعل الأجر بعض مايخرج من عمله، فيصير في معنى قفيز الطحان، وقد نهى النبيﷺ، وهوأن يستأجر ثوراً ليطحن له حنطة بقفيز من دقيقه. (١)

ترجمہ:

اور اسی طرح اگر گدھا کرایہ پر لیا تا کہ اس پر اشیائے خوردنی انہی اشیا میں سے ایک قفیز کے عوض لا دے تو یہ اجارہ فاسدہ ہے، اس لیے کہ اس نے اسی کے عمل کا بعض حصہ اجرت مقرر کیا۔ سو یہ قفیز الطحان کے معنی میں ہوا اور یقیناً آپ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے اور وہ (قفیز الطحان) یہ ہے کہ ایک شخص سے بیل آٹا پینے کے لیے اجرت پر لے لے اور اُجرت پیسے ہوئے آٹے میں ایک قفیز مقرر کرے۔

والحيلة في ذلك لمن أراد الجواز أن يشترط صاحب الحنطة قفيزاً من الدقيق الجيد، ولم يقل من هذه الحنطة. (٢)

ترجمہ:

اور اس معاملے میں جواز کی صورت یہ ہے کہ گندم والا ایک قفیز بہترین آٹا اُجرت میں مقرر کرے اور یہ نہ کہے کہ وہ اسی گندم میں سے ہوگا۔

---

(١) الهداية، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ٣٠٨/٣

(٢) الفتاوى الهندية، كتاب الإجارة، الباب الخامس عشرفي بيان مايجوزمن الإجارة ومالايجوز، الفصل الثالث فى قفيزالطحان: ٤٤٤/٤

لکڑہارا کی اُجرت اس کے عمل کے تناسب سے مقرر کرنا

سوال نمبر(101):

ایک شخص ممو کہ جنگل میں درخت کاٹنے کے لیے کسی مزدور کو مقرر کرتا ہے اور اس سے کہتا ہے کہ تم درخت کاٹ دو، ایک ماہ کے دوران جتنے درخت کاٹے، ان کا ۱/۳ حصہ تمہاری اُجرت ہوگی۔ کیا یہ معاملہ درست ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

صورتِ مسئولہ میں اجیر کی اُجرت اُسی کے عمل سے حاصل ہونے والی چیز مقرر ہوئی ہے، جو کہ مجہول ہے، اس لیے عقدِ اجارہ فاسد ہے۔ اس کی صحت کے لیے ضروری ہے کہ درختوں کے علاوہ کوئی اور متعین چیز اُجرت قرار دی جائے۔

والدلیل علی ذلك:

ولا یصح حتی تکون المنافع معلومة، والأجرة معلومة. (۱)

ترجمہ: اور اجارہ صحیح نہیں، یہاں تک کہ منافع ہوں اور اجرت بھی معلوم ہو۔

۞۞۞

اُجرت متعین کیے بغیر ٹیکسی میں سفر کرنا

سوال نمبر(102):

ہمیں بعض اوقات ٹیکسی کی ضرورت پڑتی ہے تو اپنے واقف ٹیکسی والے کو بلا کر اس کے ساتھ کرایہ طے کیے بغیر جگہ پر سفر کرتے ہیں۔ بعد میں وہ مناسب کرایہ بتا دیتا ہے اور ہم بلا چوں وچرا ادا کر دیتے ہیں۔ کیا شرعاً اس طرح کرنا جائز ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

جب کوئی جانور یا گاڑی سفر کے لیے کرایہ پر لی جائے تو اس میں پہلے سے اُجرت (کرایہ) اور مدتِ اجارہ

(۱) الهداية، کتاب الإجارات: ۳/۱۹۶

یا جس جگہ تک سواری کرنی ہو اس کا تعیین ضروری ہے، ورنہ اس کے بغیر اجارہ فاسد رہتا ہے۔

لہٰذا صورتِ مسئولہ میں اگرچہ جگہ کا تعیین کیا گیا ہے، لیکن اُجرت غیر معین ہے، اس لیے اجارہ فاسد ہے، آپ کو چاہیے کہ کرایہ بھی پہلے سے متعین کرلیا کریں تاکہ بعد میں نزاع پیدا نہ ہو، البتہ اگر پہلے سے کرایہ متعارف ہو یا بعد میں کرایہ کا تعیین نزاع کا سبب نہ بنتا ہو تو پھر جائز ہے۔

والدّليل على ذلك:

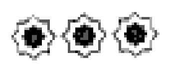
أما في إجارة الدواب، فلا بدّ فيهما من بيان أحد الشيئين: المدة أو المكان، فإن لم يبين أحدهما، فسدت؛ لأن ترك البيان يفضي إلى المنازعة. (۱)

ترجمہ:

بہرحال چوپایوں کے اجارہ میں دو چیزوں میں سے ایک کا بیان کرنا ضروری ہے: مدت یا مکان۔ سو اگر ان میں سے ایک کا بیان بھی نہ کیا جائے تو اجارہ فاسد ہوگا، اس لیے کہ بیان کا ترک کرنا نزاع تک لے جاتا ہے۔

ولا يصح حتى تكون المنافع معلومةً، والأجرة معلومةً لما روينا؛ ولأن الجهالة في المعقود عليه وبدله تفضي إلى المنازعة، كجهالة الثمن، والمثمن في البيع. (۲)

ترجمہ: اور اجارہ صحیح نہیں، یہاں تک کے منافع معلوم ہوں اور اجرت بھی معلوم ہو، دلیل وہ حدیث ہے جو ہم نے روایت کردی۔ اس لیے کہ معقود علیہ اور بدل میں جہالت نزاع کا پیش خیمہ ثابت ہوتی ہے، جیسا کہ بیع میں ثمن اور قیمت کی جہالت نزاع کا پیش خیمہ ہوتی ہے۔



N.G.O میں بطورِ باورچی ملازمت کرنا

سوال نمبر (103):

میں ایک N.G.O میں بطورِ خانساماں کام کرتا ہوں۔ اکثر لوگ کہتے ہیں کہ چونکہ یہ N.G.O بیرون ممالک کے ہوتے ہیں، لہٰذا اس میں نوکری کرنا صحیح نہیں۔ جس N.G.O میں میں کام کرتا ہوں وہ بھی جرمنی کی ہے۔

(۱) بدائع الصنائع، کتاب الإجارة، فصل في أنواع ركن الشرائط: ٥/٤٧٥

(۲) الهداية، كتاب الإجارة، باب تعريف الإجارة: ٣/٢٩٦

کیا میرے لیے مذکورہ N.G.O میں کام کرنا اور تنخواہ لینا جائز ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

شریعتِ مطہرہ نے مسلمانوں کو کفار کے ساتھ معاملات کرنے کی اجازت دی ہے، بشرطیکہ اس میں مسلمانوں کی تحقیر یا اسلامی اقدار کی پامالی لازم نہ آتی ہو۔

صورتِ مسئولہ کے پیشِ نظر تمام N.G.O پر کوئی ایک حکم لگانا مشکل ہے کیونکہ ان میں ملازمت کے جواز وعدم جواز کا دار ومدار ان کے مقاصد پر ہے، لہٰذا اگر کسی N.G.O کے بارے میں معلوم ہو جائے کہ وہ رفاہی کاموں کے آڑ میں مسلمانوں کے خلاف سازشی کاموں میں مصروف ہے، رفاہِ عامہ کا لبادہ اوڑھ کر مسلمانوں کے عقائد پر ڈاکہ ڈالنا ان کا مطمحِ نظر ہو تو ایسی N.G.O میں ملازمت کرنا جائز نہیں اور اگر کسی N.G.O کے بارے میں یہ معلوم ہو کہ واقعی ان کا مقصود رفاہِ عامہ کے کام کرنا اور کسی علاقہ میں تعلیم، صحت یا کسی دوسرے شعبہ کی ترقی ہے تو ایسے ادارہ میں کام کرنا جائز ہے۔

والدّلیل علی ذلك:

المسلم إذا آجر نفسه من الكافر ليخدمه جاز، ويكره.(۱)

ترجمہ:

اگر کوئی مسلمان کسی کافر کی خدمت اجرت پر کرے تو جائز ہے، تاہم ایسا کرنا مکروہ ہے۔

الأمور بمقاصدها، يعني أن الحكم الذي يترتب على أمر يكون على ماهو المقصود من ذلك الأمر.(۲)

ترجمہ:

تمام کاموں کا دار ومدار ان کے مقاصد پر ہے، یعنی کسی کام پر حکم اس کے مقصد کے مطابق مرتب ہوتا ہے۔

❁❁❁

(۱) خلاصة الفتاوى، كتاب الاجارات، الحظر والاباحة: ۳/۱۴۹

(۲) شرح المجلة لسليم رستم باز، المقالة الثانية في بيان القواعد الفقهية، المادة: ۲ ص/۱۷

انٹرنیٹ کلب میں ملازمت

سوال نمبر(104):

آج کل گلی گلی انٹرنیٹ کلب کُھل رہے ہیں، تعمیری مقاصد کے ساتھ ساتھ یہ کلب بعض اوقات غیر اخلاقی مقاصد (مثلاً فحش تصاویر دیکھنا، لڑکیوں کے ساتھ چیٹنگ وغیرہ) میں بھی استعمال ہوتے ہیں، شرعی نقطہ نظر سے ایسے کلب میں ملازمت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

عصری ضروریات کے پیش نظر جدید ذرائع ابلاغ جیسے کمپیوٹر، انٹرنیٹ وغیرہ کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں، تاہم ان کا غلط استعمال نوجوانوں کی بے راہ روی اور ان کی اخلاقی بگاڑ کا پیش خیمہ بھی ثابت ہوتا ہے، لہٰذا ان کے استعمال سے بے توجہی نہیں برتی جاسکتی، چونکہ شرعی احکام کا اعتبار مکلّف لوگوں کے اعمال پر ہوتا ہے، یعنی اگر وہ کسی ناجائز کام کا ارتکاب کرتے ہیں تو یقیناً ان کا فعل گناہ کا باعث ہوگا، جبکہ نیک کام کا ارتکاب ثواب کا باعث ہوگا۔

پس انٹرنیٹ میں دونوں پہلوؤں (یعنی اچھے، برے) کو مدنظر رکھتے ہوئے اس شعبہ میں کام کرنا جائز ہوگا، بشرطیکہ ان کا استعمال ملازم کی نگرانی میں غیر شرعی اور مذموم مقاصد کے حصول میں نہ کیا جائے، باقی اگر اس کا استعمال شرعی ضرورتوں کی بنیاد پر ہو (مثلاً تجارتی معلومات باہم پہنچانا، تعلیمی اور فنی ضروریات کا حصول وغیرہ) تو اس صورت میں نوکری کرنا جائز ہے۔

والدّلیل علی ذلك:

الأمور بمقاصدها: يعني أن الحكم الذي يترتب على أمر يكون على ماهو المقصود من ذلك الأمر.(۱)

ترجمہ:

تمام کاموں کا دارومدار ان کے مقاصد پر ہے، یعنی کسی کام پر حکم اس کے مقصد کے مطابق مرتب ہوتا ہے۔

۞۞۞

(۱) شرح المجلة لسليم رستم باز، المقالة الثانية في بيان القواعد الفقهية، المادة ۲، ص/۱۷

M.B.A کی ڈگری وصول کرنے کے لیے بینک میں ملازمت

سوال نمبر(105):

ایک شخص M.B.A کی ڈگری کی وصولی چاہتا ہے،لیکن اس کے لیے بینک میں تقریباً سات یا آٹھ ماہ تک نوکری کرنا شرط ہے،اگر یہ شخص تنخواہ لیے بغیر بینک میں نوکری کرے،تاکہ ڈگری مل سکے تو شرعاً ایسا کرنا جائز ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التّوفیق:

M.B.A کی ڈگری کی وصولی کے لیے جس کورس کی ضرورت ہوتی ہے،اُسے انٹرن شپ کہتے ہیں۔اس سے متعلق حضرات سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ کورس کسی بھی اکاؤنٹ آفس،فنانس والے ادارے سے حاصل کی جاسکتی ہے،لہٰذا صرف بینک سے یہ کورس کرانا ضروری نہیں،اس لیے بالخصوص سودی بینک سے یہ کورس کرانا جائز نہیں۔خاص کر جب اس کا متبادل بھی موجود ہے۔تاہم جہاں یہ کورس کیا جارہا ہو،اگر وہ ادارہ اس کو کوئی اجرت یا ہدیہ وغیرہ دے دے تو اس کا قبول کرنا جائز ہے،چاہے اجرت کی نیت سے دے یا ہدیہ کی نیت سے۔

والدّلیل علی ذلك:

﴿وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا﴾.(۱)

ترجمہ:　اللہ تعالیٰ نے حلال کیا ہے سوداگری کو اور حرام کیا ہے سود کو۔

❁❁❁

شادی بیاہ کی ویڈیو بنانے پر اجرت

سوال نمبر(106):

شادی بیاہ کے موقع پر لوگوں کی ویڈیو بنانا جائز ہے یا نہیں؟ نیز اس پر اجرت لینا شرعاً کیسا ہے؟

بیّنوا تؤجروا

(۱) البقرة/۲۷۵

الجواب وباللہ التوفیق:

شریعت مطہرہ کی رو سے کسی جاندار کی تصویر بنانا جائز نہیں، جہاں تک ویڈیو بنانے کا تعلق ہے، وہ بھی تصویر کے حکم میں ہے، کیوں کہ اس میں تصویر کیسٹ کے فیتے یا سی ڈی کے ذرات میں محفوظ ہوجاتی ہے اور T.V یا کمپیوٹر اسکرین پر اس کا نظارہ کیا جاتا ہے، لہٰذا شادی بیاہ کے موقع پر لوگوں کی ویڈیو بنانا جائز نہیں جو چیز حرام ہو، اس پر اجرت لینا بھی جائز نہیں، خاص کر جہاں اس کی کوئی ضرورت محسوس نہیں کی جارہی ہو۔

والدّلیل علی ذلك:

عن نافع أن عبدالله بن عمرؓ :أخبره أن رسول الله ﷺ قال :إن الذين يصنعون هذه الصور يعذبون يوم القيامة يقال لهم :أحيوا ماخلقتم.(١)

ترجمہ:

حضرت نافعؒ سے مروی ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ نے اس کو خبر دی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جو لوگ تصاویر بناتے ہیں، انہیں قیامت کے دن عذاب دیا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا کہ جو تم نے بنایا ہے اس کو زندہ کرو۔

لايجوز على الغناء، والنوح، والملاهي؛ لأن المعصية لايتصور استحقاقها بالعقد، فلا يجب عليه الأجر من غير أن يستحق عليه؛ لأن المبادلة لاتكون إلا عند الاستحقاق، وإن أعطاه الأجر، وقبضه لايحل له، ويجب عليه رده على صاحبه. (٢)

ترجمہ:

گانے، نوحہ کرنے اور آلاتِ لہو ولعب پر اجارہ جائز نہیں، اس لیے کہ عقد کے ساتھ معصیت کا استحقاق متصور نہیں۔ سو بغیر استحقاق کے اس پر اُجرت بھی واجب نہیں ہوتی، اس لیے کہ مبادلہ درست نہیں ہوتا، مگر استحقاق کے وقت اور اگر (اس کے بدلے) اجرت دے دی ہو، اور اس نے قبض کرلیا ہو تو وہ اس کے لیے حلال نہیں اور اس پر واجب ہے کہ اُجرت مالک کو واپس کرے۔



(١) صحيح البخاري، كتاب اللباس، باب عذاب المصورين يوم القيامة :٢/ ٨٨٠

(٢) البحرالرائق، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة : ٨/ ٣٥

اخبار میں کارٹون بنانے پر اجرت

سوال نمبر(107):

بندہ اخبار میں ملازم ہے۔ میرا کام اخبار کے لیے کارٹون بنانا ہے جن میں اکثر سیاسی شخصیات کے کارٹون ہوتے ہیں۔ بنیادی طور پر اس کا مقصد اصلاح ہوتا ہے کیونکہ ان کی وجہ سے عوام کو ان لوگوں کی پالیسیوں سے خبردار کیا جاتا ہے۔ کیا اس مقصد کے لیے ان شخصیات کے کارٹون بنانا اور ان پر اجرت لینا میرے لیے جائز ہوگا؟

بيّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰه التوفيق:

اس میں کوئی شک نہیں کہ صحافت آج کل زندگی کا ایک لازمی جز بن گیا ہے۔ اگر اخبارات ورسائل کو اپنے اصل رُوپ اور اصولوں کے مطابق رہنے دیا جائے تو یہ بہت سے فوائد کا مجموعہ اور اجتماعی زندگی کا رکن اعظم ہے۔ لیکن بدقسمتی سے آزادیٔ صحافت کے آڑ میں آج کل ان تمام قوانین کو روندا ڈالا جارہا ہے جو بنیادی حقوق کے حوالہ سے ملکی دستور میں موجود ہیں۔ جس طرح ایسا اظہارِ خیال قانوناً جرم ہے جس کی وجہ سے امن وامان متاثر ہونے، اخلاق اقدار پائمال ہونے اور ہتک عزت کا ذریعہ ہو، اسی طرح شرعاً بھی یہ گناہ متصور ہوتے ہیں کیونکہ شریعت کی رو سے مال وجان کی طرح عزت وآبرو کی رعایت وحفاظت بھی ایک ضروری امر ہے۔

کسی بات کو مخاطب کے ذہن میں اتارنے کے لیے ہتک آمیز کارٹون کا سہارا لینا یا ایک دوسرے کی عیب جوئی یا تمسخر اڑانے کے پیچھے اصلاح کا جذبہ کارفرما ہونا فہم ودانش سے بالاتر اور عقل میں نہ آنے والی بات ہے۔ لہٰذا ایسے کارٹون بنانے میں جہاں تصویر بنانے کا وبال ہے، وہاں پر کسی انسان کی آبرو سے کھیلنے کا گھناؤنا کاروبار بھی ہے، لہٰذا شریعت مطہرہ کی رو سے ایسے کارٹون بنانا اور اس پر اجرت لینا جائز نہیں۔

والدّليل على ذلك:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰۤى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ﴾ (۱)

ترجمہ:

اے ایمان والو! ایک قوم دوسری قوم کا مذاق نہ اڑائے، شاید وہ ان سے بہتر ہوں۔

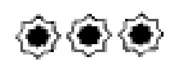
---

(۱) الحجرات/ ۱۱

لایجوز على الغناء، والنوح، والملاهي؛ لأن المعصية لايتصور استحقاقها بالعقد، فلا يجب عليه الأجر من غير أن يستحق عليه؛ لأن المبادلة لاتكون إلا عند الاستحقاق، وإن أعطاه الأجر، وقبضه لايحل له، ويجب عليه رده على صاحبه. (۱)

ترجمہ:

گانے ،نوحہ کرنے اور آلاتِ لہو ولعب پر اجارہ جائز نہیں، اس لیے کہ عقد کے ساتھ معصیت کا استحقاق متصور نہیں۔سو بغیر استحقاق کے اس پر اُجرت بھی واجب نہیں ہوتی، اس لیے کہ مبادلہ درست نہیں ہوتا، مگر استحقاق کے وقت اور اگر (اس کے بدلے) اجرت دے دی ہو اور اس نے قبض کرلیا ہو تو وہ اس کے لیے حلال نہیں اور اس پر واجب ہے کہ اُجرت مالک کو واپس کرے۔



کسی N.G.O سے تنخواہ میں خوراک وصول کرنا

سوال نمبر(108):

ہمارے علاقہ میں ایک N.G.O اپنے ملازمین کو اجرت میں خوراک کا سامان دیتی ہے جو عموماً اقوام متحدہ کی طرف سے ان کو ملتا ہے، کیا اس ادارہ میں ملازمت کرنا، نیز ان ملازمین کے لیے تنخواہ میں خوراک کا سامان لینا صحیح ہے؟

بيّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

کسی N.G.O پر جواز وعدم جواز کا حکم ان کے مقاصد کے مطابق لگایا جائے گا۔اگر کوئی N.G.O رفاہی کاموں کو آڑ بنا کر اسلام اور مسلمانوں کے عقائد پر ڈاکہ ڈالنے میں مصروف ہو تو ایسے ادارے میں ملازمت کرنا اور اس پر اجرت وصول کرنا جائز نہیں ہوگا اور اگر یقینی طور پر معلوم ہو جائے کہ ان کے عزائم اسلام کے حق میں خطرناک نہیں تو پھر دیگر عالمی اداروں کے زمرہ میں آکر ان کے ساتھ ملازمت صحیح ہوگی۔

جو چیز بیع میں ثمن بن سکتی ہو، وہ عقد اجارہ میں اجرت کے طور پر وصول کی جاسکتی ہے، لہٰذا اگر خوراک کا سامان متعین ہو تو بطورِ اجرت اس کا وصول کرنا جائز ہے۔

(۱) البحرالرائق، کتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۳۵/۸

والدّلیل علی ذلك:

المسلم إذا آجر نفسه من الكافر ليخدمه جاز، ويكره .وقال الفضلي :لايجوز في الخدمة، ومافيه إذلال، بخلاف الزراعة والسقي.(۱)

ترجمہ:

اگر کوئی مسلمان کسی کافر کی خدمت اجرت پر کرے تو جائز ہے، تاہم ایسا کرنا مکروہ ہے۔ فضلیؒ نے فرمایا کہ خدمت کی ملازمت، اور اسی طرح جس کام میں ذلیل ہونا پڑے، جائز نہیں۔ بخلاف زراعت اور آب پاشی کے۔

وماصلح أن يكون ثمنا في البيع كالنقود والمكيل والموزون، صلح أن يكون أجرة في الإجارة.(۲)

ترجمہ: جو چیز خرید وفروخت میں ثمن بن سکتی ہے تو وہ اجارہ میں اجرت بھی بن سکتی ہے، جیسے: پیسے، پیمانہ ہونے والی اشیا اور وزن ہونے والی اشیا۔

❁❁❁

تاخیر کی صورت میں تنخواہ پر اضافی رقم دینا

سوال نمبر(109):

ایک کمپنی اپنے کچھ ملازمین کو فارغ کر دیتی ہے۔ کمپنی کی مالی حیثیت کمزور ہے، اس وقت ملازمین کی تنخواہ ادا کرنے کے لیے رقم موجود نہیں ہے، ملازمین کو کہا جاتا ہے کہ ابھی ہم آپ کو ادائیگی نہیں کر سکتے ہم اپنے آپ پر جرمانہ لگاتے ہیں کہ جتنا آپ کی ادائیگی میں تاخیر ہوگی، اس کے حساب سے کمپنی آپ کو دو سو روپے فی یوم کی اضافی ادائیگی کرے گی شرعاً یہ زیادتی سود کے زمرے میں تو نہیں آتی؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰه التوفیق:

فقہائے کرام کی تصریحات کے مطابق عقد اجارہ میں جب مستاجر یا اجیر کسی شی کو اجرت پر لے کر اس کے

(۱) خلاصة الفتاوى، كتاب الاجارات، الفصل العاشر في الحظر والاباحة: ۳/۱٤۹

(۲) الفتاوى الهندية، كتاب الإجارة، ٤/٤١٢

منافع وصول کرلے تو اجرت اس کے ذمہ واجب الادا ہو کر دین ہو جاتی ہے اور دین کی ادائیگی میں تاخیر کی بنا پر اضافہ وصول کرنا سود کی وجہ سے حرام ہے۔

صورتِ مسئولہ میں جب کمپنی کے ملازمین خدمت کی انجام دہی سے فارغ ہو چکے تو ان کی تنخواہ کمپنی پر دین ہوئی جس کی ادائیگی کمپنی پر لازم ہے، لیکن اس ادائیگی میں تاخیر کی بنا پر اضافی رقم لینے کی شرط لگانا جائز نہیں۔تاہم جانبین (کمپنی وملازمین) میں کسی قسم کے معاہدے اور تعیین کے بغیر اگر کمپنی محض حسن التقاضی کے طور پر کچھ اضافی رقم دیتی ہے تو یہ جائز ہوگا۔

والدّليل على ذلك:

ثم الأجرة تستحق بأحد معان ثلاثة: إما بشرط التعجيل، أو بالتأجيل، أو باستيفاء المعقود عليه. (١)

ترجمہ: تین صورتوں میں سے کسی ایک صورت میں مالک اجرت کا مستحق بن جاتا ہے:

(۱)......معجّل ادا کرنے کی شرط کے ساتھ۔

(۲)......یا معین مدت تک ادا کرنے کی شرط کے ساتھ۔

(۳)...... یا معقود علیہ کو پورا پورا وصول کرنے کے بعد۔

روي عن رسول الله ﷺ :أنه نهى عن قرض جر نفعا؛ ولأن الزيادة المشروطة تشبه الربا؛لأنها فضل لايقابله عوض، والتحرز عن حقيقة الربا وعن شبهة الرباواجب .هذا إذاكانت الزيادة مشروطة في القرض، فأما إذاكانت غير مشروطة فيه، ولكن المستقرض أعطاه أجود مما أعطاه، فلابأس بذلك ؛لأن الربا اسم لزيادة مشروطة في العقد، ولم توجد، بل هذامن باب حسن القضاء، وإنه أمرمندوب إليه.(٢)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے کہ انہوں نے ہر اس قرض سے منع کیا ہے جو نفع کھینچے اور (یہ اس وجہ سے بھی منع ہے) کیونکہ (قرض میں) جو زیادتی شرط کی گئی ہے وہ سود کے مشابہ ہے، کیونکہ یہ ایسی زیادتی ہے جو کسی عوض کے مقابلہ میں نہیں ہے اور (جس طرح) اصل سود سے بچنا ضروری ہے، اسی طرح سود کے شبہ سے بچنا بھی واجب ہے۔یہ اس صورت میں ہے، جب قرض میں زیادتی شرط کی گئی ہو (لیکن) اگر قرض میں زیادتی مشروط نہ ہو لیکن مقروض (اپنی خوشی

(١) الفتاوى الهندية، كتاب الإجارة، الباب الثاني في بيان أنه متى تجب الأجرة : ٤١٣/٤

(٢) بدائع الصنائع، كتاب القرض،فصل في الشروط: ٥٩٨/١٠

سے) قرض سے بہتر (یا زیادہ) ادا کرے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں، کیوں کہ سود اس زیادتی کا نام ہے جو عقد میں شرط کی گئی ہو اور (یہ زیادتی یہاں) نہیں پائی گئی، بلکہ یہ اچھی ادائیگی کی ایک صورت ہے جو (شرعاً) مستحب کام ہے۔

❁❁❁

امام کو اجرت میں روٹی کھلانا

سوال نمبر(110):

اگر کسی امام کو بطورِ اجرت دو وقت کا کھانا اور صبح کا ناشتہ کرایا جائے تو شرعاً یہ معاملہ جائز ہے یا نہیں؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

فقہائے کرام کی آرا کے مطابق عقدِ اجارہ میں ہر وہ چیز اجرت میں دی جا سکتی ہے جو خرید و فروخت میں ثمن بن سکتی ہو اور متعین بھی ہو، یہی وجہ ہے کہ کھانا وغیرہ کھلانے کو اجرت مقرر کرنا درست نہیں لہٰذا امامت کی اجرت میں دو وقت کا کھانا اور ناشتہ مقرر کرنا صحیح نہیں، بلکہ نقد رقم یا کوئی مکیلی یا موزونی چیز امام کی اجرت مقرر کی جائے۔ نیز امامت جیسی باعزت منصب کے لیے اتنی معمولی چیز اجرت مقرر کرنا خلافِ مروت بھی ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

وكل إجارة فيها رزق أوعلف فهي فاسد.(١)

ترجمہ: ہر وہ اجارہ جس میں خوراک یا چارہ بطورِ اجرت مقرر کیا جائے وہ فاسد ہے۔

وماصلح أن يكون ثمنا في البيع كالنقود والمكيل والموزون، صلح أن يكون أجرة في الإجارة.(٢)

ترجمہ: جو چیز خرید و فروخت میں ثمن بن سکتی ہو وہ اجارہ میں اجرت بھی بن سکتی ہے جیسے پیسے، پیمانہ ہونے والی اشیا اور وزن ہونے والی اشیا۔

(١) الفتاوى الهندية، كتاب الإجارة، الباب الخامس عشرفي بيان مايجوزمن الإجارة ومالايجوز، الفصل الثاني فيمايفسدالعقد فيه لمكان الشرط :٤٤٢/٤

(٢) الفتاوى الهندية، كتاب الإجارة،٤١٢/٤

نائی (حجام) کی اُجرت

سوال نمبر(111):

ہمارے علاقہ میں یہ رواج ہے کہ حجام کو ہر فصل کے پک جانے کے بعد اس سے معین حصہ دیا جاتا ہے، مثلاً: دس کلو گندم جب گندم کی فصل کاٹی جاتی ہے، اسی طرح پانچ کلو مکئی جب مکئی کی فصل کاٹی جاتی ہے۔ شرعاً یہ معاملہ کیسا ہے؟ جبکہ حجام کا عمل معلوم نہیں ہوتا کہ وہ سال میں کتنی مرتبہ حجامت یا بال کاٹتا ہے۔

بینوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

شرعی نقطہ نظر سے عقدِ اجارہ کی صحت کے لیے ضروری ہے کہ معقود علیہ (منافع) بایں طور پر معلوم ہو کہ اس سے نزاع ختم ہو جائے، اگر منافع اس طرح مجہول ہوں کہ نزاع پیدا ہونے کا خطرہ ہو تو اس صورت میں عقدِ اجارہ فاسد ہوگا۔ صورتِ مسئولہ میں چونکہ حجام کا عمل معلوم نہیں، لہٰذا عمل کی جہالت کی بنا پر یہ عقد فاسد ہونا چاہیے، لیکن اگر کسی جگہ پر اس کا عرف عام ہو اور حجام کے عمل کی جہالت مفضی الی النزاع نہ ہو تو ایسی صورت میں اس عقد کے جواز کا حکم لگایا جائے گا۔

والدّلیل علی ذلك:

ومنها أن یکون المعقود علیه، وهو المنفعة معلوما علما یمنع المنازعة، فإن کان مجهولا جهالة مفضیة إلی المنازعة یمنع صحة العقد، وإلافلا.(۱)

ترجمہ:

اجارہ کی شرائط میں ایک شرط یہ ہے کہ معقود علیہ، یعنی منافع ایسے طور پر معلوم ہوں جو تنازع کو منع کرے، اگر منافع مجہول ہوں اور ایسے مجہول ہوں جو مفضی الی النزاع ہوں تو عقد کی صحت کے لیے مانع ہے، ورنہ نہیں۔

والعرف في الشرع له اعتبار لذاعلیه الحکم قدیدار.

واعلم أن اعتبار العادة والعرف رجع إلیه في مسائل کثیرة، حتی جعلوا ذلك أصلا، فقالوا:

---

(۱) الفتاوی الهندیة، کتاب الإجارة، شرائط الصحة: ٤/٤١١

تترك الحقيقة بدلالة الاستعمال والعادة. (۱)

ترجمہ: شریعت میں عرف کا اعتبار ہے، لہٰذا اس پر کبھی حکم کا دارومدار ہوتا ہے۔

جان لیجیے کہ (علمانے) کئی مسائل میں عرف اور عادت کی طرف رجوع کیا ہے۔ یہاں تک کہ انہوں نے عرف کو اصل قرار دیا ہے اور فرماتے ہیں کہ استعمال اور عادت کی وجہ سے (بعض اوقات) حقیقت چھوڑ دی جاتی ہے۔

❁❁❁

کتب ورسائل کا اجارہ

سوال نمبر(112):

آج کل بعض دکان دار حضرات کتابیں اور مختلف قسم کے رسائل کرایہ پر دیتے ہیں، شرعی نقطہ نظر سے کتابوں کا اجارہ صحیح ہے یا نہیں؟

بيّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰه التوفيق:

شرعی نقطہ نظر سے اجارہ ایسے عقد کا نام ہے جس میں ایک طرف سے عوض اور دوسرے طرف سے کوئی نفع مقرر کیا جائے اور دونوں معلوم ہوں۔

صورت مسئولہ میں کتابیں ورسائل کرایہ پر دینا صحیح نہیں کیوں کہ جس چیز پر عقد ہو رہا ہے، یعنی کتاب سے فائدہ اٹھانا، یہ قاری (پڑھنے والے) کا ذاتی فعل ہے کیونکہ جو کچھ کتاب میں موجود ہے، وہ کتاب کرایہ پر لینے والے شخص کو سمجھانا نہ کتاب کے مالک کی وسعت میں ہے اور نہ کتاب کے، بلکہ کتاب دیکھنا یا اس میں سوچ وبچار کرنا تا کہ اس سے قاری کو فائدہ پہنچے، یہ سب قاری کا ذاتی فعل ہے اور کسی شخص پر اس کے ذاتی فعل کے مقابلہ میں اجرت واجب نہیں کی جاسکتی۔

والدّليل على ذلك:

ولو استاجر كتباليقرأ فيها شعرا،أوفقها،أوغير ذلك لم يجز ؛لأن المعقود عليه فعل

---

(۱)الشامي ابن عابدين،مجموعه رسائل ابن عابدين، الرسالة الثانية : ۱/ ٤٤،سهيل اكيڈمي لاهور

القاري، والنظر في الكتاب والتأمل فيه ليفهم المكتوب فعله أيضا، فلايجوز أن يجب عليه أجر بمقابلة فعله اولأن فهم مافي الكتاب ليس في وسع صاحب الكتاب، ولايحصل ذلك بالكتاب. (۱)

ترجمہ:

اگر کسی شخص نے کتابیں کرایہ پر حاصل کیں تاکہ اس میں شعر، فقہ یا کوئی اور چیز پڑھ لے تو جائز نہیں، کیونکہ معقود علیہ پڑھنے والے کا فعل ہے، اسی طرح کتاب دیکھنا اور اس میں سوچ و بچار کرنا تاکہ لکھا ہوا سمجھ لے، یہ بھی پڑھنے والے کا فعل ہے، پس اس پر اپنے فعل کے بدلے میں اجرت مقرر کرنا جائز نہیں، کیوں کہ جو کچھ کتاب میں ہے اس کا سمجھانا کتاب کے مالک کے بس میں نہیں اور نہ یہ کتاب سے حاصل ہوتا ہے۔

❁❁❁

قوالی کی اُجرت

سوال نمبر(113):

قوالی کا پیشہ جائز ہے یا نہیں؟ نیز اس پر اجرت لینا جائز ہے یا نہیں؟ جب کہ اس میں نعتیہ اشعار پڑھے جاتے ہوں۔

بيّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰه التوفيق:

قوالی کا پیشہ اختیار کرنا جائز نہیں کیونکہ اس میں ڈھول باجے کے ساتھ اشعار گائے جاتے ہیں، اگر وہ اشعار نعتیہ ہوں تو اس سے قوالی کی شناعت اور بھی بڑھ جاتی ہے کہ پاکیزہ اشعار گناہ کے آلات (ڈھول باجے) کے ساتھ گا کر آلودہ کیے جاتے ہیں جو سراسر وبال کا ذریعہ بنتا ہے، لہٰذا قوالی پر اجرت لینا جائز نہیں۔

والدّليل على ذلك:

ولاتجوز الإجارة على شيء من الغناء، والنوح، والمزامير، والطبل، وشيء من اللهو، وعلى هذا الحداء، وقراءة الشعر، وغيره ولا أجرفي ذلك. (۲)

---

(۱) السرخسي، محمد شمس الدين، المبسوط، كتاب الاجارات، الإجارة الفاسدة، ۳٦/۱٦

(۲) الفتاوى الهندية، كتاب الإجارة، الباب السادس عشرفي مسائل الشيوع في الإجارة: ٤٤٩/٤

ترجمہ:

گانا، نوحہ، باجہ اور ڈھول بجانے اور لہو ولعب والی کسی بھی چیز پر اجارہ جائز نہیں، اسی طرح شتر بانوں کا نغمہ اور شعر پڑھنے پر بھی اجارہ جائز نہیں۔ اِن میں اجرت لازم بھی نہ ہوگی۔

بچہ کے کان میں اذان دینے پر اجرت

سوال نمبر (114):

ایک شخص نومولود بچوں کے کان میں اذان دیتا ہے، جس گھر میں بچہ پیدا ہوتا ہے لوگ اسے بلا کر بچے کے کان میں اذان اور اقامت کہلواتے ہیں، لیکن وہ اس کام کے عوض اجرت وصول کرتا ہے، شرعاً یہ فعل کیسا ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شرعی نقطۂ نظر سے کسی نومولود کے کان میں اذان دینا شرعی ذمہ داری ہے، لہٰذا طاعات کے حکم میں ہو کر اس پر اجرت لینا صحیح نہیں۔ نیز اس مبارک کام کو بطورِ پیشہ اختیار کرکے اس پر اجرت لینا ایک غیر مناسب فعل ہے، تاہم اگر بچے کے متعلقین اپنی خوشی سے اس شخص کو بطورِ ہدیہ کچھ پیش کریں تو اس کے لینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

والدّلیل علی ذلك:

الأصل أن كل طاعة تختص بها المسلم لايجوز الاستئجار عليها عندنا...... فالاستئجار على الطاعات مطلقا لايصح عند أئمتنا الثلاثة.(۱)

ترجمہ:

بنیادی بات یہ ہے کہ ہر وہ طاعت جو مسلمان کے ساتھ خاص ہو، ہمارے نزدیک اس پر اجرت لینا جائز نہیں لہٰذا نیکی کے کاموں پر اجرت لینا ہمارے تینوں اماموں کے نزدیک جائز نہیں۔



(۱) ابن عابدین، محمدامین الشامی، تنقیح الحامدیہ، کتاب الإجارة، فی حکم الاستئجار علی التلاوة: ۲/ ۱۳۷

فیملی پلاننگ کے محکمہ میں ملازمت

سوال نمبر(115):

اگر کوئی شخص خاندانی منصوبہ بندی کے محکمہ میں کام کرے تو اس کے لیے محکمہ میں نوکری کرنا اور اس پر تنخواہ لینا جائز ہے یا نہیں؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

خاندانی منصوبہ بندی معاشی نقطۂ نظر سے ضبطِ تولید کی مذموم کوشش ہے۔رزق کے خوف سے اولاد کی پیدائش کے لیے رکاوٹ ڈالنا رب کائنات کے "الرزاق ذو القوۃ المتین" ہونے سے بغاوت کے مترادف ہے۔ایسی صورت میں ان کے لیے آلہ کار بننا تعاون علی المعصیۃ ہے،تاہم خاص اعذار کے پیش نظر علاج کے طور پر مانع حمل دوائیوں کا استعمال چونکہ مرخص ہے،لہٰذا ایسی صورت میں علاج کا فریضہ سرانجام دینا بھی مرخص ہے،لیکن عام حالات کے پیش نظر اس محکمہ میں ملازمت اختیار کرنا مناسب نہیں۔

والدّلیل علی ذلک:

﴿وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۖ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾(۱)

ترجمہ:

اور آپس میں نیک کام اور پرہیزگاری پر مدد کرو اور گناہ اور ظلم پر مدد نہ کرو۔

ویکرہ أن تسقی لإسقاط حملها و جاز لعذر.(۲)

ترجمہ:

حمل کو (بلا عذر) ساقط کرنے کے لیے دوائی کا پینا مکروہ ہے اور عذر کی وجہ سے جائز ہے

❁❁❁

(۱) سورۃ المائدۃ/۲

(۲) الدر المختار علی صدر ردالمحتار، کتاب الحظر والاباحۃ، فصل فی البیع:۶۱۵/۹

کنوینس الاؤنس کا حکم

سوال نمبر(116):

میں ایک سرکاری محکمہ میں ملازم ہوں، حکومت کی طرف سے مجھے ایک عدد موٹر سائیکل کی منظوری ہوئی ہے۔ میرے افسران بالا نے مجھے موٹر سائیکل نہیں دی، بلکہ کہا کہ آپ 500 روپے تک خرچہ کرکے بل بھیجا کریں، محکمہ آپ کو پیسے دے گا، اگر میں دفتر پیدل جایا کروں اور مہینے کے آخر میں 500 روپے کا بل پاس کراؤں تو میرے لیے یہ پانچ سو روپے لینا جائز ہے یا نہیں؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

''کنوینس الاؤنس'' اگر ملازم کو آمدورفت کی مد میں سہولت رسانی کے لیے دیا جاتا ہو اور اس نام پر اس کو مالی منفعت پہنچانا ہو تو یہ ملازم کا حق شمار ہو کر خرچ نہ ہونے کی صورت میں اس کے لیے لینا جائز ہے۔ البتہ جہاں کہیں اخراجات کا بل پیش کرکے وصول کیا جاتا ہو تو اس کو اخراجات کی تحدید کی صورت میں اباحت قرار دیا جاسکتا ہے کہ جس قدر اخراجات ہوئے ہیں، صرف ان ہی کو وصول کیا جائے، اس لیے اصل اخراجات پر اضافی رقم وصول کرنا جائز نہ ہوگا۔

والدّلیل علی ذلک:

فإن كانت هذه التصرفات من المؤجر بعد استيفاء المنفعة جازت بلااخلاف .(١)

ترجمہ:

اگر یہ تصرفات (یعنی کرایہ دار کو مال استعمال کرنے کی اجازت دینا) مؤجر کی طرف سے ہوں اور (کرایہ دار) نے نفع حاصل کیا ہو تو بغیر کسی اختلاف کے جائز ہے۔



(١) الفتاوى الهندية، كتاب الإجارة، الباب الرابع في تصرف الأجير في الاجرة: ٤/٤١٧

ٹی وی میکینک کی اجرت

سوال نمبر(117):

اس میں کوئی شک نہیں کہ ٹی وی دیکھنا سخت گناہ ہے،لیکن اگر کسی میکینک کے پاس اس کے علاوہ کوئی دوسرا ہنر نہ ہوتو کیا اس کے لیے شریعت میں اس بات کی گنجائش ہے کہ وہ ٹی وی کی مرمت کرکے اپنے اہل وعیال کا خرچہ پیدا کرے؟

بیّنوا توٴجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

معاشرہ کی بے راہ روی اور بے اعتدالی میں ٹی وی کا مذموم کردار کسی سے مخفی نہیں، بے حیائی اور بے دینی کی ترغیب وترویج ٹی وی کے بعض پروگراموں کا بنیادی ہدف ہے۔تاہم ٹی وی نشریات کی اصلاح کرکے معاشرہ میں ایک مثبت اور تعمیری انقلاب لایا جاسکتا ہے۔ٹی وی کے ذریعہ بے دینی کی یلغار کا مقابلہ بھی کیا جاسکتا ہے،جس کی وجہ سے اس کے استعمال کی گنجائش بھی بسااوقات پائی جاتی ہے، اس لیے اس کی مرمت کرنے پر مزدوری یا اس کے کاروبار کومطلقاً ناجائز نہیں کہا جاسکتا اور جو نفع اس کے ذریعہ ملے وہ بھی حلال ہے، تاہم بحیثیتِ مسلمان اس قسم کی کمائی سے احتراز کرنا بہتر ہے۔

والدّليل علی ذلك:

الأمور بمقاصدها، يعني أن الحكم الذي يترتب على أمر يكون على ماهو المقصود من ذلك الأمر.(١)

ترجمہ:

تمام کاموں کا دارومدار ان کے مقاصد پر ہے یعنی کسی کام پر حکم اس کے مقصود کے مطابق مرتب ہوگا۔

ولا يكره بيع الجارية المغنية .... لأنه ليس عينها منكراً، وإنما المنكر في استعمالها المحظور.(٢)

(١) شرح المجلة لسليم رستم باز، المقالة الثانية في بيان القواعد الفقهية، المادة:٢ ص/١٧

(٢) ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الجهاد، باب البغاة، مطلب في كراهية ماتقوم المعصية بعينه : ٦/٤٢٠

ترجمہ: اور گانا گانے والی باندی کی بیع مکروہ نہیں۔۔۔۔۔اس لیے کہ اس کا عین ممنوع نہیں۔ بلکہ اس کو غلط استعمال کرنا ممنوع ہے۔

❁❁❁

روزانہ کمائی کا آدھا حصہ ٹیکسی کی اُجرت مقرر کرنا

سوال نمبر (118):

زید نے ٹیکسی خرید کر عمرو کو کرایہ پر دے دی اور اس سے کہا کہ تم روزانہ جو پیسہ کماؤ گے، اس میں سے آدھا حصہ مجھے دو گے اور آدھا تم لو گے۔ برائے مہربانی اس معاملہ کا شرعی حکم بیان کیجئے کہ یہ جائز ہے یا ناجائز؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شریعتِ مطہرہ کی رُو سے اجارہ کے معاملات میں اُجرت، منفعت اور مدتِ اجارہ کا متعین کرنا لازمی اور ضروری ہے، چنانچہ جس معاملہ میں ان امور کا تعین نہ کیا جائے وہ فاسد ہو جاتا ہے۔

مسئولہ صورت میں اُجرت اور مدتِ اجارہ مجہول ہیں اس لیے یہ معاملہ درست نہیں۔ اس کے جواز کی صورت یہ ہے کہ باہمی رضامندی سے روزانہ یا ماہانہ کے حساب سے مخصوص رقم بطورِ کرایہ متعین کر دی جائے اور مدت بھی مقرر کی جائے تا کہ بعد میں نزاع پیدا ہونے کا خطرہ باقی نہ رہے۔

والدلیل علی ذلک:

وإن تكارى دابة إلى بغداد على أنه إن رزقه الله تعالى من بغداد شيئاً، أو من فلان شيئاً أعطاه نصف ذلك، فهذا فاسد، وعليه أجر مثلها فيما يركب. (۱)

ترجمہ:

اور اگر بغداد تک سواری کرایہ پر دے دی، اس طرح کہ اگر اس کرایہ دار کو اللہ تعالیٰ بغداد سے کوئی کمائی دے دے یا فلاں سے کچھ کمائی دے دے تو وہ مالک کو اس کمائی میں سے آدھا حصہ دے گا تو یہ معاملہ فاسد ہے اور اس پر سواری کے بدلے اجرِ مثل لازم ہوگا۔

---

(۱) الفتاوى الهندية، كتاب الإجارة، الباب الخامس، الفصل الثاني في مايفسد العقد فيه لمكان الشرط: ٤٤٣/٤

کمائی کا 30% زمین کا کرایہ مقرر کرنا

سوال نمبر(119):

زید ایک کھلی جگہ کا مالک ہے جس میں وہ ورکشاپ چلاتا ہے۔اس نے بکر کے ساتھ یہ معاہدہ کیا ہے کہ وہ ورکشاپ کے ایک کونے میں رنگسازی کا کام کرے اور زید کو مزدوری کا 30% بطور کرایہ ادا کرتا رہے،البتہ جب کوئی مزدوری نہ ہو تو کچھ بھی نہ دے۔ برائے مہربانی اس معاملے کا شرعی حکم بیان فرمائیے۔

بینوا تؤجروا

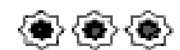
الجواب وباللّٰہ التوفیق:

زید اور بکر کے مابین طے ہونے والے مذکورہ معاملہ میں چونکہ اجرت مجہول ہے اس لیے یہ معاملہ فاسد ہے۔ اس کی صحت کی صورت یہ ہے کہ یا تو کوئی کرایہ متعین کرلیں یا دونوں رنگسازی کے کام میں شریک ہوکر سرمایہ اکٹھا کریں اور نفع نقصان میں حصہ دار بن جائیں۔

والدّلیل علی ذلك :

ولا يصح حتى تكون المنافع معلومة، والأجرة معلومة لما روينا؛ ولأن الجهالة في المعقود عليه وبدله تفضي إلى المنازعة، كجهالة الثمن والمثمن في البيع.(١)

ترجمہ: اور اجارہ صحیح نہیں، یہاں تک کے منافع معلوم ہوں اور اجرت بھی معلوم ہو، دلیل وہ حدیث ہے جو ہم نے روایت کردی،اس لیے کہ معقود علیہ اور بدل میں جہالت نزاع کا پیش خیمہ ثابت بنتی ہے،جیسا کہ بیع میں ثمن اور قیمت کی جہالت نزاع کا پیش خیمہ بنتی ہے۔



پیداوار کا 1/3 حصہ ٹیوب ویل کے پانی کی اُجرت ٹھہرانا

سوال نمبر(120):

ہمارے علاقہ ''مہمند'' میں اکثر مقامات پر ٹیوب ویل ہیں،جن سے کھیتوں کو سیراب کیا جاتا ہے۔ٹیوب ویل

(١) الهداية، كتاب الإجارة، باب تعريف الإجارة: ٢٩٦/٣

کے مالک اس کی اجرت میں پیداوار کا تیسرا (۱/۳) حصہ لیتے ہیں۔ کیا شرعاً یہ معاملہ جائز ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

شرعی نقطۂ نظر سے اجارہ کے معاملہ میں منفعت اور اجرت کا اس طرح معلوم ہونا ضروری ہے کہ بعد میں جھگڑا پیدا ہونے کا اندیشہ نہ ہو۔

مسئولہ صورت میں اُجرت بھی مجہول ہے اور منفعت بھی، اس لیے کہ فصل کے اُگنے یا نہ اُگنے کا کوئی یقین نہیں یا اگر فصل اُگ جائے تو اس کی مقدار معلوم نہیں۔ اسی طرح منفعت میں بھی جہالت ہے، کیونکہ فصل کے اُگنے تک استعمال ہونے والے پانی کی مقدار مجہول ہے۔ ممکن ہے کہ اس دوران کسی فنی خرابی کی وجہ سے پانی کا استعمال کم ہو جو بعد میں متعاقدین کے باہمی جھگڑے کا سبب بنے، اس لیے مذکورہ صورت اجارہ فاسدہ ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے۔

اس کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ وقت کے حساب سے ٹیوب ویل کی اجرت مقرر کی جائے، مثلاً: ایک گھنٹہ پچاس روپے کا ہو، پھر فصل تیار ہونے تک جتنے گھنٹے ٹیوب ویل کا استعمال ہو، اسی مقدار سے نقداً اُجرت ادا کی جائے یا اس کے عوض تیار فصل کی ایک خاص مقدار پر مصالحت کی جائے۔

والدّلیل علی ذلک:

يشترط أن تكون الأجرة معلومةً، سواءٌ كان من المثليات أو من القيميات، أو كانت منفعةً أخرى؛ لأن جهالتها تفضي إلى المنازعة، فيفسد العقد. (۱)

ترجمہ:

(اجارہ کی صحت کے لیے) شرط یہ ہے کہ اجرت معلوم ہو۔ خواہ وہ اُجرت مثلی چیزوں میں سے ہو یا قیمی اشیا میں سے یا کوئی اور منفعت ہو، کیونکہ اجرت کی جہالت باہمی جھگڑے کا پیش خیمہ بنتی ہے، سو عقد فاسد ہو جاتا ہے۔



(۱) شرح المجلة لسليم رستم باز، المادة: ۴۵۰، كتاب الإجارة، الباب الثاني في المسائل المتعلقة بالأجرة، الفصل الثالث في شروط صحة الإجارة: ص/۲۵۴

وکیل بالبیع کے لیے متعین قیمت سے زائد رقم اُجرت ٹھہرانا

سوال نمبر(121):

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ ایک شخص قیمتی جواہرات کا کاروبار کرتا ہے۔ وہ جواہرات خریدنے کے بعد اسے ایک ماہر شخص کو فروخت کرنے کے لیے حوالہ کرتا ہے اور اس کو ایک متعین قیمت بتا دیتا ہے کہ مثلاً یہ پتھر میرے لیے ایک لاکھ روپے کے عوض فروخت کرلو، اگر تم نے اس سے زیادہ رقم کے عوض فروخت کیا تو وہ زائد رقم تمہاری ہوگی، چنانچہ وہ دوسرا شخص جب اس متعین قیمت سے زائد کے عوض جواہرات فروخت کرلے تو یہ زائد رقم لینا اس کے لیے جائز ہے یا نہیں؟ عرف میں اس طرح کے معاملہ کو''جائز'' کہتے ہیں۔

بینوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شرعی نقطۂ نظر سے کسی چیز کی فروختگی کے لیے دوسرے شخص کو متعین کرنا''توکیل بالبیع'' کہلاتا ہے۔ توکیل بالبیع میں وکیل کے لیے پہلے سے اجرت متعین کرنا ضروری ہے، ورنہ وہ اجرتِ مثل کا مستحق ہوتا ہے۔

صورتِ مسئولہ کے مطابق کسی کو فروختگی کے لیے وکیل بنا کر متعین حد سے زائد کمایا ہوا نفع اس کی اجرت مقرر کرنا، اجرت کے مجہول ہونے کی وجہ سے عقدِ فاسد ہے، لہٰذا جس قیمت پر یہ چیز فروخت ہوجائے، وکیل وہ پوری کی پوری رقم مؤکل کے حوالہ کرے گا اور خود عرف کے مطابق اُجرت کا مستحق ٹھہرے گا، البتہ اگر مالک اپنی طرف سے طیبِ نفس کے ساتھ زائد رقم وکیل کو دے دے تو کوئی حرج نہیں۔

نیز اس معاملہ کی صحت کے لیے وکیل اور موکل یہ صورت بھی اختیار کر سکتے ہیں کہ مالک یہ چیز ایک متعین قیمت پر اس شخص کے ہاتھوں اُدھار فروخت کرلے اور رقم ادائیگی کی تاریخ بھی متعین کرلیں۔ وہ شخص جا کر اس چیز کو بازار میں اس سے زیادہ قیمت پر اپنے لیے فروخت کرکے مالک کو اس کا قرض ادا کردے، اس طرح یہ معاملہ درست رہے گا۔

والدلیل علی ذلک:

إذا اشترطت الأجرة في الوكالة،وأوفاها الوكيل استحق الأجرة. قال الشارح:إطلاقه يدل على أنه لا فرق فيما إذا وقت وقتاً معلوماً لإيفاء الوكالة، أولا .وإن لم تشترط، ولم يكن الوكيل ممن يخدم بالأجرة كان متبرعا،فليس له أن يطالب بالأجر،وأما إذا كان ممن يخدم بالأجرة،فله أجرمثله ؛لأن

المعروف عرفاً، کالمشروط شرطاً. (۱)

ترجمہ: جب وکالت میں اجرت کی شرط لگادی گئی ہو اور وکیل وہ کام پورا کردے تو وہ اجرت کا مستحق بن جاتا ہے۔ شارحؒ فرماتے ہیں: ''اس عبارت کا مطلق ہونا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وکالت کا کام مکمل ہونے کے لیے وقت کی تعیین اور عدمِ تعیین میں کوئی فرق نہیں'' اور اگر (اجرت کی) کوئی شرط نہ لگائی ہو اور وکیل اجرت کے ساتھ خدمت کرنے والوں میں سے نہ ہو تو وہ محض احسان کرنے والا شمار ہوگا چنانچہ اس کے لیے اجرت کا مطالبہ جائز نہیں اور اگر اجرت کے عوض خدمت کرنے والا ہو تو اس کو اجرتِ مثل ملے گی، اس لیے کہ عرف میں جو کام معروف ہو، وہ مشروط ہی کی طرح ہوا کرتا ہے۔

❁❁❁

جانور کے بچے کو جانور پالنے کی اُجرت مقرر کرنا

سوال نمبر(122):

ہمارے ہاں اکثر گائے بکری خرید کر کسی کو پالنے کے لیے دے دیتے ہیں۔ پالنے والے اس کے عوض اس جانور کے پیدا ہونے والے بچے اجرت میں لیتے ہیں۔ کیا شرعاً اس طرح کا معاملہ جائز ہے؟

بيّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التّوفیق:

شریعتِ مطہرہ نے ہر اس معاملہ کو ممنوع قرار دیا ہے جس میں جہالت کی وجہ سے طرفین کے باہمی نزاع کا خطرہ ہو۔ دیگر معاملات کی طرح اجارہ میں بھی یہ ضروری ہے کہ اُجرت اور مدتِ اجارہ متعین ہو، ورنہ عدمِ تعیین کی صورت میں اجارہ فاسد رہتا ہے۔

صورتِ مسئولہ میں چونکہ جانور کے بچے پیدا ہونے کا کوئی قطعی اور یقینی علم نہیں ہوتا، اس لیے جانور پالنے والے کے لیے بچوں کو اُجرت میں مقرر کرنا جائز نہیں۔

والدّلیل علی ذلك:

وکذا لو دفع الدجاج علی أن یکون البیض بینھما،أو بزر الفیلق علی أن یکون الإ بریسم

(۱) شرح المجلة لسلیم رستم باز، المادة:۱٤٦٧، کتاب الوکالة، الباب الثالث فی أحکام الوکالة : ص/۷۸۹

بینهما، لایجوز، والحادث كله لصاحب الدجاج والبزر. (۱)

ترجمہ:

اور اسی طرح اگر کسی کو مرغی دے دی، اس طرح کہ انڈہ دونوں کے مابین مشترک ہوگا۔ یا ریشم کے کیڑوں کے انڈے دیے، اس طرح کہ ریشم ان دونوں کے مابین مشترک ہوگا تو یہ جائز نہیں، لہٰذا جو (انڈے یا ریشم) پیدا ہو وہ سب مرغی اور ریشم کے انڈوں کے مالک کے ہوں گے۔

بیل اور سانڈ کی جفتی پر اُجرت

سوال نمبر (123):

ایک شخص کے پاس بیل اور سانڈ ہیں جن کو جفتی کے لیے اُجرت پر دیتا ہے۔ کیا اس کی کمائی حلال ہے؟

بيّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰه التوفيق:

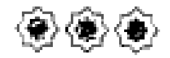
کسی بھی نر جانور کی جفتی پر اجرت لینا شرعاً جائز نہیں، لہٰذا اس سے احتراز ضروری ہے۔ تاہم اگر شرط لگائے بغیر کوئی اپنی طرف سے تبرعاً کچھ دے دے تو اس کے لینے میں کوئی حرج نہیں۔

والدّليل على ذلك:

(لا تصح الإجارة لعسبِ التيس) وهو نزوه على الأناث ...... ولو أخذ بلا شرط يباح. (۲)

ترجمہ:

نر جانور کی جفتی پر اجارہ درست نہیں اور یہ نر کا مادہ پر پھاندنے کو کہتے ہیں۔۔۔۔۔ اور اگر مشروط کیے بغیر (کوئی چیز) لے لے تو وہ مباح ہے۔



(۱) الفتاوى الهندية، كتاب الإجارة، الباب الخامس عشر مايجوز من الإجارة وما لا يجوز، الفصل الثالث في قفير الطحان وماهو في معناه: ٤٤٦/٤

(۲) ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ٧٥/٩

سکول اساتذہ کا روزانہ حاضری کے بارے میں تقسیم کار

سوال نمبر (124):

زیداور عمرو دونوں گورنمنٹ پرائمری سکول میں استاد ہیں۔دونوں نے آپس میں صلاح مشورے سے یہ طے کیا ہے کہ مہینہ میں پندرہ دن زید ڈیوٹی کرے گا اور اپنے پیریڈ کے ساتھ عمرو کے پیریڈ بھی لے گا۔پھر باقی پندرہ دنوں میں عمرو ڈیوٹی کرے گا اور اپنے پیریڈ کے ساتھ زید کے پیریڈ بھی لے گا۔ان کا یہ معاہدہ شریعت کی رو سے درست ہے یانہیں؟ نیز ایسی صورت میں ان کا تنخواہ وصول کرنا جائز ہے یانہیں؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

شریعتِ مطہرہ کی رُو سے کسی ملازم کو یہ اجازت نہیں کہ وہ مالک کی اجازت کے بغیر خود ذمہ داری نبھانے کی بجائے اپنا کام کسی اور کے حوالہ کرے اور تنخواہ وصول کرے۔

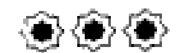
مسئولہ صورت میں زیداور عمرو کا روزانہ حاضری کے بارے میں تقسیم کار اور ایک کا دوسرے کی جگہ پیریڈ لینے کا معاہدہ کرنا درست نہیں، کیونکہ دونوں کا عقدِ اجارہ (ملازمت کا ایگریمنٹ) الگ الگ طے ہوا ہے،اس لیے دونوں خود اپنی ملازمت کے معاہدہ میں طے شدہ ذمہ داری کو مقررہ وقت میں پورا کرنے کے پابند ہیں۔دونوں کو چاہیے کہ اپنی اپنی ڈیوٹی خود صحیح طور سے نبھائیں،ورنہ ڈیوٹی میں کام چوری تنخواہ کے جواز پر اثر انداز ہوگی۔

والدّلیل علی ذلک:

الأجير الذي استوجر على أن يعمل بنفسه ليس له أن يستعمل غيره. (١)

ترجمہ:

جس ملازم کو اس طرح پر اُجرت پر لیا جائے کہ وہ خود کام کرے گا،اُسے یہ اختیار نہیں کہ وہ متعلقہ عمل دوسرے کے حوالہ کرے۔



(١) شرح المجلة لسليم رستم باز، المادة: ٥٧١، كتاب الإجارة، الباب السادس في بيان المأجور، الفصل الرابع في اجارة الآدمي : ص/٣٠٦

سرکاری ملازمین کا آپس میں ڈیوٹی کی تقسیم پر سمجھوتہ

سوال نمبر(125):

بندہ ایک ٹیوب ویل کا سرکاری آپریٹر ہے۔میرے علاوہ اسی ٹیوب ویل پر دو اور آپریٹر بھی ہیں۔ہم تینوں آٹھ آٹھ گھنٹے ڈیوٹی کرنے پر مامور ہیں۔ہم نے آپس میں یہ معاہدہ کیا ہے کہ یہ ڈیوٹی چونکہ آسان ہے،اس لیے اس کو مہینے کے حساب سے تقسیم کرلیتے ہیں،ایک ماہ ایک ساتھی مکمل ڈیوٹی کرے گا،دوسرے ماہ دوسرا ساتھی اور تیسرے ماہ تیسرا ساتھی۔کیا ہمارے لیے اس طرح کرنا جائز ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

کسی کام کے لیے متعین سرکاری ملازم اجیرِ خاص کی حیثیت رکھتا ہے اور اجیرِ خاص مقررہ مدت میں مفوضہ ذمہ داری کے لیے اپنے آپ کو حوالہ کرنے پر اُجرت کا مستحق ٹھہرتا ہے، اس کو یہ اختیار نہیں ہوتا کہ اپنی جگہ کسی اور کو ڈیوٹی پر مقرر کرلے۔

لہٰذا صورتِ مسئولہ میں مذکورہ آپریٹر اس وقت تنخواہ لینے کے مستحق ہوں گے جب خود اپنی ڈیوٹی حکومت کی طرف سے مقرر کردہ اوقات میں کرتے ہوں۔ان کا آپس میں سمجھوتہ کرکے ڈیوٹی کو مہینہ وار تقسیم کرنا درست نہیں۔

والدّلیل علی ذلک:

والأجير الخاص :الذي يستحق الأجرة بتسليم نفسه في المدة. (۱)

ترجمہ: اور اجیرِ خاص وہ ہے جو (عمل کی) مدت میں اپنے آپ کو کام کے حوالہ کرنے سے اُجرت کا مستحق بنتا ہے۔

❁❁❁

سرکاری ملازمت کسی اور کے حوالہ کرنا

سوال نمبر(126):

میں ایک جگہ سرکاری ملازم ہوں۔ مجھے حکومت کی طرف سے ماہانہ چھ ہزار روپے تنخواہ ملتی ہے۔اگر میں کسی

(۱) الهداية، كتاب الإجارة، باب ضمان الأجير :۳/۳۱۲

وجہ سے خود اس کام کے کرنے سے عاجز آکر کسی اور کے ذریعے ڈیوٹی کروادوں اور اس کو تنخواہ کا آدھا حصہ دیا کروں تو ایسا جائز ہوگا یا ناجائز؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

آپ حکومت کے اجیرِ خاص ہیں اور اجیر خاص اپنی ڈیوٹی کسی اور کے ذریعے کرانے کا مجاز نہیں ہوتا۔ لہٰذا آپ کے لیے مسئولہ بالا طریقہ اختیار کرنا جائز نہیں۔ اگر آپ واقعی اس کام کے کرنے سے عاجز ہوں تو استعفیٰ دے دیں تاکہ حکومت کسی اور کو وہاں متعین کردے۔

والدّلیل علی ذلك:

الأجير الذي استوجر على أن يعمل بنفسه ليس له ان يستعمل غيره. (١)

ترجمہ:

جس ملازم کو اس طور پر اُجرت پر لیا جائے کہ وہ خود کام کرے گا اُسے یہ اختیار نہیں کہ وہ متعلقہ عمل دوسرے کے حوالہ کرے۔



زیرِتعمیر مسجد کے لیے مقرر شدہ امام کی تنخواہ کا استحقاق

سوال نمبر (127):

ایک جگہ گورنمنٹ ملازمین کے لیے کالونی بنوارہی ہے۔ یہ کالونی زیرِتعمیر ہے اور اب تک اس میں کوئی مستقل رہائش نہیں۔ اس میں ایک جگہ مسجد بھی تعمیر ہورہی ہے، اس مسجد کے لیے اوقاف نے امام کی تقرری کردی ہے جس کے لیے ماہانہ سات ہزار روپے تنخواہ بھی مقرر کی جاچکی ہے جو وہ وصول کرتا ہے، چونکہ مسجد ابھی زیرِتعمیر ہے اور اس کے آس پاس کوئی آبادی نہیں، اس لیے مسجد میں نمازِ پنجگانہ باجماعت ادا نہیں ہوتی۔ ایسی صورت میں امام کا نمازیں پڑھائے بغیر تنخواہ وصول کرنے کا کیا حکم ہے؟

بیّنوا توجروا

(١) شرح المجلة لسليم رستم باز، المادة: ٥٧١، كتاب الإجارة، الباب السادس في بيان المأجور، الفصل الرابع في اجارة الآدمي: ص/٣٠٦

الجواب وباللہ التوفیق:

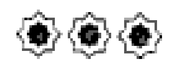
اوقاف کی جانب سے مقرر شدہ امام اجیر خاص کی حیثیت رکھتا ہے اور اجیرِ خاص مقررہ وقت میں مفوضہ ذمہ داری کے لیے اپنے آپ کو حوالہ کرنے پر اُجرت کا مستحق ٹھہرتا ہے۔

لہٰذا صورتِ مسئولہ میں جس زیرِ تعمیر کالونی کی مسجد کے لیے امام کی تقرری ہوئی ہے اسے چاہیے کہ وہ جماعت کے اوقات میں مسجد میں حاضر رہے۔ اگر کوئی نمازی مل گیا تو جماعت پڑھائے، ورنہ انفرادی نماز پڑھ لیا کرے اس طرح جب وہ نماز کے اوقات میں پابندی سے مسجد میں حاضر رہے گا تو اُجرت کا مستحق ٹھہرے گا، ورنہ مقتدی نہ ملنے کے بہانے گھر بیٹھ کر اُجرت وصول کرنا درست نہیں۔

والدّلیل علی ذلک:

والأجير الخاص: الذي يستحق الأجرة بتسليم نفسه في المدة، وإن لم يعمل. قال صاحب الكفاية تحت قول الهداية : " وان لم يعمل " أي سلم نفسه ولم يعمل .... أما إذا امتنع من العمل، ومضت المدة، أو لم يتمكن، ومضت المدة، لم يستحق الأجر؛ لأنه لم يجد تسليم النفس. (١)

ترجمہ: اور اجیرِ خاص وہ ہے جو مدت (اجارہ) میں اپنے آپ کو (کام کے لیے) حوالہ کرنے سے اجرت کا مستحق ٹھہرتا ہے، اگرچہ عمل نہ کرے۔ صاحبِ کفایہ ہدایہ کی عبارت " وإن لم يعمل "کی تشریح میں فرماتے ہیں: یعنی اجیر اپنے آپ کو حوالہ کرے اور کام نہ کرے۔۔۔۔۔ ہاں اگر اجیر اپنے آپ کو عمل سے روکے اور مدت گزر جائے یا عمل کرنے پر قادر نہ ہو جائے اور مدت گزر جائے تو وہ اجرت کا مستحق نہ ہوگا، اس لیے کہ (ان صورتوں میں) اپنی نفس کی حوالگی نہیں پائی گئی۔



ایامِ تعطیل کی تنخواہ کا استحقاق

سوال نمبر(128):

میں ایک سرکاری سکول میں ملازم ہوں۔ ادارہ کی طرف سے ہفتہ وار چھٹی کے علاوہ ہر سال موسمِ گرما میں دو ماہ چھٹیاں رہتی ہیں جن میں ہمارے ذمے ادارے کا کوئی کام بھی نہیں ہوتا، لیکن اس کے باوجود ہمیں ان مہینوں کی

(١) الكفاية على هامش فتح القدير، كتاب الإجارة باب ضمان الأجير : ٦٨/٨

تنخواہ ملتی ہے۔ کیا ہمارے لیے یہ تنخواہ لینا جائز ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

تنخواہ دار ملازم اجیرِ خاص کے زمرہ میں شمار ہوتا ہے جس کو ایامِ عمل اور اوقاتِ عمل میں حاضر رہنے کی اجرت دی جاتی ہے، البتہ انسانی ضروریات اور طبعی تقاضوں کے پیش نظر ہفتہ وار یا سالانہ چھٹیاں بھی ایامِ عمل کے تابع ہوتی ہیں، جن میں ملازمین اپنی نجی مصروفیات نمٹا کر ایامِ عمل کے لیے فارغ اور تازہ دم ہو جاتے ہیں، لہٰذا یہ ایام بھی حکماً ایامِ عمل شمار ہو کر ان کی تنخواہ لینا جائز ہو جاتا ہے۔

مسئولہ صورت میں سکول کی طرف سے ہر سال دو ماہ کی جو چھٹی ملتی ہے، وہ بھی اسی حکم میں داخل ہے، لہٰذا ان مہینوں کی تنخواہ لینے میں شرعاً کوئی قباحت نہیں۔

والدّلیل علی ذلک:

ومنها البطالة في المدارس، كأيام الأعياد، ويوم عاشوراء، وشهر رمضان في درس الفقه لم أرها صريحة في كلامهم، والمسئلة فيه على وجهين :فإن كانت مشروطة لم يسقط من المعلوم شيء، وإلا فينبغي أن يلحق ببطالة القاضي، وقد اختلفوا في أخذ القاضي مارتب له من بيت المال في يوم بطالته، فقال في المحيط :أنه يأخذ في يوم البطالة ؛لأنه يستريح لليوم الثاني. (۱)

ترجمہ: اور مدارس کی (ایام) تعطیلات بھی اسی میں سے ہیں، جیسا کہ عید کے ایام، عاشورا کا دن اور فقہ کے درس میں رمضان کا مہینہ۔ میں نے (یہ مسئلہ) صراحتاً ان (فقہا) کے کلام میں نہیں دیکھا، البتہ اس مسئلہ کی دو صورتیں ہیں: (پہلی صورت یہ کہ) یہ (چھٹیاں پہلے سے عقد میں) مشروط ہوں۔ پھر تو معلوم (اجرت) میں سے کچھ حصہ ساقط نہیں ہوگا، ورنہ (دوسری صورت میں جب کہ چھٹیاں پہلے سے عقد میں مشروط نہ ہوں) مناسب یہ ہے کہ اس کو قاضی کی تعطیلات کے ساتھ ملحق کیا جائے اور یقیناً (قاضی کا) چھٹی کے دن حسب معمول بیت المال سے (اجرت) لینے میں فقہا نے اختلاف کیا ہے۔ سو محیط میں کہا ہے کہ (قاضی) چھٹی کے دن (کی اجرت) بھی لے گا، اس لیے کہ وہ چھٹی کے دن اگلے دن کے لیے آرام کرتا ہے۔

(۱) ابن نجیمؒ، زین الدین، الأشباه والنظائر، القاعدة السادسة " العادة محكمة ": ص/ ۴۷، ایچ ایم سعید کراچی

اجیرِ خاص (تنخواہ دار ملازم) کا کسی اور کے لیے کام کر کے اُجرت لینا

سوال نمبر(129):

میں اپنے ماموں کے ساتھ دُکان میں کام کرتا ہوں۔ وہ مجھے ماہانہ 3000 روپے تنخواہ دیتا ہے۔ دُکان کے لیے خریداری کرنا اور اشیا فروخت کرنا میری ذمہ داری ہے۔ کبھی وہ مجھے اُگرائی کے لیے دوسرے شہروں میں بھیجتا ہے اور سفر کا خرچہ وغیرہ بھی دیتا ہے۔ دوسرے شہروں کے دُکاندار مجھ سے کہتے ہیں کہ ہمارے لیے فلاں فلاں چیز اپنے ساتھ لاؤ، ہم تمہیں اس کی مزدوری دیں گے۔ سوال یہ ہے کہ میرے لیے ان سے مزدوری لینا درست ہے یا نہیں؟

بینوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

ماہانہ تنخواہ کے عوض رکھا گیا ملازم اجیرِ خاص ہوتا ہے۔ جس کا وقت مؤجر کے لیے خاص ہوتا ہے، اس لیے وہ مقررہ وقت کے دوران کسی اور کے لیے کام کرنے اور اس سے اُجرت لینے کا مجاز نہیں۔

مسئولہ صورت میں سائل اپنے ماموں کا اجیرِ خاص ہے اس لیے اس کا اُگرائی کے لیے دوسرے شہروں میں جاتے وقت وہاں کے دکانداروں کے لیے کوئی چیز لے جا کر ان سے مزدوری لینا جائز نہیں۔ اگر وہ اس طرح کرلے تو مؤجر بقدرِ نفع اس کی تنخواہ سے کٹوتی کرسکتا ہے، تاہم اگر مؤجر کو اس پر کوئی اعتراض نہ ہو اور اس کی اجازت سے اجیر دوسرے لوگوں کے کام اُجرت پر کرلے تو پھر یہ اُجرت جائز اور حلال ہوگی۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

(الخاص)......(وهو من يعمل لواحد عملا مؤقتا بالتخصيص، ويستحق الأجر بتسليم نفسه في المدة، وإن لم يعمل).(۱)

ترجمہ:

اور اجیرِ خاص وہ ہوتا ہے جو کسی ایک کے لیے خاص وقت تک کام کرے اور اجرت کا مستحق تب ہوتا ہے، جب وہ معیّن مدت میں اپنے آپ کو مستاجر کے حوالہ کرے اگرچہ کام نہ کرے۔



(۱) الدر المختار علی صدر رد المحتار، کتاب الإجارة، باب ضمان الأجير: ۹/۹۴-۹۶

وقتِ مقررہ سے پہلے چھٹی کرنا

سوال نمبر(130):

حکومت نے سرکاری سکولوں میں جمعہ کے دن 12 بجے چھٹی کا وقت مقرر کیا ہے، اگر کوئی استاد مقررہ وقت سے پہلے چھٹی کرے تو شرعاً اس کا یہ فعل کیسا ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

واضح رہے کہ سرکاری ملازمین اجیرِ خاص ہیں اور اجیرِ خاص اجرت کا مستحق اس صورت میں ہوتا ہے کہ وہ وقت مقررہ تک اپنے آپ کو مستاجر کے حوالہ کرے۔ لہٰذا اسکول کے اساتذہ پر لازم ہے کہ وہ وقت مقررہ تک اسکول میں حاضر رہیں، وقت مقررہ سے پہلے چھٹی کرنا یا کسی قسم کی کوتاہی کرنا بددیانتی اور بدعہدی کے زمرے میں آتے ہیں جو شرعاً ایک قبیح عمل ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

(الخاص)......(وهو من يعمل لواحد عملا مؤقتا بالتخصيص، ويستحق الأجر بتسليم نفسه في المدة، وإن لم يعمل).(۱)

ترجمہ:

اور اجیرِ خاص وہ ہوتا ہے جو کسی ایک کے لیے خاص وقت تک کام کرے اور اجرت کا مستحق تب ہوتا ہے، جب وہ معین مدت میں اپنے آپ کو مستاجر کے حوالہ کرے، اگرچہ کام نہ کرے۔

❁❁❁

آرکیالوجی ڈیپارٹمنٹ میں نوکری کرنا

سوال نمبر(131):

بندہ آرکیالوجی (آثارِ قدیمہ) کالج میں پروفیسر ہے۔ اس میں اکثر بتوں پر تحقیق ہوتی ہے، کبھی کبھار

۱) الدرالمختار علی صدر ردالمحتار، کتاب الإجارۃ، باب ضمان الأجیر:۹/۹٤-۹٥

دیہاتی لوگ بت پاکر ہمارے پاس لاکر فروخت کرتے ہیں، جسے ہم اپنے نفع پر بیچتے رہتے ہیں۔ کیا یہ جائز ہے؟ نیز اس بات کی وضاحت بھی کریں کہ ایسے ادارہ میں نوکری کا کیا حکم ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

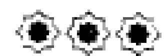
شعبہ آرکیالوجی کی تعلیم وتربیت اوران کی ریسرچ وتحقیق کا دائرہ کار چونکہ صرف بتوں تک محدود نہیں ہوتا، بلکہ اس میں دیگر نوادرات اور اقوام کی تہذیب وثقافت پر ریسرچ بھی شامل ہوتی ہے، لہٰذا اس میں نوکری کرنا جائز ہے۔ چونکہ حکومت کی طرف سے ان کی ڈیوٹی صرف ریسرچ پر ہوتی ہے جس کے عوض ان کو تنخواہ ملتی ہے، اس لیے ان نوادرات کو انفرادی طور پر بیچنا قانون کی خلاف ورزی ہوگی، لہٰذا اس کا بیچنا جائز نہیں، تاہم اگر حکومتی اشتراک اور امداد کے بغیر کوئی شخص انفرادی طور پر نوادرات حاصل کرے تو پھر اس کا بیچنا جائز ہوگا، بتوں کی خرید وفروخت کسی صورت میں بھی جائز نہیں الا یہ کہ ان کو توڑ کر ٹکڑوں کی صورت میں فروخت کیا جائے تو اس صورت میں اس کے جواز کی گنجائش ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

والإجماع قائم على أنه لايجوز بيع الميتة والأصنام ؛لأنه لايحل الانتفاع بها، ووضع الثمن فيها إضاعة مال، وقدنهى الشارع عن إضاعته .قلت على هذا التعليل :إذ كسرت الأصنام وأمكن الانتفاع برضاضها جازبيعها عند بعض الشافعية وبعض الحنفية.(١)

ترجمہ:

اس بات پر اجماع ہے کہ مردار جانور اور بتوں کو بیچنا جائز نہیں کیونکہ ان سے انتفاع حلال نہیں، اور اس پر پیسے خرچ کرنا مال کا ضائع کرنا ہے، اور شارع علیہ السلام نے مال کے ضائع کرنے سے منع کیا ہے۔ اس تعلیل کی بنا پر میں کہتا ہوں کہ اگر بتوں کو توڑ دیا جائے اور اس کے توڑے گئے ٹکڑوں سے فائدہ حاصل کرنا ممکن ہو تو بعض شوافع اور احناف کے ہاں اس کی بیع جائز ہے۔



(١) العینی، علامہ بدرالدین، عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری، کتاب البیوع، باب بیع المیتۃ والاصنام :١٢/٥٥، داراحیاء التراث العربی

انکم ٹیکس کے محکمہ میں ملازمت کرنا

سوال نمبر(132):

بندہ چارٹرڈ اکاؤنٹ فرم میں ملازم ہے جو انکم ٹیکس ڈیل کرتے ہیں۔ہم مختلف کمپنیوں کے گوشوارے بناتے ہیں۔چونکہ پاکستان میں انکم ٹیکس کا ریٹ بہت زیادہ ہے،لہٰذا بسا اوقات ہم جو گوشوارہ بناتے ہیں،اس میں مطلوبہ کمپنی کی آمدن کو کم ظاہر کرتے ہیں جس کی وجہ سے ان کو کم ٹیکس جمع کرانا پڑتا ہے۔شرعی نقطہ نظر سے اس محکمہ میں ملازمت کرنے کا حکم بیان فرمائیں۔ بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

واضح رہے کہ حالات کے مطابق حکومت اپنی ضرورت پورا کرنے کے ملیے عوام پر ٹیکس لگا سکتی ہے،جہاں کہیں ٹیکس میں منصفانہ رویہ کارفرما ہو عوام کی ہمدردی کا جذبہ ہو تو ایسی صورت میں ٹیکس چوری کا ارتکاب قومی مفاد پر ڈاکہ ڈالنے کے مترادف ہے جس کی شریعت اجازت نہیں دیتی۔

صورت مسئولہ میں اگر گوشوارہ میں بتائی گئی رقم صحیح نہ ہو تو یہ کذب بیانی کے ساتھ قومی مفاد میں خیانت ہے لہٰذا ایسا کرنا جائز نہیں۔جہاں تک اس محکمہ میں نوکری کرنے کا تعلق ہے تو اگر اس محکمہ میں نوکری کرتے وقت کذب بیانی سے احتراز ممکن ہو تو پھر نوکری کرنا جائز ہے،ورنہ کوئی متبادل ملازمت اختیار کرنا چاہیے،البتہ جب تک دوسری نوکری نہ ملے، اس وقت تک اسی محکمہ میں ملازمت کرتے رہیں اور توبہ واستغفار کریں۔

والدّلیل علی ذلك:

إن یکن المشهود علیه غنیا، فلایراعی لأجل غناء ه استجلابا لنفعه، أو استدفاعا لضره، فیترك الشهادة علیه،أو فقیرا،فلایراعی لأجل فقره رحمة له، وإشفاقا علیه، فیترك الشهادة علیه.(۱)

ترجمہ: جس کے خلاف گواہی دی جاتی ہو تو اگر وہ مال دار ہو تو اس کی مالداری کی وجہ سے اس کا لحاظ نہ کیا جائے کہ اس سے نفع حاصل کرنے یا اس سے نقصان دور کرنے کے واسطے اس کے خلاف گواہی چھوڑ دی جائے اور اگر وہ فقیر ہو تو اس کی تنگدستی کا خیال نہ رکھا جائے کہ اس پر رحم اور شفقت کی وجہ سے اس کے خلاف گواہی چھوڑ دی جائے۔

(۱) فتح القدیر الجامع بین فنی الروایة والدرایة من علم التفسیر،سورة النساء/۱۳۵ :۱/ ۷۹۰،دار الفکر بیروت

گٹر کی صفائی مالک مکان کی ذمہ داری ہے یا کرایہ دار کی

سوال نمبر(133):

اگر کسی گھر کا گٹر بند ہو جائے تو اس کی صفائی یا صفائی کرنے والے بھنگی کی اجرت مالکِ مکان کے ذمہ ہے یا کرایہ دار کے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

فقہائے کرام کی تصریحات کے مطابق عقدِ اجارہ میں جو کام مکان کی تعمیر توڑنے کے بغیر ممکن ہو، اس کا کرنا کرایہ دار کے ذمہ ہے، تاہم جس نقصان کا ازالہ تعمیر توڑے بغیر ناممکن ہو، وہ کام مالک مکان کی ذمہ داری ہے۔

صورتِ مسئولہ میں گٹر بند ہونے کی صورت میں اس کی صفائی کرنے والے بھنگی کی اجرت مالک مکان کے ذمہ ہے، کیوں کہ گٹر کی صفائی عموماً گٹر کھولنے یا توڑنے کے بغیر ممکن نہیں اور کرایہ دار کرایہ کے گھر میں ایسا تصرف کرنے کا مجاز نہیں جس کی وجہ سے مکان کی تعمیر توڑنے کی نوبت آئے، لہٰذا گٹر کی صفائی کرنے والے بھنگی کی اجرت مالکِ مکان کی ذمہ داری بنتی ہے۔

والدلیل علی ذلک:

ولو امتلأ مسيل ماء الحمام، فعلى المستأجر تفريغه، ولو امتلأت البالوعة، فعلى الآجر تفريغها، والفرق أن تفريغ مسيل الماء يمكن من غير نقض البناء، وأما البالوعة، فلايمكن بنفسه إلا بنقض شيء من البناء، ولايملك المستأجر نقض شيئ من البناء، وإنما يملكه رب الأرض، فجعل تفريغه عليه.(۱)

ترجمہ:

اگر غسل خانہ کے پانی کی نالی بند ہو جائے تو اس کا کھولنا کرایہ دار پر ہے اور اگر گٹر بند ہو جائے تو آجر (مالک مکان) کے ذمہ اس کا کھولنا ہے۔ دونوں میں فرق یہ ہے کہ غسل خانہ کی نالی کھولنا تعمیر توڑنے کے بغیر ممکن ہے، جب کہ گٹر کی صفائی کے لیے اس کا توڑنا ضروری ہوتا ہے اور کرایہ دار تعمیر توڑنے کا اختیار نہیں رکھتا، جب کہ مالک مکان تعمیر توڑ سکتا ہے، لہٰذا اس کا کھولنا مالکِ مکان کے ذمہ ہے۔

(۱) البحرالرائق، کتاب الإجارۃ، باب الإجارۃ الفاسدۃ، تحت قولہ:(وصح أخذ أجرۃ الحمام) :۸/۳۲

مدرسہ کے چندہ کے لیے کمیشن پر سفیر مقرر کرنا

سوال نمبر(134):

زید ایک دینی مدرسہ کا سفیر ہے جو سال بھر مختلف علاقوں میں مدرسہ کے لیے چندہ جمع کرتا ہے۔ اگر اس کی تنخواہ اس طرح مقرر کی جائے کہ وہ جتنا چندہ جمع کرے اس کا نصف یا ربع مثلاً اسے تنخواہ کی صورت میں دیا جائے تو شرعاً یہ معاملہ کیسا ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

یہ معاملہ چند وجوہ کی بنا پر جائز نہیں:

پہلی وجہ یہ ہے کہ اس میں سفیر کی اجرت مجہول ہے کیونکہ بعض اوقات وہ زیادہ چندہ کرے گا جس سے اس کی تنخواہ زیادہ ہوگی، جب کہ کم چندہ ہونے کی صورت میں تنخواہ میں کمی ہونا ظاہر بات ہے اور اجارہ کی صحت کے لیے ضروری ہے کہ اجیر کی اجرت معلوم ہو، لہٰذا اجرت کی جہالت کی بنا پر یہ معاملہ فاسد ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اس عقد میں منفعت بھی مجہول ہے، کیونکہ اگر اس کا کام لوگوں سے چندہ وصول کرنا ہے تو یہ اس کے اختیار میں نہیں، اس کا کام تو محض لوگوں کو چندہ کی ترغیب دینا ہے، لہٰذا یہ اجارہ ایسے عمل پر ہوا جو اس کے دائرہ اختیار سے باہر ہے۔ اور اگر اجارہ اس پر منعقد ہوا ہو کہ وہ لوگوں کو چندہ کی ترغیب دیا کرے تو اس صورت میں بھی یہ واضح نہیں کہ وہ اس کام میں کتنا وقت خرچ کرے گا، نیز کن کن مواقع پر لوگوں کو ترغیب دیا کرے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ اس معاملہ میں سفیر کی تنخواہ چندہ سے مقرر کی جارہی ہے اور فقہائے کرام کی آرا کے مطابق جو چیز اجیر کے عمل سے حاصل ہوتی ہو، اسے اجرت میں مقرر کرنا جائز نہیں۔

لہٰذا کسی دینی مدرسہ کے سفیر کی تنخواہ چندہ کی رقم سے بطور فیصدی مقرر کرنا جائز نہیں۔ بہتر یہ ہے کہ اس کے لیے معین تنخواہ مقرر کی جائے یا ترغیب دے کر رضاء الٰہی کے حصول کی خاطر فی سبیل اللہ اس کام پر آمادہ کیا جائے۔

والدّلیل علی ذلك:

وشرطها: كون الأجرة والمنفعة معلومتين؛ لأن جهالتهما تفضي إلى المنازعة.(۱)

(۱) الدر المختار علی صدر ردالمحتار، کتاب الإجارۃ: ۹/۷

ترجمہ: اجارہ (کی صحت) کے لیے شرط یہ ہے کہ منفعت اور اجرت معلوم ہوں، کیونکہ ان دونوں کی جہالت نزاع تک رسائی کرتی ہے۔

(تفسدالأجارة بالشروط المخالفة لمقتضى العقد،فكل ماأفسدالبيع، يفسدها) كجهالة مأجور وأجرة.(۱)

ترجمہ: ایسی شروط سے اجارہ فاسد ہوتا ہے، جو عقد کے مقتضی کے مخالف ہوں۔ پس ہر وہ شرط جو بیع کو فاسد کرتی ہے اجارہ کو بھی فاسد کرتی ہے، جیسا کہ منافع اور اجرت کا مجہول ہونا۔

❁❁❁

اپنی جگہ دوسرا امام مقرر کرنے والے امام کی اجرت

سوال نمبر(135):

زید ایک جگہ تنخواہ کے عوض امامت کرتا ہے۔ اپنی شادی کے لیے اس نے ایک مہینہ چھٹی کر لی، لیکن اپنی جگہ دوسرے شخص کو مسجد کی دیکھ بھال اور امامت کے لیے مقرر کیا۔ آیا اب زید واپس آ کر اس ایک مہینہ کی تنخواہ وصول کرنے کا حق دار ہے؟ واضح رہے کہ دوسرے شخص نے امامت بغیر اجرت کے کرائی۔

بینوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

اگر امام نے باقاعدہ معاہدہ کیا ہو یا عام طور پر عرف میں یہ ہو کہ امام طویل رخصت پر جانے کی صورت میں امامت کے لیے اہل آدمی فراہم کرے گا۔ اسی طرح نائب کی تلاش اور اس کا رکھنا امام کی ذمہ داری ہو تو پھر امام ان ایام کی تنخواہ لینے کا حق دار ہے، خواہ نائب کو مفت میں رکھا ہو یا اس کو کم یا زیادہ تنخواہ پر رکھا ہو۔ بہر حال امام اس مقررہ اجرت کا مستحق ٹھہرتا ہے۔

والدّلیل علی ذلك:

ثم الأجرة تستحق بأحد معان ثلاثة: إما بشرط التعجيل، أو بالتأجيل، أو باستيفاء المعقود عليه . (۲)

(۱) الدر المختار على صدر رد المحتار، كتاب الإجارة،باب الإجارة الفاسدة : ۶۴/۹

(۲) الفتاوى الهندية، كتاب الإجارة، الباب الثاني في بيان أنه متى تجب الأجرة : ۴۱۳/۴

ترجمہ:

تین صورتوں میں سے کوئی ایک صورت اختیار کرنے سے اجرت کا استحقاق بنتا ہے:

(۱)..... معجل ادا کرنے کی شرط کے ساتھ۔

(۲)..... یا معین مدت تک ادا کرنے کی شرط کے ساتھ۔

(۳)..... یا معقود علیہ کو پورا پورا وصول کرنے کے بعد۔

❁❁❁

سرکاری ملازمین کا کام نہ ہونے کی صورت میں تنخواہ لینا

سوال نمبر(136):

بسا اوقات سرکاری ملازمین کا کام نہیں ہوتا، ان اوقات کا حکومت سے تنخواہ لینے کا کیا حکم ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

سرکاری ملازمین اپنے عمل کی تنخواہ لیتے ہیں، لہٰذا اگر کوئی شخص کسی عہدہ پر فائز ہو اور اس کا اہل بھی ہو تو اس کے لیے اپنے فعل کے عوض تنخواہ اور اجرت لینا جائز ہے، بشرطیکہ اپنے فرائض منصبی صحیح طریقے سے ادا کر رہا ہو۔

نیز سرکاری ملازمین اجیرِ خاص کے حکم میں ہوتے ہیں اور اجیرِ خاص اس وقت اجرت کا مستحق ہوتا ہے، جب وہ مدت اجارہ میں اپنے آپ کو مستاجر کے حوالہ کرے، اگرچہ مستاجر کا کوئی کام نہ ہو، لہٰذا اگر سرکاری ملازمین ڈیوٹی کا وقت اپنے دفتر میں گزارتے ہوں اور اپنی ذمہ داریوں کو نبھاتے ہوں تو اجرت کے مستحق ہوں گے۔

والدّلیل علی ذلک:

(الخاص)......(وهو من يعمل لواحد عملا مؤقتا بالتخصيص، ويستحق الأجر بتسليم نفسه في المدة، وإن لم يعمل).(۱)

ترجمہ: اور اجیرِ خاص وہ ہوتا ہے جو کسی ایک کے لیے خاص وقت تک کام کرے اور اجرت کا مستحق تب ہوتا ہے، جب وہ معین مدت میں اپنے آپ کو مستاجر کے حوالہ کرے، اگرچہ کام نہ کرے۔

---

(۱) الدرالمختار على صدر ردالمحتار، كتاب الإجارة، باب ضمان الأجير: ۹/ ۹۴-۹۵

مائیکروویو نامی کمپنی میں نوکری کرنا

سوال نمبر(137):

مائیکروویو کے محکمہ میں نوکری کرنا جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ اس محکمہ میں ٹیلی فون اور ٹیلی ویژن کے رابطوں میں خرابی کو درست کرنے کا کام کیا جاتا ہے۔

بینوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

موجودہ دور میں چونکہ آلاتِ جدیدہ کا استعمال ناگزیر ہو چکا ہے اور یہ آلات صحیح مقصد کے لیے بھی استعمال ہو سکتے ہیں، لہٰذا ان کو درست کرنے اور ایسے آلات والے محکمہ میں نوکری کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ خصوصاً مذکورہ صورت میں تو اس شخص کی نوکری میں کوئی حرج اس لیے بھی نہیں کہ یہ شخص صرف رابطہ قائم کرتا ہے یا رابطہ میں خرابی کو درست کرتا ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

(وجاز تعمير كنيسة)قال في الخانية :ولو آجر نفسه لبعمل في الكنيسة، ويعمرها لابأس به ،لأنه لامعصية في عين العمل.(۱)

ترجمہ: اور کنیسہ (عیسائیوں کا عبادت خانہ) کی تعمیر جائز ہے۔ خانیہ میں ہے کہ: اگر کسی شخص نے اپنے آپ کو مزدوری پر دیا تاکہ کنیسہ میں کام کرے یا اس کی تعمیر کرے تو کوئی مضائقہ نہیں، کیونکہ اس کام کے کرنے میں کوئی گناہ نہیں۔

❁❁❁

ٹیچرز کا فارغ اوقات میں دیگر مصروفیات اختیار کرنا

سوال نمبر(138):

سکول ٹیچر پیریڈوں کے درمیان فارغ وقت میں کوئی اور مصروفیت اختیار کر سکتا ہے یا نہیں؟

بینوا توجروا

(۱) ردّ المحتار علی الدر المختار، کتاب الحظر والاباحة، فصل في البيع: ۵٦۲/۹

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

سکول ٹیچر اجیرِ خاص ہونے کی وجہ سے مقررہ اوقات میں فرائض کے علاوہ کوئی اور مصروفیت اختیار نہیں کرسکتا، البتہ جو اوقات ادارہ کی طرف سے بطور وقفہ ٹہلنے، ستانے، تھکاوٹ دور کرنے اور طبعی حاجات سے فراغت کے لیے دی جاتی ہیں، ان میں اپنی مرضی کے مطابق کوئی بھی مصروفیت اختیار کرسکتا ہے۔

والدّلیل علی ذلك:

وإذا استأجر رجلاً یوماً لیعمل کذا، فعلیه أن یعمل ذلك العمل إلی تمام المدة، ولا یشتغل بشيء آخر سوی المکتوبة. (۱)

ترجمہ: اور جب کسی کو ایک دن کے لیے اجارہ پر لیا جائے، تا کہ فلاں کام کرے تو اس پر لازم ہے کہ وقت پورا ہونے تک وہی عمل کرے اور فرائض کے علاوہ کسی دوسرے کام میں مشغول نہ ہو۔

❁❁❁

سکول ٹیچر کا سکول کے اوقات میں کسی اور جگہ پڑھانا

سوال نمبر (139):

زید سرکاری سکول میں عربی کا ٹیچر ہے۔ سکول کے تعلیمی اوقات کا دورانیہ صبح سات بجے سے لے کر ظہر ایک بجے تک ہوتا ہے۔ جس میں تمام ٹیچرز کی حاضری قانوناً ضروری ہے۔ مگر زید صبح دس بجے تک ایک مدرسہ میں پڑھاتا ہے اور پھر دس بجے کے بعد سکول آکر پیریڈ لیتا ہے۔ کیا اس کے لیے ایسا کرنا جائز ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

سکول ٹیچر اجیرِ خاص کے حکم میں شمار ہوتا ہے اور اجیرِ خاص مؤجر کی طرف سے معین کردہ اوقات میں فرض نماز اور سنن مؤکدہ کے علاوہ کوئی اور مصروفیت اختیار کرنے کا مجاز نہیں۔ لہٰذا صورتِ مسئولہ میں زید کا سکول کے تعلیمی دورانیہ میں کہیں مدرسہ میں پڑھانا اور سکول میں تاخیر سے آنا جائز نہیں۔

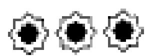
(۱) الفتاوی الهندیة، کتاب الإجارة، الباب الثالث في الأوقات التي یقع علیها عقد الإجارة: ۴/۴۱۶،۴۱۷

والدّلیل علی ذلك:

و لیس للخاص أن یعمل لغیره، ولو عمل نقص من أُجرته بقدر ما عمل. قال ابن عابدین: بل ولا أن یصلي النافلة. (۱)

ترجمہ:

اوراجیرِ خاص کے لیے جائز نہیں کہ کسی اور کے لیے کام کرے اور اگر کسی اور کے لیے کام کیا تو بقدرِ عمل اس کی اجرت سے کٹوتی کی جائے گی۔ علامہ ابن عابدین فرماتے ہیں کہ اجیرِ خاص کے لیے (مقررہ وقت میں) نفل نماز پڑھنا بھی جائز نہیں۔



ملازمین کا ذمہ داری نبھانے میں دھوکہ سے کام لینا

سوال نمبر(140):

حکومت کبھی اپنے ملازمین کو کسی علاقہ کے دورے پر بھیجتی ہے اور ان کو سفرخرچ بمع تنخواہ دیتی ہے۔ حکومت کی طرف سے دورہ کے دن متعین ہوتے ہیں۔ بعض ملازمین ان متعین ایام میں ایک، دو دن کی کمی کرتے ہیں، یعنی ایک دن بعد چلے جاتے ہیں اور ایک دن پہلے واپس آجاتے ہیں، جب کہ کاغذات میں متعین تاریخوں پر روانگی اور واپسی درج کرلیتے ہیں۔ کیا ان کا یہ کام شریعت کی رُو سے جائز ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

حکومت کے تنخواہ دار ملازمین اجیرِ خاص کہلاتے ہیں اور اجیرِ خاص مقررہ مدت میں متعین کام کے علاوہ کوئی اور مصروفیت اختیار نہیں کرسکتا۔ لہٰذا صورتِ مسئولہ میں سرکاری ملازمین کا دورہ کے لیے متعین دنوں میں کام چوری کا مظاہرہ کرکے ایک دن بعد جانا اور ایک دن پہلے آنا خیانت کے حکم میں داخل ہوکر ناجائز ہے۔ ان پر لازم ہے کہ متعینہ ایام میں فرض شناسی کا مظاہرہ کریں اور ذمہ داری میں کمی اور کوتاہی کے مرتکب نہ ہوں۔

---

(۱) الدرالمختار علی صدر ردالمحتار، کتاب الإجارة، باب ضمان الأجیر: ۹/۹۶

والدّلیل علی ذلك:

وإذا استأجر رجلاً يوماً ليعمل كذا، فعليه أن يعمل ذلك العمل إلى تمام المدة، ولا يشتغل بشيء آخر سوى المكتوبة. (۱)

ترجمہ: اور جب کسی کو ایک دن کے لیے اجارہ پر لیا جائے، تاکہ فلاں کام کرے تو اس پر لازم ہے کہ وقت پورا ہونے تک وہی عمل کرے اور فرائض کے علاوہ کسی دوسرے کام میں مشغول نہ ہو۔

۞۞۞

سکول چوکیدار کا ڈیوٹی کیے بغیر تنخواہ وصول کرنا

سوال نمبر(141):

زید پہاڑی علاقہ میں ایک ایسے سکول کا چوکیدار ہے جس میں سال بھر کوئی استاد پڑھانے نہیں آتا، نہ ہی طلبہ پڑھنے آتے ہیں، اس لیے زید بھی گھر بیٹھے چوکیداری کی تنخواہ لیتا ہے اور ڈیوٹی دینے نہیں جاتا۔ سوال یہ ہے کہ ایسی صورت میں زید کے لیے تنخواہ وصول کرنا جائز ہے یا نہیں؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

سکول کا چوکیدار اجیرِ خاص کے حکم میں ہوتا ہے اور اجیرِ خاص مقررہ وقت میں حاضر ہو کر مفوضہ ذمہ داری نبھانے پر اجرت کا مستحق ٹھہرتا ہے، چنانچہ اگر وہ مقررہ وقت میں غیر حاضر رہتا ہو تو اس کے لیے تنخواہ لینا جائز نہیں۔

صورتِ مسئولہ کے مطابق چوکیدار کے لیے سکول میں ڈیوٹی دیے بغیر تنخواہ وصول کرنا جائز نہیں۔ اساتذہ کا سکول نہ آنا یا طلبہ کا سکول میں نہ پڑھنا چوکیدار کو ڈیوٹی نہ دینے کا جواز فراہم نہیں کرتا۔ اسے چاہیے کہ باقاعدہ اپنی ذمہ داری پوری کرتا رہے۔ تب مقررہ تنخواہ کا مستحق ہوگا۔

والدّلیل علی ذلك:

والأجير الخاص: الذي يستحق الأجرة بتسليم نفسه في المدة، وإن لم يعمل. قال صاحب الكفاية تحت قول الهداية: "وإن لم يعمل" أي سلم نفسه ولم يعمل ...... أما إذا امتنع من العمل،

(۱) الفتاوى الهندية، كتاب الإجارة، الباب الثالث في الأوقات التي يقع عليها عقد الإجارة: ٤/٤١٦

ومضت المدۃ، أو لم یتمکن، ومضت المدۃ، لم یستحق الأجر لأنہ لم یجد تسلیم النفس. (۱)

ترجمہ: اور اجیرِ خاص وہ ہے جو مدت (اجارہ) میں اپنے آپ کو (کام کے لیے) حوالہ کرنے سے اُجرت کا مستحق ٹھہرتا ہے۔ اگرچہ عمل نہ کرے۔ صاحبِ کفایہ نے ہدایہ کی عبارت "وإن لم یعمل" کی تشریح میں کہا ہے: یعنی اجیر اپنے آپ کو حوالہ کرے اور کام نہ کرے۔۔۔۔۔ ہاں اگر اجیر اپنے آپ کو عمل سے روکے اور مدت گزر جائے یا عمل کرنے پر قادر نہ ہو جائے اور مدت گزر جائے تو وہ اجرت کا مستحق نہ ہوگا اس لیے کہ (ان صورتوں میں) اپنی نفس کی حوالگی نہیں پائی گئی۔

❁❁❁

لیکچررو پروفیسر حضرات کے لیے پابندی اوقات

سوال نمبر(142):

سائل گورنمنٹ کالج میں لیکچرار ہے۔ ہمارے ہاں کالجوں میں یہ دستور ہے کہ ستمبر سے پڑھائی شروع ہوتی ہے اور اگلے سال مئی کے اواخر یا جون کے اوائل میں امتحانات ہوتے ہیں، لیکن اکثر پروفیسر صاحبان کورس جلدی جلدی پڑھا کر طلبہ کو 31 مارچ تک فارغ کر دیتے ہیں، جب طلبہ کے اکثر پیریڈ خالی ہو جاتے ہیں تو پھر وہ بقیہ گھنٹے لینے کے لیے بھی کالج حاضر نہیں ہوتے۔ طلبہ اپنی کم فہمی اور کام چوری کی وجہ سے اس صورتحال پر احتجاج نہیں کرتے اور افسرانِ بالا سہل انگیزی سے کام لیتے ہوئے چشم پوشی کرتے ہیں۔ یوں اساتذہ اڑھائی مہینے کی تنخواہ گھر بیٹھے مفت میں وصول کرتے ہیں۔ البتہ جن اساتذہ کے دلوں میں حلال وحرام کی تمیز ہوتی ہے وہ طلبہ کے کالج نہ آنے کے باوجود خود حاضری دیتے ہیں لیکن طلبہ کے نہ ہونے کی وجہ سے پیریڈ لیے بغیر واپس چلے جاتے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ ان حالات میں ان اساتذہ کے لیے جو مجبوراً پیریڈ نہیں لے سکتے تنخواہ لینا حلال ہوگا یا حرام؟

نیز اگر یہ اساتذہ بھی طلبہ کے نہ ہونے کی بنا پر کالج نہ آیا کریں اور گھر بیٹھے تنخواہ لیا کریں تو یہ جائز ہوگا یا ناجائز؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

سکول، کالج کے اساتذہ کرام کے لیے ادارہ یا حکومت کی طرف سے جن اوقات کی تعیین کی گئی ہو، ان اوقات

(۱) الکفایۃ علیٰ ھامش فتح القدیر، کتاب الإجارۃ باب ضمان الأجیر: ۸/ ۶۸

کی پابندی کرنا لازمی اور ضروری ہے۔ اگر کوئی استاد بلاوجہ ان اوقات میں غیر حاضر رہتا ہو تو اس کے لیے ان اوقات کی تنخواہ لینا شرعاً جائز نہ ہوگا۔

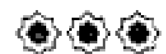
مسئولہ صورت کے مطابق جو اساتذہ کرام اپنی سہولت کی خاطر طلبہ کو جلدی جلدی کورس پڑھا کر تعلیمی اوقات کے ختم ہونے سے پہلے ہی انہیں فارغ کر دیتے ہیں اور پھر کالج میں حاضری نہیں دیتے، ان کا یہ عمل شرعاً ناجائز ہے، اس لیے ان کو اس سے باز آنا ضروری ہے۔ جو دوسرے خداترس پروفیسر حضرات اس صورتحال پر راضی نہیں، لیکن طلبا کی غیر حاضری کی وجہ سے اسباق نہیں پڑھا سکتے، انہیں چاہیے کہ وہ مقررہ اوقات میں کالج حاضر ہو کر ذمہ داری کا ثبوت دیں، پھر اگر طلبہ کی غیر حاضری کی وجہ سے سبق نہ پڑھا سکیں تو بھی ان دنوں کی اُجرت لینا ان کے لیے جائز ہوگا۔

والدّليل علی ذلك:

وفي الحموي: سئل المصنف عمن لم يدرس لعدم وجود الطلبة، فهل يستحق المعلوم؟ أجاب: إن فرغ نفسه للتدريس؛ بأن حضر المدرسة المعينة لتدريسه استحق المعلوم؛ لإمكان التدريس لغير الطلبة المشروطين. (۱)

ترجمہ:

اور حموی میں ہے کہ مصنف سے اس شخص کے بارے میں پوچھا گیا جو طلبہ کے نہ ہونے کی وجہ سے درس نہ دے سکے کیا وہ معلوم اجرت کا مستحق ہوگا؟ آپؒ نے جواب دیا کہ اگر اس نے اپنے آپ کو تدریس کے لیے فارغ کر دیا ہو بایں طور کہ اس معین مدرسہ میں اپنی تدریس کے لیے حاضر ہوا ہو تو معلوم اجرت کا مستحق ہوگا، اس لیے کہ مشروط طلبہ کے علاوہ دوسرے طلبہ کو پڑھانے کا بھی امکان ہے۔



ایک پوسٹ پر متعین ملازم دوسرا کام کرے اور اپنی پوسٹ کی اُجرت لے

سوال نمبر (143):

بندہ ایک سرکاری محکمہ میں ملازم ہے۔ محکمہ کے دفتر کے ساتھ مسجد بنی ہوئی ہے جو اسی محکمہ کے حدود میں واقع

---

(۱) ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الوقف، مطلب فیمن لم یدرس لعدم وجود الطلبة: ٥٦٧/٦

ہے، لیکن اس میں نماز پڑھانے کے لیے کوئی مستقل امام مقرر نہیں۔ محکمہ کے افسرانِ بالا نے بندہ کو وہاں نماز پڑھانے پر مامور کیا ہے اور کہا ہے کہ: آپ نماز پڑھایا کریں، آپ کی ڈیوٹی کوئی اور سرانجام دے گا، جب کہ تنخواہ اپنی ہی پوسٹ کی ملے گی۔ کیا ایسی صورت میں میرے لیے اس پوسٹ کی تنخواہ لینا جائز ہوگا؟

بینوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

کسی پوسٹ پر مقرر ملازم اجیرِ خاص کہلاتا ہے۔ اجیرِ خاص جب متعین مدت میں اپنے آپ کو متاجر کے حوالہ کردے تو وہ اس کے منافع کا مالک بن جاتا ہے، لہٰذا وہ اس کے منافع کے تحت اس سے کوئی بھی کام لے سکتا ہے۔

صورتِ مسئولہ کے مطابق اگر کسی پوسٹ پر متعین ملازم کو محکمہ افسرانِ بالا امامت یا خطابت کے لیے فارغ کردیں اور اس کو اس کے متعین پوسٹ کی تنخواہ دیا کریں تو اس کے لیے اس کا وصول کرنا جائز ہے۔ شرعاً اس میں کوئی حرج نہیں، البتہ کسی کلاس فور ملازم کو امامت یا خطابت جیسے مقدس اور اعلیٰ منصب کے لیے مقرر کرنا اس منصب کی تحقیر کے مترادف ہے، اس لیے بہتر یہ ہے کہ اس منصب کے لیے کسی مناسب قاری صاحب یا عالمِ دین کو مقرر کیا جائے اور اس منصب کو کسی اعلیٰ پوسٹ کے معادل درجہ دیا جائے۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

والأجير الخاص: الذي يستحق الأجرة بتسليم نفسه في المدة، وإن لم يعمل، كمن استوجر شهراً للخدمة، أو لرعي الغنم، وإنما سمي أجير وحد؛ لأنه لا يمكنه أن يعمل لغيره؛ لأن منافعه في المدة صارت مستحقة له، والأجر مقابل بالمنافع، ولهذا يبقى الأجر مستحقاً، وإن نقض العمل. (۱)

ترجمہ:

اور اجیرِ خاص وہ ہے جو متعین مدت میں حاضری دے کر اجرت کا مستحق ہوجاتا ہے، اگرچہ کام نہ کرے، جیسے کسی کو ایک ماہ کی خدمت کے لیے مزدوری پر لیا گیا یا بکریاں چرانے کے لیے (مزدوری پر لیا گیا) اور اس کو "اجیرِ وحد" اس لیے کہتے ہیں کہ وہ کسی دوسرے کا کام نہیں کرسکتا، کیونکہ مدت مقررہ کے اندر اس کے منافع اسی ایک مستاجر کا حق بن گئے اور اجرت منافع کے بدلے ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ اجرت کا استحقاق باقی رہتا ہے، اگرچہ عمل توڑ دیا جائے۔

(۱) الهداية، كتاب الإجارة، باب ضمان الأجير: ۳/۳۱۲

اجیرِ مشترک کے استحقاقِ اُجرت کا وقت

سوال نمبر(144):

ایک شخص کا آرکیٹیکٹ سے عمارتی نقشہ بنانے کا معاہدہ ہوا لیکن ابھی آرکیٹیکٹ نے نقشہ پر کام شروع نہیں کیا تھا کہ اس شخص نے وہ زمین فروخت کردی اور آرکیٹیکٹ کو مطلع کر دیا کہ میں نے زمین فروخت کردی ہے، اس لیے اب آپ نقشہ نہ بنائیں۔اس کے جواب میں آرکیٹیکٹ نے اس سے کہا کہ چونکہ تمہارا میرے ساتھ نقشہ بنانے کا معاہدہ ہو چکا ہے، اس لیے اب میں نقشہ بناؤں یا نہ بناؤں، تم مجھے دس ہزار روپے دو گے۔کیا اس کا یہ مطالبہ درست ہے؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

اُجرت پر لوگوں کے لیے نقشے بنانے والا آرکیٹیکٹ اجیرِ مشترک کے زمرہ میں آتا ہے اور اجیرِ مشترک کام مکمل کرنے کے بعد اُجرت کا حق دار ہوتا ہے اس سے قبل نہیں، اس لیے اگر کسی وجہ سے کام کرنے سے پہلے پہلے اجارہ فسخ ہو جائے تو وہ اجرت کا مستحق نہیں رہتا۔

مسئولہ صورت میں چونکہ نقشہ بنانے سے پہلے پہلے اس کو مطلع کر دیا گیا تھا کہ آپ نقشہ نہ بنائیں، اس لیے شرعاً وہ اُجرت کا مطالبہ نہیں کرسکتا۔

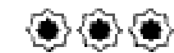
والدّلیل علی ذلك:

وإن وردت الإجارة على العمل كالخياطة والصبغ، فلايجب الأجرمالم يفرغ الأجير من العمل.

(۱)

ترجمہ:

اور اگر اجارہ کام کرانے پر کیا گیا ہو، جیسے: کپڑے سینے اور رنگنے پر تو اس وقت تک اُجرت واجب نہیں ہوتی، جب تک اجیر کام (مکمل کر کے اس) سے فارغ نہ ہوا ہو۔



(۱) شرح المجلة لسليم رستم باز، المادة: ٤٧٥، كتاب الإجارة، الباب الثالث في المسائل التي تتعلق بالأجرة: ص/٢٦٥

امامت اور اذان کے عوض اُجرت

سوال نمبر(145):

امام اور مؤذن کے لیے تنخواہ لینا جائز ہے یا نہیں؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

متقدمین فقہائے کرام کے نزدیک تعلیمِ قرآن پاک، تعلیمِ حدیث اور دیگر تمام طاعات پر اُجرت لینا جائز نہیں تھا، اس لیے کہ اس زمانہ کے بادشاہوں اور حکام میں دین کی وقعت اور عظمت موجود تھی۔ وہ علما، مدرسین، ائمہ اور مؤذنین کے لیے بیت المال سے وظائف مقرر کرتے تھے اور ان کی ضروریات کا تکفل کرنے میں ذمہ داری کا ثبوت دیتے تھے۔ بعد میں جب زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ حالات میں تبدیلی آئی اور بادشاہوں کے دلوں سے دین کی وقعت وعظمت ختم ہوگئی تو انہوں نے علما اور مدرسین کے وظائف بند کردیے، چنانچہ اب ان کے لیے ان طاعات کے عوض اُجرت لینے کی گنجائش ہے اور یہ اُجرت بقولِ محققین علما "علیٰ الطّاعات" نہیں بلکہ "للطّاعات" ہے، یعنی طاعات کے عوض اُجرت نہیں، بلکہ ان طاعات کو برقرار رکھنے کے لیے اُجرت لی جاتی ہے، کیونکہ اگر ایسا نہ ہو تو پھر دین سے وابستہ حضرات مجبوراً کسبِ مال کے دیگر کاموں میں مشغول ہوجائیں گے اور ان شعبہ جات کو رجال کار کی قلت اور کمیابی کی وجہ سے شدید نقصان پہنچے گا۔

والدّلیل علیٰ ذلك:

وبعض مشائخنا استحسنوا الاستئجار علی تعلیم القرآن الیوم لظهور التواني في الأمورِ الدّینیة ...... وزاد بعضهم الأذان، والإقامة، والوعظ. (۱)

ترجمہ:

اور ہمارے بعض مشائخ نے اس زمانہ میں قرآن کی تعلیم پر اُجرت لینے کو مستحسن قرار دیا ہے، دینی معاملات میں سستی پیدا ہونے کی وجہ سے۔۔۔۔۔اور بعض نے اذان، اقامت اور وعظ کا بھی اضافہ کیا ہے۔

(۱) ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۹/۷٦

بنات کے مدرسوں میں طالبات سے فیس لینا

سوال نمبر(146):

میں نے علمائے کرام کی نگرانی اور مشورہ سے اپنے گاؤں میں بنات کا مدرسہ بنایا ہے جس میں بچیوں کو ناظرہ، حفظ اور بنیادی اسلامی تعلیمات سے آراستہ کرنے کا انتظام ہے۔ چونکہ یہ گاؤں ایک دور افتادہ پسماندہ علاقہ میں واقع ہے اس لیے اہل خیر سے چندہ جمع کر کے مدرسہ کے امور چلانے کا کوئی باقاعدہ انتظام نہیں، چنانچہ ہم مجبوراً طالبات سے سو روپے ماہانہ فیس لیتے ہیں اور اس سے مدرسہ کی ضروریات پوری کرتے ہیں۔ ہمارا سوال یہ ہے کہ ہمارے لیے طالبات سے فیس وصول کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

متاخرین احناف نے مسلمان حکمرانوں کا دینی اقدار برقرار رکھنے سے بے پرواہی کے پیش نظر تعلیم قرآن وحدیث اور تدریس فقہ پر اُجرت لینے کو جائز قرار دیا ہے، لہٰذا اگر کوئی دردِ دین رکھنے والا مسلمان قرآن وحدیث کی تعلیم کے لیے مدرسہ کی بنیاد رکھے اور ضروریات پوری کرنے کے لیے طلبہ وطالبات سے فیس وصول کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں، تاہم دو باتوں کا خیال رکھنا نہایت ضروری ہے:

(۱) پہلی یہ کہ جو فیس وصول ہو، اُسے امانت سمجھ کر صحیح مصارف میں خرچ کیا جائے۔

(۲) اور دوسری بات یہ ہے کہ غریب اور ناتواں طالبات پر زیادہ فیس کا بوجھ نہ ڈالا جائے، تاکہ وہ بھی زیورِ تعلیم سے آراستہ ہوں۔

والدّلیل علی ذلك:

وبعض مشائخنا استحسنوا الاستئجار علی تعلیم القرآن الیوم؛ لأنه ظهر التواني في الأمور الدینیه، ففي الامتناع تضییع حفظ القرآن، وعلیه الفتوی. (۱)

ترجمہ: اور ہمارے بعض مشائخ نے موجودہ دور میں قرآن کی تعلیم پر اُجرت لینے کو مستحسن قرار دیا ہے، اس لیے کہ دینی اُمور میں سستی ظاہر ہوگئی ہے۔ پس اس سے باز رہنے سے حفظِ قرآن کے ضائع ہونے کا خطرہ ہے اور اسی پر فتویٰ بھی ہے۔

(۱) الهدایة، کتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۳۰۶/۳

گانے اور میوزک لوڈ کرنے کے عوض اُجرت

سوال نمبر(147):

موبائل میں گانے اور میوزک لوڈ کرنے کے عوض اُجرت لینے کا کیا حکم ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

گانا بجانا اور موسیقی سننا یا سنانا شریعت میں ناجائز ہے، اس لیے اس کو موبائل میں لوڈ کرنے کے عوض اُجرت لینا بھی حرام ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

لایجوز علی الغناء والنوح والملاهي؛ لأن المعصية لایتصور استحقاقها بالعقد، فلا یجب علیه الأجر من غیر أن یستحق علیه؛ لأن المبادلة لاتکون إلا عند الاستحقاق، وإن أعطاه الأجر، وقبضه لایحل له، ویجب علیه ردّه علی صاحبه. (۱)

ترجمہ: گانے، نوحہ کرنے اور آلات لہو ولعب پر اجارہ جائز نہیں، اس لیے کہ عقد کے ساتھ معصیت کا استحقاق متصور نہیں۔ سو بغیر استحقاق کے اس پر اُجرت بھی واجب نہیں ہوتی۔ اس لیے کہ مبادلہ درست نہیں ہوتا مگر استحقاق کے وقت، اور اگر (اس کے بدلے) اجرت دے دی ہو اور اس نے قبض کرلیا ہو تو وہ اس کے لیے حلال نہیں اور اس پر واجب ہے کہ اُجرت مالک کو واپس کرے۔

❁❁❁

ٹی وی یا ریڈیو اسٹیشن میں ملازمت

سوال نمبر(148):

ٹی وی یا ریڈیو اسٹیشن میں نوکری کرنے کا کیا حکم ہے؟

بیّنوا تؤجروا

(۱) البحر الرائق، کتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۸/۳۵

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

شریعتِ مطہرہ کی رُو سے گانا گانے، موسیقی بجانے، ناچنے اور جاندار اشیا کی تصویر سازی وغیرہ جیسے ناجائز اُمور کے عوض اُجرت لینا جائز نہیں۔ اس کے علاوہ جو کام جائز اور مباح ہوں، ان پر اُجرت لینے میں کوئی حرج نہیں۔ لہٰذا صورتِ مسئولہ کے مطابق ٹی۔وی یا ریڈیو اسٹیشن میں ملازمت کی حلت وحرمت اس بات پر موقوف ہے کہ اگر وہاں ناجائز اُمور سرانجام دیتا ہو تو اُجرت بھی ناجائز اور اگر جائز اُمور سرانجام دیتا ہو تو اُجرت بھی جائز۔

والدّلیل علی ذلک:

ولا یجوز الاستئجار علی الغناء والنوح وکذا سائر الملاهي؛ لأنه استئجار علی المعصیة، والمعصیة لاتستحق بالعقد. (۱)

ترجمہ:

اور گانا بجانے، نوحہ کرنے کے لیے کسی کو اجارہ پر لینا جائز نہیں اور اسی طرح تمام لہوولعب کے آلات (کا اجارہ پر لینا ناجائز ہے)، اس لیے کہ یہ گناہ کے لیے اجارہ پر لینا ہے اور گناہ پر عقد کے ذریعے استحقاق ثابت نہیں ہوتا۔

❁❁❁

کنونشل بینک کے لیے عمارت کرایہ پر دینا

سوال نمبر (149):

کسی سودی بینک کو عمارت کرایہ پر دینا جائز ہے یا ناجائز؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

شریعتِ مطہرہ نے مالک کو مملوکہ چیز اجارہ پر دینے کا حق دے رکھا ہے، لیکن اس شرط کے ساتھ کہ اس سے شرعی حدود پائے مال نہ ہوں۔ موجودہ دور میں جن بینکوں کے معاملات سود پر مبنی ہیں، ان کو مکان کرایہ پر دینا "اعانت علی المعصیة" (برائی میں تعاون) کے مترادف ہو کر جائز نہیں۔

---

(۱) الهدایة، کتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۳/۳۰۶

والدلیل علی ذلك :

﴿ تَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ﴾(۱)

ترجمہ: بھلائی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرو، اور گناہ اور سرکشی کے کاموں میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون نہ کرو۔

لاتصح الإجارة لعسب التيس، ولا لأجل المعاصي مثل الغناء والنوح والملاهي. (۲)

ترجمہ: بیل کی جفتی کا اجارہ صحیح نہیں اور نہ ہی گناہ کے (کاموں کے) لیے (اجارہ درست ہے) جیسا کہ گانا بجانا، نوحہ کرنا اور لہو ولعب کا سامان (اُجرت پر لینا)۔

❁❁❁

اسٹیٹ لائف والوں کو عمارت کرایہ پر دینا

سوال نمبر(150):

میں نے کچھ عرصہ قبل اسٹیٹ لائف والوں کو اپنا مکان کرایہ پر دیا۔ اب معلوم ہوا ہے کہ ان کا کاروبار ٹھیک نہیں، اس لیے خیال پیدا ہوا کہ ان کو مکان کرایہ پر دینا جائز ہوگا یا ناجائز؟ اور ان سے جو کرایہ وصول ہوتا ہے، وہ حلال ہوگا یا حرام؟ برائے مہربانی میری اس اُلجھن کو دور فرمائیں۔

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شریعتِ مطہرہ نے تمام مسلمانوں پر یہ فرض عائد کیا ہے کہ جس طرح وہ خود گناہ کے کاموں سے مکمل اجتناب کریں گے، اسی طرح دوسروں کے ساتھ بھی معصیت کے کاموں میں تعاون نہیں کریں گے۔ اسٹیٹ لائف والوں کا کاروبار چونکہ سودی ہے، اس لیے ان کو مکان کرایہ پر دینا، گناہ میں تعاون اور معاشرہ میں سود کی ترویج واشاعت کا ذریعہ بنتا ہے، جو کہ ناجائز اور حرام ہے۔

لہٰذا سائل کا ان کو مکان کرایہ پر دینا درست اقدام نہیں۔ ابھی اگر ممکن ہو تو فوراً اجارہ فسخ کر کے مکان خالی

(۱) المائدۃ:۲

(۲) الدرالمختار علی صدرردالمحتار، کتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۷۵/۹

کروایا جائے اور اگر ممکن نہ ہو تو مدتِ اجارہ ختم ہونے کا انتظار کیا جائے اور آئندہ اس طرح کے معاملات میں احتیاط سے کام لیں۔تاہم کرایہ چونکہ مکان کے منافع کے عوض ہے،اس لیے اس کا وصول کرنا اور استعمال کرنا جائز ہے۔گناہ صرف "تعاون علی الاثم" کا ہوگا،جس کا جبیرہ توبہ اور استغفار ہے۔

والدّلیل علی ذلك :

﴿ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ﴾ (۱)

ترجمہ: گناہ اور سرکشی (کے کاموں) میں ایک دوسرے کا تعاون نہ کرو۔

❁❁❁

ٹی وی، وی سی آر جیسے آلات لہو ولعب کا اجارہ

سوال نمبر(151):

اگر کوئی شخص دکاندار سے ٹی وی، وی سی آر یا گانے بجانے کی کوئی اور چیز کرایہ پر لے آئے اور استعمال کرنے کے بعد مقررہ وقت پر واپس کرلے تو اس کا کرایہ ادا کرنا لازم ہوگا یا نہیں؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

ٹی وی، وی سی آر یا دیگر آلات کا لہو ولعب اور حرام کام میں استعمال اگرچہ جائز نہیں، لیکن اگر کوئی شخص ان اشیا کو کرایہ پر لے آئے تو یہ اجارہ فاسدہ کے حکم میں شمار ہوگا اور اجارہ فاسدہ میں اجرتِ مسمّٰی (جو کرایہ بوقت عقد طے ہوا تھا) یا اجر مثل کی ادائیگی لازم ہوتی ہے۔لہٰذا صورتِ مسئولہ کے مطابق اگر کوئی شخص ٹی وی، وی سی آر یا کوئی اور چیز کرایہ پر لے آئے تو اس کا طے شدہ کرایہ ادا کرنا لازم ہوگا۔

والدّلیل علی ذلك:

(لاتصح الإجارة لعسب التيس و)......لا (لأجل المعاصي مثل الغناء، والنوح، والملاهي...... و يجبر المستأجر على دفع ماقبل) فيجب المسمى بعقد، وأجر المثل إذا لم تذكر مدة.

---

(۱) مائدة/ ۲

وقال ابن عابدینؒ تحت قوله : (والملاهي) كالمزامير والطبل. (١)

ترجمہ: نرجانور کو مادہ پر پھاندنے کے لیے اُجرت پر دینا صحیح نہیں اور نہ معاصی پر (اُجرت لینا درست ہے) جیسا کہ گانے، نوحہ کرنے یا لہولعب کے آلات پر (اُجرت لینا)۔۔۔۔۔۔اور کرایہ دار کو اُس اُجرت کے حوالہ کرنے پر مجبور کیا جائے گا، جو اس نے قبول کیا تھا، سو عقد میں بیان کردہ کرایہ واجب ہوگا یا اگر مدت کا تذکرہ نہ ہوا ہو تو اجرِ مثل لازم ہوگا۔ اور علامہ ابن عابدینؒ "والملاہی" کی تشریح میں فرماتے ہیں: ''جیسا کہ بانسریاں اور ڈھول''۔

❁❁❁

داڑھی مونڈوانے کی اجرت لینا

سوال نمبر (152):

جو حجام لوگوں کی داڑھی مونڈوا کر اس پر اجرت لیتا ہو جیسا کہ آج کل کے اکثر حجاموں کا حال ہے۔ کیا ان کی یہ کمائی حلال ہے؟

بیّنوا تؤجروا

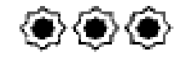
الجواب وباللہ التوفیق:

شریعتِ مطہرہ کی رُو سے گناہ اور معصیت کے کاموں پر اجرت لینا جائز نہیں۔ داڑھی مونڈوانا چونکہ احناف کے نزدیک مکروہ تحریمی ہے اور اس کا ارتکاب گناہِ کبیرہ ہے، اس لیے حجام کے لیے کسی مسلمان کی داڑھی مونڈوانے پر اُجرت لینا جائز نہیں، البتہ اس کے علاوہ سر کے بال کاٹنے، مونڈوانے یا کسی اور جائز کام کے عوض جو اجرت لی جاتی ہے، اس میں کوئی حرج نہیں۔

والدّلیل علی ذلک :

لاتصح الإجارة لعسب التیس...... ولالأجل المعاصي مثل الغناء والنوح والملاهي. (٢)

ترجمہ: بیل کی جفتی کا اجارہ صحیح نہیں اور نہ ہی گناہ کے (کاموں کے) لیے (اجارہ درست ہے) جیسا کہ گانا بجانا، نوحہ کرنا اور لہوولعب کا سامان (اُجرت پر لینا)۔



(٢،١) الدرالمختار علی صدر ردالمحتار، کتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ٩/ ٧٥ـ٧٧

پیشگی فیس وصول کرنے کے بعد مدت کے دوران اجارہ فسخ کرنا

سوال نمبر(153):

میں نے اپنے بیٹے کو ٹیوشن پڑھنے کے لیے ایک ٹیوشن سنٹر میں داخل کیا۔ وہاں کے ذمہ دار افراد نے کہا کہ تم دو ماہ کی فیس پیشگی داخل کرو۔ میں نے داخل کر دی۔ اب تقریباً ایک ماہ گزرنے کے بعد انہوں نے ٹیوشن سنٹر کسی وجہ سے بند کر دیا۔ اب میں ان سے کہتا ہوں کہ مجھے دوسری ماہ کی فیس واپس کر دو، مگر وہ یہ نہیں مانتے اور کہتے ہیں کہ ہم نے ایک ماہ پڑھا دیا ہے، یہ فیس اسی کے عوض ہو گئی ہے۔ برائے مہربانی اس مسئلے کا شرعی حل بیان فرمائیں۔

بینوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

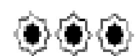
صورتِ مسئولہ میں اگر واقعی سائل نے دو ماہ کی فیس ادا کی ہو اور ایک ماہ بعد ٹیوشن سنٹر بند ہونے کی وجہ سے پڑھائی منقطع ہو گئی ہو تو اس کو حق حاصل ہے کہ سنٹر کے ذمہ دار افراد سے ایک ماہ کی فیس واپس طلب کرے اور ان پر لازم ہے کہ یہ مطالبہ پورا کریں۔

والدّلیل علی ذلک:

وفي فتاوی آهو: بعث صبيه إلى معلم، وبعث إليه أشياء كثيرة، فعلّم شهراً فغاب، هل لأب الصبي أن يأخذ ما أعطاه؟ قال: لو بعث ذلك لأجل الأجرة، فما يكون فاضلاً عن أجرة الشهر يأخذ.(۱)

ترجمہ:

اور فتاویٰ آھو میں ہے کہ ایک آدمی نے اپنا بچہ معلم کے پاس بھیجا اور اس کو بہت سی چیزیں بھی بھیجیں، معلم نے ایک ماہ پڑھایا پھر غائب ہوا، اب کیا اس صورت میں بچے کے باپ کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ یہ چیزیں واپس لے لے؟ فرمایا: اگر یہ چیزیں اجرت کی نیت سے بھیجی ہوں تو ایک ماہ سے زائد اُجرت واپس لے لے گا۔



(۱) الفتاوی الهندية، كتاب الإجارة، الباب السادس عشر في مسائل الشيوع في الإجارة: ٤٤٩/٤

اجیرِ خاص کو نااہل ہونے کی وجہ سے فارغ کرنا

سوال نمبر(154):

ہمارے ساتھ پبلک سکول میں ایک ٹیچر ہے جس نے کئی مرتبہ طالب علموں کی بلاوجہ بہت سخت پٹائی کی۔ پرنسپل صاحب نے کئی بار اس کو سمجھایا، مگر وہ اس سے باز نہیں آیا۔ اب سکول انتظامیہ باہم مشورہ کرکے اس کو نکالنا چاہتی ہے۔ کیا انہیں شریعت یہ اختیار دیتی ہے کہ وہ اس کو ڈیوٹی سے فارغ کردیں اور اس صورت میں وہ سال کے بقیہ مہینوں کی تنخواہ کا مستحق ہوگا یا نہیں؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

فقہائے کرام کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ جب اجیرِ خاص میں کسی وجہ سے اس کام کی صلاحیت باقی نہ رہے جس کے لیے اسے اجارہ پر لیا گیا ہے تو مستأجر اجارہ فسخ کرسکتا ہے۔

لہٰذا صورتِ مسئولہ میں اگر مذکورہ ٹیچر واقعی معصوم طلبہ بلاضرورت حد سے زیادہ پٹائی کرنے کا عادی ہو اور باوجود تنبیہ کے اس سے باز آنے والا نہ ہو تو سکول کی بااختیار انتظامیہ اس کو سال کے دوران خارج کرنے میں حق بجانب ہے، کیونکہ تعلیم کے دوران مار پیٹ استاذ کی کمزوری ہے۔ ایسی صورت میں وہ بقیہ مہینوں کی تنخواہ کا مستحق نہیں ہوگا۔

والدّلیل علی ذلک:

الإجارة تنقض بالأعذار عندنا. (۱)

ترجمہ: ہمارے ہاں اجارہ اعذار کی وجہ سے ٹوٹ جاتا ہے۔

في البزازية: استأجر عبداً للخدمة، فمرض العبد، إن كان يعمل دون العمل الأول له خيار الرد، وفي الولوالجية: وكذا لو أبق فهو عذر أو كان سارقاً؛ لأنها توجب نقصاناً في الخدمة. (۲)

ترجمہ: بزازیہ میں ہے کہ ایک آدمی نے خدمت کے لیے غلام اجارہ پر لیا، پس وہ بیمار ہوگیا، اگر وہ (بیماری کی وجہ سے) پہلے سے کم کام کرتا ہو تو مستأجر کو واپسی کا اختیار ہے۔ اور ولوالجیۃ میں ہے: اسی طرح اگر وہ بھاگ جائے یا وہ چور ہو (تو بھی واپسی کا اختیار ہے) کیونکہ یہ چیزیں خدمت میں نقصان لاتی ہیں۔

(۱) الفتاوی الهندية، الإجارة، الباب التاسع عشر في فسخ الإجارة بالعذر: ٤/٤٥٨

(۲) ردالمحتار علی الدرالمختار، كتاب الإجارة، باب فسخ الإجارة: ۱۰۷/۹-۱۰۸

ڈاکٹر کے معائنہ سے قبل مریض تندرست ہوجائے تو ایڈوانس فیس کی واپسی

سوال نمبر(155):

کچھ عرصہ پہلے میرے دانت میں شدید درد ہونے لگا، میں نے فوری علاج کے طور پر کچھ دوائیاں استعمال کیں اور ایک ماہر ڈینٹل کے معائنے کا نمبر لے کر فیس جمع کی، چونکہ موصوف پر مریضوں کا بہت رش ہوتا ہے، اس لیے مجھے چار دن بعد نمبر ملا۔ اس دوران میں درد کی شدت سے مجبور ہو کر ایک بزرگ کے پاس گیا، اس نے میرا دانت دم کیا جس سے درد چند منٹوں میں بالکل ختم ہوگیا۔ اب چونکہ مجھے ڈاکٹر کے پاس جانے کی ضرورت نہیں رہی، اس لیے میں فیس کی رقم اس سے واپس وصول کرنا چاہتا ہوں۔ کیا شریعت مجھے اس کی اجازت دیتی ہے کہ میں اس سے فیس کی واپسی کا مطالبہ کروں؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

اگر کوئی مریض ڈاکٹر سے معائنہ کے لیے وقت لے لے، لیکن علاج سے پہلے پہلے مریض کی تکلیف دور ہوجائے تو عقدِ اجارہ باقی نہیں رہتا، اس لیے اگر مریض نے پہلے سے فیس ادا کی ہو تو وہ اس کی واپسی کا مطالبہ کرسکتا ہے۔ ڈاکٹر پر بھی لازم ہے کہ وہ کٹوتی کیے بغیر پوری فیس واپس کردے، تاہم اگر ڈاکٹر معائنہ کرا کے بطور مصلحت اس کو کچھ دن بعد علاج کا کہے تو اس صورت میں فیس کا حق دار متصور ہوگا۔

والدّلیل علی ذلک:

استأجر رجلاً لیقلع ضرسه، فسکن الوجع، تنقض الإجارة من غیر نقض؛ لأنه لا فائدة في بقائه، فتنتقض ضرورةً. (۱)

ترجمہ:

ایک شخص کو ڈاڑھ کے دانت نکالنے کے لیے اجارہ پر لیا، لیکن درد ٹھیک ہوگیا تو اجارہ خود بخود ٹوٹ جاتا ہے، اس لیے کہ اس کو باقی رکھنے میں کوئی فائدہ نہیں۔ سو یہ ضرورۃً (خود بخود) ٹوٹ جاتا ہے۔

❁❁❁

(۱) البحرالرائق، کتاب الإجارة، باب فسخ الإجارة: ۶۵/۸

سال کے دوران فارغ کیے جانے والے مدرس کی تنخواہ کا استحقاق

سوال نمبر(156):

ایک مدرس کو کسی مدرسہ کے مہتمم صاحب نے تدریس کے لیے رکھا۔مدرس نے شروع ہی سے یہ شرط لگائی کہ "میں پورا سال گزاروں گا، سال کے دوران مجھے تدریسی مصروفیت سے فارغ نہیں کیا جائے گا" لیکن مہتمم صاحب نے صرف چار ماہ بعد اس کو فارغ کر دیا۔ایسی صورت میں یہ مدرس پورے سال کی تنخواہ کا مستحق ہوگا یا صرف چار ماہ کی تنخواہ کا؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

عام طور پر مدارسِ دینیہ میں مہتمم اور مدرس کے مابین طے ہونے والا عقد عقدِ مسانہہ ہوتا ہے، جس میں کسی عاقد کو بلا عذرِ شرعی سال پورا ہونے سے قبل عقد فسخ کرنے کا اختیار نہیں ہوتا۔البتہ اگر مدرس کوئی ایسی کوتاہی کا مرتکب ہو جس کی وجہ سے مہتمم کے لیے عقد فسخ کرنا ناگزیر ہو تو اسے عقد فسخ کرنے کا اختیار رہتا ہے،اسی طرح اگر خود مدرس کسی مجبوری کی بنا پر عقد برقرار نہ رکھ سکے تو وہ بھی عقد فسخ کر سکتا ہے۔ان دونوں صورتوں میں عقد فسخ ہونے کے بعد مدرس صرف گزرے ہوئے ایام کی تنخواہ کا مستحق ہوتا ہے۔پورے سال کی تنخواہ کا مستحق نہیں ہوتا، تاہم اگر مدرس میں ایسی کوتاہی نہ ہو تو پھر سال کے درمیان میں اس کو فارغ کرنا جائز نہیں اور وہ بقیہ مہینوں کی تنخواہ کا مستحق بنتا ہے۔

والدّلیل علی ذلك:

الأجر لا یملك بنفس العقد، ولا یجب تسلیمه به عندنا عیناً کان، أو دیناً، کذا في الکافي......

ثم الأجرة تستحق بأحدِ معانٍ ثلاثة، إمّا بشرط التعجیل، أو بالتأجیل، أو باستیفاء المعقود علیه. (۱)

ترجمہ:

نفسِ عقد کی وجہ سے اجرت ملک میں داخل نہیں ہوتی اور ہمارے نزدیک صرف اس (نفسِ عقد) کی وجہ سے (اُجرت کا) حوالہ کرنا بھی واجب نہیں ہوتا، خواہ وہ عین ہو یا دین۔اسی طرح کافی میں بھی لکھا ہے۔۔۔۔۔۔تین صورتوں میں سے کسی ایک صورت کے اختیار کرنے سے مالک اجرت کا مستحق بن جاتا ہے:

(۱)الفتاوی الهندیة، کتاب الإجارة، الباب الثاني في بیان أنه متی تجب الأجرة ومایتعلق به من الملك وغیره: ٤١٢/٤

(۱)......یا تو پیشگی ادا کرنے کی شرط کے ساتھ۔

(۲)......یا معینہ مدت تک ادا کرنے کی شرط کے ساتھ۔

(۳)......یا معقود علیہ کو پورا پورا وصول کرنے کے بعد۔

❁❁❁

عقدِ اجارہ کی مدت ختم ہونے پر مستاجر کی ذمہ داری

سوال نمبر (157):

میں نے تین سال قبل اپنا ذاتی دکان کرایہ پر دیا، جس کی مدت تین سال (یکم اپریل ۲۰۰۰ء تا ۳۱ مارچ ۲۰۰۳ء) مقرر ہوئی۔ یہ معاہدہ تحریری اقرارنامہ کی شکل میں ہمارے پاس موجود ہے۔ ابھی ایک ماہ قبل (۳۱ مارچ کو) مدت پوری ہو چکی ہے، مگر کرایہ دار دکان خالی نہیں کر رہا ہے۔ کیا اس کا یہ کام شرعاً درست ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

عقدِ اجارہ طے کرتے وقت متعاقدین کے مابین جو اختتامی مدت طے ہو جائے، اس مدت کے گزرتے ہی عقدِ اجارہ خود بخود ختم ہو جاتا ہے۔ اگر مؤجر اور مستاجر باہمی رضامندی سے اجارہ کو برقرار رکھنا چاہیں تو دوبارہ عقد کرلیں، ورنہ اگر دونوں میں سے کسی ایک کی بھی رضامندی نہ ہو تو مستاجر (کرایہ دار) کے لیے مدت ختم ہونے کے بعد عین مؤجرہ (کرایہ پر لی ہوئی چیز) مؤجر (کرایہ پر دینے والے) کے حوالہ کرنا لازمی اور ضروری ہے۔ شرعاً اس کے لیے جائز نہیں کہ وہ اس کے بعد بھی اس پر قبضہ جمائے رکھے۔

صورتِ مسئولہ میں اگر واقعی ۳۱ مارچ ۲۰۰۳ء تک اجارہ کی مدت پوری ہو چکی ہو تو مستاجر کو چاہیے کہ وہ جلد از جلد دکان خالی کرکے مالک کے حوالہ کرے اور عہد شکنی کا مرتکب نہ ہو۔

والدّلیل علی ذلک:

ومنها انقضاء المدة إلا لعذر ؛لأن الثابت إلى غاية ينتهي عند وجود الغاية، فتنفسخ الإجارة انتهاءِ المدة. (١)

---

(١) بدائع الصنائع، الإجارة، فصل في ماينتهي به الإجارة : ٦/٨٢

ترجمہ: اوران (اجارہ کوختم کرنے والی چیزوں) میں سے مدت کا گزر جانا بھی ہے،البتہ عذراس سے مستثنیٰ ہے،اس لیے کہ جس کی انتہا معلوم ہو وہ انتہا کے وجود سے (خودبخود) اختتام پذیر ہوتا ہے،سو مدت کے ختم ہونے سے اجارہ فسخ ہوجاتا ہے۔

❁❁❁

دورانِ مدت عقدِ اجارہ فسخ کرنا

سوال نمبر(158):

ایک شخص نے پندرہ سال کے لیے زمین اجارہ پر دے دی۔اب دس سال بعد وہ اس زمین کو کرایہ دار سے واپس لینا چاہتا ہے۔کیا شرعاً اس کے لیے اس کی کوئی گنجائش ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

جب متعاقدین عقدِ اجارہ میں ایک خاص مدت پر متفق ہوکر عقد طے کرلیں تو پھر ان میں سے کسی کو بلا عذر شرعی عقد فسخ کرنے کا اختیار نہیں ہوتا۔

صورتِ مسئولہ میں اگر مالکِ زمین بلا عذر عقد فسخ کرنا چاہتا ہے تو شرعاً اس کے لیے کوئی گنجائش نہیں،البتہ اگر اس کو کوئی شرعی عذر لاحق ہوا ہے،جس کی وجہ سے وہ عقدِ اجارہ برقرار نہیں رکھ سکتا تو پھر اس کو فسخ کا اختیار حاصل ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

الإجارۃ تنتقض بالأعذار عندنا ...... و کل عذر لا یمنع المضي في موجب العقد شرعاً،و لکن یلحقہ نوع ضرر یحتاج فیہ إلی الفسخ، کذا في الذخیرۃ. (۱)

ترجمہ: ہمارے ہاں اعذار کی وجہ سے اجارہ ٹوٹ جاتا ہے۔۔۔۔۔اور ہر وہ عذر جو شرعاً موجب عقد میں مانع نہ ہو، لیکن اس کی وجہ سے کوئی ایسا ضرر لاحق ہوجاتا ہو جس کی وجہ سے (عقد کو) فسخ کرنے کا احتیاج پیدا ہو (تو عقد فسخ کیا جاسکتا ہے) اسی طرح ذخیرہ (نامی کتاب) میں ہے۔

❁❁❁

(۱) الفتاوی الھندیۃ، الإجارۃ، الباب التاسع عشر في فسخ الإجارۃ بالعذر: ۴/۴۵۸

کرایہ دار کا مالک سے اجازت لیے بغیر اس کے مکان میں مرمت کرنا

سوال نمبر(159):

ہم کرایہ کے مکان میں رہتے ہیں۔اس مکان میں پانی کا ایک کنواں ہے جس کا منڈیر بہت بوسیدہ اور شکستہ ہو چکا تھا۔ہم نے مالک مکان کو اطلاع دیے بغیر اس کی مرمت کر لی،جس پر تقریباً دس 10,000 ہزار روپے خرچ ہوئے۔اب ہم چاہتے ہیں کہ مالکِ مکان سے کرایہ میں یہ رقم کاٹ لیں،مگر وہ اس پر راضی نہیں ہو رہا ہے۔کیا ہمارے لیے اُس کی رضامندی کے بغیر کرایہ سے یہ رقم کاٹنا شرعاً جائز ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

مالکِ مکان کو اپنے مکان میں تعمیراتی کام نمٹانے کا اختیار ہے،اگر وہ چاہے تو تعمیر یا مرمت کر لے،ورنہ کرایہ دار یا کوئی اور اس کو اس پر مجبور نہیں کر سکتا۔لہٰذا اگر مستأجر(کرایہ دار) مالک سے باقاعدہ اجازت طلب کیے بغیر اس کے ملک میں تعمیر یا مرمت کا کام کرے تو اس کے اخراجات مالک کی رضامندی پر موقوف ہوں گے۔اگر مالک اپنی رضامندی سے ان اخراجات کو برداشت کر لے تو ٹھیک ہے،ورنہ اخراجات کا بوجھ اُٹھانے پر اُسے مجبور نہیں کیا جا سکتا۔تاہم ایسی صورت میں مستأجر کو یہ اختیار حاصل ہوگا کہ وہ گھر چھوڑتے وقت اپنی رقم سے تعمیر کی گئی چیزیں اس طرح سے ہٹا کر لے جائے کہ اُس سے مکان کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔

صورتِ مسئولہ کے مطابق جب کرایہ دار نے مالک مکان کی اجازت کے بغیر کنویں کے منڈیر کی مرمت کر کے اس پر رقم خرچ کر لی ہے اور مالکِ مکان اسے برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں تو کرایہ دار کا کرایہ سے یہ رقم کاٹنا جائز نہیں۔

والدّلیل علی ذلک:

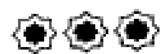
(وإصلاح بئرِ الماءِ، والبالوعة، والمخرج علی صاحب الدار)لکن (بلا جبر علیه) لأنه لایجبر علی إصلاح مِلکه،(فإن فعله المستأجر فهو متبرعٌ) وله أن یخرج إن أبی ربها. (١)

---

(١) الدرالمختار علی صدر ردالمحتار، کتاب الإجارة، باب فسخ الإجارة:٩/١٠٩-١١٠

ترجمہ:

پانی کے کنویں، گٹر اور نالے کی مرمت کی ذمہ داری مالکِ مکان کی ہے، لیکن اُس (مالک) پر جبر کیے بغیر، اس لیے کہ مالک کو اپنی ملک کی مرمت پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ سو اگر کرایہ دار خود یہ مرمت کرلے تو یہ متبرع ہے اور اسے یہ اختیار حاصل ہے کہ اگر مالک اس (مرمت کے اخراجات کو برداشت کرنے سے) انکار کرلے تو وہ ان مرمت شدہ چیزوں کو نکال کرلے جائے۔



قرض خواہ کے ذمے بقایا تنخواہ، قرض میں سے منہا کرنا

سوال نمبر(160):

زید نے عمرو سے انیس ہزار 19,000 روپے قرض لیے۔ کچھ عرصہ بعد اس کے ساتھ کاروبار میں اس طرح شریک ہوا کہ عمرو نے کہا: ’’تم میرے ساتھ کاروبار میں امداد کروگے میں ہر ماہ تمھیں پانچ ہزار 5000 روپے دوں گا‘‘۔ اس معاہدہ کے بعد زید نے عمرو کے ساتھ پانچ ماہ تک کام کیا، مگر عمرو نے اس دوران اس کو ماہانہ کچھ بھی نہیں دیا۔ پانچ ماہ بعد عمرو انتقال کرگیا۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا زید اس قرض والی رقم کو تنخواہ کے بدلے اپنے ساتھ روک سکتا ہے یا نہیں؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

سوال میں مذکور مسئلہ کے دو پہلو ہوسکتے ہیں: ایک پہلو تو یہ ہے کہ عمرو نے زید کو اپنے ساتھ کاروبار میں شریک کرکے اس کے لیے نفع میں سے پانچ ہزار 5000 روپے متعین کیے ہوں۔ یہ صورت درست نہیں، اس لیے کہ شرکا میں سے کسی ایک شریک کے لیے نفع میں سے مخصوص رقم متعین کرنا جائز نہیں۔ شرکا کے لیے ضروری ہے کہ وہ نفع میں سے مخصوص حصہ متعین کریں، کوئی خاص رقم متعین نہ کریں، چنانچہ اگر یہ صورت ہو تو پھر زید صرف ان گزرے ہوئے مہینوں کی معروف ومروج اجرت کا مستحق ہوگا، جو اگر عمرو نے زندگی میں ادا نہ کی ہو تو زید اس کے مرنے کے بعد اس کے ذمے واجب الادا رقم میں سے اسے منہا کرسکتا ہے۔

دوسرا پہلو یہ ہے کہ عمرو نے زید کو اپنے ساتھ بطور ملازم رکھ لیا ہو اور اس کے لیے ماہانہ پانچ ہزار روپے کی

اجرت متعین کی ہو۔ایسی صورت میں اگر عمرو چند ماہ بعد اجرت ادا کیے بغیر مرگیا ہوتو زید اس قرض میں سے اپنی تنخواہیں کاٹ سکتا ہے۔

والدّليل علی ذلك:

وجد دنانير مديونه، وله عليه دراهم، له أن يأخذه لاتحادهما جنساً في الثمنية. (١)

ترجمہ: (قرض خواہ نے) قرض دار کے دنانیر کو پایا جب کہ اس (قرض خواہ) کا اس پر دراہم (قرض) تھے۔تو اس کے لیے اختیار ہے کہ اس میں سے (قرض) وصول کرلے،اس لیے کہ ثمنیت میں دونوں (درہم ودینار) کا جنس ایک ہے۔

❁❁❁

ایڈوانس رقم واپس کرنے میں تاخیر کی وجہ سے سود لینا

سوال نمبر(161):

زید نے ایک لاکھ روپے ایڈوانس لے کر عمرو کو ماہانہ تین ہزار 3000 روپے کے عوض اپنی دکان کرایہ پر دے دی۔کچھ عرصہ بعد زید نے عمرو کو ایڈوانس رقم واپس کیے بغیر اس سے دکان واپس لے کر بکر کو ساڑھے چار ہزار کے عوض کرایہ پر دے دی۔جس میں سے تین ہزار روپے خود زید لیتا ہے اور ڈیڑھ ہزار عمرو کو دیتا ہے۔شرعاً زید کے لیے یہ رقم لینا جائز ہے یا ناجائز؟

بيّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفيق:

مؤجر جب مستأجر (کرایہ دار) سے اپنی چیز واپس لے لے تو مستأجر کا اس کے ساتھ تعلق ختم ہو جاتا ہے۔لہٰذا اب یہ اس چیز کے منافع حاصل کرنے کا حق دار نہیں رہتا اور اس نے اگر کچھ رقم ایڈوانس میں دی ہو تو مالک پر لازم ہے کہ وہ کرایہ دار کو لوٹا دے،تاہم اگر مالک ایڈوانس کے لوٹانے میں تاخیر کردے تو کرایہ دار اس تاخیر کی وجہ سے اس کا عوض یا کرایہ وصول نہیں کرسکتا۔

مسئولہ صورت میں زید نے عمرو سے اپنی دکان واپس لے لی تو عمرو کا اس کے ساتھ کوئی تعلق باقی نہ رہا،لہٰذا

(١) ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الحجر: ٩/ ٢٢١

اب عمرو کو ایڈوانس کی ادائیگی میں تاخیر کی وجہ سے دکان کے کرایہ میں سے کوئی حصہ لینا سود کے زمرہ میں داخل ہو کر ناجائز ہے۔تاہم یہ جائز ہے کہ زید نئے کرایہ دار سے وصول شدہ کرایہ عمرو کو اس کے قرض میں ادا کرے۔

والدّلیل علی ذلك:

(كل قرضٍ جرّ نفعاً حرام)أي إذا كان مشروطاً.(١)

ترجمہ:

ہر وہ قرض جو نفع کھینچ لائے حرام ہے،یعنی جب یہ(اضافی نفع)مشروط ہو۔

❁❁❁

مزدور کی اجرت میں ٹال مٹول کرنا

سوال نمبر(162):

ہمارے علاقہ کے اکثر مزدور لوگ ٹھیکیداروں کے ساتھ مزدوری کر کے درختوں کی کٹائی کا کام کرتے ہیں۔ اکثر ٹھیکیداروں کی یہ عادت ہے کہ وہ مزدوروں سے کام لے کر انہیں اجرت دینے میں ٹال مٹول سے کام لیتے ہیں۔ جس کی وجہ سے مزدوروں کو اپنی ضروریات پوری کرنے کے لیے قرضہ لے کر قرض دار کی کڑوی کسیلی باتیں برداشت کرنی پڑتی ہے۔برائے مہربانی اجرت میں ٹال مٹول کرنے کا شرعی حکم بیان فرمائیں۔

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

اَحادیث نبویہ میں مزدور کو اس کی مزدوری بروقت دینے کی بڑی تاکید آئی ہے۔آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ مزدور کو اس کی مزدوری پسینہ خشک ہونے سے پہلے پہلے ادا کرو۔اسی طرح مزدور سے بلاوجہ مزدوری روکنے کو احادیث میں ظلم کہا گیا ہے۔ایک اور حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:’’میں قیامت کے دن اس شخص سے لڑوں گا جو مزدور کو اس کی مزدوری نہ دے‘‘۔

ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مزدور سے بلاوجہ اس کی مزدوری روکنا شرعاً ناجائز اور ظلم ہے،جس سے بچنا ضروری ہے۔

(١) ردالمحتار علی الدرالمختار،كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية،مطلب كل قرضٍ جرّنفعاً حرام: ٣٩٥/٧

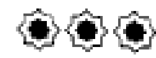
والدلیل علی ذلك:

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: ثلاثة أنا خصمهم يوم القيامة: رجل أعطى بي ثم غدر، ورجل باع حراً فأكل ثمنه، ورجل استأجر أجيراً فاستوفى منه ولم يعطه أجره. (۱)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے: آپؐ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تین آدمی ایسے ہیں جن کا قیامت کے دن میں مدِّ مقابل ہوں گا: ایک وہ آدمی جس نے میرا نام لے کر عہد کیا پھر دھوکہ دیا (یعنی معاہدہ پورا نہ کیا)، دوسرا وہ شخص جس نے آزاد آدمی کو بیچ کر اس کی قیمت کھائی، تیسرا وہ شخص جس نے مزدور سے پوری محنت لی اور پھر اس کی محنت کا عوض ادا نہ کیا۔

وروي عن عبدالله بن عمرؓ قال: قال رسول الله ﷺ: أعطوا الأجيرَ أجرَهُ قبل أن يجفَّ عِرقُه. (۲)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کیا گیا ہے: فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''مزدور کو اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے پہلے اس کی مزدوری ادا کرو''



اسلامک خیبر بینک کے ساتھ ''موٹر کار اجارہ'' کا معاملہ کرنا

سوال نمبر (163):

اسلامک خیبر بینک لوگوں کو اجارہ پر گاڑی دے کر ان سے ماہانہ قسط وصول کرتا ہے۔ میری خواہش ہے کہ میں بھی اپنے لیے گاڑی نکالوں، لیکن اس کے طریقہ کار کے متعلق پورا علم نہیں کہ یہ واقعی اسلامی ہے یا نہیں؟ اس لیے آپ سے درخواست ہے کہ ان کے ساتھ موٹر کار اجارہ کا معاملہ کرنے کا حکم بیان فرمائیں۔

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

تاحال (دسمبر 2008ء تک) ہمارے علم کے مطابق خیبر بینک کے اسلامک برانچ کے معاملات شرعی اصول کے موافق ہیں۔ اس میں موٹر کار اجارہ کا جو طریقہ کار رائج ہے، وہ جید علمائے کرام سے منظور کردہ ہے، اس لیے آپ کا ان

(۱) الصحيح للبخاري، كتاب الإجارة، باب اثم من منع أجر الأجير: ۱/۳۰۲

(۲) سنن ابن ماجة، ابواب الرهون، باب أجر الأجراء: ص/۱۷۸

کے ساتھ موٹرکارا جارہ کا معاملہ کرنا جائز ہے۔

❁❁❁

طلبا کا پرائیویٹ بسوں میں مفت یا نصف کرایہ کے عوض سفر کرنا

سوال نمبر(164):

Students کا بسوں میں بغیر کرایہ یا نصف کرایہ کے عوض سفر کرنا جائز ہے یا ناجائز؟

بینوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

شریعتِ مطہرہ کی رُو سے کسی مسلمان کو دوسرے مسلمان کی چیز اس کی اجازت اور رضامندی کے بغیر استعمال کرنا جائز نہیں۔ آج کل سکول کالج وغیرہ کے جو طلبہ پرائیوٹ بسوں میں مفت یا آدھے کرایہ کے عوض سفر کرتے ہیں، اس پر چونکہ مالک راضی نہیں ہوتے، اس لیے شرعاً یہ کام جائز نہیں۔

البتہ اگر حکومت کی سرکاری بسوں میں طالب علموں یا بوڑھوں سے آدھا کرایہ وصول کیا جاتا ہو تو اس میں آدھے کرایہ کے عوض سفر کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

والدّلیل علی ذلک:

قال رسول الله ﷺ: ألا لاتظلموا، ألا لا يحل مال امرئٍ إلا بطيب نفسٍ منه. (۱)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: خبردار! ظلم نہ کرو۔ خبردار! کسی شخص کا مال اس کے طیب نفس (رضامندی) کے بغیر حلال نہیں ہوتا۔

❁❁❁

کسی ادارے کے ملازم کا اپنی مراعات سے ناجائز استفادہ

سوال نمبر(165):

حکومت کے بعض اداروں کی طرف سے ملازمین کو یہ سہولت حاصل ہوتی ہے کہ وہ بوقتِ ضرورت ہسپتال

(۱) مسند الامام احمد، رقم الحدیث: ۲۰۱۷۲، ۶۹/۶

سے مفت علاج اور مفت دوائی حاصل کر سکتے ہیں۔ بعض ملازمین اس سہولت کا غلط فائدہ اُٹھاتے ہوئے بلاضرورت کوئی بہانہ بنا کر ہسپتال سے مفت دوائی حاصل کر کے بازار میں نصف قیمت پر فروخت کرتے ہیں۔ ان کا یہ عمل اور اس سے حاصل شدہ رقم حلال ہے یا حرام؟ نیز جو دکاندار ان سے یہ دوائی خریدتا ہے اس کے لیے یہ خریدنا جائز ہے یا ناجائز؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

حکومت یا کسی بھی ادارے کی طرف سے ملازمین کو جو مراعات فراہم کی جاتی ہیں اگر ان سے استفادے کی اجازت کسی خاص ضرورت پیش آنے کے ساتھ مشروط ہو تو ملازم کو بلاضرورت ان سے استفادہ کرنا ناجائز ہے۔ صرف ضرورت کی بنا پر قانونی شرائط کے تحت ان سے استفادہ کرنا جائز ہے۔

لہٰذا اگر کوئی ملازم بیماری کی صورت میں ہسپتال سے دوا حاصل کرے گا تو یہ اس کی ملکیت میں داخل ہو جاتی ہے۔ چنانچہ اگر صحت یاب ہونے کے بعد اس کے پاس کچھ دوا بچ جائے تو مملوک ہونے کی بنا پر اسے فروخت کرنا اس کے لیے جائز ہے۔

اور اگر کوئی ملازم بلاضرورت جان بوجھ کر اپنے آپ کو بیمار ظاہر کرے یا ذمہ دار افراد سے ساز باز کرے یا کوئی اور حیلہ بنا کر دوائی حاصل کرے تو اس طرح کرنے سے چونکہ دوائی اس کی ملکیت میں داخل نہیں ہوتی اس لیے اسے فروخت کرنا بھی ناجائز ہوگا۔

حرام طریقے سے حاصل کی گئی چیز کے بارے میں اگر خریدار کو پہلے سے یہ علم ہو کہ اس کا حصول ناجائز طریقہ سے ہوا ہے تو اس کے لیے خریدنا جائز نہیں۔ اور اگر اسے متعلقہ چیز کے جائز یا ناجائز ہونے کے بارے میں کوئی علم نہ ہو تو خریدنے پر گناہ گار نہیں ہوگا۔

والدّلیل علی ذلک:

كتاب الهبة :...... أما تفسيرها شرعاً : فهي تمليك عين بلا عوض ...... وأما حكمها: فثبوت الملك للموهوب له.(۱)

(۱) الفتاوى الهندية، كتاب الهبة، الباب الاول في تفسيرها :٤/٣٧٤

ترجمہ:

ہبہ کی اصطلاحی تعریف یہ ہے: ''ہبہ بغیر کسی عوض کے (کسی کو) کسی چیز کی ذات کا مالک بنانا ہے''۔۔۔۔۔

اور اس کا حکم یہ ہے کہ ''موہوب لہٗ کی موہوبہ چیز پر ملکیت ثابت ہوتی ہے۔''

وما نقل عن بعض الحنفية من أن الحرام لا يتعدى ذمّتين، سألت عنه الشهاب الشلبيؒ فقال: هو محمول على ما إذا لم يعلم بذلك. (١)

ترجمہ:

اور بعض احنافؒ سے جو یہ نقل کیا گیا ہے کہ حرام دو ذموں تک متعدی نہیں ہوتا، اس کے بارے میں میں نے شہاب شلبیؒ سے پوچھا تو آپؒ نے (جواب میں) فرمایا کہ ''یہ اس حالت پر محمول ہے کہ جب لینے والے کو اس کا علم نہ ہو۔

❁❁❁

مسجد میں اُجرت پر پڑھائی

سوال نمبر(166):

قاری صاحب کے لیے بچوں سے اُجرت لے کر مسجد میں قرآن پاک کی پڑھائی کرنا جائز ہے یا ناجائز؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

مسجد کے تقدس اور احترام کو مدنظر رکھتے ہوئے بہتر تو یہ ہے کہ درس وتدریس کے لیے مسجد سے الگ جگہ ہو، لیکن اگر کہیں الگ جگہ میسر نہ ہو تو پھر مسجد میں پڑھانا بھی جائز ہے، خواہ پڑھائی مفت ہو یا اُجرت کے عوض۔

والدّلیل علٰی ذلك:

وتعليم الصبيان فيه بلا أجر، وبالأجر يجوز. (٢)

ترجمہ: اور مسجد میں بچوں کو تعلیم دینا جائز ہے، خواہ مفت ہو یا اُجرت کے عوض۔

❁❁❁❁❁

(١) ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء: ٥٥٣/٩

(٢) الفتاوى البزازيه على هامش الهندية، كتاب الكراهية، باب نوع في المسجد: ٣٥٧/٦

پراپرٹی ڈیلر کا کمیشن وصول کرنا

سوال نمبر(167):

ایک شخص زمین کی خرید وفروخت کا لین دین کرتا ہے۔ بسا اوقات یہ شخص کسی دوسرے کی زمین فروخت کرتا ہے اور اس خرید وفروخت میں بائع اور مشتری دونوں سے کمیشن وصول کرتا ہے، شریعت کی رو سے اس کا یہ فعل کیسا ہے؟ کیا کسی ایک جانب سے کمیشن لینا جائز ہے؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

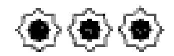
زمین کی خرید وفروخت میں پراپرٹی ڈیلر کا کردار دلال کا ہوتا ہے اور دلالی کی اجرت لینے میں شرعاً کوئی قباحت نہیں، لہٰذا اگر کوئی شخص پراپرٹی کا کاروبار کرتا ہو تو اس کے لیے بائع اور مشتری کے درمیان دلالی کے عوض کمیشن لینا جائز ہے۔ تاہم فریقین کے درمیان پہلے سے کچھ قواعد وضوابط تحریری طور پر طے ہونے چاہییں، جن کی روشنی میں کمیشن وصول کی جائے تاکہ باہم تنازعہ کا اندیشہ باقی نہ رہے۔

والدّلیل علی ذلك:

وفي الحاوي: سئل محمد بن مسلمة عن أجرة السمسار، فقال أرجو أنه لابأس به، وإن كان في الأصل فاسداً، لكثرة التعامل، وكثير من هذا غير جائز، فجوّزوه لحاجة الناس إليه. (١)

ترجمہ:

اور حاوی میں ہے کہ محمد بن مسلمہ سے دلال کی اُجرت کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے جواب میں فرمایا کہ: ''میں امید رکھتا ہوں کہ کثرتِ تعامل کی وجہ سے اس میں کوئی حرج نہیں، اگرچہ اصل میں یہ فاسد ہے اور اس طرح کے بہت سے معاملات جائز نہیں، مگر لوگوں کی حاجت کی وجہ سے فقہاء نے ان کو جائز قرار دیا ہے''۔



(١) ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الإجارة، باب ضمان الأجیر: ۸۷/۹

ڈاکٹر کا لیبارٹری والوں سے کمیشن لینا

سوال نمبر(168):

کیا کسی لیبارٹری یا الٹراساؤنڈ والوں کا ڈاکٹر کے ساتھ اس طرح معاملہ کرنا جائز ہے کہ ڈاکٹر صاحب مریض کو صرف اسی مخصوص لیبارٹری میں ٹیسٹ اور الٹراساؤنڈ کرنے کی ہدایت کرے گا اور اس کے بدلہ میں لیبارٹری والے ڈاکٹر کو فیصد کے اعتبار سے کمیشن دیں گے۔

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

کسی لیبارٹری یا الٹراساؤنڈ والے کے پاس بیمار بھیجنے میں ڈاکٹر کے کردار کو سامنے رکھتے ہوئے کمیشن کی وصولی کے جواز وعدمِ جواز کا فیصلہ کیا جاسکتا ہے۔

یہ حقیقت کسی پر مخفی نہیں کہ بیمار کی رہبری اور رہنمائی میں ڈاکٹر کی کوئی ایسی محنت شامل نہیں ہوتی جس کا وہ معاوضہ طلب کرسکے۔ کسی لیبارٹری وغیرہ کی طرف رہبری میں ڈاکٹر کا کردار محض اعتماد کی جگہ کی نشاندہی ہے اور اعتماد ڈاکٹر کی ذاتی رائے ہے، جس کا معاوضہ متعلقہ شخص سے وصول کرنا بے سود ہے، اسی طرح کمیشن فنِ طب کے شعبہ سے وابستہ حضرات کے لیے لینا اس شعبہ کے تقدس کو پامال کرنے کے مترادف ہے، جو خلافِ مروت ہونے کے ساتھ ساتھ خلافِ شریعت بھی ہے، اسی طرح اگر ڈاکٹر صرف ایک لیبارٹری کی طرف مریضوں کو بھیجے تو ممکن ہے کہ اس طرح لیبارٹری والے کی اجارہ داری قائم ہو جائے، حالانکہ مارکیٹ میں کسی کی اجارہ داری اسلامی مزاجِ معیشت کے خلاف ہے۔ مذکورہ کمیشن کا ایک فساد یہ بھی رونما ہوا ہے کہ ڈاکٹر کے لیے کمیشن لینے کی وجہ سے رپورٹ کو غیر معیاری قرار دینے کی جرأت مشکل ہو جاتی ہے، علاوہ ازیں اس کے اور بھی کافی مفاسد رونما ہوتے ہیں اس لیے سدّ الذرائع کے طور پر بھی اس کمیشن کا لینا جائز نہیں۔

والدّليل على ذلك:

وسئل شمس الأئمة الأوزجندي عمن دفع إلى طبيب جارية مريضة، وقال له :عالجها بمالك، فمايزداد من قيمتها بسبب الصحة فالزيادة لك، ففعل الطبيب ذلك، وبرئت الجارية، فللطّبيب على المالك أجر مثل المعالجة، وثمن الأودية، والنفقة، وليس له سوى ذلك شيء.(١)

---

(١) الفتاوى الهندية، كتاب الإجارة، فصل في المتفرقات، الباب الثاني والثلاثون في المتفرقات: ٤/ ٥٢٨

ترجمہ:
علامہ شمس الائمہ اوز جندیؒ سے اس شخص کے بارے میں پوچھا گیا جو کسی ڈاکٹر کو بیمار باندی اس شرط پر حوالہ کرے کہ اس کا علاج کروا و تندرست ہونے کی صورت میں اس باندی کی قیمت میں جو اضافہ ہوگا وہ تمہارا ہوگا، ڈاکٹر نے علاج کیا اور باندی صحت یاب ہوگئی تو اس صورت میں ڈاکٹر باندی کے مالک سے اجر مثل (فیس وغیرہ) دوائی اور کھانے پینے کے اخراجات وصول کرے گا اور اس کے علاوہ ڈاکٹر کے لیے کچھ بھی نہیں ہے۔

۞۞۞

گاہک مہیا کرنے کے عوض دکاندار سے اُجرت لینا

سوال نمبر(169):

ہمارا لاثانی شیٹ فروخت کرنے کا کاروبار ہے۔ ایک شخص ہم سے کہتا ہے کہ میں آپ کے لیے گاہک لاؤں گا۔ آپ ایک گاہک کے بدلے مجھے پچاس روپے دیا کریں گے۔ کیا ہمارے لیے اس کے ساتھ اس طرح کا معاہدہ کرنا جائز ہوگا؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

کاروباری اصطلاح میں بائع اور مشتری کے مابین مبیع کی خرید وفروخت میں ذریعہ بننے والا شخص دلال کہلاتا ہے۔ ضرورت اور کثرتِ تعامل کی وجہ سے فقہاء نے دلال کی اُجرت کو جائز قرار دیا ہے۔

مسئولہ صورت میں اگر دکاندار کسی شخص کو دلال مقرر کردے اور گاہک مہیا کرنے پر اس کو کوئی خاص اُجرت دیا کرے اور عرف میں یوں کیا جاتا ہو تو یہ معاملہ جائز ہوگا۔

والدّلیل علی ذلك:

وفي الحاوي: سئل محمد بن مسلمة عن أجرة السمسار، فقال: أرجو أنه لابأس به، وإن كان في الأصل فاسداً، لكثرة التعامل، و كثير من هذا غير جائز، فجوّزوه لحاجة الناس إليه. (۱)

ترجمہ: اورحاوی میں ہے کہ محمد بن مسلمہ سے دلال کی اُجرت کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے جواب میں

(۱) ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الإجارة، باب ضمان الأجیر: ۹/ ۸۷

فرمایا کہ: ''میں امید رکھتا ہوں کہ کثرتِ تعامل کی وجہ سے اس میں کوئی حرج نہیں، اگرچہ اصل میں یہ فاسد ہے اور اس طرح کے بہت سے معاملات جائز نہیں، مگر لوگوں کی حاجت کی وجہ سے فقہا نے ان کو جائز قرار دیا ہے۔

❁❁❁

بارگیننگ کاروبار کی شرعی حیثیت

سوال نمبر(170):

ایک شخص بارگیننگ کا کاروبار کرتا ہے۔لوگ اس کے پاس اپنی گاڑیاں فروخت کرنے کے لیے لاتے ہیں۔جب بارگین والے کو کوئی خریدار مل جاتا ہے تو وہ گاڑی اس پر فروخت کرتا ہے اور اس سے اپنا کمیشن بھی وصول کرتا ہے۔پھر گاڑی کے مالک کو رقم حوالہ کر کے اس سے بھی کمیشن وصول کرتا ہے۔کیا یہ کاروبار شرعاً جائز ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

خرید و فروخت کے معاملہ میں بائع اور مشتری کے مابین واسطہ بننے والے کو اصطلاحِ فقہ میں سمسار یا دلال کہتے ہیں۔دلالی کی اُجرت میں فقہائے کرام کے نزدیک اختلاف ہے، تاہم احناف نے معاشرتی ضرورت کو مدِنظر رکھتے ہوئے جواز کا فتویٰ دیا ہے،اس لیے دلالی کے عوض اُجرت وصول کرنا جائز ہے۔

بارگیننگ بھی دلالی کی ایک صورت ہے،اس لیے یہ کاروبار اختیار کرنا جائز ہے،البتہ اس میں پہلے سے کمیشن (اُجرت) کی تعیین ضروری ہے تاکہ بعد میں نزاع پیدا نہ ہو۔

والدلیل علی ذلک:

وفي الحاوي: سئل محمد بن مسلمة عن أجرة السمسار، فقال: أرجو أنه لا بأس به، وإن كان في الأصل فاسداً، لكثرة التعامل، وكثير من هذا غير جائز، فجوّزوه لحاجة الناس إليه. (۱)

ترجمہ: اور حاوی میں ہے کہ محمد بن مسلمہ سے دلال کی اُجرت کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے جواب میں فرمایا کہ: ''میں امید رکھتا ہوں کہ کثرتِ تعامل کی وجہ سے اس میں کوئی حرج نہیں، اگرچہ اصل میں یہ فاسد ہے اور اس طرح کے بہت سے معاملات جائز نہیں، مگر لوگوں کی حاجت کی وجہ سے فقہا نے ان کو جائز قرار دیا ہے''۔

(۱) ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الإجارة، باب ضمان الأجير: ۸۷/۹

بیع فسخ کرنے کے بعد دلال کی اُجرت

سوال نمبر(171):

کیا فرماتے ہیں علماے کرام اس مسئلہ میں کہ ہم نے بارگین والے کے واسطے سے ایک گاڑی خریدی۔لیکن بیع تام ہونے کے بعد کسی وجہ سے اس معاملہ کوختم کر دیا۔کیا ایسی صورت میں بارگین والا اُجرت کا مستحق ہوگا یانہیں؟

بيّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

دلال جب اپنا فریضہ صحیح طور سے سَرانجام دے تو وہ اجرت کا مستحق ہوجاتا ہے،خواہ متعاقدین اس بیع کو قائم رکھیں یابعد میں فسخ کرلیں۔

صورتِ مسئولہ کے مطابق اگر بارگین والے کے واسطے سے کی گئی بیع منعقد ہونے کے بعد فسخ کی گئی ہوتو چونکہ دلال اپنا عمل پورا کرچکا ہے،اس لیے وہ دلالی کی اُجرت کا مستحق ہے۔

والدّليل على ذلك:

قال في الخانية: الدلال في البيع إذا أخذ دلاليّته بعد البيع، ثم انفسخ بينهما بسبب من الأسباب، سلّمت له الدلالية ؛لأن الأجر عوض مقابلٌ بالعمل، وقد تمّ العمل فلا يرجع عليه. (١)

ترجمہ:

خانیہ میں ہے کہ خرید وفروخت میں دلال جب بیع تام ہونے کے بعد اپنی اجرت وصول کرلے،پھر کسی وجہ سے بیع فسخ ہوجائے تو اسے دلالية (دلالی کی اُجرت) دی جائے گی،اس لیے کہ اجرت عمل کے عوض میں ہے اوراس کا عمل پورا ہوچکا ہے،اس لیے اجرت واپس نہیں لی جائے گی۔

❁❁❁

(١) شرح المجلة للأتاسيّ، المادة:٥٧٩ كتاب الإجارة، الباب السادس في بيان أنواع المأجور، الفصل الرابع في إجارة الأدمي :٢/ ٦٧٨

پراپرٹی ڈیلر کا بائع اور مشتری کو دھوکہ دینا

سوال نمبر(172):

ایک شخص نے پراپرٹی ڈیلر کو دس مرلہ پلاٹ خریدنے کا کہا۔ پراپرٹی ڈیلر نے ایک شخص کے ساتھ چھتیس ہزار فی مرلہ کے حساب سے پلاٹ فروخت کرنے کی بات کی اور خریدنے والے سے اکتالیس ہزار فی مرلہ کے حساب سے رقم وصول کی اور بائع و مشتری دونوں سے دو فیصد کے حساب سے دلالی بھی لے لی۔ اب کچھ عرصہ بعد بائع اور مشتری کی ملاقات ہوئی تو دورانِ گفتگو معلوم ہوا کہ پراپرٹی ڈیلر نے مشتری سے اکتالیس ہزار فی مرلہ کے حساب سے رقم وصول کر کے بائع کو چھتیس ہزار فی مرلہ کے حساب سے رقم دی ہے اور باقی رقم خود ہڑپ کر لی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ بائع یا مشتری پراپرٹی ڈیلر سے اس اضافی رقم کا مطالبہ کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر کر سکتے ہیں تو یہ رقم کس کا حق بنتا ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

بیع وشرا کے معاملات میں دلال بن کر متعین اجرت لینا شرعاً جائز ہے، تاہم دلال کے لیے اس پیشہ میں دھوکہ اور کذب بیانی سے بچنا نہایت ضروری ہے۔ چنانچہ اگر کہیں وہ بائع یا مشتری یا دونوں کو دھوکہ دے دے تو غبنِ فاحش (شدید تاوان) کی صورت میں ان کو بیع فسخ کرنے کا حق حاصل ہوگا۔

مسئولہ صورت میں پراپرٹی ڈیلر نے بائع کے ساتھ کم قیمت پر بات کر کے مشتری سے زیادہ رقم وصول کی ہے اور پھر بائع کو اس کی بتائی ہوئی قیمت کے مطابق رقم حوالہ کی ہے، اس لیے درحقیقت یہ دونوں کے ساتھ دھوکہ ہے، چنانچہ اس اضافی رقم کا حق دار تو بائع ہے، البتہ اگر مارکیٹ میں مشتری سے وصول کردہ قیمت غبن فاحش (شدید تاوان) سمجھا جاتا ہو تو اس کو بیع فسخ کرنے کا حق حاصل رہے گا۔

والدّلیل علی ذلک:

إذا غرّ أحد المتبايعين الآخر، وتحقق أن في البيع غبناً فاحشاً، فللمغبون أن يفسخ البيع حينئذٍ.

قال الشارح: وكذا لو غرّ الدلال أحد المتبايعين، فله أيضاً فسخ البيع إذا وجد منه غبن فاحش. (١)

(١) شرح المجلة لسليم رستم باز، المادة: ٣٥٧، كتاب البيوع، الباب السادس في بيان الخيارات، الفصل السابع في الغبن والتغرير: ص/١٩٩

ترجمہ: جب متبایعین (بیچنے والے اور خریدار) میں سے ایک دوسرے کو دھوکہ دے دے اور بیع میں غبن فاحش تحقق ہوجائے تو ایسی صورت میں فریب خوردہ کو بیع فسخ کرنے کا اختیار حاصل ہے۔ شارح کہتے ہیں: اسی طرح اگر دلال متبایعین میں سے کسی ایک کو دھوکہ دے تو اسی طرح اس فریب خوردہ کو فسخ کا اختیار حاصل ہے، جب کہ غبنِ فاحش پایا جاتا ہو۔

❁❁❁

ڈرائیور حضرات کا ہوٹلوں میں مفت کھانا کھانا

سوال نمبر(173):

ڈرائیور حضرات کو بعض مخصوص ہوٹلوں میں مفت کھانا کھلایا جاتا ہے اور دیگر مراعات بھی دی جاتی ہیں۔ اس کا شرعی حکم بیان کریں؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

شاہراہوں پر واقع ہوٹل ڈرائیور حضرات کو مفت کھانا اس لیے کھلاتے ہیں کہ وہ ان ہوٹلوں کو گاڑی میں موجود سواریاں لے جاکر انہیں گاہک مہیا کرتے ہیں۔ گویا اس طرح ڈرائیور کی حیثیت دلال کی سی ہوتی ہے اور دلال کی اُجرت جائز ہے، اس لیے ڈرائیور کا مفت کھانا بھی اُجرت شمار ہوکر جائز ہوگا، البتہ اگر ہوٹل والے ڈرائیور کو مفت کھانا کھلاکر اُس کے بدلے دیگر سواریوں سے ناقص کھانے کے عوض مروّج قیمت سے بہت زائد وصول کرتے ہوں جیسا کہ آج کل کے اکثر ہوٹلوں کا حال ہے، تو ایسی صورت میں ڈرائیور کو مفت کھلانا رشوت ہوکر ناجائز ہوگا۔

والدلیل علیٰ ذلک:

وفي الحاوي: سئل محمد بن مسلمة عن أجرة السمسار، فقال: أرجو أنه لابأس به، وإن كان في الأصل فاسداً، لكثرة التعامل. (۱)

ترجمہ: اور حاوی میں ہے کہ محمد بن مسلمہ سے دلال کی اُجرت کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے جواب میں فرمایا کہ: ''میں امید رکھتا ہوں کہ کثرتِ تعامل کی وجہ سے اس میں کوئی حرج نہیں''۔

---

(۱) ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الإجارة، باب ضمان الأجير: ۸۷/۹

کتاب الشفعة

(مباحثِ ابتدائیہ)

تعارف اور حکمتِ مشروعیت:

اسلام ہر جگہ اور ہر معاملے میں ''لاضرر ولاضرار'' کے بنیادی اصول کو اپنانے کی تلقین کرتا ہے اور اس بات کی کوشش کرتا ہے کہ خرید وفروخت ہو یا کوئی بھی معاملہ، اس میں ایک فریق کے کسی اقدام سے دوسرے فریق کو نقصان نہ پہنچے۔ یہی وجہ ہے کہ جب شرکا یا پڑوسیوں میں سے کوئی شریک یا پڑوسی اپنے حصہ زمین یا عمارت کو کسی غیر شخص پر فروخت کرنا چاہے تو دوسرے شریک یا پڑوسی کو شرعی حدود میں رہتے ہوئے اس پر نقطۂ اعتراض اُٹھانے کا حق ہے۔ اس کو شرعاً یہ حق حاصل ہے کہ وہ کسی غیر آدمی کو اپنی زمین یا پڑوس میں گھسنے نہ دے، بلکہ خود ہی اس زمین کو ایسی قیمت پر خرید لے جس قیمت پر مالکِ زمین نے کسی غیر سے سودا کر لیا ہے۔

فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ شفعہ کی مشروعیت میں کئی حکمتیں مضمر ہیں۔ ممکن ہے کہ زمین اور عمارت کی تقسیم اور غیر کے ہاتھوں سودے سے زمین اور عمارت کو نقصان ہو یا نقصان تو نہ ہو، لیکن شریک یا پڑوسی کو اس حصے کی زیادہ ضرورت ہو یا آنے والے شخص کے ساتھ دائمی صحبت سے ان کو نفرت ہو۔ ممکن ہے کہ آنے والا شخص اتنا بداخلاق و بدمعاملہ ہو کہ شرکت یا پڑوس کے قابل ہی نہ ہو یا اس کا رہن سہن، کاروبار، طرزِ تعمیر اور طرزِ معاشرت شریک کے لیے دائمی ضرر کا ذریعہ ہو۔ ان تمام باتوں کو مدِ نظر رکھ کر شریعت نے شفعہ کی اجازت دی ہے، تاکہ معاشرہ کسی بھی قسم کی بدنظمی اور انتشار کا شکار نہ ہو۔ (۱)

لغوی تحقیق:

شفعہ شفع سے ہے بمعنی ضمّ (ملانا)، زیادہ، تقویہ، جفت عدد اور تملک۔ ان تمام لغوی معانی کی شرعی تعریف سے گہری مناسبت موجود ہے۔ (۲)

اصطلاحی تعریف:

"تملك البقعة المشتراة بمثل الثمن الذي قام على المشتري".

---

(۱) إعلام الموقعين: ۲/۱۲۰ ومابعده، المبسوط، كتاب الشفعة: ۹۱/۱٤، الفقه الإسلامي وأدلته: ٤٨٨٨/٦

(۲) الفقه الإسلامي وأدلته: ٤٨٨٦/٦، بدائع الصنائع: ۸۹/٦، الموسوعة الفقهية، مادة الشفعة: ۱۳٦/۲٦

کسی خریدی ہوئی قطعہ اراضی کو اسی قیمت پر جبراً حاصل کرنا جس قیمت پر یہ مشتری اول کو ملی تھی۔(۱)

علامہ خطیب شربینی شافعیؒ کے ہاں شفعہ ایک ایسے جبری حق تملک کا نام ہے جو پرانے شریک کے لیے نئے شریک کے خلاف اس قیمت کے بدلے ثابت ہوتا ہے، جس پر نئے شریک کو مل گیا ہے۔

هي حق تملك قهريّ يثبت للشريك القديم على الحادث فيما ملك بعوض.(۲)

مشروعیت:

شفعہ کی مشروعت سنت اور اجماع سے ثابت ہے۔

احادیثِ نبویہ سے:

"الجار أحق بسقبه".(۳)

''پڑوسی اپنے قریب گھر کا زیادہ حق دار ہے''۔

"الجار أحق بشفعة جاره ...".(٤)

''پڑوسی اپنے پڑوسی کے شفعہ کا حق دار ہے''۔

"جعل رسول الله ﷺ الشفعة في كل مالم يقسم".(٥)

''رسول اللہ ﷺ نے ہر اس چیز (زمین، عمارت وغیرہ) میں شفعہ جائز قرار دیا ہے جو قابل تقسیم نہ ہو''۔

اجماع سے:

علامہ ابن منذر رحمہ اللہ نے شفعہ کی مشروعیت پر اہل علم کا اجماع نقل کیا ہے۔(٦)

(۱) الفتاوی الهندية، كتاب الشفعة، الباب الأول في تفسيرها و شرطها و صفتها و حكمها:٥/١٦٠

(۲) مغني المحتاج، كتاب الشفعة:٢/٢٩٦

(۳) الصحيح للبخاري، كتاب الحيل، باب في الهبة والشفعة:٢/١٠٣٢، ابن ماجه، أبواب الشفعة، باب الشفعة بالجوار: ص ١٨٢

(٤) ابن ماجه، ابواب الشفعة، باب الشفعة بالجوار:١٨٢

(٥) الصحيح للبخاري، كتاب الحيل، باب الهبة والشفعة:٢/١٠٣٢، ابن ماجه، ابواب الشفعة، باب إذا وقعت الحدود فلا شفعة: ص ١٨٢

(٦) المغني:٥/٤٦٠، بدائع الصنائع:٦/٩٠، الفقه الإسلامي وأدلته:٦/٤٨٨٧

کتاب الشفعۃ کی اصطلاحات:

(۱) جس زمین یا عمارت (یعنی اپنی مملوکہ زمین جو مشفوعہ زمین کے ساتھ ملی ہوئی ہو) کی وجہ سے شفیع کو شفعہ کرنے کا حق حاصل ہوتا ہے، وہ مشفوع بہ کہلاتا ہے۔

(۲) جس زمین میں شفیع شفعہ کرنا چاہے، وہ مشفوع فیہ کہلاتا ہے۔

(۳) جس خریدار نے مشفوعہ زمین اولاً مالک سے خریدی ہو، وہ مشفوع علیہ کہلاتا ہے۔

(۴) شرکت یا پڑوس کی وجہ سے شفعہ کا دعویٰ کرنے والا شخص شفیع کہلاتا ہے۔(۱)

شفعہ کے ارکان:

حنفیہ کے ہاں شفیع کا مشتری یا اصل مالک سے مشفوعہ زمین لے لینا شفعہ کا رکن ہے، بشرطیکہ شفعہ کے اسباب اور ارکان موجود ہوں۔(۲)

مالکیہ کے ہاں شفیع، مشفوع علیہ، مشفوع فیہ اور صیغہ (جو تملک یا شفعہ کے معنی پر مشتمل ہو) شفعہ کے ارکان ہیں۔ جب کہ حنابلہ اور شافعیہ کے ہاں صیغہ شرط ہے، باقی تین ارکان ہیں۔(۳)

شفعہ کا حکم:

حنفیہ کے ہاں سبب پائے جانے کے بعد شفیع کے لیے مطالبہ کرنے کا حق حاصل ہو جاتا ہے۔ اگر اس کو فی الحال علم نہ ہو تو علم ہونے تک اس کا حق باقی رہے گا، اگرچہ کئی سال درمیان میں گزر جائیں۔ شفعہ کر لینے کے بعد شفیع کے لیے وہ تمام حقوق ثابت ہوں گے، جو ایک نئے عقد (شراء جدید) کے وقت حاصل ہوتے ہیں، لہٰذا وہ خیارِ رؤیت اور خیارِ عیب کا بھی مستحق ہوگا۔(۴)

شفعہ کے اسباب:

حق شفعہ تین اسباب سے ثابت ہوتا ہے:

(۱) الفقه الإسلامي وأدلته:٦/٤٨٨٨

(۲) الدر المختار علی صدر رد المحتار، کتاب الشفعة:٩/٣١٩

(۳) مغني المحتاج، کتاب الشفعة:٢/٢٩٦، الفقه الإسلامي وأدلته:٦/٤٨٨٩

(٤) الدر المختار علی صدر رد المحتار، کتاب الشفعة:٩/٣١٩، الفتاوی الهندية، کتاب الشفعة، الباب الأول:٥/١٦١

(۱) جو حق شفعہ کا طالب ہو (شفیع)، اس کی جائیداد بیچی جانی والی جائیداد کے ساتھ غیر منقسم طور پر شریک ہو یعنی جائیداد شفیع اور اصل مالک کے درمیان مشترک ہو۔

(۲) نفس جائیداد میں شریک نہ ہو، لیکن جائیداد کے متعلقات، جیسے: پانی یا راستہ میں شریک ہو۔

(۳) جائیداد یا اس کے متعلقات میں اشتراک نہ ہو، لیکن پڑوس میں ہو۔

پہلی صورت کو ''شریک'' دوسرے کو ''خلیط'' اور تیسرے کو ''جار'' کہتے ہیں۔ان تینوں میں ترتیب بھی یہی ہے کہ اگر ایک سے زائد حق دار ہو جائیں تو شریک سب سے مقدم ہوگا، پھر خلیط ہوگا اور آخر میں جار، یعنی پڑوسی۔(۱)

شفعہ کے اسباب میں فقہا کا اختلاف:

یوں تو شفعہ سے متعلق جزوی احکام میں متعدد مواقع پر اختلاف ہے، لیکن قابل ذکر اختلاف دو قسم کا ہے:

(۱) حنفیہ کے ہاں جوار کی وجہ سے بھی شفعہ کا حق حاصل ہوتا ہے اور زمین کے منافع میں شرکت کی وجہ سے بھی، جبکہ دیگر فقہاے شافعیہ، مالکیہ اور حنابلہ کے ہاں صرف نفس عقار میں اشتراک سے شفعہ کا حق ثابت ہوگا۔(۲)

(۲) حنابلہ اور شافعیہ کے ہاں یہ بھی شرط ہے کہ حق شفعہ ایسی جائیداد میں ثابت ہوگا جو اپنی مقدار کے لحاظ سے قابل تقسیم ہو، اتنی چھوٹی چیزیں جو قابل تقسیم نہ ہوں، جیسے: چھوٹا حمام، کنواں، چھوٹا راستہ، ان میں شفعہ حاصل نہیں ہوگا، جب کہ حنفیہ کے ہاں ان میں بھی حق شفعہ حاصل ہوگا۔(۳)

ثبوتِ شفعہ کے لیے شرائط:

(۱) مالکِ زمین خریدنے والے کو زمین بطور بیع دے دے۔ اگر ہبہ، صدقہ، میراث یا وصیت کے ذریعے زمین نئے مالک کی طرف منتقل ہو تو ان صورتوں میں شفیع کو شفعہ کا حق حاصل نہیں ہوگا۔

(۲) نئے مالک کی طرف انتقال عوض مالی کے طور پر ہو، لہٰذا اگر جنایت یا قصاص کے بدلے بطور صلح گھر دیا جا رہا ہو تو اس میں بھی شفعہ نہیں۔

(۳) شفعہ صرف غیر منقولی جائیداد میں جائز ہے، چاہے قابلِ تقسیم ہو یا نا قابلِ تقسیم۔

(۱) الفتاوی الهندية كتاب الشفعة الباب الثاني في بيان مراتب الشفعة:٥/١٦٥،٦٦، بدائع الصنائع:٦/٩٠، الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الشفعة:٩/٣١٦

(۲) المغني: كتاب الشفعة:٥/٤٦١، مغني المحتاج، كتاب الشفعة:٢/٢٩٧، بداية المجتهد:٢/٤٥١

(۳) المغني، كتاب الشفعة، اشتراط كون المبيع مما تمكن قسمته:٥/٤٦٥،٤٦٦

(۴) بائع (مالک) کی ملکیت اس جائیداد سے ختم ہوگئی ہو، لہٰذا خیارِ شرط کی صورت میں شفیع کو شفعہ کا حق نہیں۔

(۵) اگر مشتری (نیا مالک) یہ دعویٰ کرے کہ شفیع سرے سے اصل مالک کا شریک/ پڑوسی نہیں تو اس صورت میں شفیع کے لیے گواہی کے ذریعے اپنی شرکت یا ہمسائیگی کو ثابت کرنا پڑے گا۔

(۶) بیع ہوتے وقت مشفوعہ زمین میں شفیع کی ملکیت نہ ہو، اگر ہو تو وہ بعد میں شرکت یا ہمسائیگی کی وجہ سے دعویٰ شفعہ کا مستحق نہیں۔

(۷) شفیع مشفوعہ زمین کی بیع پر راضی نہ ہو، یعنی اس کی اجازت اور حکم (صراحتاً ہو یا دلالۃً) اس میں شامل نہ ہو۔(۱)

(۸) شفیع جس زمین کے سبب سے شفعہ کر رہا ہے (یعنی مشفوع بہ) وہ زمین بیع کے وقت سے لے کر شفعہ حاصل کرنے تک اس کی ملکیت میں رہے۔(۲)

(۹) شفیع وہی قیمت ادا کرنے کو تیار ہو، جس میں مالک نے پہلے مشتری کو اپنی جائیداد فروخت کی ہے۔(۳)

شفعہ طلب کرنے کے طریقے:

اسبابِ شفعہ (شرکت یا جوار) کے پائے جانے کے بعد شفیع کے لیے اپنے شریک یا ہمسایہ کی فروخت کردہ زمین میں شفعہ کا حق ثابت ہوتا ہے، مطالبہ کرکے اور اس پر گواہ بنا کر اس حق کو مؤکد کیا جاتا ہے۔ اور اس کو لینے کے بعد پھر اس پر ملکیت ثابت ہوتی ہے، چاہے قاضی کے فیصلہ سے لے یا باہمی رضامندی سے۔(۴)

مطالبۂ شفعہ کے تین مراحل ہیں، جن کو فقہا طلبِ مواثبت، طلبِ تقریر (اشہاد) اور طلبِ تملیک سے تعبیر کرتے ہیں۔

(۱) طلبِ مواثبت یہ ہے کہ جوں ہی شفیع کو اطلاع مل جائے کہ فلاں زمین (جس میں اس کو حق شفعہ حاصل ہے) دوسرے شخص کے ہاتھ فروخت کی جارہی ہے تو فوراً اسی مجلس میں وہ اس معاملہ پر ناراضگی ظاہر کرے اور خود حق شفعہ کا طالب بن جائے۔ اگر اس نے مجلسِ اطلاع کے ختم ہونے تک کسی قسم کا مطالبہ یا ناراضگی کا اظہار نہیں کیا تو اب

(۱) بدائع الصنائع:۶/۲۷ـ۱۱۱، الفتاوی الهندية، كتاب الشفعة، الباب الأول:۵/۱۶۰،۶۱

(۲) بدائع الصنائع:۶/۱۲۱

(۳) قاموس الفقه مادة شفعة:۴/۲۰۰

(۴) الفتاوی الهندية، كتاب الشفعة، الباب الثالث في طلب الشفعة:۵/۱۷۱، الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الشفعة:۹/۳۲۰

اس کو شفعہ کا حق حاصل نہیں ہوگا۔ طلب مواثبت میں گواہ بنانا ضروری تو نہیں، لیکن قانونی چارہ جوئی کے لیے گواہ بنا زیادہ بہتر ہے۔(۱)

(۲) دوسرا مرحلہ "طلب تقریر یا طلب اشہاد" کا ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ شفیع بذاتِ خود خریدار یا بائع یا جائیداد کے پاس جا کر اعلان کرے کہ فلاں شخص نے فلاں جائیداد خریدی ہے، حالانکہ اس میں مجھ کو حق شفعہ حاصل تھا اور میں اس میں حق شفعہ طلب کر چکا ہوں، لہٰذا تم لوگ اس کے گواہ رہو۔

(۳) تیسرا مرحلہ طلب تملیک کا ہے، جس کو طلبِ خصومت بھی کہتے ہیں کہ اب قاضی کے پاس شفعہ کا مقدمہ دائر کیا جائے، مقدمہ دائر کرنے میں ایک ماہ تک تاخیر کی گنجائش ہے، اس سے زائد تاخیر اگر بلا عذر ہو تو حق شفعہ باقی نہ رہے گا۔(۲)

مسلمان اور کافر کا باہم ایک دوسرے پر حق شفعہ:

جمہور فقہا کے ہاں مسلمان کافر پر، کافر مسلمان پر اور کافر کافر پر حق شفعہ میں عام مسلمانوں کی طرح ہیں۔ احادیث، اجماع صحابہ اور شفعہ کی حکمت وعلت بھی اس کے جواز پر دال ہیں۔(۳)

تعدد شفعاء کی مختلف صورتیں اور ان کا حکم:

(۱) اگر شفعہ کا سبب متحد ہو، یعنی تمام شفعاء شریک ہوں یا تمام ہمسایہ ہوں تو حنفیہ کے ہاں شفعہ کی تقسیم بقدرِ رؤوس ہوگی۔ جب کہ دیگر فقہا کے ہاں بقدرِ حصص۔(۴)

(۲) اگر سببِ شفعہ میں اختلاف ہو تو حنفیہ کے ہاں ترتیب کی رعایت ہوگی۔ نفسِ مبیع میں شریک حقوقِ مبیع میں شریک پر مقدم ہوگا اور حقوقِ مبیع میں شریک جار ملاصق پر مقدم ہوگا۔ حنفیہ کے ہاں اگر شریک اپنا حق شفعہ ساقط کرے

---

(۱) تبیین الحقائق:٦/٣٥٧

(۲) الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الشفعة:٩/٣٢٠، الفتاوى الهندية، کتاب الشفعة، الباب الثالث في طلب الشفعة:٥/٧٣-١٧١۔

(۳) المبسوط، کتاب الشفعة:١٤/٩٣، الموسوعة الفقهية، مادة شفعة:٢٦/١٥٤، تبيين الحقائق:٦/٣٧٠، ٣٧١

(٤) الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الشفعة:٩/٣٢٠، مغني المحتاج، کتاب الشفعة:٢/٣٠٥، المغني، کتاب الشفعة، بيان أن تقسيم الشقص على الشفعاء إنما يكون بقدر حصصهم:٥/٥٢٣

تو اس سے کم درجے والوں (خلیط، جار) کے لیے علی الترتیب حق شفعہ ثابت ہوگا۔(۱)

(۳) مشتری خود بھی شفیع ہو تو حنفیہ کے ہاں اس کو شراء کی وجہ سے کوئی فوقیت حاصل نہیں۔ شفعاء کی ترتیب کو دیکھ کر ان کے لیے حق شفعہ کا فیصلہ کیا جائے گا اور اگر برابر ہوں تو بقدر رؤوس ہی سب کو حصہ ملے گا۔(۲)

حق شفعہ میں وراثت:

حنفیہ کے ہاں اگر شفیع شفعہ حاصل کرنے سے پہلے ہی مر جائے تو اس کے ورثہ کے لیے حق شفعہ نہیں، اس لیے کہ حق شفعہ مال نہیں کہ اس میں میراث جاری ہو۔ البتہ اگر قاضی کے فیصلے یا مشتری کی رضامندی کے بعد مر جائے تو ورثہ کو مشفوعہ زمین لینے کا حق ہے۔ دیگر فقہاء کے ہاں حق شفعہ میں مطلقاً وراثت جاری ہوسکتی ہے، اس لیے کہ حق شفعہ ان حضرات کے ہاں مال شمار ہوتا ہے۔(۳)

شفعہ کو ساقط کرنے والی چیزیں:

(۱) شفیع صراحتاً اپنے حق سے دستبردار ہو جائے، تاہم قاضی کے فیصلے یا مشتری کی رضامندی کے بعد وہ ایسا نہیں کرسکتا۔

(۲) دلالتاً اپنے حق شفعہ کو چھوڑ دے، مثلاً: اراضی مستحقہ کے فروخت کئے جانے کی اطلاع اس کو مل جائے اور وہ باوجود قدرت کے کسی قسم کا مطالبہ نہ کرے۔

(۳) شفیع غیر منقسم اراضی یا عمارت میں صرف ایک ٹکڑے پر حق شفعہ کا مقتضی ہو، حالانکہ اس سے مشتری اور عمارت کو نقصان ہو۔(۴)

---

(۱) المبسوط، کتاب الشفعة: ۱۴/۹۴-۹۶، الفتاوى الهندية، كتاب الشفعة، الباب الثاني في بيان مراتب الشفعاء: ۵/۱۶۵، ۱۶۶

(۲) الموسوعة الفقهية، مادة الشفعة: ۲۶/۱۵۵-۱۵۸

(۳) بداية المجتهد: ۲/۲۲۲، ۴۶۶، المبسوط، كتاب الشفعة: ۱۴/۱۱۶، المغني، كتاب الشفعة، كون الشفعة لا تورث إلا يكون الميت طالب بها: ۵/۵۳۶

(۴) المبسوط، كتاب الشفعة: ۱۴/۱۰۴

(۴) قاضی کے فیصلے یا مشتری کی رضامندی سے قبل ہی شفیع کی موت ہو جائے۔ اگر بالفرض فیصلے کے بعد یا مشتری کی رضامندی کے بعد شفیع کی موت واقع ہو جائے تو اس صورت میں اگر شفیع کے ورثہ یہ مشفوعہ زمین حق شفعہ میں لینا چاہیں، تو ان کو یہ حق حاصل ہوگا۔(۱)

(۵) شفیع مشتری سے عقدِ جدید کرتے ہوئے زمین کی قیمت مقرر کرنے لگ جائے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ دراصل شفیع کو مشفوعہ زمین میں استحقاق اسی قیمت پر ہوگی جس پر مشتری کو مل گئی تھی۔ اب باوجود یہ جانتے ہوئے بھی وہ عقدِ جدید کرنا چاہے اور مشتری پر اپنا دعویٰ شفعہ چھوڑ دے تو یہ دلالۃً ترکِ شفعہ ہے۔(۲)

ملاحظہ:

شفعہ کے بارے میں پاکستانی قانون کے ایکٹ 1950ء کے مطابق کل 35 دفعات ہیں، اس قانون کی تدوین میں مذاہب اربعہ سے استفادہ کیا گیا ہے۔ اس کو کل چار ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے:

☆...... باب اول میں وہ دفعات ذکر کیے گئے ہیں جو شفعہ کی تعریف سے متعلق ہیں۔

☆...... باب دوم میں وہ دفعات ذکر کیے گئے ہیں جو شفعہ کی شرائط سے متعلق ہیں۔

☆...... باب سوم میں وہ دفعات ذکر کیے گئے ہیں جو شفعہ کے طلب سے متعلق ہیں۔

☆...... باب چہارم میں وہ دفعات ذکر کیے گئے ہیں جو شفعہ کے حکم سے متعلق ہیں۔

ایک اہم وضاحت یہ ضروری ہے کہ قانون پاکستان کے مطابق شفعہ کا حق جب ایک دفعہ شفیع کے لیے ثابت ہو جائے تو پھر وہ کسی بھی صورت میں باطل نہیں ہوتا، چاہے شفیع وفات پا جائے، لیکن اسلامی قانون شفعہ کے مطابق شفعہ میں وراثت جاری نہیں ہوتی، بلکہ اگر شفیع شفعہ کا دعویٰ کرنے کے بعد وفات پا جائے تو یہ شفعہ باطل ہو جاتا ہے۔ ہاں اگر شفیع کا حق ثابت ہونے کے بعد وہ فوت ہو جائے تو پھر اس کے ورثا کا استحقاق ثابت ہوتا ہے۔(۳)

۞۞۞

(۱) الموسوعة الفقهية،مادة شفعة:٢٦/١٦٦،١٦٧ و كذا الفتاوى الهندية، كتاب الشفعة، الباب التاسع في مايبطل به حق الشفعة بعد ثبوته ومالايبطل:٥/١٨٢ و كذا في بدائع الصنائع.٦/١٣٦۔١٤١

(٢) الموسوعة الفقهية، مادة شفعة:٢٦/١٦٩ وكذا فى بدائع الصنائع:٦/١٤٠

(٣) ڈاکٹر تنزیل الرحمن، مجموعہ قوانین اسلامی، جلد ششم، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد:٦/٢٠٤٧۔٢٠٦٦

کتاب الشفعة

(شفعہ کے مسائل)

حقِ شفعہ کے لیے ضروری تین طلب

سوال نمبر(174):

حقِ شفعہ کے ثبوت کے لیے کیا ضروری ہے؟ بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

حقِ شفعہ کے ثبوت کے لیے شفیع کے ذمہ بالترتیب طلبِ مواثبت، طلبِ اشہاد اور طلبِ خصومت ضروری ہے جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

(۱)... طلبِ مواثبت کا مطلب یہ ہے کہ شفیع کو جیسے ہی مشفوعہ جائیداد کی فروختگی کا علم ہو جائے تو اسی مجلس میں بلا تاخیر یہ کہہ دے کہ میں اس پر شفعہ کرتا ہوں۔

(۲)......طلبِ اشہاد کا مطلب یہ ہے کہ طلبِ مواثبت کے بعد بلا تاخیر جتنی دیر میں ممکن ہو دو گواہوں کو زمین کے پاس یا مشتری کے سامنے یا بائع کے سامنے (بشرطیکہ زمین ابھی بائع کے قبضہ میں ہو) گواہ بنا دے کہ میں شفعہ کرتا ہوں اس زمین پر یا مشتری پر یا بائع پر۔

(۳)......طلبِ خصومت کا مطلب یہ ہے کہ پہلی دو طلبات مکمل ہونے کے بعد ایک ماہ کے اندر اندر عدالت میں شفعہ کا دعویٰ کرے، البتہ اگر کوئی عذر ہو تو اس کی وجہ سے تاخیر کی اجازت ہے، جیسے قاضی کا نہ ملنا، شفیع کا غائب ہونا وغیرہ۔

اس طریقہ کار کو اختیار کرنے سے شفیع حقِ شفعہ کا حق دار بنتا ہے، ورنہ نہیں۔

والدّلیل علی ذلک:

يلزم في الشّفعة ثلاث طلبات: وهي طلب المواثبة، وطلب التّقرير والإشهاد، وطلب الخصومة والتّملك.(۱)

ترجمہ: حقِ شفعہ میں تین طلبات ضروری ہیں: طلبِ مواثبت، طلبِ تقریر یا اشہاد اور طلبِ خصومت یا تملک۔

(۱) شرح المجلة لسليم رستم باز،الكتاب السابع، الفصل الثالث :المادة: ۱۰۲۸،ص/۵۷۷

حقِ شفعہ کے لیے ہمسایہ کا ملاصق ہونا

سوال نمبر(175):

ایک شخص نے زمین حکومت کو کسی دفتر کے لیے فروخت کی۔قریب ایک شخص کی زمین ہے،لیکن اس کی زمین اور فروخت شدہ زمین کے درمیان مالکِ زمین کی تقریباً پچاس گز زمین کا فاصلہ ہے۔کیا اس شخص کو باوجود اس فاصلہ کے شفعہ کا حق حاصل ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

شریعت میں اس ہمسایہ کو حق شفعہ حاصل ہوتا ہے جس کی زمین فروخت شدہ زمین کے ساتھ بالکل متصل ہو۔مسئولہ صورت میں جب درمیان میں پچاس گز کا فاصلہ موجود ہے تو انقطاعِ جوار کی وجہ سے شفعہ نہیں ہوسکتا۔

والدّلیل علی ذلک:

وإذا باع دارا إلامقدار ذراع منها في طول الحدالذي يلي الشفيع، فلاشفعة له لانقطاع الجوار.(۱)

ترجمہ:

اور جب کسی نے کوئی گھر بیچ دیا،لیکن ایک گز کے بقدر شفیع سے ملی ہوئی پٹی کے طول کو نہ بیچے تو اس میں پڑوس کے منقطع ہوجانے کی وجہ سے شفعہ نہیں ہوسکتا۔

❁❁❁

عدالتی فیصلہ سے قبل شفیع کا اپنا گھر فروخت کرنا

سوال نمبر(176):

ایک شفیع نے حقِ جار(پڑوس) کی وجہ سے ایک شخص پر عدالت میں حق شفعہ کا دعویٰ کیا،عدالت میں کیس چلتا

(۱) الهداية، كتاب الشفعة،باب مايبطل به الشفعة :۴/۴۰۸

رہا، لیکن شفیع کے حق میں فیصلہ ہونے سے قبل اس نے اپنی وہ جائیداد (گھر) فروخت کی جس کی بنا پر وہ شفعہ کا دعویٰ کر رہا تھا۔ کیا اس فروختگی کے بعد شفیع اس مشفوعہ جائیداد پر شفعہ کے دعویٰ کا حق دار رہتا ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شریعتِ مطہرہ نے ضرر سے حفاظت کے لیے پڑوسی کو حقِ شفعہ دیا ہے۔ لیکن اگر وہ اپنے قول یا فعل سے اپنے حق کو باطل کردے تو شرعاً بھی اس کا یہ حق باطل ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اگر دعویٰ شفعہ کے بعد شفیع اُس جائیداد کو فروخت کردے جس کی بنا پر اس نے شفعہ کیا ہے تو اس کا حقِ شفعہ باطل ہو جاتا ہے۔

مسئولہ صورت میں شفیع کا وہ گھر جو شفعہ کے استحقاق کا سبب تھا، جب اُسے فروخت کیا اور وہ اس کی ملکیت سے نکل گیا تو استحقاقِ شفعہ ختم ہو گیا لہٰذا اب حقِ شفعہ کا دعویٰ مسترد ہوگا۔

والدّليل على ذلك:

وإذا باع الشفيع ما يشفع به قبل أن يقضى له بالشفعة، بطلت شفعته لزوال سبب الاستحقاق.(۱)

ترجمہ: اور جب شفیع اس جائیداد کو جس کی بنیاد پر وہ شفعہ کا حق رکھتا تھا، فروخت کرے قبل اس کے کہ اس کے حق میں شفعہ کا فیصلہ ہو جائے تو اس سے اس کا شفعہ باطل ہوگا، کیونکہ استحقاق کا سبب زائل ہو گیا۔

❁❁❁

صرف نسبی قرابت سے حقِ شفعہ کا اثبات

سوال نمبر (177):

ایک شخص نے اپنی ذاتی زمین فروخت کی۔ اس کی بہن کہتی ہے کہ بہن ہونے کے ناطے اس زمین پر میرا حق بنتا ہے، لہٰذا میں شفعہ کرتی ہوں۔ حالانکہ وہ نہ بھائی کے ساتھ اس زمین میں شریک ہے، نہ اس کے پڑوس میں اس کی کوئی جائداد ہے۔ کیا محض نسبی قرابت سے کوئی شفعہ کا حق دار ہو سکتا ہے؟

بینوا توجروا

(۱) الهداية، كتاب الشفعة، باب ما يبطل به الشفعة: ٤/٤٠٧

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

حق شفعہ نفسِ مبیع میں شریک یا مبیع کے حقوق میں شریک اور یا مبیع کے متصل پڑوسی کو بالترتیب حاصل ہے۔ محض نسبی رشتہ داری سے کوئی شفعہ کا حق دار نہیں ٹھہرتا۔ لہٰذا صورتِ مسئولہ میں اگر واقعی اس فروخت شدہ زمین میں نہ بہن کا حصہ ہو، نہ اس کے حقوق میں وہ شریک ہو اور نہ ہی اس کے ساتھ متصل اُس کی کوئی جائیداد ہو تو صرف رشتہ داری کی بنیاد پر اُس کا دعویٰ شفعہ درست نہیں۔

والدّلیل علی ذلک:

الشفعة واجبة للخليط في نفس المبيع، ثم للخليط في حق المبيع، كالشرب والطريق، ثم للجار.(١)

ترجمہ: شفعہ کا حق نفس مبیع میں شریک کے لیے ثابت ہے، پھر حق مبیع میں شریک کے لیے، جیسے شرب یا راستہ میں شریک ہو، پھر ہمسایہ کے لیے۔

❁❁❁

شفیع کو اطلاع دیے بغیر زمین فروخت کرنا

سوال نمبر(178):

ایک شخص نے شفیع کو اطلاع دیے بغیر زمین فروخت کی۔ کیا اس صورت میں شفیع شفعہ کا حق رکھتا ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

شریعت کی رُو سے زمین فروخت کرنے والے کے لیے شفیع کو اطلاع دینا ضروری نہیں۔ البتہ شفیع کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ طلباتِ ثلاثہ (طلب مواثبت، طلب اشہاد اور طلب خصومت) کے ذریعہ شفعہ کر کے اِسے حاصل کرے۔

والدّلیل علی ذلک:

يلزم في الشفعة ثلاثة طلبات، وهي: طلب المواثبة، وطلب التقرير والإشهاد، وطلب الخصومة والتملك .(٢)

---

(١) الهداية، كتاب الشفعة، باب مايبطل به الشفعة: ٣٩١/٤

(٢) شرح المجلة لسليم رستم باز، الكتاب السابع، الفصل الثالث :المادة: ١٠٢٨، ص/٥٧٧

ترجمہ: شفعہ میں طلبات ثلاثہ لازم ہیں۔ طلب مواثبت، طلب اشہاد اور طلب خصومت۔

٭٭٭

ایک شفیع کا مشفوعہ گھر خریدنے سے دوسرے شفیع کا استحقاق

سوال نمبر(179):

ایک گھر کے دو شفیع ہیں، یعنی دونوں قریبی پڑوسی ہیں۔ ایک شفیع نے پہل کرکے مشفوعہ گھر خرید لیا۔ کیا ایک شفیع کے مشفوعہ گھر خریدنے سے دوسرے شفیع کا حق ساقط ہو جاتا ہے؟ شرعی حوالہ سے اس کی تفصیل سے آگاہ فرمائیں۔

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

ازروئے شرع حقِ شفعہ کے چند مراتب ہیں۔ پہلا حق اس کا ہے جو نفسِ مبیع میں شریک ہو، اس کے بعد حق اس شریک کا ہے جو حقِ مبیع میں شریک ہو، اس کے بعد جارِ ملاصق کا حق ہے۔ ان تینوں میں سے اگر پہلا حق دار مطالبہ کرتا ہو تو دوسرے اور تیسرے کے مطالبہ کا حق نہیں رہتا اور پہلے کا مطالبہ نہ کرنے کی صورت میں دوسرے کا حق بنتا ہے، جب کہ دوسرے کا مطالبہ نہ کرنے کی صورت میں تیسرا شفعہ کرنے کا حق دار ہوتا ہے۔ اگر کہیں متعدد شفعاء ہوں اور سب درجہ میں مساوی ہوں تو ہر ایک کو مطالبہ کا حق حاصل رہتا ہے، تا آنکہ وہ اپنے حق سے دستبردار نہ ہو۔ ایسی صورت میں مشفوعہ چیز رؤوس کے اعتبار سے شفعا میں تقسیم کی جائے گی۔

مسئولہ صورت میں مشفوعہ گھر دونوں شفعاء کے درمیان آدھا آدھا تقسیم کیا جائے گا۔ ایک شفیع کا مشتری بن کر زمین خریدنے سے دوسرے شفیع کا حق ساقط نہیں ہوگا۔

والدلیل علی ذلک:

وشمل مالو كان المشتري

إذا تعدد الشفعاء، فالعبرة لعدد الرؤوس لا لمقدار السهام ....

أحدهم، وطلب معهم، فيحسب واحدا منهم، ويقسّم المبيع بينهم .(٢)

ترجمہ:

جب شفعا متعدد ہوں تو عدد رؤوس کو اعتبار ہوگا نہ کہ مقدار سہام کو۔۔۔ یہ قاعدہ اس صورت کو بھی شامل ہے،

(١) شرح مجلة لسليم رستم باز، الكتاب السابع، الفصل الثالث: المادة: ١٠١٣، ص/٥٦٦

جب مشتری شفعا میں سے ایک ہو اور ان کے ساتھ مل کر طلبِ شفعہ کرے تو یہ بھی ان میں سے ایک شمار ہوگا اور مبیع ان کے مابین تقسیم کیا جائے گا۔

❀❀❀

شفعہ کے بدلے مال لینا

سوال نمبر (180):

ایک دُکان فروخت ہوئی جس کے دو شفعاء تھے۔ بازار کی یونین نے ایک شفیع کو حق شفعہ کے عوض پچیس ہزار روپے دے دیے۔ کیا شفیع کے لیے حق شفعہ کے عوض رقم وصول کرنا جائز ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

حق شفعہ کے عوض رقم وصول کرنا شرعاً جائز نہیں۔ اس سے شفیع کا حق بھی ساقط ہو جاتا ہے اور رقم واپس کرنا بھی ضروری ہے۔ شفیع کے لیے اس کا استعمال جائز نہیں۔

والدّلیل علی ذلک:

وإن صالح من شفعته علی عوض بطلت شفعته، وردّ العوض. (۱)

ترجمہ: اگر شفیع شفعہ سے کسی عوض پر مصالحت کرے تو شفعہ باطل ہو جاتا ہے اور عوض کو بھی واپس کرے گا۔

❀❀❀

دعویٔ شفعہ سے بچنے کے لیے رہن کا بہانا کرنا

سوال نمبر (181):

ایک شخص نے شفیع بن کر ایک قطعۂ زمین پر شفعہ کا دعویٰ کیا۔ مشتری نے کہا کہ یہ زمین میرے پاس رہن ہے میں نے خریدی نہیں، اس لیے شفیع نے شفعہ چھوڑ دیا۔ بارہ سال بعد پتہ چلا کہ زمین مشتری کے پاس رہن نہیں بلکہ خریدی گئی ہے۔ کیا بارہ سال بعد معلوم ہو جانے پر شفعہ کا دعویٰ کیا جا سکتا ہے؟ بیّنوا تؤجروا

(۱) الهداية، كتاب الشفعة، باب مايبطل به الشفعة: ٤/٤٠٧

الجواب وباللہ التوفیق:

کسی عارض کی وجہ سے اگر شفیع کو زمین کی فروختگی کا علم نہ ہو تو علم ہو جانے کے بعد طلب شفعہ جائز ہے۔ اگر چہ اس میں کئی سال گزر چکے ہوں۔ مسئولہ صورت میں مشتری کے جھوٹ کی بنا پر تاخیر کی وجہ سے حق شفعہ باطل نہیں ہوتا، لہٰذا شفیع کو جس مجلس میں اس زمین کے فروخت ہونے کا قطعی علم ہوا اُسی مجلس میں اگر اُس نے طلب مواثبت کیا ہو اور پھر طلب اشہاد بھی کیا ہو تو طلب خصومت میں اُس کا دعویٰ شفعہ درست ہوگا۔

والدلیل علی ذلک

(وحكمها: جواز الطلب عند تحقق السبب) ولو بعد سنين.(١)

ترجمہ:

اور شفعہ کا حکم یہ ہے کہ جب سبب (شرکت یا جوار) متحقق ہو جائے، اگر چہ کئی سال بعد ہو، تو طلب شفعہ جائز ہے۔

(ويطلبها الشفيع في مجلس علمه بالبيع).(٢)

ترجمہ: اور جس مجلس میں شفیع کو بیع کا علم ہو جائے تو طلب شفعہ کرے گا۔

❁❁❁

شفعہ میں مدعیٰ علیہ کا تعین

سوال نمبر(182):

شریعت کی رُو سے شفعہ کا دعویٰ مشتری کے خلاف کیا جائے گا یا بائع کے خلاف؟

بيّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

اگر زمین بائع کے قبضہ میں ہو تو بائع کے خلاف، ورنہ مشتری کے خلاف شفعہ کا دعویٰ کیا جائے گا۔

---

(١) الدرالمختار علی صدر ردالمحتار، کتاب الشفعة: ٣١٩/٩

(٢) تنویرالابصار مع الدرالمختار علی صدر ردالمحتار، کتاب الشفعة، باب طلب الشفعة: ٣٢٨/٩

والدّليل على ذلك:

ويشهد على البائع إن كان المبيع في يده، معناه لم يسلم إلى المشتري، أوعلى المبتاع أوعند العقار.(١)

ترجمہ: شفیع بائع پر گواہ بنالے، اگر مبیع اس کے ہاتھ میں ہو، یعنی اب تک مشتری کے حوالہ نہ کیا ہو یا مشتری پر گواہ بنالے (اگر مشتری کے حوالہ کیا ہو) یا زمین کے پاس گواہ بنائے۔

❁❁❁

طلبِ مواثبت یا خصومت میں تاخیر

سوال نمبر(183):

ایک شخص نے زمین خریدی، شفیع اس کا بیٹا تھا، خرید وفروخت کے وقت وہ موجود تھا لیکن اس نے کوئی شفعہ کا دعویٰ نہیں کیا، ایک مہینہ گزرنے کے بعد اب شفعہ کا دعویٰ کرتا ہے۔ کیا شرعاً اس کا دعویٰ معتبر ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

جس مجلس میں شفیع کو مشفوعہ زمین کی فروختگی کا علم ہو جائے، اُسی مجلس میں طلبِ مواثبت ضروری ہے۔ اگر اسی مجلس میں طلبِ مواثبت نہ کرے تو بعد میں معتبر نہیں۔ صورتِ مسئولہ کے مطابق اگر کسی کا باپ کوئی زمین خرید رہا ہو اور بیٹا اس موقع پر موجود ہو اور اس کا استحقاق شفعہ کا ہو، باوجود اس کے اُس نے طلبِ مواثبت نہیں کیا تو ایک مہینے بعد اس کو دعویٰ شفعہ کا حق نہیں، لہٰذا اس کا دعوی قابل قبول نہیں۔

والدّليل على ذلك:

وإذاترك الشفيع الإشهاد حين علم بالبيع، وهويقدرعلى ذلك بطلت شفعته؛ لإعراضه عن الطلب، وهذا لأنّ الإعراض إنما يتحقق حالة الاختيار وهي عندالقدرة.(٢)

---

(١) الهداية، كتاب الشفعة، باب طلب الشفعة والخصومة: ٣٩٦/٤

(٢) الهداية، كتاب الشفعة، باب مايبطل به الشفعة: ٤٠٦/٤

ترجمہ:
جب شفیع کو بیع کا علم ہو جائے اور وہ مطالبہ کو ترک کردے، حالانکہ وہ اس پر قدرت رکھتا تھا تو اس کا شفعہ باطل ہو جائے گا کیونکہ اُس نے طلب سے اعراض کیا۔ اور یہ مطالبہ پر قدرت اس لیے ضروری ہے کہ اعراض اختیار کی حالت میں متحقق ہوتا ہے اور اختیار قدرت کے ساتھ حاصل ہوتا ہے، قدرت کے بغیر اختیار نہیں ہوسکتا۔

❀❀❀

شفعہ کے لیے طلبِ مواثبت کی ضرورت

سوال نمبر(184):

ایک شخص نے ایک قطعۂ زمین فروخت کیا۔ حق شفعہ رکھنے والے چند بھائی تھے۔ بعض بھائیوں نے رقم نہ ہونے کی وجہ سے شفعہ سے برأت کا اظہار کیا، دیگر بھائی کراچی میں رہائش پذیر تھے۔ دو دفعہ پشاور آئے، لیکن علم کے باوجود شفعہ نہیں کیا۔ اب آٹھ سال کے بعد شفعہ کرتے ہیں۔ کیا باوجود علم کے اتنی مدت بعد شفعہ کا دعویٰ شرعاً معتبر ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

واضح رہے کہ طلبِ شفعہ کے لیے طلبِ مواثبت ضروری ہے اور وہ اس طرح کہ جیسے ہی اس کو بیع پر آگاہی ہو، اُسی مجلس میں شفعہ طلب کرے۔ چنانچہ اگر شفیع کو بیع کا علم ہوا اور اس نے شفعہ طلب نہ کیا تو شفعہ باطل ہو جائے گا۔ مسئولہ صورت میں کسی شرعی مانع نہ ہونے کے باوجود آٹھ سال کے بعد طلبِ شفعہ کا دعویٰ شرعاً معتبر نہیں۔

والدّلیل علی ذلک:

لو بلغ الشفیع البیع، ولم یطلب شفعته، بطلت الشفعة لقوله علیه الصلوٰة والسلام :"الشفعة لمن واثبها". (۱)

ترجمہ: اگر شفیع کو بیع کی خبر پہنچی اور شفعہ طلب نہیں کیا تو شفعہ باطل ہوا، کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ "شفعہ اس کے لیے ہے جس نے مواثبت کی۔"

(۱) الهداية، کتاب الشفعة، باب طلب الشفعة: ۳۹۵/۴

شفیع کا کسی چیز کے عوض دستبردار ہونا

سوال نمبر(185):

ایک شخص نے پلاٹ خریدا،اس کے بھائی نے شفعہ کا دعویٰ کیا،اس شخص نے بھائی سے کہا کہ تم اس زمین میں اپنے شفعہ سے دستبردار ہو جاؤ، میں اس کے عوض تمہیں کسی اور جگہ پلاٹ خرید کر دے دوں گا اور خرید ابھی،لیکن زمین متنازعہ نکلی۔اس نے بھائی سے کہا اگر زمین کا تنازعہ پایہ ثبوت تک پہنچا تو میں ذمہ دار ہوں۔پھر واقعی زمین متنازعہ ثابت ہوئی۔اب بھائی پھر شفعہ کا دعویٰ بدستور کر رہا ہے سوال یہ ہے کہ:

(۱).....کیا بھائی، بھائی سے حق شفعہ کا مطالبہ کر سکتا ہے؟

(۲).....کیا اس صورت میں اس شخص کا پلاٹ کی ذمہ داری نبھانا ضروری ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

اگر شفعہ کا کوئی سبب شرکت یا جوار پایا جاتا ہو تو بھائی کو بھائی پر شفعہ کا حق حاصل ہے،البتہ شرکت یا جوار نہ ہونے کی صورت میں محض بھائی ہونے کی بنا پر شفعہ کا دعویٰ درست نہیں۔

صورتِ مسئولہ میں جب شفیع پلاٹ کے عوض حق شفعہ سے دستبردار ہوا تو اُس کا حقِ شفعہ ختم ہوا اور پلاٹ لینے کا حق نہیں رکھتا۔

والدّلیل علی ذلك:

وإن صالح من شفعته علی عوض بطلت شفعته ورد العوض.(۱)

ترجمہ:

اگر کسی نے حق شفعہ سے کسی عوض کے بدلے مصالحت کی تو اس کا حق شفعہ باطل ہو جائے گا اور یہ عوض واپس کرے گا۔



(۱) الهداية، كتاب الشفعة، باب مايبطل به الشفعة: ٤٠٧/٤

غائب کا حقِ شفعہ

سوال نمبر(186):

ایک شخص نے دو سال پہلے کچھ زمین خریدی۔شفعا، دو بھائی تھے، ایک بھائی غائب تھا، حاضر بھائی اپنے حق سے دستبردار رہوا، اب چھوٹا بھائی سعودی عرب سے آکر شفعہ کا دعویٰ کرتا ہے۔کیا اس کو شفعہ کا حق شرعاً حاصل ہے؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

ایک شفیع کا اپنا حق ساقط کرنے سے دوسرے شفیع کا حق ساقط نہیں ہوتا، بلکہ غائب شخص کو جب علم ہو جائے، تو اس کو شفعہ کا حق حاصل رہتا ہے۔لہٰذا مسئولہ صورت میں چھوٹے بھائی کا حق شفعہ بحال ہے، بشرطیکہ اُسے بیع کی خبر اب تک نہ ملی ہو یا ملی ہو اور اس نے طلب مواثبت کیا ہو۔

والدّلیل علی ذلک:

إن أسقط أحد الشفعاء حقه قبل حکم الحاکم، فللشفیع الآخر أن یأخذ کل العقار المشفوع.(۱)

ترجمہ: اگر حاکم کے فیصلہ سے پہلے شفعا میں سے ایک شفیع اپنا حق ساقط کردے تو دوسرے شفیع کا حق ہے کہ وہ ساری مشفوع زمین کو لے لے۔

❁❁❁

تبادلۂ جائیداد کی صورت میں حقِ شفعہ کا ثبوت

سوال نمبر(187):

دو آدمیوں کے درمیان زمین کا تبادلہ ہوا، کیا اس تبادلہ کی وجہ سے شفعا کو حق شفعہ حاصل ہوتا ہے؟

بینوا تؤجروا

(۱) شرح المجلۃ لسلیم رستم باز،الکتاب السابع في الحجر والإکراہ والشفعۃ :المادۃ:۱۰۴۳،ص/۵۸۹

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

اصولِ شرعیہ اور قواعدِ فقہیہ کے مطابق زمین کا زمین کے عوض تبادلہ جائز ہے۔ اگر یوں تبادلہ ہوجائے تو طرفین کے شفعاء کو حقِ شفعہ حاصل رہتا ہے۔ استحقاقِ شفعہ کے بعد ہر شفیع اُس زمین کی قیمت ادا کرنے سے اُسے حاصل کرسکتا ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

وإن باع عقارا بعقار أخذ الشفیع کل واحد منهما بقیمة الآخر؛لأنه بدله، وهو من ذوات القیم فیأخذه بقیمته .(۱)

ترجمہ: اور اگر زمین کو زمین کے عوض فروخت کیا تو شفیع اس میں سے ہر ایک کو دوسرے کی قیمت سے لے گا، کیونکہ اس میں ہر ایک دوسرے کا بدل ہے اور زمین ذوات القیم میں سے ہے، اس لیے شفیع اس کی قیمت سے لے لے گا۔

۞۞۞

مشفوعہ زمین میں شفیع کے لیے قیمت کا تعین

سوال نمبر(188):

ایک قطعۂ زمین دوسال پہلے فروخت ہوا تھا جس دوران شفیع نے حقِ شفعہ کا مطالبہ کرنا چاہا تو بائع اور مشتری کے درمیان زمین کے بابت کچھ چپقلش پیدا ہوئی اور سات سال تک ان کے مابین مقدمہ چلتا رہا۔ آخرکار مشتری نے مقدمہ جیت لیا۔ اب سوال یہ ہے کہ شفیع حقِ شفعہ کی وجہ سے قیمتِ خرید پر مطالبہ کرے گا یا بائع شفیع سے موجودہ قیمت کے مطالبہ کا حق رکھتا ہے؟ بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

شفیع کو جب مشفوعہ زمین کی خبر پہنچے اور وہ بغیر کسی توقف کے شفعہ کا دعویٰ کرے تو شفعہ اس کے لیے اس قیمت پر ثابت ہوجاتا ہے جس قیمت کے عوض بائع نے مشتری پر زمین فروخت کی ہے۔ بائع شفیع سے حقِ شفعہ کی وجہ سے زمین حوالہ کرتے وقت موجودہ قیمت کا مطالبہ نہیں کرسکتا۔ لہٰذا مسئولہ صورت میں شفیع قیمتِ خرید پر مطالبہ کرسکتا ہے، موجودہ قیمت کا اعتبار نہیں۔

---

(۱) الهدایة، کتاب الشفعة، باب طلب الشفعة والخصومة فیها: ٤/ ٤٠٠

والدّليل على ذلك:

إنّ الثّمن لو كان مثليًا فعلى الشّفيع مثله، وإن كان قيميا فقيمته يوم الشّراء لاوقت الأخذ بالشّفعة.(١)

ترجمہ:

اگر ثمن مثلی ہوتو شفیع پراس کا مثل واجب ہے اور اگر ثمن قیمی چیز ہوتو خریداری والے دن کی قیمت معتبر ہے، نہ کہ اس دن کی قیمت جس دن شفعہ کے طور پر لے رہا ہے۔

❁❁❁

بالغ افراد کے اسقاط سے نابالغ کا حقِ شفعہ ساقط ہونا

سوال نمبر(189):

ایک زمین دس سال پہلے فروخت کی گئی ہے۔اس کے شفعاء میں سے بعض افراد بالغ اور بعض نابالغ یتیم بچے تھے۔ یہ سب آپس میں بھائی تھے۔ بڑے بھائیوں نے حق شفعہ چھوڑ دیا۔دس سال بعد نابالغ بھائی جب بالغ ہوئے تو کیا اب وہ اس زمین پر شفعہ کا حق رکھتے ہیں؟ وضاحت فرما کرممنون ہوں۔

بيّنوا توجروا

الجواب وبالله التوفيق:

جہاں کہیں زمین وغیرہ پر شفعہ کرنے والے بالغ اور نابالغ دونوں ہوں تو وہاں بالغ افراد کا قول معتبر ہوگا۔ لہٰذا اگر بالغ ولی بن کر نابالغ کے شفعہ کا مطالبہ ترک کردے تو بلوغ کے بعد اس کو شفعہ کرنے کا حق نہیں ہوتا۔

مسئولہ صورت میں جب بڑے بھائیوں نے جو درحقیقت چھوٹے بھائیوں کے ولی ہیں،شفعہ نہیں کیا تو اب چھوٹے بھائی بلوغ کے بعد مطالبہ کا حق نہیں رکھتے۔

والدّليل على ذلك:

يطلب حق الشفعة للمحجورين وليهم، وإن لم يطلب الولي حق شفعة الصغير فلاتبقى له صلاحيّة طلب الشفعة بعد البلوغ.(٢)

(١) شرح المجلة لسليم رستم باز،الكتاب السابع في الحجر والاكراه والشفعة :ص/٥٦١

(٢) شرح المجلة لخالد الاتاسي، المادة:١٠٣٥، ٣/٦١٩

ترجمہ:

محجور افراد (جن کو معاملات سے روکا گیا ہو) کے شفعہ کا مطالبہ ان کا ولی کرے گا۔ چنانچہ اگر بچے کے ولی نے اس کے حق شفعہ کا مطالبہ نہ کیا تو بلوغ کے بعد اس کو شفعہ کا حق باقی نہیں رہتا۔

❁❁❁

راستے میں شفعہ کا طریقہ کار

سوال نمبر(190):

ایک راستہ ہے جس کی ایک طرف مٹی کا ٹیلہ اور دوسری طرف کھیت ہے، راستے کے درمیان میں ایک طرف ندی بہہ رہی ہے اور باقی حصہ میں عام راستہ ہے جس پر طرفین کی عام آمدورفت ہے۔ کھیت کا مالک راستہ کی دوسری طرف مٹی کے ٹیلے پر شفعہ کا دعویٰ کرتا ہے۔ کیا اس کا اس زمین پر شفعہ کا حق بنتا ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰه التوفیق:

مبیع کے حقوق میں شرکت کی وجہ سے جہاں شریعت نے شفعہ کے استحقاق کو معتبر قرار دیا ہے اس سے طریقِ خاص اور شرب خاص مراد ہے۔ طریق خاص یہ ہے کہ راستہ آگے بند ہو۔ عام آمدورفت اس پر نہ ہو۔

مسئولہ صورت میں ذکر کردہ بیان سے واضح ہوتا ہے کہ راستہ عام ہے، جس پر عام آمدورفت ہو رہی ہے لہٰذا اس سے شفعہ کا استحقاق نہیں ہوتا۔

والدّلیل علی ذلک:

إذا بيعت أحد الدور التي لها باب على الطريق العام فليس لأصحاب الدور الأُخرى التي لها أبواب على الطريق العام حق الشفعة. (١)

ترجمہ:

اگر ایک ایسا مکان فروخت ہوا جس کا دروازہ شاہراہِ عام کی طرف ہو تو ان مکانات والوں کو شفعہ کا حق نہیں

---

(١) شرح المجلة لسليم رستم باز، كتاب الشفعة، الباب الثالث، الفصل الاول :المادة ١٠٠٨، ص/٥٦٤

جن کے دروازے اس شاہراہِ عام کی طرف ہیں۔

❁❁❁

اثباتِ شفعہ کے لیے زمین کی فروختگی پر گواہ کی ضرورت

سوال نمبر(191):

ایک شخص نے زمین خریدی۔ مشتری پر شفیع نے حق شفعہ کا دعویٰ کیا لیکن مشتری زمین خریدنے سے انکار کرتا ہے۔ شفیع نے جرگہ بٹھا کر سمجھایا، مگر وہ ایک نہیں مانتا۔ اب شفیع نے کیس کے لیے عدالت سے رجوع کیا لیکن شفیع کے پاس زمین کی فروختگی کے گواہ نہیں۔ اس مسئلہ کا شرعی حل کیا ہوگا؟

بيّنوا توجروا

الجواب وباللّٰه التوفيق:

جب شفعہ کا مقدمہ قاضی کی عدالت میں پیش ہو تو قاضی پہلے مشتری سے پوچھے گا کہ کیا اُس نے واقعی یہ متنازعہ زمین خریدی ہے یا نہیں۔ اگر وہ انکار کرے تو شفیع سے کہا جائے گا کہ زمین کی فروختگی پر گواہ پیش کرو، اگر شفیع کے پاس گواہ نہ ہوں تو پھر مشتری کو حلف دیا جائے گا کہ اُس نے یہ زمین نہیں خریدی ہے۔

مسئولہ صورت میں شفیع کا اثباتِ بیع پر گواہ پیش نہ کرنے کی صورت میں مشتری کو قسم دی جائے گی کہ اس نے یہ زمین نہیں خریدی، اگر مشتری قسم کھائے تو شفیع کا حق شفعہ ثابت نہ ہوگا

والدليل على ذلك:

(سأله القاضي)يعني المدعى عليه (هل ابتاع أم لا؟ فإن أنكر الابتياع، قيل للشفيع: أقم البينة)؛ لأن الشفعة لاتجب إلابعد ثبوت البيع، وثبوته بالحجة، (فإن عجز عنها استحلف المشتري بالله ماابتاع).(۱)

ترجمہ:

قاضی مدعیٰ علیہ (مشتری) سے پوچھے گا کہ اس نے خریدا ہے یا نہیں؟ اگر مشتری خریدنے سے انکار کردے تو شفیع سے کہا جائے گا کہ گواہ قائم کرو، کیونکہ ثبوتِ بیع کے بعد ہی شفعہ ثابت ہوتا ہے اور بیع کا ثبوت حجت

(۱) الهداية، كتاب الشفعة، باب طلب الشفعة: ٤/ ٣٩٧

سے ہوگا۔ اگر شفیع خریدنے پر گواہ قائم نہ کرسکے تو مشتری سے قسم لیا جائے گی کہ اس نے یہ خریدی نہیں۔

❁❁❁

وصیت کے ذریعے ملی ہوئی زمین پر شفعہ کا دعویٰ کرنا

سوال نمبر (192):

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص کو بطورِ وصیت کچھ زمین ملی، اب ایک شخص جو اس زمین کے پڑوس میں رہتا ہے، شفعہ کا دعویٰ کرتا ہے۔ کیا شرعاً ایسی زمین پر شفعہ کا دعویٰ درست ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

حقِ شفعہ کے ثبوت کے لیے یہ ضروری ہے کہ جس زمین پر شفیع شفعہ کا دعویٰ کرتا ہے، وہ کسی مالی معاوضہ سے حاصل کی گئی ہو، اگر زمین مالی معاوضہ سے نہیں بلکہ ہبہ، میراث یا وصیت کے ذریعے حاصل کی گئی ہو تو اس پر شفعہ کا دعویٰ کرنا شرعاً جائز نہیں۔ لہٰذا صورتِ مسئولہ میں جب مذکورہ شخص کو وہ زمین بطورِ وصیت ملی ہے تو شفیع کا دعویٰ شفعہ درست نہیں۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

(وأما شرائطها فأنواع) منها عقد المعاوضة وهو البيع، أوماهو بمعناه، فلاتجب الشفعة بماليس ببيع، ولا بمعنى البيع، حتى لاتجب بالهبة والصدقة والميراث والوصية .(١)

ترجمہ:

شفعہ کے شرائط کئی قسم کی ہیں۔ اُن میں سے ایک یہ ہے کہ زمین عقدِ معاوضہ سے حاصل کی گئی ہو، عقدِ معاوضہ بیع ہے یا جو بھی اس کے حکم میں ہو۔ چنانچہ جو زمین بیع سے حاصل نہ ہوئی ہو، اس پر شفعہ ثابت نہیں ہوتا۔ پس ہبہ، میراث، صدقہ اور وصیت سے ملی ہوئی زمین پر شفعہ ثابت نہیں ہوتا۔



---

(١) الفتاوی الہندیۃ، کتاب الشفعۃ، الباب الاول:٥/ ١٦٠

شفیع کا عقد پر رضامندی سے سقوطِ شفعہ

سوال نمبر(193):

ایک شخص اپنی زمین فروخت کرنا چاہتا تھا، اس نے شفیع سے کہا کہ تم خریدلو، اس نے کہا میں نہیں خریدتا، چنانچہ اس نے زمین کسی اور کے ہاتھ فروخت کی۔ اب کچھ دنوں بعد شفیع نے شفعہ کا دعویٰ کیا حالانکہ جب زمین فروخت ہو رہی تھی تو شفیع اس پر راضی تھا اور کسی قسم کا دعویٰ نہیں کیا تھا۔ کیا رضامندی کے باوجود شفیع حق شفعہ کا دعویٰ کرسکتا ہے؟ اور ایسا کرنا اس کے لیے جائز ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق :

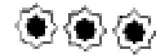
جب شفیع بائع اور مشتری کے مابین خرید وفروخت کو جانتے ہوئے صراحتاً یا دلالتاً اپنی رضامندی کا اظہار کرے تو شرعاً شفیع کا حق شفعہ ساقط ہو جاتا ہے، بشرطیکہ رضامندی مسلّم یا مبرہن ہو۔ ایسی صورت میں اگر شفیع قانون کا سہارا لے کر شفعہ کے شرائط کے فقدان کے باوجود دعویٰ کر کے زمین حاصل کرے تو بھی شرعاً وہ مستحسن اقدام نہیں۔

والدّلیل علی ذلك:

مايبطل به حق الشفعة بعد ثبوته في الأصل نوعان: اختياري وضروري، والاختياري نوعان: صريح ......ودلالة...... وصريح الإسقاط يستوي فيه العلم والجهل...... بخلاف الإسقاط من طريق الدلالة، فإنه لايسقط حقه ثمّة إلا بعد العلم بالبيع .(١)

ترجمہ:

حق شفعہ کے ثبوت کے باوجود جو اسباب اسے باطل کرتے ہیں۔ وہ دو ہیں: اختیاری اور ضروری۔ اختیاری بھی دو قسم پر ہیں: صراحتاً۔۔۔۔اور دلالتاً۔۔۔۔صراحتاً اسقاط میں علم اور جہل برابر ہیں، البتہ دلالتاً اسقاط میں بیع پر علم ہو جانے کے بعد حق شفعہ ساقط ہوتا ہے۔



(١) بدائع الصنائع، كتاب الشفعة، فصل فيمايبطل به حق الشفعة :٦/١٣٦، ١٣٧

حقِ شفعہ میں اتصال کی مقدار

سوال نمبر(194):

زید اپنی زمین فروخت کرتا ہے،اس کی زمین کے پڑوس میں دو متصل پڑوسیوں کی زمین ہے۔ایک پڑوسی کی زمین کا اتصال مشفوعہ زمین سے زیادہ ہے اور دوسرے پڑوسی کا کم ۔شرعاً اس مشفوعہ زمین پر شفعہ کا حق کس کو ہے؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

مذکورہ زمین کی خریداری میں دونوں شفعاء کو مساوی حق حاصل ہے،اگر چہ ایک پڑوسی کی زمین کا اتصال زیادہ اور دوسرے کا کم ہو۔اس سے حق شفعہ پر کچھ فرق نہیں پڑتا،لہٰذا مذکورہ زمین دونوں شفعاء کے درمیان نصف،نصف تقسیم ہوگی۔

والدّلیل علی ذلك:

وإذا اجتمع الشفعاء، فالشفعة بينهم على عدد رؤوسهم، ولا يعتبر اختلاف الأملاك.....ولنا أنهم استووا في سبب الاستحقاق، وهو الاتصال، فيستوون في الاستحقاق.(۱)

ترجمہ:

اور جب متعدد شفعاء جمع ہوں تو شفعہ ان کے مابین افراد کی تعداد کے اعتبار سے ہوگا،املاک کے اختلاف (زیادہ،کم ہونے) کا اعتبار نہیں کیا جائے گا......اس مسئلہ میں ہمارے لیے دلیل یہ ہے کہ سب استحقاق میں سب برابر ہیں،جو کہ اتصال ہے،لہٰذا استحقاق (یعنی شفعہ) میں بھی سب برابر ہوں گے۔



ہبہ کے ذریعے ملی ہوئی زمین پر شفعہ

سوال نمبر(195):

دو بھائیوں کے درمیان اس بات پر تنازعہ ہے کہ ایک بھائی کو کسی نے قطعۂ زمین بطور ہبہ دی اور اس کے

(۱) الهداية، كتاب الشفعة: ٤/ ٣٩٣

سامنے دوسرے بھائی کی زمین ہے، جس کی وجہ سے دوسرا بھائی شفعہ کا دعویٰ کرتا ہے۔ کیا شرعاً ہبہ کی صورت میں دی گئی زمین پر شفعہ کا دعویٰ کرنا درست ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

جو زمین بغیر کسی عوض کے ملے، شرعاً اس میں کسی کو شفعہ کا حق نہیں رہتا، جیسے ہبہ کی گئی زمین۔ تاہم اگر ہبہ کسی عوض کے بدلہ میں کیا گیا ہو تو قبضہ کرنے کے بعد شفیع کو اس پر شفعہ کا دعویٰ کرنے کا حق ہے۔

والدّلیل علی ذلك:

ولا شفعة في هبة لماذكرنا، إلاأن تكون بعوض مشروط.(۱)

ترجمہ: اور ہبہ میں (ملی ہوئی زمین پر) شفعہ کرنا جائز نہیں اُس دلیل کی بنیاد پر جو ہم نے پہلے ذکر کیا۔ البتہ اگر ہبہ کسی مشروط عوض کے بدلے میں ہو (تو پھر شفعہ کا حق حاصل ہوتا ہے۔)

❁❁❁

بھائیوں کو شفعہ کرنے کا حق

سوال نمبر(196):

تین بھائیوں کی زمینیں متصل واقع ہیں، اگرچہ ان کا کاروبار، آمد و خرچ، رہن سہن الگ تھلگ ہے۔ ان میں سے درمیان والے بھائی نے اپنی مملوکہ زمین کسی اجنبی کے ہاتھ فروخت کی۔ اس کے شمالی جانب جس بھائی کی زمین تھی اُس نے حقِ شفعہ سے دست برداری کا اعلان کیا۔ کیا اُس کی دست برداری سے دوسرے بھائی کے حقِ شفعہ پر اثر پڑتا ہے یا وہ دعویٰ شفعہ کا حق رکھتا ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

متعدد شفعا میں سے کسی ایک شفیع کے حقِ شفعہ سے دست برداری کی وجہ سے دیگر شفعا کے حق پر کچھ اثر نہیں پڑتا کیونکہ شفعہ میں ہر شفیع مستقل حق رکھتا ہے۔ قبل القضا ایک شفیع کے اسقاط سے دیگر شفعا شفعہ کے دعویٰ کا استحقاق رکھتے ہیں۔

(۱) الهداية، كتاب الشفعة، باب ماتجب فيه الشفعة ومالا: ۴/ ۴۰۵

مسئولہ صورت میں اتصالِ ملک کی وجہ سے دوسرا بھائی مستقل طور پر شفعہ کا حق دار ہے۔ ایک بھائی کے اسقاط سے دوسرے کا حقِ شفعہ متاثر نہیں ہوتا، لہٰذا وہ دعویٰ کرنے میں حق بجانب ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

إن أسقط أحد الشفعاء حقه قبل حكم الحاكم، فللشفيع الآخر أن يأخذ كل العقار المشفوع.(١)

ترجمہ:

اگر حاکم کے فیصلہ سے پہلے شفعا میں ایک شفیع اپنا حق ساقط کردے تو دوسرے شفیع کا حق ہے کہ وہ ساری مشفوع جائداد کو لے لے۔

❁❁❁

جارِ ملاصق نہ ہونے کی صورت میں شفعہ کا دعویٰ کرنا

سوال نمبر(197):

چار بھائیوں کی مشترکہ چار کنال کھیت ہے، جو عام راستہ پر واقع ہے۔ بڑا بھائی اپنا حصہ فروخت کرنا چاہتا ہے، اس کے حصہ کے ساتھ متصل جس بھائی کا حصہ ہے، وہ اس زمین کو لینا نہیں چاہتا۔ اس کے ساتھ متصل تیسرے اور چوتھے بھائی کی زمین ہے۔ یہ دو بھائی اس زمین کو شفعہ کے طور پر خریدنا چاہتے ہیں۔ کیا ان کا حق بنتا ہے کہ وہ اس زمین کو شفعہ کی بنیاد پر خرید لیں؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

اگر سب بھائی نفسِ مبیع میں شریک ہوں تو سب کو شفعہ کرنے کا حق حاصل ہے، اس صورت میں سب کو عدد رؤوس کے اعتبار سے حصہ ملے گا اور اگر نفسِ مبیع میں سب شریک نہیں تو پھر جو بھائی اس زمین کے حقوق پانی یا راستہ میں شریک ہو تو صرف اس کو حقِ شفعہ کے دعویٰ کا حق ہے، اگر سب حقِ مبیع میں شریک ہوں تو سب اس میں حق دار ہوں گے اور اگر نفسِ مبیع یا حقِ مبیع میں کسی کی شرکت نہیں تو اس صورت میں جارِ ملاصق کا حق بنتا ہے۔

(١) شرح المجلة لسليم رستم باز، الكتاب السابع في الحجر والاكراه والشفعة، المادة: ١٠٤٣، ص/٥٨٩

مسئولہ صورت سے معلوم ہوتا ہے کہ نفسِ مبیع میں بھائیوں کی شرکت نہیں بلکہ ان کی آپس میں تقسیم ہو چکی ہے۔عام راستہ پر ہونے کی وجہ سے راستہ میں بھی شرکت کا اعتبار نہیں۔لہٰذا اب صرف جس بھائی کی متصل زمین ہے وہ شفعہ کا حق رکھتا ہے، باقی بھائیوں کو حقِ شفعہ حاصل نہیں۔

والدّليل على ذلك:

أسباب الشفعة ثلاثة: الأوّل أن يكون مشاركا في نفس المبيع كاشتراك اثنين في عقار شائعا، الثاني أن يكون خليطا في حق المبيع كالاشتراك في حق الشرب الخاص والطريق الخاص...... الثالث أن يكون جارا ملاصقا للعقار المبيع لافاصل بين ملكه وبين المبيع إذلو كان بينهما طريق نافذ، فلاشفعة له.(١)

ترجمہ:

شفعہ کے اسباب تین ہیں: پہلا سبب یہ ہے کہ نفس مبیع میں شرکت ہو، جیسے: شائع زمین میں دو افراد کی شرکت، دوسرا سبب حقِ مبیع میں شرکت ہے جیسے خاص پانی اور خاص راستہ میں شرکت ہو، تیسرا سبب یہ ہے کہ مبیع زمین کے ساتھ ایسا پڑوس ہو کہ مبیع اور اس کے ملک میں کوئی فاصلہ نہ ہو۔اگر ان کے مابین کھلا راستہ ہو تو پھر اس کو بھی حقِ شفعہ حاصل نہیں۔

❁❁❁

شفعہ کی وجہ سے مشتری سے وصول کردہ مال خرچ کرنا

سوال نمبر(198):

زید نے ایک شخص سے دُکان خریدلی، بائع نے جملہ تصرفات کا حق زید کے حوالہ کر دیا، کچھ عرصہ بعد دُکان پر ایک شفیع نے شفعہ کا دعویٰ دائر کر کے حقِ شفعہ ثابت کر کے بائع کو قیمتِ دُکان دے کر دُکان پر قبضہ کیا۔اب بائع مشتری سے کہتا ہے کہ تیری رقم کیس پر خرچ کی وجہ سے ہلاک ہوگئی۔کیا مشتری کو رقم واپس کرنا ضروری ہے؟

بيّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

اگر مشتری کا بائع کو رقم دینا مبیع کے مالکانہ حقوق سپرد کرنے کے عوض ہو اور شفیع کی جیت کی وجہ سے دُکان کے

(١) شرح المجلة لسليم رستم باز، الكتاب السابع، الباب الثالث في الشفعة :المادة :١٠٠٨،ص/٥٦٣،٥٦٤

حوالہ کرنے میں ناکام رہا ہو تو بائع کے ذمہ مشتری کی رقم کی واپسی واجب ہے اور دکان جب شفیع کے قبضہ میں جا چکی ہے تو بائع کا مشتری کی رقم پر قبضہ جمانا غصب ہے۔لہٰذا بائع پر لازم ہے کہ جلد از جلد مشتری کو مال اس کو واپس کرے۔

والدلیل علی ذلک:

وإذا قضي له بالدّار، فللمشتري أن يحبسها حتى يستوفي الثمن. (١)

ترجمہ:

اور جب شفیع کے حق میں گھر کا فیصلہ ہو جائے تو مشتری کو چاہیے کہ ثمن قبضہ لینے تک مبیع قبضہ میں رکھے۔

❁❁❁

مشفوعہ زمین پر شفیع کی موت کے بعد ورثا کا دعویٰ شفعہ

سوال نمبر(199)

بائع اور مشتری کے مابین ایک قطعہ زمین کی خرید و فروخت کا دعویٰ چل رہا تھا۔مشتری بیع کا دعویٰ کرتا رہا اور بائع انکار۔اس دوران شفیع نے بھی شفعہ کا دعویٰ کیا، بائع اور مشتری کے مابین مقدمہ چلتا رہا،اس دوران شفیع فوت ہوا، اس کی موت کے بعد بالآخر مشتری کے حق میں فیصلہ ہوا۔کیا اب شفیع کے ورثا مشتری پر شفعہ کے دعویٰ کا حق رکھتے ہیں یا نہیں؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شفیع کی موت سے حقِ شفعہ بھی ختم ہو جاتا ہے،اس لیے اس کے ورثا اس کے حقدار نہیں کہ وہ مشتری پر شفعہ کا دعویٰ کریں۔تاہم اگر بائع اور مشتری کا بیع کے بارے میں اختلاف ہو اور شفیع اسی زمین پر شفعہ کرے اور اس دوران جب بائع اور مشتری کا فیصلہ نہیں ہوا کہ شفیع فوت ہو جائے اور جب فیصلہ مشتری کے حق میں ہو جائے تو ورثا شفعہ کا دعویٰ نہ کریں تو اُس سابقہ دعویٰ کی وجہ سے وہ مستحق نہیں۔البتہ اگر اس وقت ورثا دوبارہ شفعہ کا دعویٰ کریں تو چونکہ اب مرحوم شفیع کے مال کے مالک وہی ہیں اس لیے ان کا یہ دعویٰ قابلِ سماعت ہوگا۔

(١) الهداية، كتاب الشفعة، باب طلب الشفعة والخصومة فيها: ٣٩٧/٤

لہٰذا صورتِ مسئولہ میں اگر شفیع کی وفات کے بعد فیصلہ مشتری کے حق میں ہوگیا ہو اور ورثا نے شفعہ کا دعویٰ کیا ہو تو یہ ان کا استحقاق ہے اور اگر انہوں نے دوبارہ شفعہ کا دعویٰ نہیں کیا ہو تو ان کے شفعہ کا سابقہ دعویٰ اصل شفیع کی موت کی وجہ سے ختم ہو چکا ہے، لہٰذا اب انہیں شفعہ کا حق حاصل نہیں۔

والدّلیل علی ذلک:

إذامات الشفيع بطلت شفعته...... معناه إذامات بعد البيع قبل القضاء بالشفعة. (۱)

ترجمہ:

جب شفیع کا انتقال ہو جائے تو شفعہ باطل ہو جاتا ہے...... اس کا مطلب یہ ہے کہ جب بیع کے بعد اور شفعہ کا فیصلہ ہونے سے پہلے فوت ہو جائے۔

❁❁❁

غیر مسلم کا مسلمان کے خلاف شفعہ کا دعویٰ کرنا

سوال نمبر (200)

ہمارے گاؤں میں ایک عیسائی رہتا ہے اس کی زمین کے متصل مسلمان کی زمین ہے۔ اس نے اپنی زمین عیسائی ہمسایہ کے علاوہ کسی اور پر فروخت کی۔ اب عیسائی نے اس پر شفعہ کا دعویٰ کیا۔ پوچھنا یہ ہے کہ اسلام میں غیر مسلم کو ایک مسلمان پر حق شفعہ کا دعویٰ کرنے کا حق حاصل ہے یا نہیں؟ بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

واضح رہے کہ شفعہ کے لیے اسلام شرط نہیں۔ شریعتِ مطہرہ نے جس طرح ایک مسلمان کو شفعہ کا حق دیا ہے، اسی طرح غیر مسلم کو بھی یہ حق دیا ہے کہ وہ شرکت یا جوار کی وجہ سے کسی مسلمان یا غیر مسلم پر شفعہ کا دعویٰ کرے۔ لہٰذا مسئولہ صورت میں عیسائی کا مسلمان کی زمین پر شفعہ کا دعویٰ کرنا ازروئے شریعت درست ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

وأما إسلام الشفيع فليس بشرط لوجوب الشفعة، فتجب لأهل الذمة فيما بينهم، وللذمي على

---

(۱) الهداية، كتاب الشفعة، باب مايبطل به الشفعة: ٤٠٧/٤

المسلم ؛لأن هذا حق التملك على المشتري بمنزلة الشراء منه، والكافر والمسلم في ذلك سواء؛ لأنه من الأمور الدنيوية.(١)

ترجمہ: شفعہ کے وجوب کے لیے شفیع کا اسلام شرط نہیں ہے،لہٰذا اہل ذمہ کا اپنے مابین اور ذمی کا مسلمان کے خلاف حق شفعہ ثابت ہے، کیونکہ یہ مشتری پر اپنی ملکیت ثابت کرنے کا حق ہے، گویا کہ مشتری سے خریدنا ہے۔اور کافر اور مسلمان اس میں برابر ہیں کیونکہ یہ دنیاوی امور میں سے ہے۔

❁❁❁

اصل قیمت معلوم ہونے پر استحقاقِ شفعہ

سوال نمبر(201):

ایک شخص نے اپنی زمین فروخت کرنی چاہی،معلوم ہونے پر شفیع نے رابطہ کیا تو بائع نے اس کو مہنگے داموں فروخت کرنے کا کہا، جس پر شفیع نے شفعہ سے انکار کیا۔بعد میں معلوم ہوا کہ مالکِ جائیداد نے مشتری کو کم داموں میں زمین فروخت کی ہے۔کیا اب شفیع شفعہ کا دعویٰ کرسکتا ہے؟ بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شرعی عذر کے بغیر شفیع شفعہ سے انکار کرے تو اس کا حق ساقط ہوجاتا ہے،البتہ اگر شفیع کو کوئی معقول اور شرعی عذر پیش ہو یا بائع شفیع کو زیادہ قیمت بتا کر مشتری کو کم داموں میں فروخت کرے تو علم ہوجانے پر دوبارہ شفعہ کا دعویٰ کرنا شرعاً صحیح رہے گا۔ایسی صورت میں پہلی دفعہ انکار کی وجہ سے حق شفعہ باطل نہ ہوگا۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

قيل للشفيع أنها بيعت بألف، فسلم، ثم علم أنها بيعت بأقل ...... فله الشفعة.(٢)

ترجمہ: شفیع کو یہ بتایا گیا کہ (مشفوعہ زمین) ایک ہزار روپے کے عوض فروخت ہوئی ہے،پس شفیع نے (مشتری کا خریدنا) تسلیم کردیا،لیکن اس کے بعد یہ معلوم ہوا کہ وہ مشفوعہ جگہ ایک ہزار سے کم قیمت پر فروخت ہوئی ہے۔۔۔۔تو شفیع کو شفعہ کا حق حاصل ہے۔

---

(١) بدائع الصنائع، كتاب الشفعة،فصل في شرائط وجوب الشفعة: ١٢٦/٦

(٢) تنويرالابصار مع الدرالمختار على صدررد المحتار، كتاب الشفعة، باب مايبطلها: ٣٥٢/٩

کتابُ الرھن

(مباحثِ ابتدائیہ)

تعارف اور حکمتِ مشروعیت:

مخلوق ہونے کے ناطے انسان کے لیے یہ بات کسی طرح بھی ممکن نہیں کہ وہ دنیا میں رہتے ہوئے اپنی جملہ ضروریات خود پوری کرسکے، بلکہ اس کو بحالتِ احتیاج واضطرار یا بحالتِ سفر ضرور مالی معاملات میں قرض لین دین کی ضرورت پڑتی ہے۔اسی وجہ سے شریعت نے مالی معاملات میں اس کے لیے قرض لین دین کی سہولت دے رکھی ہے، تاہم اس شرعی حکم اور سہولت کو مزید مستحکم اور فعال بنانے کے لیے اس پر کئی پابندیاں لگادی ہیں، تاکہ مدیون دائن کا حق ہڑپ نہ کرجائے۔

شریعت نے دَین کی ادائیگی کو یقینی بنانے کے لیے جس طرح باہمی رضامندی سے کفالت اور کسی پر دین حوالہ کرنے کی اجازت دی ہے، اسی طرح مدیون کے مال کو دائن کے پاس بطورِ وثیقہ اور رہن رکھنے کو بھی مشروع قرار دیا ہے تاکہ ایک طرف مدیون اپنا مال چھڑانے کی خاطر سعی وکوشش کرتے ہوئے خود اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کی محنت کرے اور دوسری طرف دَین کی ادائیگی سے ناامید ہوکر دائن اپنے حق کو اس رہن سے وصول کرسکے۔(۱)

رہن کی لغوی تعریف:

رہن کا لغوی معنی ہے"کسی چیز کو کسی بھی سبب سے محبوس اور روکے رکھنا"۔

قرآن کریم میں ہے:

﴿كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ﴾(۲)

اسی طرح ثبوت اور دوام کے معنی میں بھی اس کا استعمال ہوتا ہے۔کہا جاتا ہے"الماء الراھن"یعنی کھڑا ہوا پانی اور"نعمة راھنة"بمعنی دائمی نعمت۔اس کے جمع"رھان"اور"رھون"آتی ہے۔(۳)

---

(۱) الهداية مع فتح القدير، كتاب الرهن:۹/۶٤، درر الحكام شرح مجلة الاحكام، الباب الخامس في الرهن:۲/۶۲

(۲) المدثر:۳۸

(۳) لسان العرب، مادة رهن:۵/۳٤۸، الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الرهن:۱۰/۶۸

رہن کی اصطلاحی تعریف:

"جعل الشيء محبوسا بحق يمكن استيفاءه من الرهن".

کسی حق کی وجہ سے کسی ایسی چیز کو روکے رکھنا، جس کے ذریعے اس حق کو وصول کرنا ممکن ہو، رہن کہلاتا ہے۔(۱)

کتاب الرہن سے متعلقہ اصطلاحات:

(۱) رہن............: کسی حق کی وجہ سے کوئی چیز روکے رکھنا، تاکہ اس چیز سے اس حق کو وصول کیا جاسکے۔ رہن کا اطلاق اکثر مرہونہ چیز پر بھی ہوتا ہے۔

(۲) مرہون............: بطور رہن لی جانے والی چیز

(۳) ارتہان............: رہن لینا، رہن وصول کرنا

(۴) راہن............: رہن دینے والا، یعنی مدیون

(۵) مرتہن............: رہن لینے والا، یعنی قرض دہندہ اور دائن

(۶) مرہون بہ............: وہ دَین جس کے مقابلے میں رہن رکھا جاتا ہے

(۷) عدل............: وہ شخص جس کو امین بنا کر اس کے پاس رہن رکھا جائے، چاہے راہن اور مرتہن کی باہمی رضامندی سے ہو یا نزاع کی صورت میں قاضی کی طرف سے ہو۔(۲)

رہن سے ملتی جلتی اصطلاحات:

(۱) کفالت............: دَین وصول کرنے کے لیے دائن اور مدیون کی باہمی رضامندی سے کسی اور شخص کو اس دَین کا ذمہ دار بنانا، تاکہ دائن مدیون کے ساتھ ساتھ اس سے بھی ادائیگی کا مطالبہ کر سکے۔ کفالت کسی نفس، یعنی انسان کے ذریعے توثیق دَین کا ذریعہ ہے، جب کہ رہن کسی مالی چیز کے ذریعے دَین کی پختگی کا نام ہے۔(۳)

(۲) حوالہ............: دائن اور مدیون کی رضامندی سے قرض کی ادائیگی اور مطالبہ قرض کو مدیون سے منتقل کر کے کسی اور

---

(۱) الهداية مع فتح القدير، كتاب الرهن: ۹/ ٦٤

(۲) درر الحكام شرح مجلة الأحكام، الباب الخامس في الرهن، مادة (۷۰۲ـ۷۰۵): ۲/ ۷٤

(۳) الموسوعة الفقهية، مادة رهن: ۲۳/ ۱۷٦

پر ذمہ دینا حوالہ کہلاتا ہے۔حوالہ اور رہن میں وہی فرق ہے جو کفالہ اور رہن میں ذکر ہو چکا۔(۱)

رہن کی مشروعیت:

رہن کی مشروعیت قرآن کریم، حدیث نبوی، اجماع اور قیاس چاروں سے ہے۔ارشادِ ربانی ہے:

﴿وإن كنتم على سفر ولم تجدوا كاتبا فرهان مقبوضة﴾(۲)

ترجمہ: اگر تم سفر میں ہو اور کوئی لکھنے والا نہ ملے تو کوئی چیز بطورِ رہن قبضہ میں دے دو۔

اسی طرح خود آپ ﷺ نے ایک یہودی سے کھانا خریدا اور اپنا زرہ بطورِ رہن اس کے پاس رکھا۔(۳)

آپ ﷺ سے لے کر آج تک امت کا اس کے جواز پر اجماع و اتفاق بھی ہے۔(۴)

رہن کے ارکان:

رہن کا رکن ایجاب وقبول ہے، یعنی مدیون رہن کی پیش کش کرے اور دائن اس کو قبول کرے۔فقہا کے راجح قول کے مطابق قبول بھی رہن کا باقاعدہ رکن ہے۔رہن بھی ہبہ کی طرح قبضہ کرنے سے تام اور مکمل ہو جاتا ہے۔(۵)

رہن کا حکم:

رہن ایک مباح عقد ہے، اس کے وجوب کا کوئی قائل نہیں، اس لیے کہ قرآن کریم کی آیت میں اس کا حکم استحبابی ہے، وجوبی نہیں۔دوسری بات یہ ہے کہ رہن کو ﴿وَلَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا﴾ سے معلق کیا ہے، اور کتابت بذاتِ خود واجب نہیں، لہٰذا رہن بھی ایک مباح اور مستحب امر ہے۔(۶)

رہن کی صحت کے لیے شرائط:

یہ شرائط چار قسم کی ہیں:

(۱) خود رہن سے متعلق

---

(۱) البحر الرائق على صدر رد المحتار، كتاب الحوالة: ۳/۸

(۲) البقرة: ۲۸۳　(۳) الصحيح للبخاري، باب الرهن، باب من رهن درعه: ۳٤۱/۱

(٤) الهداية مع فتح القدير، كتاب الرهن: ۶۵/۹، المغني، كتاب الرهن: ۳۹۷/٤

(۵) الهداية مع فتح القدير، كتاب الرهن: ۶۶/۹، درر الحكام، كتاب الرهن، الباب الأول: ۷۸/۲

(۶) المغني، كتاب الرهن، مسئلة نمبر (۳۳۷۳): ۳۹۸/٤

(۲) رہن رکھنے والے اور لینے والے دونوں سے متعلق

(۳) رہن رکھی جانے والی چیز سے متعلق

(۴) مرہون بہ، یعنی اس دَین سے متعلق جس کے مقابلے میں رہن رکھا جاتا ہے

نفسِ رہن سے متعلق شرط:

رہن کا معاملہ کرتے وقت ضروری ہے کہ اس کو کسی شرط سے مشروط نہ کیا جائے اور نہ کسی آنے والے وقت سے اس کو معلق کیا جائے۔ شرط سے مراد ایسی شرط ہے جو معاملۂ رہن کے تقاضوں اور مقاصد کے خلاف ہو، مثلاً یہ کہ مالِ مرہون کی قیمت سے صاحبِ دین اپنا حق وصول نہیں کرے گا یا یہ کہ مالِ مرہون راہن کے پاس رہے گا یا یہ کہ مرتہن اس سے فائدہ اٹھائے گا؛ ان تمام صورتوں میں امام صاحب کے ہاں رہن باطل ہو جائے گا۔(۱)

فریقین (راہن اور مرتہن) سے متعلق شرط:

دونوں صاحبِ عقل ہوں البتہ بالغ ہونا، آزاد ہونا یا کسی ایک یا دونوں کا سفر میں ہونا ضروری نہیں۔(۲)

مالِ رہن سے متعلق شرط:

رہن میں رکھی جانی والی چیز ایسی ہو جس کی خرید و فروخت درست ہو، یعنی مال متقوم ہو، عقد کے وقت موجود ہو، معلوم اور مقدور التسلیم ہو اور مباحاتِ اصلیہ میں سے نہ ہو۔ فقہا کے ہاں اس کے لیے اصول یہ ہے کہ:

"مایجوز بیعه یجوز رهنه ومالا یجوز بیعه لا یجوز رهنه"

البتہ اس قاعدے سے درج ذیل اشیا مستثنیٰ ہیں:

(۱)......مشاع، یعنی غیر تقسیم شدہ چیز (۲)......راہن کے حق کے ساتھ مشغول چیز

(۳)......کسی اور چیز کو مشغول کرنے والی متصل چیز، جیسے: صرف عمارت یا پھل و کھیتی

مذکورہ تینوں کو رہن رکھنا حنفیہ کے ہاں جائز نہیں، اس لیے کہ رہن کے لزوم کے لیے قبضہ شرط ہے اور ان اشیا پر قبضہ کرنا ممکن نہیں۔(۳)

---

(۱) بدائع الصنائع، کتاب الرهن، فصل في تفصيل الشرائط: ۸/۱۳۹، الشرح الكبير على المغني، کتاب الرهن: ۴/۴۵۵_۴۵۷۔ (۲) بدائع الصنائع، کتاب الرهن، فصل في تفصيل شرائطه: ۸/۱۳۹_۱۴۱

(۳) الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الرهن، باب مایجوز ارتهانه ومالا یجوز: ۱۰/۱۰۰_۱۰۲، بدائع الصنائع، کتاب الرهن، فصل في تفصيل شرائطه: ۸/۱۵۱، ۱۵۷، ۱۵۹

یہ ضروری نہیں کہ مالِ مرہون راہن کی اپنی ملکیت ہو۔بحیثیتِ ولی باپ اپنے بچے کا مال بھی رہن رکھ سکتا ہے۔اسی طرح عاریت پر لی گئی چیز بھی رہن رکھی جاسکتی ہے،البتہ جس سے وہ چیز لی جارہی ہے،اس کی اجازت اور اس کی طرف سے عائد کردہ شرائط کی رعایت راہن پر لازم ہوگی۔(۱)

مشاع اور غیر تقسیم شدہ چیز کو رہن رکھنا حنفیہ کے ہاں درست نہیں، چاہے وہ چیز ابتدا ہی سے مشاع ہو یا بعد میں شیوع طاری ہوجائے۔(۲)

مرہون بہ یعنی دَین سے متعلق شرائط اور ضروری احکام:

پہلی شرط:......

(۱) جس چیز کے بدلے رہن رکھا جاتا ہے وہ فی الحال مضمون ہو،یعنی اس کا مثل یا اس کی قیمت ادا کرنی واجب ہو، لہٰذا جو چیز فی الحال مضمون نہ ہو،اس کے بدلے رہن رکھنا درست نہیں،مثلاً:بائع کوئی چیز فروخت کرکے مشتری کے سپرد کرے اور ثمن لے لے،پھر مشتری کو اس مبیع میں کسی کے استحقاق کا خوف پیدا ہوجائے اور وہ مذکورہ ثمن کے بدلے کوئی چیز بائع سے رہن لے لے تو یہ درست نہیں۔(۳)

فی الحال مضمون اشیا کی وضاحت یہ ہے کہ راہن کے ذمے یا تو دَین باقی ہو، جیسے:قرض،سامان کی قیمت، مہر،مغصوبہ اشیا کی قیمت وغیرہ؛غرض دَین جس قسم کا بھی ہو،اس کے بدلے رہن رکھا جاسکتا ہے۔اور اگر راہن کے ذمے جو چیز ہو وہ عین کے قبیل سے ہو تو اس عین کی پھر تین صورتیں ہیں:

(۱)......ایک وہ عین ہے جس کا کوئی ضمان واجب نہیں ہوتا،جیسے جملہ امانات،مثلاً:ودیعت،عاریت،مالِ مضاربت،بضاعت،شرکت وغیرہ؛ان تمام امانات کے بدلے رہن رکھنا جائز نہیں،اس لیے کہ یہ امانات تو سرے سے قابلِ ضمان ہی نہیں تو رہن رکھنے کا فائدہ بھی نہیں۔

(۲)......اگر عین قابلِ ضمان ہو تو اس کی بھی دو صورتیں ہیں:ایک وہ عین ہے جو بذاتِ خود مضمون اور قابلِ ضمان ہو،یعنی ہلاک ہونے کی صورت میں اگر اس کا مثل ہو تو مثل کا ضمان واجب ہوگا اور اگر مثل نہ ہو تو قیمت واجب ہوگی،جیسے غاصب کے ہاتھ میں مقبوضہ چیز،شوہر کے ہاتھ میں اپنی بیوی کا مہر اور عورت کے ہاں خلع کا بدل وغیرہ؛

(۱) بدائع الصنائع، کتاب الرھن، فصل في تفصیل شرائطه:۸/۱۴۱_۱۴۳

(۲) الدرالمختار مع ردالمحتار، کتاب الرھن،باب مایجوز ارتھانه و مالایجوز:۱۰/۹۷

(۳) بدائع الصنائع، کتاب الرھن، فصل في تفصیل شرائطه:۸/۱۷۰

اس صورت میں رہن رکھنا جائز ہے۔

(۳)......اور اگر عین اس قسم کا ہو کہ بذاتِ خود تو قابل ضمان نہ ہو، لیکن اس کے بدلے کوئی دوسری چیز لازم ہو جائے، جیسے بیع وشرا کا معاملہ کرنے کے بعد مبیع اب تک بائع کے ہاتھ میں ہو تو یہ بذاتِ خود تو قابل ضمان نہیں، البتہ اگر بائع کے پاس ہلاک ہوگیا تو اس کے بدلے مشتری سے ثمن ساقط ہو جائے گا۔ایسی مبیع کے بدلے ظاہر الروایہ اور مفتیٰ بہ قول کے مطابق رہن رکھنا درست ہے۔(۱)

......دوسری شرط:

مال مرہون سے اس حق کو وصول کرنا ممکن ہو۔ایسے حقوق جن کی وصولی مالِ مرہون سے ممکن نہ ہو تو ان میں رہن کا معاملہ درست نہیں، جیسے: قصاص، حقِ شفعہ وغیرہ کے بدلے رہن رکھنا جائز نہیں۔(۲)

رہن میں قبضہ کی حیثیت:

رہن کے لازم ہونے کے لیے مال مرہون پر مرتہن کا قبضہ کرنا ضروری ہے۔اگر غیر منقول اشیا ہوں تو بالاتفاق موانع قبضہ کو ہٹا کر مرہونہ چیز کو مرتہن کے قبضہ کے قابل بنا دینا قبضہ شمار ہوگا۔یہی بات منقولہ اشیا میں بھی کافی ہے اور فتویٰ بھی اس پر ہے۔(۳)

قبضہ درست ہونے کے لیے شرائط:

(۱)قبضہ راہن کی اجازت سے ہو، چاہے صراحتاً ہو یا دلالتاً

(۲)مالِ مرہون پر یا تو مرتہن خود قبضہ کرے یا اس کی طرف سے نائب بن کر کوئی دوسرا شخص بھی قبضہ کرسکتا ہے، جیسے باپ یا وصی بچے کی طرف سے قبضہ کرسکتے ہیں۔(۴)

یہ بات بھی درست ہے کہ راہن یا مرتہن دونوں باہمی رضامندی سے کسی تیسرے معتمد شخص کو متعین کریں کہ اس کے پاس مال مرہون رکھا جائے۔ایسی صورت میں مال مرہون اسی شخص کے پاس رہے گا، نہ راہن کو اس سے لینے کا

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الرھن، باب مایجوز ارتھانہ ومالا یجوز:۱۰/۱۰۲۔۱۰۶، بدائع الصنائع، کتاب الرھن، فصل في تفصیل شرائطہ:۸/۱۶۵۔۱۶۹

(۲) بدائع الصنائع، کتاب الرھن، فصل في تفصیل شرائطہ:۸/۱۷۲

(۳) الدر المختار مع رد المحتار:۱۰/۷۳، بدائع الصنائع، کتاب الرھن، فصل في تفصیل شرائطہ:۸/۱۶۰،۱۶۱

(٤) بدائع الصنائع، کتاب الرھن، فصل في تفصیل شرائطہ:۸/۱۵۸،۱۶۱

حق ہوگا اور نہ مرتہن کو۔اگر مال اس کے پاس ضائع ہوگیا تو مرتہن کے زیرِ قبضہ ضائع شدہ سمجھا جائے گا۔(۱)

رہن کے چند مخصوص احکام:

مال مرہون پر مرتہن کا قبضہ ہوجانے کے بعد اس پر مرتب ہونے والے چند اہم احکام درج ذیل ہیں:

(۱) مرتہن دَین کی مقررہ مدت یا دین کے وصول ہونے تک مال مرہون پر قبضہ رکھ کر اس کو اپنے پاس محبوس رکھ سکتا ہے۔(۲)

(۲) مقررہ مدت کی تکمیل پر مرتہن راہن سے اپنا حق وصول کرسکتا ہے، تاہم وہ اولاً راہن سے دَین کا مطالبہ کرے گا، اگر وہ ادا نہ کرے اور معاملہ طے کرتے وقت راہن نے اس کو بیچنے کا اختیار دیا تھا تو خود اس کو فروخت کر کے حق وصول کرے گا اور اگر اجازت نہ دی ہو تو قاضی سے رجوع کرے گا اور قاضی اسے قید میں ڈال دے گا، یہاں تک کہ وہ خود اس کو بیچ دے، تاہم صاحبین کے ہاں قاضی کو اس صورت میں خود بھی مرہونہ چیز بیچنے کا اختیار ہے، تاکہ مرتہن کا حق دیا جاسکے۔(۳)

(۳) اگر مرہونہ چیز خراب ہونے والی ہو تو مرتہن قاضی کی اجازت سے اس کو فروخت کرسکتا ہے، تاہم اس سے حاصل ہونے والی رقم اس کے پاس بطورِ رہن رہے گی۔(۴)

(۴) مرتہن پر واجب ہے کہ دَین ادا ہونے کے بعد راہن کو مالِ مرہون واپس کردے۔(۵)

(۵) مالِ مرہون کی حفاظت مرتہن کے ذمہ ہوگی اور حفاظت کے اخراجات بھی اس کو خود برداشت کرنے ہوں گے، البتہ جو چیزیں مالِ مرہون کی بقا اور مصلحت سے متعلق ہیں، جیسے: جانور کا چارا، باغ کی سیرابی وغیرہ تو یہ راہن کے ذمہ ہوں گے۔(۶)

---

(۱) الدرالمختارمع ردالمحتار، کتاب الرھن، باب الرھن یوضع علی ید عدل: ۱۰/۱۱۸، ۱۱۹

(۲) بدائع الصنائع، کتاب الرھن، فصل فی حکم الرھن: ۸/۱۷۳

(۳) بدائع الصنائع، کتاب الرھن، فصل فی حکم الرھن: ۸/۱۹۴، ۱۹۵

(٤) بدائع الصنائع، کتاب الرھن، فصل فی حکم الرھن: ۸/۱۹۳

(٥) بدائع الصنائع، کتاب الرھن، فصل فی حکم الرھن: ۸/۱۷۳

(٦) بدائع الصنائع، کتاب الرھن، فصل فی حکم الرھن: ۸/۱۹۹، الفتاوی الھندیة، کتاب الرھن، الباب الرابع فی نفقة الرھن: ٥/٤٥٤، ٤٥٥

(۶) مالِ مرہون اگرچہ راہن کی اپنی ملکیت ہوتی ہے، لیکن مرتہن کی اجازت کے بغیر وہ اس سے فائدہ نہیں اٹھاسکتا، چاہے سواری ہو یا رہائش ہو یا کوئی دیگر استعمال کی چیز ہو۔ اسی طرح مرتہن کی اجازت کے بغیر وہ اس کو فروخت بھی نہیں کرسکتا، البتہ اگر اس کی اجازت سے فروخت کردے تو اس کی قیمت رہن شمار ہوگی۔(۱)

(۷) خود مرتہن کے لیے بھی مالِ مرہون سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں۔ اگر مرتہن نے اس سے نفع اٹھایا اور بحالتِ استعمال مالِ مرہون ضائع ہوگیا تو وہ پوری قیمت کا ضامن ہوگا، کیونکہ اب اس کی حیثیت غاصب کی طرح ہے۔ اسی طرح وہ راہن کی اجازت کے بغیر اس کو فروخت بھی نہیں کرسکتا۔(۲)

البتہ اگر راہن نے خود مرتہن کو فائدہ اٹھانے کی اجازت دی ہو تو ایسی صورت میں حنفیہ کے تین اقوال ہیں: ایک جائز ہونے کا، دوسرا مطلقاً ناجائز ہونے کا، کیونکہ یہ دَین پر نفع حاصل کرنا ہے جو کہ سود ہے، تیسرا یہ کہ اگر معاملہ کرتے وقت نفع کی شرط لگادی ہو تو ناجائز ہے اور اگر شرط نہ لگائی ہو تو جائز ہے۔ علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ عرف میں لوگ دراہم بطورِ قرض اس لیے دیتے ہیں کہ رہن لے کر اس سے استفادہ کریں اور جو چیز معروف ومروج ہو، وہ مشروط کے حکم میں ہوتی ہے اور یہ وہ پہلو ہے جو مالِ رہن سے استفادہ کے ناجائز ہونے کو متعین کرتا ہے۔(۳)

(۸) اگر مالِ مرہون مرتہن کے پاس ضائع ہوجائے اور اس میں اس کی تعدی اور کوتاہی کو دخل نہ ہو تو فقہائے حنفیہ کے نزدیک مالِ مرہون اور واجب الاداء دَین میں جس کی قیمت کم ہو، مرتہن اس کا ذمہ دار ہوگا، مثلاً: دَین ایک ہزار روپے تھا اور مالِ مرہون کی قیمت بارہ سو روپے تھی تو سمجھا جائے گا کہ دَین ادا ہوگیا، دو سو روپے کی ذمہ داری مرتہن پر نہ ہوگی۔ یاد رہے کہ قیمت سے مراد یوم القبض کی قیمت ہے، یوم الہلاک کی قیمت کا اعتبار نہیں۔(۴)

---

(۱) بدائع الصنائع، کتاب الرهن، فصل في حكم الرهن: ۸/۱۷۷۔۱۸۲

(۲) بدائع الصنائع، کتاب الرهن، فصل في حكم الرهن: ۸/۱۸۳۔۱۹۰

(۳) الدرالمختار مع ردالمحتار، کتاب الرهن: ۱۰/۸۲، ۸۳

(٤) الدرالمختار مع ردالمحتار، کتاب الرهن: ۱۰/۷۳۔۸۰، بدائع الصنائع، کتاب الرهن، فصل شروط كون الرهن مضموناً عندالهلاك: ۸/۲۲۸ وفصل في مايتعلق بحال هلاك المرهون: ۸/۲۰۸

اور اگر مالِ مرہون کے ضائع ہونے میں مرتہن کی تعدی کو بھی دخل ہو تو اس کا مثل اور اگر مثلی چیز نہ ہو تو اس کی قیمت واجب ہوگی۔(۱)

(۹) مالِ مرہون میں ہونے والا ایسا اضافہ جو خود اسی سے پیدا ہو، رہن ہی میں شمار ہوگا اور اس سے بھی مرتہن کا حق متعلق ہوگا اور ایسا اضافہ جو خارجی طور پر حاصل ہوا ہو، جیسے اجرت و کرایہ یا زرعی پیداوار تو یہ خالص راہن کا حق ہوگا اور اس سے رہن کے احکام متعلق نہ ہوں گے۔(۲)

رہنِ فاسد کے احکام:

رہن کے صحیح ہونے کے لیے جو شرائط ذکر کی گئی ہیں، اگر ان میں سے کوئی بھی شرط مفقود ہو تو رہن فاسد ہو جاتا ہے، لہٰذا مرتہن کے لیے اب اس کو روکے رکھنے کا حق نہیں، بلکہ واپس کرنا واجب ہے۔ اگر اس نے واپس نہیں کیا اور راہن کے مطالبہ کے باوجود اسے نہیں دیا اور مالِ مرہون ضائع ہوگیا تو اس کو اس کا مثل یا اس کی قیمت واپس کرنی ہوگی، البتہ اگر مرتہن کی طرف سے واپسی میں کوئی رکاوٹ نہ ہو اور راہن نے مطالبہ بھی نہ کیا ہو تو ہلاک ہونے کی صورت میں امام کرخیؒ کے ہاں اس پر کوئی ضمان نہیں۔(۳)



---

(۱) بدائع الصنائع، کتاب الرهن، فصل شروط كون الرهن مضموناً عندالهلاك: ۸/۲۳٤

(۲) بدائع الصنائع، کتاب الرهن، فصل في حكم الرهن: ۸/۲۰۰-۲۰٤

(۳) بدائع الصنائع، کتاب الرهن، فصل شروط كون الرهن مضمونا: ۸/۲۳۵

کتاب الرّھن

(رہن کے مسائل)

مرہونہ مرتہن کو کرایہ پر دینا

سوال نمبر(202):

اگر راہن اپنا مکان ایک لاکھ روپے کے عوض کسی کے پاس رہن میں رکھے اور ماہانہ پانچ سو500 روپے کرایہ بھی لیتا رہے تو شرعاً یہ ایک لاکھ روپے بمع ماہانہ پانچ سو روپے کے لینا راہن کے لیے کیسا ہے؟ واضح رہے کہ اس مکان کا کرایہ مارکیٹ کے لحاظ سے کم از کم پانچ ہزار روپیہ ہے۔ بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

فقہائے کرام کی تصریحات کے مطابق راہن کی اجازت سے مرتہن مرہونہ کو اجارہ پر لے سکتا ہے اور اس صورت میں مرہونہ رہن کے حکم سے نکل کر اجارہ کے حکم میں داخل ہوگا تاہم اس میں مارکیٹ ریٹ کی رعایت ضروری ہے۔ ہمارے عرف اور رواج میں اس قسم کے معاملات اکثر مرتہن کے قرض کے بدلے میں طے ہوتے ہیں اور راہن مرتہن کے احسان سے مجبور ہو کر کم کرایہ پر مرہونہ سے انتفاع وغیرہ کی اجازت دیتا ہے اور یہ اجازت مجبوری کے تحت ہوتی ہے جس کا شرعاً کوئی اعتبار نہیں۔ فقہائے کرام نے تصریح کی ہے کہ مالک، یعنی راہن کی اجازت کے باوجود مرتہن کے لیے رہن سے نفع حاصل کرنا جائز نہیں۔

مسئولہ صورت میں راہن مرتہن کو مرہونہ مکان صرف پانچ سو روپیہ کرایہ پر نہیں دے سکتا، کیونکہ یہ مرہونہ سے انتفاع ہے جو شرعاً ممنوع ہے۔ اسی طرح یہ قرض کے عوض نفع حاصل کرنے کے زمرہ میں بھی داخل ہے، جو جائز نہیں۔

والدّلیل علی ذلك:

وعن عبد الله بن محمد بن أسلم السمرقندي وكان من كبار علماء سمرقند أنه لا يحلّ له أن ينتفع بشيء منه بوجه من الوجوه، وإن أذن له الراهن ؛ لأنه أذن له في الربا ؛ لأنه يستوفي دينه كاملا فتبقى له المنفعة فضلا فيكون ربا، وهذا أمر عظيم.(١)

(١) ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الرهن: ١٠/٨٣

ترجمہ: اور عبداللہ بن محمد بن اسلم سمرقندیؒ جو کہ سمرقند کے بڑے علما میں سے تھے، اُن سے منقول ہے کہ مرتہن کے لیے جائز نہیں کہ وہ مرہونہ سے کسی بھی طرح فائدہ حاصل کرے، اگر چہ راہن نے اس کو اجازت دی ہو، کیونکہ اُس نے سود کی اجازت دی ہے، کیونکہ وہ تو اپنا دین پورا وصول کرے گا، پس مرتہن کے لیے منفعت دین پر اضافہ ہو کر سود شمار ہوگا اور یہ بہت بڑا گناہ ہے۔

مرہونہ زمین کا استعمال

سوال نمبر(203):

کیا زمین زراعت کے لیے گروی پر دینا جائز ہے؟ ہمارے علاقے میں ایک عالم زمین کو رہن پر دینا جائز سمجھتا ہے اور دلیل میں علماءِ سمرقند و بخارا کے اقوال پیش کرتے ہیں۔ کیا اس طرح کی دلیل شریعت میں معتبر ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

ایسی زمین جو مشاع نہ ہو اور ایجاب وقبول کے بعد کسی کو رہن پر دی جائے تو جائز ہے، لیکن مرہونہ زمین سے مرتہن کے لیے نفع اُٹھانا اور آمدنی کھانا کسی بھی صورت میں جائز نہیں۔ فقہائے کرام نے اِسے سود قرار دیا ہے۔

لہٰذا مذکورہ معاملہ شرعاً درست نہیں اور نہ ہی مرتہن کے لیے زمین کی آمدنی لینا جائز ہے۔ اگر چہ بعض علاقوں میں راہن کی اجازت سے ہو۔ جہاں تک علمائے سمرقند کا تعلق ہے تو وہ بھی عدم جواز کے قائل ہیں۔

والدّلیل علی ذلک:

وعن عبد اللّٰه بن محمد بن أسلم السمرقندي وكان من كبار علماء سمرقند أنه لا يحل له أن ينتفع بشيء منه بوجه من الوجوه، وإن أذن له الراهن ؛ لأنه أذن له في الربا ؛لأنه يستوفي دينه كاملا فتبقى له المنفعة فضلا فيكون ربا، وهذا أمر عظيم .(۱)

ترجمہ: اور عبداللہ بن محمد بن اسلم سمرقندیؒ جو کہ سمرقند کے بڑے علما میں سے تھے، اُن سے منقول ہے کہ مرتہن کے لیے جائز نہیں کہ وہ مرہونہ سے کسی بھی طرح فائدہ حاصل کرے، اگر چہ راہن نے اس کو اجازت دی ہو، کیونکہ اُس نے سود کی اجازت دی ہے، کیونکہ وہ تو اپنا دین پورا وصول کرے گا، پس مرتہن کے لیے منفعت دین پر اضافہ ہو کر سود شمار ہوگا اور یہ بہت بڑا گناہ ہے۔

(۱) ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الرھن: ۸۳/۱۰

قرض کے بدلے تنخواہ گروی میں دینا

سوال نمبر(204):

ایک قبائلی شخص حکومت کا خاصہ دار ملازم ہے، ماہانہ تنخواہ دو ہزار پانچ سو 2500 روپے ہے، اسے گھر پر بغیر ڈیوٹی کیے ہوئے تنخواہ ملتی رہتی ہے۔ گورنمنٹ کی طرف سے یہی طریقہ کار ہے کہ بوقتِ ضرورت ڈیوٹی کریں گے، ورنہ گھر بیٹھے تنخواہ مل جاتی ہے اور یہ تمام قبائل کے لیے ہے۔ اس میں کوئی دھوکہ ہے نہ چوری۔

اب ذکر کردہ شخص زید کو یہی نوکری رہن میں دینا چاہتا ہے۔ وہ زید سے کہتا ہے کہ آپ مجھے ایک لاکھ پاکستانی روپے دے دیں، کیونکہ مجھے اشد ضرورت ہے اور اس کے بدلے میری نوکری (خاصہ داری) کو رہن میں رکھ دیں اور اس کی ماہانہ تنخواہ وصول کرتے رہیں، جب میں آپ کو مذکورہ رقم واپس کر دوں تم مجھے پھر اپنی نوکری واپس کر دو گے۔ زید کے لیے اس تنخواہ کا لینا کیسا ہے؟ جب کہ زید کی رقم مقروض کسی بھی وقت واپس کر سکتا ہے۔

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

مسئولہ صورت میں ایک لاکھ روپے قرض لے کر نوکری کو رہن کے نام سے رکھنا، اور ماہانہ تنخواہ قرض خواہ کو دینا، ایک سودی معاملہ ہے۔ ایسی صورت میں جب قرض دہندہ نوکری کی تنخواہ اس وقت تک وصول کرتا ہے جب تک اس کو رقم نہ ملے اور جب اس کو ایک لاکھ روپے کی ادائیگی ہو جائے تو یہ سلسلہ منقطع ہوگا۔ یوں اس کو ایک لاکھ روپے پر تنخواہ کی رقم اضافی ملے گی۔ یہ معاملہ سود کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ علاوہ ازیں یہ رہن بھی نہیں ہے، کیونکہ نوکری میں مرہونہ بننے کی صلاحیت نہیں۔ لہٰذا یہ محض سودی معاملہ ہے اس لیے سے اجتناب ضروری ہے۔

والدّلیل علی ذٰلک:

روي عن رسول اللہ ﷺ أنه نهى عن قرض جرّ نفعاً، ولأن الزيادة المشروطة تشبه الربا لأنها فضل لا يقابله عوض، والتحرز عن حقيقة الربا، وعن شبهة الربا واجب.(۱)

ترجمہ: روایت کیا گیا ہے کہ حضور ﷺ نے ایسے قرض سے منع فرمایا ہے جو نفع کھینچ لائے، کیونکہ ہر مشروط اضافہ ربا (سود) کے مشابہ ہے، کیونکہ ربا بلا عوض زیادتی کو کہتے ہیں اور حقیقت ربا اور شبہ ربا دونوں سے بچنا لازم ہے۔

(۱) بدائع الصنائع، کتاب القرض، فصل في الشروط: ۵۹۸/۱۰

مرہونہ جائیداد میں تعمیر کرنا

سوال نمبر(205):

میرے دادا مرحوم نے ڈیڑھ سوسال پہلے مبلغ دو ہزار چاندی کے سکوں کے عوض زمین رہن پر لی تھی۔جس میں بعض زمین قابلِ کاشت جب کہ بعض بنجر تھی۔دادا مرحوم نے قابلِ کاشت زمین واپس کی تھی اور غیر آباد کو میں نے مالکِ زمین کی اجازت سے آباد کیا اور اس نے کہا تھا کہ میں دوبارہ نہیں لوں گا تم اس کو آباد کرلو۔میں نے وہ زمین آباد کی۔اس پر دو مکان بھی بنائے اور ساتھ جنگل کی حفاظت بھی کی جو کہ بعد میں میری چوکیداری اور دیکھ بھال کی وجہ سے بڑا جنگل بن گیا۔اب مالک زمین مجھ سے وہ زمین واپس لینا چاہتا ہے۔تو کیا اس زمین کے آباد کرنے،مکانات بنانے اور جنگل کی حفاظت کی مزدوری مجھے از روئے شریعت مل سکتی ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شریعتِ مطہرہ کی رُو سے مملوکہ اراضی کا رہن میں رکھنا جائز ہے اور مرتہن کے لیے اس وقت تک اس کو قبضہ میں رکھنا جائز ہے جب تک راہن اپنا قرض ادا نہ کرے،لیکن رہن کی صورت میں مرتہن کے لیے اس سے فائدہ لینا جائز نہ ہوگا۔اسی وجہ سے فقہائے کرام نے لکھا ہے کہ اگر راہن نے مرتہن کو مرہونہ سے نفع اُٹھانے کی اجازت دی ہو،تب بھی مرتہن کے حق میں مکروہ ہے کہ وہ اس سے نفع حاصل کرے،تاہم اجازت کی صورت میں مرتہن پر ضمان نہیں آئے گا۔

مسئولہ صورت میں اگر مرتہن نے زمین کی آبادی اور جنگل کی حفاظت میں جسمانی مشقت کی ہو تو اس کی اجرت راہن سے وصول کرنا جائز نہیں،کیونکہ یہ منافع ہیں اور منافع کا معاوضہ باقاعدہ معاہدہ کے بغیر وصول نہیں کیا جاسکتا اور اگر مالی اخراجات کیے ہوں تو اس میں تفصیل یہ ہے کہ اگر مرتہن نے راہن کے حکم کے بغیر اپنی طرف سے کیے ہوں تو رجوع کا حق نہ ہوگا اور اگر راہن کے حکم سے مالی تصرفات کیے ہوں تو ایسی صورت میں مرتہن راہن سے اپنے کیے ہوئے اخراجات لے سکتا ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

وما یجب علی الراهن إذا أدّاه المرتهن بغیر إذنه فهو متطوع، و كذلك ما یجب علی المرتهن إذا أداه الراهن . ولو أنفق المرتهن ما یجب علی الراهن بأمر القاضي، أو بأمر صاحبه یرجع علیه،

وكذلك الراهن إذا أدى ما يجب على المرتهن بأمر القاضي أو بأمر صاحبه يرجع عليه. (۱)

ترجمہ: اور راہن پر جو چیز واجب ہو اگر مرتہن اس کی طرف سے اس کی اجازت کے بغیر اس کو ادا کرے تو وہ احسان کرنے والا ہوگا اور اسی طرح مرتہن پر جو چیز واجب ہو، راہن جب اس کو ادا کرے (تو بھی یہی حکم ہے) اور راہن پر جو چیز واجب ہو اگر مرتہن اس کو قاضی یا مالک کی اجازت کے ساتھ خرچ کرے تو وہ (مرتہن) بعد میں راہن پر رجوع کرے گا اور اسی طرح اگر راہن نے قاضی یا مالک کی اجازت کے ساتھ اس چیز کی ادائیگی کی ہو جو مرتہن پر واجب ہو تو وہ (راہن) مرتہن پر رجوع کرے گا۔

❁❁❁

مرہونہ کی اُجرت قرض سے منہا کرنا

سوال نمبر(206)

ایک آدمی دوسرے شخص سے اس شرط پر قرض لیتا ہے کہ وہ اپنی زمین اس کے ساتھ اجارہ کے طور پر گروی میں رکھ لے اور زمین کے اجارہ کی رقم قرض میں شمار ہوگی، مثلاً بیس ہزار 20,000 روپے قرض کے تھے تو ہر سال اجارہ کے پانچ ہزار روپے قرض میں ختم ہوتے رہیں گے۔ کیا شرعاً یہ اجارہ جائز ہے؟ یہ سود کی کوئی صورت تو نہیں؟

الجواب وباللہ التوفیق:

فقہائے کرام کی تصریحات کے مطابق کسی شرط کے بغیر راہن مرتہن کو مرہونہ اجارہ پر دے سکتا ہے، لیکن اس صورت میں مرہونہ چیز رہن کے حکم سے نکل کر اجارہ کے حکم میں آئے گی۔ عرف اور رواج میں اس قسم کے معاملات کو دیکھتے ہوئے اکثر مرتہن کو یہ موقع اس کے قرض کے بدلہ دیا جاتا ہے۔ راہن مرتہن کے احسان سے مجبور ہو کر مرہونہ سے انتفاع وغیرہ کی اجازت دیتا ہے جو کہ مجبوری کے تحت ہوتی ہے اس لیے اس کا کوئی اعتبار نہیں۔ چنانچہ فقہائے کرام نے تصریح کی ہے کہ مالک، یعنی راہن کی اجازت کے باوجود مرتہن کے لیے رہن سے انتفاع لینا جائز نہیں۔

پس مسئولہ صورت میں قرض دے کر زمین کو گروی پر رکھنے اور اجارہ پر لینے کی جو شرط لگائی جاتی ہے، مذکورہ تفصیل کے پیش نظر اگر یہ معاملہ مجبوری کے تحت کیا جارہا ہے تو جائز نہیں۔ تاہم اگر یہ رقم قرض کی بجائے پیشگی کرایہ ہو تو پھر جائز ہے۔

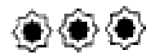
---

(۱) الفتاوى الهندية، كتاب الرهن، الباب الرابع في نفقة الرهن: ٥/٤٥٥

والدلیل علی ذلک:

(لا انتفاع به مطلقا) لا باستخدام ولا سکنی، ولا لبس، ولا إجارة، ولا إعارة سواء کان من مرتهن أو راهن (إلا بإذن) کل للآخر وقیل:لا یحل للمرتهن ؛لأنه ربا،وقیل إن شرطه کان ربا وإلا لا.(۱)

ترجمہ: اس (مرہونہ) سے حاصل کرنا مطلقاً صحیح نہیں۔خدمت لینا، رہائش اختیار کرنا، پہننا، اجارہ پر دینا یا کسی کو بطور رعایت کے دینا کوئی بھی جائز نہیں۔چاہے مرتہن کی جانب سے ہو یا راہن کی جانب سے۔مگر دوسرے کی اجازت کے ساتھ ہو تو جائز ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ مرتہن کے لیے تو حلال نہیں، کیوں کہ یہ سود ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اگر فائدہ لینا مشروط کیا ہو تو سود ہے، ورنہ نہیں۔



طویل مدت کی وجہ سے مرہونہ کا ملک سے نکلنا

سوال نمبر(207):

پاکستانی قانون کے مطابق مرہونہ زمین ساٹھ سال کے بعد زائد المیعاد ہو کر نا قابل واپسی ہوتی ہے یعنی راہن اگر زمین آزاد کرانا چاہے تو آزاد نہیں کرا سکتا اور مرتہن زمین کا مالک بن جاتا ہے۔ہمارے پاس ایک زمین ہے جو مرہونہ زائد المیعاد ہو کر ہمیں ملی ہے، یعنی یہ زمین زید کے پاس زائد المیعاد ہو چکی تھی۔پھر زید سے اس کے بیٹے عمرو کو وراثت میں اور عمرو سے اس کے بیٹے بکر کو وراثت میں ملی اور بکر سے اس کے بیٹوں کو ملی۔

پاکستانی قانون کے مطابق ہم مالک زمین ہیں، لیکن شریعت میں ہمارے لیے کیا حکم ہے؟ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ: اللہ اور رسول ﷺ اور حاکم کا حکم مانو، لہٰذا ملکی قانون کے مطابق یہ زمین ہماری ہے۔حکم شرعی سے آگاہ فرمائیں۔

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

رہن در حقیقت قرض کی ادائیگی کو یقینی بنانے کے لیے ایک وثیقہ ہے اس پر اگرچہ طویل زمانہ گزر جائے، مگر مرہونہ چیز بدستور اصل مالک ہی کی ملکیت ہوتی ہے تاوقتیکہ اسباب ملک میں سے کسی سبب کے ذریعہ مرہونہ چیز حاصل نہ کی جائے

(۱) ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الرھن: ۱۰/ ۸۲، ۸۳

مسئولہ صورت میں اگر مرہونہ زمین حکومتی قانون کی رُو سے زائد المیعاد ہو کر زید کو ملی ہو اور پھر اس سے منتقل ہو کر بطورِ وراثت اس کی اولاد کو ملی ہو اور باقاعدہ شرعی اصول کے مطابق ملکیت میں نہیں لائی گئی ہو تو ایسی صورت میں مذکورہ زمین بدستور راہن کی شمار ہوگی اور کسی دوسرے کے لیے اس سے فائدہ اُٹھانا جائز نہیں۔ رہی حاکم کی بات سو وہ اس وقت واجب العمل ہے جب حاکم کا حکم شرعی اصول سے متصادم نہ ہو، مذکورہ مسئلہ میں قانون چونکہ شریعت سے متصادم ہے، اس لیے قابلِ قبول نہیں۔

والدلیل علی ذلک:

عن أبي هريرة أنّ رسول الله ﷺ قال: "لايغلق الرهن"

قال المحشي: ... والمعنى أنه لا يستحقه المرتهن إذا لم يستفكه صاحبه و كان هذا من فعل الجاهلية أنّ الراهن إذا لم يؤدّ ما عليه في الوقت المعين ملك المرتهن الرهن فأبطله الإسلام. (۱)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''مرہونہ کو روکا نہ جائے۔'' محشی کہتے ہیں: اس کا مطلب یہ ہے کہ جب مالک رہن چھڑانے پر قادر نہ ہو تو مرتہن مرہونہ چیز کا مستحق نہیں بنتا۔ اور یہ جاہلیت کا طریقہ تھا کہ جب راہن معینہ وقت میں قرض ادا نہ کرتا تو مرتہن مرہونہ چیز کا مالک بن جاتا۔ اسلام نے اس طریقہ کو باطل کر دیا۔

❀❀❀

مدت معینہ تک رقم واپس نہ ہونے کی صورت میں رہن

سوال نمبر (208):

زید نے ۱۲-۸-۱۹۸۱ کو عمرو سے مبلغ دو لاکھ روپے کے عوض رہن پر زمین لی تھی اور معاہدہ میں یہ طے پایا تھا کہ زید ایک سال بعد بغیر عذر و حیلہ کے رقم واپس کر دے گا۔ اگر مذکورہ رقم مقرر میعاد تک ادا نہیں کی گئی تو زمین مندرجہ بالا شخص (زید) کے نام مذکورہ رقم کے عوض بیع قطعی متصور ہوگی۔

اب سوال یہ ہے کہ تحریر ۱۹۸۱ء میں ہوئی ہے۔ زید ۱۹۸۷ء میں فوت ہوا ہے، جب کہ عمرو ۱۹۹۷ء میں فوت ہوا ہے۔ اس نے اپنی زندگی میں رقم واپس کرنے کا ارادہ کیا نہ زمین کا مطالبہ کیا۔ اور ۱۹۸۱ء سے ہم اس میں کاشت کرتے چلے آرہے ہیں۔ اب ۲۰۰۱ء میں فرزندانِ عمرو نے ملکِ رہن کا دعویٰ کیا ہے۔ اس تحریر اور معاہدہ کی رُو سے کیا زمین

(۱) سنن ابن ماجة مع الحاشية، الرّهون، باب مايغلق الرّهن: ۱۷۶، قديمي كتب خانه

میری ملکیت ہے؟ برائے مہربانی شرعی حکم سے آگاہ کیا جائے۔

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

دورِ جاہلیت میں جب کوئی چیز رہن کے طور پر دی جاتی تھی تو رہن میں یہ شرط لگائی جاتی کہ اگر وقتِ مقررہ تک قرض ادا نہ کر سکے تو مرہونہ چیز مرتہن کی ملکیت سمجھی جائے گی۔ اسلام نے یہ رسم ختم کر ڈالی۔

چنانچہ مسئولہ صورت میں اگر واقعی زید نے دو لاکھ روپے کے عوض عمرو سے رہن کے طور پر زمین لی ہو اور معاہدہ کی رو سے یہ طے پایا ہو کہ ''اگر عمرو ایک سال کی مقررہ میعاد تک رقم واپس نہ کر سکا تو مذکورہ زمین درج بالا رقم میں بیع قطعی شمار ہوگی۔'' پھر عمرو نے اپنی زندگی میں رقم کی واپسی کا ارادہ کیا اور نہ ہی زمین کی واپسی کا مطالبہ کیا تو اب اگر اس کی وفات کے بعد اس کے بیٹوں نے دعویٰ رہن کیا ہو تو ایسی صورت میں شرعاً ان کا دعویٰ درست ہے، لہٰذا زید مرحوم کے فرزند زمین حوالہ کر کے ان سے اپنی رقم واپس لے لیں۔

والدلیل علی ذلک:

عن الزهري أن أهل الجاهلية كانوا يرتهنون ويشترطون على الراهن أنه إن لم يقض الدين إلى وقت كذا، فالرهن مملوك للمرتهن، فأبطل رسول اللهﷺ ذلك بقوله :"لا يغلق الرهن".(۱)

ترجمہ:

زہریؒ سے روایت ہے کہ اہلِ جاہلیت رہن کا معاملہ کرتے تھے اور راہن پر یہ شرط لگاتے کہ اگر اس نے قرض کو فلاں وقت تک ادا نہ کیا تو مرہونہ مرتہن کی ملک بن جائے گی۔ اللہ تعالیٰ کے رسول علیہ السلام نے اس معاملہ کو اپنے اس قول کے ساتھ باطل کیا کہ ''رہن کو بند نہیں کیا جائے گا'' (یعنی مرہونہ بہرحال راہن ہی کی ملک رہے گی)۔

❁❁❁

مرہونہ زمین سے انتفاع

سوال نمبر(209):

زید نے عمرو کے پاس ایک لاکھ روپے کے عوض اپنی زمین بطورِ رہن رکھی۔ اب عمرو کے لیے اس مرہونہ زمین

(۱) الكفاية على فتح القدير، كتاب الرهن:۹/۷۱

سے فائدہ حاصل کرنے کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

شریعتِ مطہرہ قرض کی ادائیگی یقینی بنانے کے لیے رہن کی اجازت دیتی ہے، تاکہ مدیون قرض ادا کرنے میں ٹال مٹول نہ کرے، تاہم مرتہن مرہونہ چیز سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتا، کیونکہ راہن قرض ہی کی وجہ سے مرہونہ سے فائدہ اُٹھانے کی اجازت دیتا ہے۔ اگر قرض نہ ہوتا تو وہ اجازت نہ دیتا۔ لہٰذا یہ قرض پر منفعت حاصل کرنے کی وجہ سے سود کے حکم میں داخل ہے۔

مسئولہ صورت میں اگر زید نے عمرو کو ایک لاکھ روپے کے عوض زمین بطورِ رہن دی ہو تو اس زمین سے عمرو کے لیے فائدہ حاصل کرنا جائز نہیں۔

والدّلیل علی ذلک:

(لا انتفاع به مطلقا) لا باستخدام ولا سكنى، ولا لبس ولا إجارة، ولا إعارة سواء كان من مرتهن أو راهن (إلا بإذن) كل للآخر وقيل: لا يحل للمرتهن؛ لأنه ربا، وقيل إن شرطه كان ربا، وإلا لا. (۱)

ترجمہ: اس (مرہونہ) سے حاصل کرنا مطلقاً صحیح نہیں۔ خدمت لینا، رہائش اختیار کرنا، پہننا، اجارہ پر دینا یا کسی کو بطور رعایت کے دینا کوئی بھی جائز نہیں۔ چاہے مرتہن کی جانب سے ہو یا راہن کی جانب سے۔ مگر دوسرے کی اجازت کے ساتھ ہو تو جائز ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ مرتہن کے لیے تو حلال نہیں، کیوں کہ یہ سود ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اگر فائدہ لینا مشروط کیا ہو تو سود ہے، ورنہ نہیں۔

❀❀❀

مرہونہ چیز کو اجارہ پر لینا

سوال نمبر(210):

زید نے عمرو سے زمین بطورِ رہن لی۔ اب زید عمرو سے کہتا ہے کہ تو اپنی یہ زمین مجھ کو اجارہ پر دے دو اور حیلہ یہ بناتا ہے کہ زمین دس من غلہ پیداوار فراہم کرتی ہے تو مرتہن اس کو ایک من غلہ کے عوض اجارہ پر لیتا ہے تو مجبوراً اس طرح کرنے کا کیا حکم ہے؟

بینوا تؤجروا

(۱) ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الرهن: ۸۳،۸۲/۱۰

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

شرعی نقطۂ نظر سے جب قرض کے مقابلے میں کسی زمین وغیرہ کو رہن پر رکھا جائے تو اس مرہونہ چیز سے مرتہن کا فائدہ حاصل کرنا حرام ہے۔ اگر راہن کی اجازت سے مرتہن اس زمین کو اجارہ پر لے کر دونوں باہمی طور پر معاہدہ کریں تو اس طرح معاملہ کرنا جائز ہے، لیکن اس اجارہ کے بعد زمین کی رہن والی حیثیت ختم ہوگی اور اب وہ زمین اجارہ کی ہوگی اور اس میں یہ رعایت ضروری ہے کہ اجارہ مروجہ ریٹ پر ہو۔ مروجہ ریٹ سے بہت کم قیمت پر نہ ہو۔

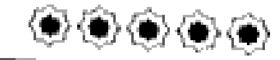
مسئولہ صورت میں اگر مرتہن نے راہن سے مرہونہ زمین کو اجارہ پر لیا ہے اور دونوں نے باقاعدہ اجارہ کا عقد کیا ہے تو یہ زمین اب اجارہ کی ہو کر رہن کی زمین شمار نہ ہوگی۔ تاہم راہن کی مجبوری سے فائدہ اُٹھا کر مرتہن کا کم اُجرت پر زمین اجارہ پر لینا مناسب نہیں۔

والدّلیل علی ذلک:

والحاصل أنه ليس لأحدهما الانتفاع بالرهن مطلقاً لا بسكنى، ولا بلبس ولا بإجارة، ولا إعارة إلا بإذن أحدهما للآخر، ولو آجره المرتهن بدون إذن الراهن، فالأجرة له لأنه العاقد، وإن بإذنه فللراهن، وبطل الرهن، كما يبطل أيضًا لو استأجره المرتهن حتى لايسقط شيء من الدين بهلاكه بعد الإجارة (۱)

ترجمہ:

اور حاصل یہ ہے کہ مرہونہ سے فائدہ لینا کسی کے لیے بھی مطلقاً جائز نہیں۔ نہ گھر میں رہنے کے ساتھ اور نہ پہننے کے ساتھ اور نہ اجارہ اور نہ عاریت پر دینے کے ساتھ، ہاں ان میں سے کسی ایک کا دوسرے کی اجازت کے ساتھ فائدہ حاصل کرنا صحیح ہے اور اگر مرتہن نے مرہونہ کو بغیر اجازتِ راہن کے اجارہ پر دیا تو اجرت مرتہن کی ہوگی، کیونکہ وہ عقد کرنے والا ہے اور اگر راہن کی اجازت کے ساتھ ہو پھر اجرت راہن ہی کی ہوگی اور معاملۂ رہن باطل ہو جائے گا، جس طرح کہ مرتہن کا مرہونہ اجارہ پر لینے سے عقدِ رہن باطل ہو جاتا ہے، یہاں تک کہ اجارہ کے بعد مرہونہ کی ہلاکت کی وجہ سے مرتہن کے دین سے کوئی حصہ ساقط نہ ہوگا۔



(۱) شرح المجلة لسليم رستم باز، المادة: ۷۵۰، ص/۴۱۵

کتابُ المزارعة

(مباحثِ ابتدائیہ)

تعارف اور حکمتِ مشروعیت:

انسانی ضروریات کی تکمیل کے لیے اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو ایک دوسرے کا محتاج بنا دیا ہے اور ہر ایک کو الگ الگ خوبی اور صلاحیت سے نوازا ہے تاکہ ایک دوسرے کی صلاحیتوں سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے دنیا کا نظام مربوط انداز میں چل سکے۔

دنیا میں انسانوں کی سب سے بڑی ضرورت خوراک ہے جس کا حصول زمین سے ہوتا ہے، لیکن عام طور پر زمین کے مالکان میں وہ استعداد اور صلاحیت نہیں ہوتی جس کو بروئے کار لاتے ہوئے وہ اس زمین سے ممکنہ پیداوار حاصل کرسکیں اور صاحب استعداد لوگوں کے پاس اتنی زمین نہیں ہوتی جس میں وہ اپنی صلاحیتوں کو استعمال کرسکیں۔ فطرت انسانی میں موجود اس احتیاج کی رعایت کے لیے شریعت نے مضاربت کی طرح مزارعت میں بھی زمین اور افرادی قوت کے باہمی تبادلے کو جائز قرار دیا ہے تاکہ افادے واستفادے کے اس لین دین سے انسانوں کے اندر ایک دوسرے کی ضروریات واحساسات کا ادراک پیدا ہو جائے اور وہ اللہ تعالیٰ کی صفتِ رزاقیت کا مظہر بن کر معاشرے کے متمدن اور مہذب شہری بن سکیں۔(۱)

لغوی تحقیق:

مزارعت ''الزّرع'' سے مفاعلہ کے وزن پر ہے جس کا معنی ہے ''اِنبات'' یعنی اُگانا یا کھیتی باڑی کرنا۔(۲)

اصطلاحی تعریف:

شریعت کی اصطلاح میں مزارعت ''مخصوص شرائط کے ساتھ پیداوار کے کچھ حصے کے عوض کھیتی باڑی کے معاملہ'' کو کہتے ہیں۔

"هي عقد على الزّرع ببعض الخارج بشرائط الموضوعة له شرعاً".(۳)

---

(۱) المبسوط، کتاب المزارعة، باب المزارعة على قول من يجيزها: ۱۷/۲۳، الشرح الكبير على المغني، باب المزارعة، فصل في المزارعة: ۵/۵۸۵، ۵۸۶

(۲) البحر الرائق كتاب المزارعة: ۸/۲۸۹، بدائع الصنائع، كتاب المزارعة: ۸/۲۶۲ (۳) حوالہ مذکورہ

باب المزارعة کی اصطلاحات:

(۱)ربّ الارض......: مزارعت کے لیے زمین دینے والا۔

(۲)مزارع......: زمین لے کر عملی طور پر اس میں محنت اور کھیتی باڑی کرنے والا۔ مزارع کو عامل بھی کہتے ہیں۔

(۳)مزروع فیہ......: مزارعت کے لیے دی گئی زمین۔

مزارعۃ سے ملتی جلتی اصطلاحات:

(۱)مساقاۃ...... : کسی کو درخت یا باغ اس شرط پر دینا کہ وہ اس کی دیکھ بھال کرے گا اور پیداوار میں سے ایک خاص نسبت سے اس کو حصہ ملے گا۔ مزارعت اور مساقات میں یہی فرق ہے کہ مزارعت عام کھیتی باڑی میں ہوتی ہے اور مساقات پھلوں اور باغات میں ہوتی ہے۔

(۲)اجارۃ...... : خاص مدت تک خاص عوض کے بدلے کسی کو منفعت کا مالک بنانا اجارہ ہے۔ مزارعت اجارہ ہی کی ایک قسم ہے، تاہم اجارہ میں ابتدا ہی سے اجرت معلوم ہوتی ہے اور مزارعت میں اجرت پیداوار کے اعتبار سے ہوتی ہے۔(۱)

مزارعت کی مشروعیت:

مزارعت کی مشروعیت سنت، اجماع اور تعامل الناس سے ثابت ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے اہل خیبر سے پیداوار کے نصف حصے پر معاملہ فرمایا تھا۔(۲)

اسی طرح صحابہ کرامؓ کا قولاً وعملاً مزارعت کی مشروعیت پر اجماع ہے۔

اسی طرح سلف وخلف کے تعامل اور لوگوں کی حاجات اور ضروریات کو دیکھ کر عقل بھی اس کے جواز کا مقتضی ہے۔(۳)

---

(۱) الموسوعة الفقهية، مادة مزارعت: ۳۷/ ۵۰

(۲) مسند احمد عن ابن عمرؓ، رقم: (٤٦٤٩): ۲/ ۸۷ = ۲/ ۱۷

(۳) المغني مع الشرح الكبير، باب المزارعة: ٥/ ٥٨٣، ٥٨٤

(٤) بدائع الصنائع، كتاب المزارعة، فصل في بيان شرعية المزارعة: ۸/ ۲٦۳، البحر الرائق، كتاب المزارعة: ۸/ ۲۸۹

مزارعت کے ارکان:

دوسرے معاملات کی طرح مزارعت کے لیے بھی ایجاب وقبول رکن کی حیثیت رکھتے ہیں، مثلاً: زمین کا مالک کہہ دے کہ میں تم کو یہ زمین مزارعت پر دیتا ہوں اور کاشتکار قبول یا رضامندی کے الفاظ بول دے تو مزارعت منعقد ہو جائے گی اور یا عملی طور پر اس کا مظاہرہ کریں۔(۱)

علامہ حصکفیؒ کے ہاں زمین، تخم، عمل اور بیل (بقر) یہ چاروں مزارعت کے ارکان ہیں۔(۲)

عقدِ مزارعت کے جواز میں اختلاف اور مفتیٰ بہٖ قول:

امام ابوحنیفہؒ و امام زفرؒ کے ہاں عقدِ مزارعت جائز نہیں، تاہم صاحبین کے ہاں یہ ایک جائز اور مشروع معاملہ ہے اور سلف وخلف سے منقول چلا آ رہا ہے۔ حنفیہ کے ہاں فتویٰ بھی صاحبین کے قول پر ہے۔(۳)

مزارعت کی شرائط:

شرائط چند قسم کی ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کی تفصیل درج ذیل ہے:

عاقدین سے متعلق شرط:

عاقدین عاقل ہوں، لہٰذا پاگل اور ناسمجھ چھوٹے بچے کی مزارعت درست نہیں، البتہ بالغ ہونا، آزاد ہونا یا مسلمان ہونا شرط نہیں۔(۴)

فصل کی جنس اور تخم سے متعلق شرط:

(۱) فصل اور پیداوار سے متعلق شرط یہ ہے کہ اس کی جنس معلوم ہو، مثلاً گندم، جَو وغیرہ، البتہ اگر زمین کا مالک عامل کو اختیار دے دے تو وہ کچھ بھی بو سکتا ہے، تاہم اگر مالک نے مطلق اجازت دی ہو تو بھی وہ تمام زمین میں فصل کی بجائے درخت نہیں لگا سکتا، اس لیے کہ درخت لگانا مزارعت کے تحت داخل نہیں۔(۵)

---

(۱) بدائع الصنائع، کتاب المزارعة، فصل في ركن المزارعة: ۸/۲٦٤

(۲) الدر المختار، کتاب المزارعة: ۹/۳۹۷

(۳) بدائع الصنائع، کتاب المزارعة، فصل في بيان شرعية المزارعة: ۸/۲٦۳، الفتاوی الهندية، کتاب المزارعة، الباب الأول في شرعيتها: ۵/۲۳۵

(٤) بدائع الصنائع، کتاب المزارعة، فصل في شرائط المزارعة: ۸/۲٦٤

(۵) الدر المختار مع رد المحتار، کتاب المزارعة: ۹/۳۹۸، بدائع الصنائع، کتاب المزارعة، فصل في ما يرجع إلى الزرع: ۸/۲٦۷

(۲)مزارعت کی صحت کے لیے اس بات کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ تخم کس کے ذمے ہوگی؟ اگر وضاحت نہ کی گئی تو عرف کو دیکھا جائے گا، اگر عرف یکساں ہو تو ٹھیک ہے، ورنہ معاملہ فاسد ہو جائے گا۔(۱)

فصل کی کیفیت سے متعلق شرط:

کیفیت سے متعلق شرط یہ ہے کہ فصل مزارعت کے قابل ہو، یعنی عامل کے عمل سے اس میں زیادتی اور بڑھوتری پیدا ہو سکے، لہٰذا اگر زمین اس حالت میں عامل کو دے دی گئی کہ اس میں کٹی ہوئی فصل موجود تھی تو یہ مزارعت نہیں کہلائے گا، اس لیے کہ پکی اور کٹی ہوئی فصل میں مزارع کے عمل سے کوئی فائدہ نہیں۔(۲)

پیداوار سے متعلق شرائط:

(۱)عقد کے وقت پیداوار میں شرکت کا تذکرہ موجود ہو۔ اگر عقد کے وقت اجرت سے خاموشی برتی گئی تو اجرت مجہول ہونے کی وجہ سے مزارعت فاسد ہو جائے گی۔

(۲)پیداوار دونوں کے درمیان شریک ہو۔ اگر عقد کے وقت یہ شرط لگائی گئی کہ پیداوار کسی ایک کے لیے ہوگی تو عقدِ مزارعت فاسد ہو جائے گی اس لیے کہ عقدِ مزارعت کے لیے شرکت لازمی ہے، لہٰذا جو شرط بھی شرکت کے منافی ہو، وہ عقد کے لیے مفسد ہوگی۔

(۳)دونوں کا حصہ اسی پیداوار سے دیا جانا ضروری ہے۔ اگر کسی اور چیز سے کسی ایک کے لیے حصہ متعین کرنے کی شرط لگا دی گئی تو مزارعت فاسد ہو جائے گی۔

(۴)دونوں کے لیے اسی پیداوار میں سے ایک خاص تناسب متعین ہو اور یہ تناسب جزءِ شائع ہو، مثلاً جملہ پیداوار کا نصف، ثلث یا ربع وغیرہ کے اعتبار سے حصہ کی تعیین کی جائے گی، لہٰذا اگر خاص وزن اور خاص مقدار کی تخصیص کسی ایک کے لیے کر دی گئی یا تخم والے نے تخم کو شرکت سے مستثنیٰ کیا یا کسی نے اپنے لیے کھیت کے کسی خاص حصے کی پیداوار کو متعین کر دیا تو ان تمام صورتوں میں عقدِ مزارعت فاسد ہو جائے گی۔(۳)

(۵)دونوں کی شرکت پیداوار کی مقصودی چیز میں ہو، لہٰذا اگر یہ شرط لگائی گئی کہ ایک شخص صرف بھوسہ لے گا اور دوسرا

---

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، کتاب المزارعة: ۳۹۹/۹

(۲) بدائع الصنائع، کتاب المزارعة، فصل وأما الذي يرجع إلى المزروع: ۲۶۷/۸

(۳) بدائع الصنائع، کتاب المزارعة، فصل في ما يرجع إلى الخارج من الزرع: ۲۶۸،۲۶۷/۸

شخص گندم، تو اس سے مزارعت فاسد ہو جائے گی۔(۱)

مزروع فیہ، یعنی زمین سے متعلق شرط:

(۱) زمین قابل کاشت ہو،

(۲) زمین معلوم و متعین ہو،

(۳) زمین عامل کے حوالہ کردی جائے اور عامل کے لیے اس میں کاشت کرنے سے کوئی چیز مانع نہ ہو۔ فقہا اس کو "التخلية بين الارض وبين العامل" سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس شرط کی رو سے اگر صاحب ارض اپنے لیے کام کرنے کی شرط لگادے تو تخلیہ نہ ہونے کی وجہ سے مزارعت فاسد رہے گی۔(۲)

مدتِ مزارعت سے متعلق شرط:

مزارعت کے لیے اتنی مدت کی تعیین ضروری ہے جس میں کم از کم ایک مرتبہ اناج اُگائی جاسکے۔ اگر کوئی مدت ذکر کیے بغیر معاملہ کرلیں تو استحساناً مزارعت جائز ہوگی اور اس کا اطلاق پہلے سال کی پہلی فصل پر ہوگا۔(۳)

مزارعت کی مختلف صورتیں اور ان کا حکم:

مزارعت کی مختلف صورتیں جاننے سے قبل یہ بات یاد رکھنا ضروری ہے کہ مزارعت میں بنیادی طور پر چار عناصر پائے جاتے ہیں: زمین، بیج، جوتنے کا آلہ (جانور ہو یا مشین) اور کاشت کار کا عمل۔ ان اشیا کی کسی ایک طرف یا دوسری طرف ہونے سے جو مختلف صورتیں بنتی ہیں، ان کے جواز اور عدم جواز سے متعلق درج ذیل نکات پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔(۴)

(۱) مزارعت کی حقیقت یہ ہے کہ یہ اولاً اجارہ کی حیثیت سے منعقد ہوجاتی ہے، پھر انجام کے اعتبار سے شرکت بن جاتی ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ اجارہ چونکہ "تمليك المنفعة بعوض" یعنی عوض لے کر منفعت کا مالک بنانے کا نام ہے اس لیے اجارہ کا یہ معنی وہاں پر پورا ہوگا جہاں عقد بالذات زمین یا عامل کے منافع پر واقع ہو۔ اگر صرف تخم یا بقر (آلۂ کاشت) ذریعہ اجرت بن رہے ہوں تو اس کے بدلے عوض لینا مزارعت نہیں۔ ہاں اگر مقصود بالذات زمین یا عامل کے

---

(۱) الدرالمختار، کتاب المزارعة: ۹/۴۰۰، ۴۰۱

(۲) بدائع الصنائع، کتاب المزارعة، فصل في مايرجع إلى المزروع فيه: ۸/۲۶۹، ۲۷۰

(۳) بدائع الصنائع، کتاب المزارعة، فصل في مايرجع إلى مدة الزراعة: ۸/۲۷۳، الدرالمختار، کتاب المزارعة: ۹/۳۹۸

(۴) الدرالمختار علی صدر ردالمحتار، کتاب المزارعة: ۸/۳۹۷

منافع ہوں تو وہاں پر اگر بذر (تخم) یا بقر تبعاً آجائیں تو اس سے مزارعت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔(۱)

(۲) جس صورت میں عمل اور زمین دونوں ایک شخص کے ہوں تو وہ صورت ناجائز رہے گی، اس لیے کہ مزارعت میں جن دو اشیا کے ذریعے اجرت حاصل کی جاتی ہے، وہ دونوں ایک طرف آگئے۔ دوسری طرف صرف بذر اور بقر (تخم اور آلۂ کاشت) رہ گئے جن کو بالذات مزارعت کے لیے بنیاد نہیں بنایا جا سکتا۔(۲)

(۳) یہ بھی ذہن نشین رہے کہ بقر (آلہ کاشت) عقد مزارعت میں عامل کا تابع بن سکتا ہے، زمین کا تابع نہیں بن سکتا، اس لیے کہ زمین اور بقر کے منافع میں اختلاف ہے۔ زمین انبات کے لیے ہے اور بقر زمین جوتنے کے لیے۔(۳)

(۴) مزارعت کی مختلف صورتوں کا جواز خلاف القیاس ثابت ہے اس لیے کہ مزارعت میں نہ صرف یہ کہ پیداوار میں شرکت ہوتی ہے، بلکہ اصل مال، یعنی تخم بھی اس شرکت میں داخل ہے، یعنی مضاربت کے برعکس اس میں اصل مال (بذر) کو تقسیم سے مستثنیٰ کرنا عقد مزارعت کے لیے مفسد ہے، لہٰذا خلاف القیاس ہونے کی وجہ سے جو صورتیں پہلے سے جائز تھیں صرف وہیں جائز رہیں گی۔ ان پر دوسری صورتوں کو قیاس نہیں کیا جائے گا۔(۴)

ان اصولی نکات کی روشنی میں اب مزارعت کی مختلف صورتوں کا حکم درج ذیل ہے:(۵)

---

(۱) ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب المزارعة:۹/۴۰۲، بدائع الصنائع، کتاب المزارعة، فصل في مایرجع إلی الخارج من الزرع:۸/۲۶۸

(۲) بدائع الصنائع، کتاب المزارعة، فصل في مایرجع إلی ماعقد علیه الزرع:۸/۲۷۰، الدرالمختار مع ردالمحتار، کتاب المزارعة:۹/۴۰۲

(۳) الدرالمختار حواله بالا

(۴) المبسوط، باب المزارعة علی قول من یجیزها:۲۳/۱۷، بدائع الصنائع، کتاب المزارعة، فصل في أنواع المزارعة:۸/۲۷۱، ۲۷۲

(۵) الدرالمختار مع ردالمحتار، کتاب المزارعة:۹/۴۰۱، ۴۰۲، البحرالرائق، کتاب المزارعة:۸/۲۹۱، بدائع الصنائع، فصل في أنواع المزارعة:۸/۲۷۰۔۲۷۳

نمبر شمار	مالک زمین کی طرف سے	کاشتکار کی طرف سے	حکم
۱	زمین، بیج، بقر یا آلہ کاشت	عمل	جائز
۲	زمین، بیج	عمل، آلۂ کاشت	جائز
۳	زمین	بیج، عمل، آلۂ کاشت	جائز
۴	زمین، بقر (آلۂ کاشت)	عمل، بیج	ظاہر الروایہ میں ناجائز، عند ابی یوسفؒ جائز
۵	زمین، عمل	بیج، آلۂ کاشت	〃
۶	زمین، عمل، آلۂ کاشت	بیج	〃
۷	زمین، عمل، بیج	آلۂ کاشت	〃

اسی طرح یہ بھی ناجائز ہے کہ ایک شخص زمین دے دے، دوسرا بقر، یعنی آلۂ کاشت، تیسرا تخم اور چوتھا عمل کرے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔ اس کے علاوہ بیج میں کاشت کار اور صاحب ارض کی شرکت بھی ناجائز ہے، بیج مکمل طور پر کسی ایک طرف سے ہونا ضروری ہے۔(۱)

بیج میں شرکت کی مختلف صورتیں اور ان کا حکم:

اگر عقدِ مزارعت کے وقت فریقین (صاحبِ زمین اور عامل) یہ شرط لگائیں کہ بیج دونوں کی طرف سے مشترک ہوگا اور پیداوار میں بھی دونوں برابر شریک ہوں گے تو اس کی دو صورتیں ہیں:

اگر عمل کرنے کی شرط صرف عامل کے ذمے ہو تو مزارعت فاسد ہے، اس لیے کہ صاحب زمین کو پیداوار کا جو نصف حصہ مل رہا ہے، وہ مکمل طور پر اس کے اپنے تخم کے بدلے ہے اور عامل کا نصف حصہ بھی مکمل طور پر اس کے تخم کے بدلے ہے اور عامل کو صاحبِ زمین کی طرف سے نصف زمین اس شرط پر عاریتاً مل گئی ہے کہ وہ اس کے بدلے صاحب زمین کے حصے میں عمل مزارعت کرے گا۔

فاسد ہونے کی وجہ سے اس صورت کا حکم یہ ہے کہ حاصل شدہ تمام پیداوار تخم کے تناسب سے ان کے درمیان

---

(۱) بدائع الصنائع، حوالہ سابقہ

تقسیم ہوگا اور عامل آدھی زمین کا کرایہ مالکِ زمین کو دے دے گا۔اس کے بعد اپنے تخم، زمین کے کرائے اور خرچے کا تخمینہ لگائے گا۔اگر پیداوار تخم، زمین کے کرائے اور خرچے سے زیادہ ہو تو زیادتی کو صدقہ کردے گا اس لیے کہ یہ زیادتی عقد فاسد کے ساتھ دوسرے شخص کی زمین سے حاصل ہوئی ہے، لہٰذا یہ اس کے لیے جائز نہیں، البتہ صاحب زمین کے لیے اپنے تخم کے تناسب سے تمام پیداوار جائز ہے اور اس پر عامل کا کچھ واجب نہیں۔

اشتراکِ بذر (تخم) کی دوسری صورت یہ ہے کہ تخم میں اشتراک کی طرح عمل میں بھی اشتراک کی شرط لگائی جائے یعنی مالکِ زمین کاشت کار کے ساتھ محنت کرنے میں عملی طور پر برابر شریک ہو یا اپنی جگہ کوئی مزدور لگائے یا مزدور کے پیسے عامل کو دے دے، یہ سب صورتیں جائز ہیں، اس لیے کہ مذکورہ صورت میں ہر ایک فریق اپنے تخم اور عمل سے نصف نصف زمین میں کاشت کاری کر رہا ہے جو کہ جائز ہے۔مذکورہ صورت میں بھی گویا عامل نے نصف زمین بطورِ عاریت لی ہے، لیکن یہاں پر عاریت بشرط العمل نہیں؛ اس لیے جائز ہے۔(۱)

مزارعت فاسد ہوجانے کے بعد پیداوار جائز کرنے کا حیلہ:

جن صورتوں میں شرائط کی عدم موجودگی کی وجہ سے مزارعت فاسد ہوجاتی ہے، وہاں پر فریقین اپنا اپنا حصہ جدا کرنے کے بعد اپنے حق کے بدلے ایک دوسرے سے صلح کرلیں۔صلح جس مقدار پر بھی ہوجائے، وہ دونوں کے لیے جائز ہوگی۔(۲)

مزارعت کو فاسد کرنے والی شرائط:

(۱) تمام پیداوار کسی ایک فریق کے لیے خاص کرنا۔

(۲) صاحب ارض کو عمل مزارعت میں شریک کرنے کی شرط لگانا۔

(۳) صاحب ارض پر آلہ کاشت لازم کرنے کی شرط لگانا۔

(۴) صرف صاحب ارض پر عمل لازم کرنے کی شرط لگانا۔

(۵) کٹائی اور تقسیم کے بعد حفاظت، بار برداری اور انتقال کی ذمہ داری مزارع پر ڈالنے کی شرط لگانا۔

(۱) الفتاوی الهندية، كتاب المزارعة، الباب الثاني في بيان أنواع المزارعة: ٥/٢٣٨، ٢٣٩، الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب المزارعة: ٩/٤٠٦

(۲) الفتاوی الهندية، كتاب المزارعة، الباب الثاني في أنواع المزارعة، وأما أحكام المزارعة الفاسدة: ٥/٢٣٩، ٢٤٠

(۶) بھوسہ وغیرہ کو اس شخص کے لیے خاص کرنا جس کی طرف سے تخم نہ ہو (اس لیے کہ بھوسہ یا تو مشترک ہوگا یا اس شخص کا ہوگا جس کی طرف سے تخم ہو)۔

(۷) مزارع پر ایسا کام لازم کرنا جس کی منفعت عقدِ مزارعت کے بعد بھی جاری رہے، جیسے کھیت کے اردگرد دیوار تعمیر کرنا، نہر کھودنا وغیرہ۔(۱)

مزارعتِ صحیحہ کے احکام:

(۱) فصل کی اصلاح اور بڑھوتری کے لیے جو عمل اور محنت مطلوب ہے، وہ کاشت کار کے ذمہ ہوگی۔

(۲) کھیتی سے متعلق اخراجات، جیسے: کھاد، کٹائی، بار برداری وغیرہ کے اخراجات دونوں فریق اپنے حصے کے تناسب سے برداشت کریں گے۔

(۳) پیداوار ہونے کی صورت میں مقرر کردہ تناسب سے دونوں کو اپنا حصہ ملے گا، البتہ اگر پیداوار نہ ہو سکے تو دونوں کے لیے کچھ بھی نہیں ہوگا، نہ زمین کا مالک زمین کی اجرت لے سکتا ہے اور نہ عامل اپنے عمل کی مزدوری لے سکتا ہے۔

(۴) عقدِ مزارعت اس شخص کے حق میں لازم نہیں جس کی جانب سے بیج ہو، اگر وہ یک طرفہ طور پر مزارعت سے دست بردار ہونا چاہے تو اس کو حق حاصل ہے۔ دوسرے فریق کے حق میں یہ معاملہ لازم ہے اور وہ اس سے دوسرے فریق کی اجازت کے بغیر دست بردار نہیں ہوسکتا۔

(۵) اگر مزارع کھیتی کے لیے ندی نالوں اور پگڈنڈی کی تعمیر سے انکار کرے، حالانکہ وہ زراعت کے لیے ضروری ہوں تو اس کو زبردستی ان اشیا کی تعمیر پر مجبور کیا جائے گا، اسی طرح آبیاری وغیرہ کا بھی حکم ہے۔

(۶) فریقین میں سے کوئی اپنا حصہ کم کر کے دوسرے کا حصہ بڑھانا چاہے تو جائز ہے۔(۲)

مزارعتِ فاسدہ کے احکام:

مزارعت کی شرائط کی عدم موجودگی میں مزارعت فاسد رہے گی، جس کے احکام درج ذیل ہیں:

(۱) مزارع پر کھیتی باڑی کے اعمال میں سے کوئی بھی عمل واجب نہیں ہوگا۔

---

(۱) بدائع الصنائع، کتاب المزارعة، فصل في الشروط المفسدة للمزارعة:۸/۲۷۳_۲۷۵

(۲) بدائع الصنائع، کتاب المزارعة، فصل في حکم المزارعة الصحيحة:۸/۲۷۶_۲۷۸

(۲) بیج جس کا ہو وہی پیداوار کا مالک ہوگا، اگر بیج مالکِ زمین کی ہو تو مزارع کو اتنی مدت کی محنت کی اُجرت ادا کرے گا اور اگر بیج مزارع کی طرف سے تھا تو وہ مالکِ زمین کو اس مدت کے زمین کا کرایہ ادا کرے گا۔

(۳) اگر مزارع نے محنت کی، لیکن پیداوار حاصل نہ ہوسکی تو اس کو اجرتِ مثل ملے گی۔(۱)

مزارعت فسخ کرنے کے اعذار:

فقہائے کرام کے ہاں درج ذیل اعذار کی وجہ سے مزارعت فسخ کی جاسکتی ہے:

(۱) صاحبِ ارض پر ایسا دَین (قرض) آجائے جو مزارعت کی زمین کو فروخت کیے بغیر ادا نہ ہو سکے۔ تاہم اس صورت میں اگر فصل کٹائی کے قابل نہ ہو تو عامل کے حق کی رعایت کرتے ہوئے فصل پک جانے تک انتظار کیا جائے گا اور قاضی مدیون مالکِ زمین کو قید میں نہیں ڈالے گا، اس لیے کہ مدیون کی طرف سے کوئی ٹال مٹول نہیں۔

(۲) عامل کسی ایسے مرض میں مبتلا ہو جائے جس کی وجہ سے وہ زراعت کے قابل نہ رہے۔

(۳) عامل کسی ضروری سفر پر چلا جائے۔

(۴) عامل کسی مجبوری کی وجہ سے مزارعت چھوڑ کر کوئی اور پیشہ اختیار کرنا چاہے تو عقد مزارعت فسخ کرسکتا ہے۔(۲)

جن اسباب کی وجہ سے عقد مزارعت ختم ہو جاتا ہے:

درج ذیل اسباب کی وجہ سے عقد مزارعت ختم ہو جاتا ہے:

(۱) فریقین میں سے کوئی ایک مذکورہ اعذار کی وجہ سے معاملہ فسخ کردے یا بیج استعمال کرنے والا فریق معاملہ کرنے سے رُک جائے۔(۳)

(۱) بدائع الصنائع، كتاب المزارعة، فصل في حكم المزارعة الفاسدة: ۸/۲۷۹

(۲) بدائع الصنائع، كتاب المزارعة، وأما المعاني التي هي عذر في فسخ المزارعة: ۸/۲۸۰

(۳) بدائع فصل في ماينفسخ به عقد المزارعة: ۸/۲۸۰، ۲۸۱

(۲) مزارعت کے لیے مقرر کردہ مدت ختم ہو جائے، تاہم اگر مدت ختم ہوتے وقت پیداوار تیار نہ ہو تو اب مزید جتنی مدت کھیتی کی تیاری میں لگے گی، اس کا کرایہ عامل اپنے حصے کے بقدر زمین کے مالک کو ادا کرے گا، البتہ کھیتی کے اخراجات دونوں مل کر بقدر حصص برداشت کریں گے۔ (۱)

(۳) اگر فریقین میں سے کسی ایک کا انتقال ہو جائے تو قیاساً اور اصولاً اسی وقت یہ معاملہ ختم ہونا چاہیے، تاہم اگر فصل اُگ چکی ہو اور پکنے میں کچھ وقت درکار ہو تو کھیت کی تیاری تک یہ معاملہ باقی رہے گا، کیوں کہ اس میں دونوں فریق کا فائدہ ہے۔ (۲)

اگر کاشتکار کی موت کے بعد اُس کے ورثہ کھیتی پکنے تک عمل کرنا چاہیں تو صاحب زمین اُن کو نہیں روک سکتا، بلکہ کھیتی پکنے تک زمین اُن کے ہاں رہے گی اور پکنے کے بعد شرط کے مطابق تقسیم ہوگی، ہاں اگر وہ مزارعت کو اسی حالت میں ختم کرنا چاہیں تو صاحب ارض اُن کو کام کرنے پر مجبور نہیں کر سکتا، بلکہ اُن کو کچی فصل میں اُن کے حصے کے بقدر حصہ دے دے گا یا تمام فصل پر خود خرچہ کرے گا پھر اُن کو اُن کا حق واپس کر دے گا۔ (۳)

عقدِ مزارعت کی پیداوار میں عشر کس کے ذمے ہوگا؟

چونکہ عقدِ مزارعت کے جواز میں فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے، اس لیے اُن کے ہاں اگر تخم زمین کے مالک کی طرف سے ہو تو عشر بھی اُس کے ذمے ہوگا اور اگر تخم مزارع کی طرف سے ہو تو پھر عشر جملہ پیداوار سے دیا جائے گا۔ (۴)

(۱) البحر الرائق، کتاب المزارعة: ۲۹۶/۸

(۲) البحر الرائق، کتاب المزارعة: ۲۹۵/۸

(۳) بدائع الصنائع، فصل في حكم المزارعة المنفسخة: ۲۸۳/۸

وكذا في الهداية مع فتح القدير، كتاب المزارعة: ۳۹۷/۸

(٤) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الزكوة، باب العشر: ۲۷۸/۳

مسائلِ المزارعة وإحياء الموات

مزارعت میں تخم اور کھاد کی شرکت

سوال نمبر(211):

اگر کاشتکار مالکِ زمین کے ساتھ یہ شرط لگادے کہ کھاد اور تخم میں برابر شریک ہوں گے تو کیا یہ شرط صحیح ہے؟

بيّنوا تؤجروا

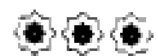
الجواب وباللّٰه التوفيق:

واضح رہے کہ مزارعت میں شرکت فی البذر (یعنی تخم میں شرکت) جائز نہیں۔ کاشتکار اگر مالکِ زمین کے ساتھ اس شرط پر مزارعت کا معاملہ طے کرے کہ مالکِ زمین اس کے ساتھ بیج اور کھاد وغیرہ میں شریک ہوگا تو کاشتکار کی طرف سے یہ شرط لگانا شرعاً درست نہیں۔ کیونکہ یہ معاملہ ایسا ہوا گویا کہ مالکِ زمین اس عامل کو اپنی آدھی زمین عاریتاً دے دے اور آدھی کے بارے میں کہے کہ اس میں میرے لیے کاشت کرو اور دونوں ایک دوسرے سے مشروط ہوں، لہٰذا یہ معاملہ فاسد ہے۔

والدّليل على ذلك:

(دفع) رجل (أرضه إلى آخر على أن يزرعها بنفسه وبقره، والبذر بينهما نصفان، والخارج بينهما كذلك، فعملا على هذا، فالمزارعة فاسدة، ويكون الخارج بينهما نصفين، وليس للعامل على رب الأرض أجر) لشركته فيه (و) العامل (يجب عليه أجر نصف الأرض لصاحبها) لفساد العقد.(۱)

ترجمہ: کسی آدمی نے دوسرے کو اپنی زمین اس شرط پر دے دی کہ وہ اس کو خود اور اپنے بیل کے ذریعے بوئے اور تخم اور فصل دونوں کے درمیان آدھی آدھی ہوگی، دونوں نے اس طرح معاملہ کیا تو مزارعت فاسد ہوگی، اور فصل دونوں کے درمیان نصف پر تقسیم ہوگی اور عامل کے لیے مالکِ زمین کے ذمہ کوئی اجرت (مزدوری) لازم نہ ہوگی کیونکہ کاشتکار بھی اس میں شریک ہے، البتہ کاشتکار کے ذمہ بوجہ فسادِ عقد مالکِ زمین کے لیے آدھی زمین کی مزدوری دینی لازم ہوگی۔



(۱) الدرالمختار علی صدر ردّالمحتار، کتاب المزارعة: ۹/۴۰۶

مزارعت کی ایک صورت

سوال نمبر(212):

اگر ایک شخص دوسرے شخص کو اس شرط پر زمین دے کہ زمین سے جتنی گندم موسم میں حاصل ہوگی، وہ آپس میں آدھی آدھی تقسیم ہوگی۔ بیج مالک زمین پر اور ٹریکٹر، پانی اور تھریشر، کھاد وغیرہ کا خرچ دوسرے شخص کے ذمہ ہوگا۔ جبکہ فصل پکنے اور تیار ہونے کے بعد دونوں میں برابر تقسیم ہوگی۔ کیا یہ جائز ہے؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

ایک شخص کا دوسرے شخص کو زمین اس شرط پر دینا کہ زمین سے جو فصل حاصل ہوگی وہ آدھی تقسیم ہوگی، بیج مالک زمین پر ہوگی اور باقی اخراجات یعنی ٹریکٹر کا خرچہ، پانی دینا اور کھاد وغیرہ دوسرے کے ذمہ لازم کیا جائے تو اس طرح کی مزارعت درست رہے گی۔

والدّلیل علی ذالک:

أن تكون الأرض والبذر من أحدهما، والعمل والبقر من الآخر. (١)

ترجمہ:

مزارعت کی ایک قسم یہ ہے کہ زمین اور بیج ایک کی طرف سے ہو اور عمل اور بیل دوسرے کی طرف سے ہو۔

❁❁❁

شرکت فی البذر کے جواز کی صورت اور رب الارض اور عامل کی ذمہ داریاں

سوال نمبر(213):

بکر زید کی زمین میں محنت کرتا ہے۔ ہل چلانے کے تمام پیسے بکر ادا کرتا ہے۔ باقی بیج کھاد کا خرچہ دونوں نصف نصف ادا کرتے ہیں۔ گنے کو کھیت سے نکالنے یا سڑک پر لانے کے لیے اونٹ والے کی اُجرت بھی دونوں ادا کرتے ہیں۔ گنے وغیرہ کی کٹائی کے لیے مزدوروں کی مزدوری دینا بھی بکر کی ذمہ ہے۔ آبیانہ کبھی بکر اور کبھی زید ادا کرتا

(١) الفتاوى الهندية، كتاب المزارعة، الباب الثاني في بيان انواع المزارعة :٥/ ٢٣٨

ہے۔پوچھنا یہ ہے کہ ان میں کونسی باتیں شرعی اور کونسی غیر شرعی ہیں؟ نیز ان کی اصلاح کیسے ممکن ہوگی؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

فقہ حنفی کی رُو سے مزارعت (بٹائی سسٹم) جائز ہے کہ مالک زمین کاشتکار سے آمدن کے معلوم حصہ پر معاہدہ کر کے زمین دیدے، یعنی یہ کہے کہ مثلاً: ''آمدن کا ایک تہائی تمہارا ہوگا اور دو تہائی میرا'' یا کسی بھی مشاع حصہ پر بات ہوجائے۔ایسی صورت میں ضروری ہے کہ مزارعت میں جس عمل اور محنت کا تعلق فصل کے ساتھ اس کے پکنے کے زمانے تک ہو تو وہ کاشتکار کے ذمے ہے اور جن امور کا تعلق فصل پر ہونے والے اخراجات کے ساتھ ہو جیسے کھاد آبیانہ، فصل کی کٹائی اور تھریشر تو یہ تمام اخراجات مالکِ زمین اور کاشتکار دونوں پر ان کے حصوں کے بقدر تقسیم کیے جائیں گے۔

جہاں تک بیج کا خرچ مشترکہ طور پر برداشت کرنے کا مسئلہ ہے تو اس میں کچھ تفصیل ہے۔اگر زمین میں محنت صرف کاشتکار ہی کے ذمہ قرار پائے کہ مالکِ زمین اس کے ساتھ اس دورانیہ میں عملی یا مالی تعاون کے طور پر بالکل شریک نہ ہوگا تو یہ عقدِ فاسد ہے، جیسا کہ مسئولہ صورت میں ذکر ہے، لیکن اگر مالکِ زمین اس دورانیہ میں کاشتکار کے ساتھ محنت کرنے میں عملی طور پر برابر شریک ہو یا اپنی جگہ کسی مزدور کو لگائے یا اس دورانیہ کی پوری محنت کاشتکار ہی کرے، لیکن مالکِ زمین اس کے اجرِ مثل کا نصف ادا کرے تو ان سب صورتوں میں یہ عقد درست ہوجاتا ہے۔

اجرِ مثل کے نصف سے مراد یہ ہے کہ بیج بونے کے وقت سے لے کر فصل کے پکنے تک پوری محنت اگر بالفرض مزدوروں سے لی جائے تو ان پر جتنا خرچ آتا ہے، اس مجموعی خرچ کا آدھا مالکِ زمین کاشتکار کو ادا کرے۔

سوال مذکور میں آپ نے جس صورت کا تذکرہ کیا ہے، اس میں کچھ شرائط صحیح ہیں اور کچھ فاسد ہیں، جن کی تفصیل یہ ہے:

(۱)......ہل چلانے کے تمام پیسے بکر (کاشتکار) ادا کرتا ہے تو یہ درست ہے۔

(۲)......بیج کا خرچ مالکِ زمین اور کاشتکار دونوں نصف نصف ادا کرتے ہیں، اس کی صحت کے لیے تجاویز اوپر جواب میں مذکور ہیں۔

(۳)......گنے کی کٹائی کی مزدوری بکر (کاشتکار) کے ذمہ ہے تو یہ درست نہیں، بلکہ خرچ دونوں کے ذمے، حصوں کے بقدر ہونی چاہیے۔

(۴)......کھاد کا خرچ اور گنے کو ایک جگہ جمع کرنے کا خرچ دونوں برداشت کرتے ہیں، یہ درست ہے۔

(۵)......آبپاشی کبھی زید اور کبھی بکر ادا کرتا ہے یہ بھی درست نہیں، کیونکہ کسی بھی وقت ان دونوں میں اس بارے میں اختلافات پیدا ہونے کا احتمال ہے، لہٰذا اس کا خرچ دونوں کے ذمہ ان کے حصوں کے بقدر لازمی ہے۔

والدّلیل علی ذلك:

(وأما أحكامها) منها: أن كل ما كان من عمل المزارعة مما يحتاج الزرع إليه لإصلاحه، فعلى المزارع، وكل ما كان من باب النفقة على الزرع من السرقين وقلع الحشاوة ونحو ذلك، فعليهما على قدر حقهما، وكذلك الحصاد والحمل إلى البيدر والدياس. (۱)

ترجمہ:

اور ان کے احکام میں سے یہ ہے کہ مزارعت کا ہر وہ عمل جس کی طرف فصل اپنی درستگی کے واسطے محتاج ہو تو یہ کاشتکار کے ذمہ ہے اور فصل کی تیاری پر جو خرچہ ہو مثلاً سرقین اور زائد خودرو پودوں کی کٹائی وغیرہ تو دونوں پر ان کے حق کے بقدر ہے اور اسی طرح کھیتی کاٹنا اور گاہنے کے مقام تک لے جانے کے خرچہ کا حکم ہے۔

فإن كانت الأرض لأحدهما، وشرطا أن يكون البذر منهما إن شرطا العمل على غير صاحب الأرض، وشرطا أن يكون الخارج بينهما نصفين كانت فاسدة..........وكذلك لو شرطا أن يكون الخارج بينهما أثلاثاً ثلثاه للعامل وثلثه لصاحب الأرض أو على العكس. (۲)

ترجمہ:

مزارعت میں اگر زمین ایک کی ہو اور دونوں نے شرط لگائی ہو کہ بیج دونوں کا ہوگا تو اگر مالک کے علاوہ پر عمل کی شرط لگائی اور طے ہوا کہ حاصل شدہ دونوں کے مابین آدھا آدھا ہوگا تو یہ صورت بھی فاسد ہے۔۔۔۔۔اور اسی طرح اگر انہوں نے خارج (فصل) کو آپس میں تہائی پر شرط کیا ہو کہ دو تہائی عامل (عمل کرنے والے) کے لیے اور ایک تہائی مالک زمین کے لیے یا اس کے برعکس (تو عقد فاسد ہے)۔

ولو كانت الأرض لأحدهما والبذر منهما، وشرطا العمل عليهما على أن الخارج نصفان جاز؛ لأن كلا عامل في نصف الأرض ببذرة، فكانت إعارة لا بشرط العمل. (۳)

(۱) الفتاوى الهندية، كتاب المزارعة، الباب الاول: ۲۳۷/۵

(۲) الفتاوى الهندية، كتاب المزارعة، الباب الثاني: ۲۳۸/۵

(۳) ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب المزارعة، قوله (لاشتراطه الإعارة): ۴۰۶/۹

ترجمہ:

اور اگر زمین ایک کی ہو اور تخم دونوں کا اور عمل (کام) کو دونوں کے لیے اس شرط کے ساتھ مشروط کیا ہو کہ فصل آپس میں آدھی آدھی ہوگی تو یہ جائز ہے، کیونکہ دونوں تخم کے بدلے نصف زمین میں عامل (محنت کرنے والے) ہیں گویا کہ یہ عمل کو شرط کیے بغیر عاریت ہے۔

❁❁❁

مزارعت میں غلہ ایک کا اور بھوسہ دوسرے کا

سوال نمبر(214):

بعض علاقوں میں مالکِ زمین کسی کو زمین حوالہ کر دیتا ہے، جس میں کاشتکار مکئی بوتا ہے، پکنے کے بعد بھٹے مالک زمین کے اور زائد مواد (چارہ کی شکل میں) کاشتکار لیتا ہے، پھر یہی آدمی دوبارہ اس میں گندم بو کر فصل تیار ہونے پر اپنے لیے رکھتا ہے، جبکہ اس صورت میں مالکِ زمین کو کچھ نہیں دیا جاتا۔ یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اس علاقہ میں گندم پکتی نہیں یعنی کھانے کے قابل نہیں ہوتی، بلکہ جانوروں کو بطورِ چارہ کھلائی جاتی ہے۔ کیا مالکِ زمین اور کاشتکار کے مابین یہ معاملہ درست ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

فقہائے کرام کی تصریحات کے مطابق چونکہ مزارعت انتہاءً شرکت ہے اس لیے جو شرط مزارعت میں ایسی لگائی جائے جو شرکت کو ختم کر دے تو وہ شرط مفسدِ مزارعت ہوگی اور شرکت کا تقاضا یہ ہے کہ جملہ پیداوار کاشتکار اور مالک زمین کے مابین مشترک ہو اور یہ اشتراک بطریقہ شیوع ہو۔ اب اگر کسی نے مزارعت کرتے وقت یہ شرط لگائی کہ غلہ ایک کو اور بھوسہ دوسرے کو ملے گا تو اس صورت میں شرکت نہ پائے جانے کی وجہ سے مزارعت فاسد رہے گی۔

مسئولہ صورت میں اگر مزارعت اس شرط پر کی گئی ہو کہ پہلے فصل کا پورا غلہ زمیندار لے گا اور اس فصل کے بھوسہ کے ساتھ دوسری پوری فصل (غلہ اور بھوسہ دونوں) کاشتکار کے ہوں گے تو مزارعت کی یہ صورت اصل مقصود (غلہ) میں شرکت نہ ہونے کی وجہ سے فاسد رہے گی۔

والدّلیل علی ذلک:

وکذا إذا شرطا لأحدهما التبن وللآخر الحب؛ لأنه عسیٰ أن تصیبه آفة، فلا ینعقد الحبّ ولا یخرج إلا التبن.(۱)

ترجمہ: اسی طرح اگر (مزارعت میں) طرفین نے ایک کے لیے بھوسہ اور دوسرے کے لیے غلہ لینے کی شرط لگائی (تو یہ جائز نہیں) کیونکہ ہوسکتا ہے کہ فصل کو کوئی آفت پہنچے اور غلہ حاصل نہ ہو، بلکہ صرف بھوسہ حاصل ہو جائے۔

❁❁❁

غیر آباد زمین اور کاریز کا حریم

سوال نمبر (215):

ایک غیر آباد زمین (میدان) جس کے دونوں اطراف کافی پرانی کاریزیں تعمیر شدہ ہوں جن کے مالک معلوم ہوں، جبکہ زمین کے مالک معلوم نہیں تو کیا یہ زمین احیاء الموات کا حکم رکھتی ہے یا نہیں؟ نیز ان کاریزوں کا حریم شرعاً کتنا ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

واضح رہے کہ کاریز کے لیے بذاتِ خود کوئی ایسا حریم تو مقرر نہیں، جس کی وجہ سے زمین کے کسی خاص قطعہ پر قبضہ کیا جاسکے، مگر یہ کہ کاریز کی اتنی مقدار میں زمین ہونی چاہیے، جس سے اس کی ضرورت پوری ہوسکے۔

مسئولہ صورت میں زمین کی اصلی حالت چونکہ سوال میں ذکر نہیں کی گئی ہے، تاہم اگر اس کا کوئی قدیم مالک ہو تو پھر کاریز کی وجہ سے اس میں تصرف نہیں کیا جاسکتا۔ یہ مالک ہی کی متصور ہوگی اور اگر کوئی مالک اس کا نہ ہو، اور آبادی سے دور ہونے کی وجہ سے کسی قصبہ کی مشترکہ ضروریات اس سے پوری نہیں ہوتی ہوں تو پھر موات کی صورت میں حاکمِ وقت کی باقاعدہ اجازت سے کوئی شخص اس کو آباد کرسکتا ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

الأرض الموات هي الأرض التي لیست ملکاً لأحد، ولا هي مرعی، ولا محتطباً لقصبة أو

(۱) الهدایة، کتاب المزارعة: ٤/٤٢٦

نفریة، وهي بعيدة عن أقصى العمران .(١)

ترجمہ: ارض موات وہ زمین ہے، جو کسی کی ملک نہ ہو اور نہ چراگاہ ہو اور نہ کسی قصبہ یا گاؤں کے لیے لکڑی چننے کی جگہ ہو اور یہ گاؤں یا شہر کی آخری آبادیوں سے بھی دور واقع ہو۔

❁❁❁

کنواں کھودنے کو مزارعت کا عوض بنانا

سوال نمبر(216):

(۱): ہمارے علاقے میں بعض زمینیں ایسی ہیں، جن میں پانی کا بندوبست نہیں ہوتا، بعض لوگ زمین کے مالکوں سے یہ بات طے کرتے ہیں کہ میں اپنے خرچہ پر کنواں کھود کر زمین کی پیداوار میں نصف یا ثلث کا مدت معینہ تک حصہ دار ہوں گا، جبکہ زمین کا مالک یہ کہتا ہے کہ ”اس شرط پر کہ میں نصف یا ثلث پیداوار دوں گا، لیکن فصل کے اخراجات میں تم میرے ساتھ شریک ہوگے، اور میں پانی نکالنے کے اخراجات میں شریک نہیں ہوں گا“

(۲): دوسری صورت یہ ہے کہ پانی نکالنے اور کنواں کھودنے کے عوض وہ مالک سے یہ طے کرتا ہے کہ پیداوار کے نصف یا ثلث حصے کا میں حق دار ہوں گا۔ فصل کے اخراجات میں شریک نہیں ہوں گا۔ دونوں صورتوں کی وضاحت فرمائیں۔

بيّنوا تؤجروا

الجواب وبالله التوفيق:

واضح رہے کہ مزارعت کا دائرہ کار زمین اور محنت تک محدود ہوتا ہے۔ یعنی مزارعت کا عقد اس وقت پورا ہوتا ہے، جب ایک طرف سے زمین ہو اور دوسری طرف سے محنت ہو۔ صرف کنواں کھود کر زمین کو پانی مہیا کرنا یا ٹیوب ویل لگا کر حصہ داری مقرر کرنے سے مزارعت نہیں ہو سکتی اور اجرت کے مجہول ہونے کی وجہ سے اس کو مزدوری میں شمار کرنا بھی درست نہیں۔

والدليل على ذلك:

فأحدها أن تكون الأرض من أحدهما والبذر والبقر والعمل من الآخر .(٢)

---

(١) شرح المجلة لسليم رستم باز، المادة: ١٢٧٠، ص/٦٨٨

(٢) الفتاوى الهندية، كتاب المزارعة، الباب الثاني في بيان انواع المزارعة: ٥/٢٣٨

ترجمہ: مزارعت کی ایک قسم یہ ہے کہ زمین ایک کی طرف سے ہو اور تخم، بیل اور عمل دوسرے کی طرف سے ہو۔

❁❁❁

مملوکہ زمین میں چشمہ کے حریم کا مسئلہ

سوال نمبر (217):

ہمارے گاؤں کے قریب سینکڑوں سال پرانا چشمہ ہے، جس سے ہم اپنی زمینوں کو سیراب کرتے ہیں اور اس چشمہ کی ملکیت کا ثبوت بھی رکھتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ جو چشمہ جوہڑ میں نکلا ہو اور اس کے نواح میں ۲۵ سے ۱۰۰ گز فاصلے پر لوگوں کی زمینیں ہوں تو اس چشمہ کا حریم کتنا ہوگا اور جو کوئی اس چشمہ کے قریب کام کاج کی وجہ سے اسے نقصان پہنچائے تو اس بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

اگر مذکورہ بالا بیان حقیقت پر مبنی ہو تو مسئولہ صورت میں جوہڑ میں واقع چشمہ کا کوئی حریم نہیں، کیونکہ حریم ارض موات میں ہوتا ہے، نہ کہ مملوکہ زمین میں۔ مملوکہ زمین میں حریم مالکوں کی رضامندی کے مطابق ہوگا، تاکہ اگر مذکورہ چشمہ کے اردگرد گاؤں والوں کی مشترکہ زمینیں پھیلی ہوئی ہوں تو اس مشترکہ زمین میں کسی کو بھی ذاتی تصرف کا حق نہیں، البتہ اپنی ذاتی زمین میں تصرف کرنا جائز ہے، تاہم جس تصرف سے دوسروں کے مفاد کو نقصان پہنچتا ہو، اس سے احتراز کرنا چاہیے۔

والدّلیل علی ذلك:

ویراد بالبئر هنا البئر المحفور في أراضي الموات إذ لو حفر أحد بئراً في ملكه، فله من الحريم ماشاء.(۱)

ترجمہ:

اور کنویں سے یہاں مراد وہ کنواں ہے جو بنجر زمینوں میں کھودا گیا ہو، ورنہ اگر کوئی اپنی ملک میں کنواں کھودے اس کے لیے حریم وہ ہے جو چاہے، اس کا حق ہے۔

(۱) شرح المجلة لسليم رستم باز،المادة:۱۲۸۱،ص/۶۹۱

فكذا يتصرف أيضاً في الملك المشترك أصحابه بالاتفاق، ولكن ليس لأحد منهم أن يتصرف فيه مستقلاً .(۱)

ترجمہ:

اسی طرح مشترکہ ملکیت میں اس کے حق دار بالاتفاق تصرف کر سکتے ہیں، لیکن ان میں سے کسی ایک کے لیے مستقل طور پر تصرف کا حق حاصل نہیں۔

❁❁❁

شاملات زمین سے اپنا حصہ فروخت کرنا

سوال نمبر(218):

غیر آباد شاملات ومشترکہ زمین وجائیداد میں کسی کا حق بنتا ہے یا نہیں؟ نیز غیر آباد شاملات ومشترکہ زمین میں سے اپنا حصہ فروخت کرنا شریعت کی رُو سے کیسا ہے؟

بيّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰه التوفيق:

واضح رہے کہ سوال میں مذکورہ صورت حال چونکہ مبہم ہے، اس لیے پوری تفصیل اور اصل معاملہ سے ہم لاعلم ہیں، لیکن اگر مذکورہ زمین ایسی ہو کہ جو عام لوگ چراگاہ یا دوسرے اجتماعی امور کے لیے استعمال کر رہے ہوں تو ایسی زمین کا آباد کرنا اور اس پر قبضہ کرنا یا بیچنا اور اسی طرح دوسری قسم کے تصرفات کرنا جائز نہیں۔

اور اگر یہ زمین ایسی ہو کہ علاقہ یا قوم کے درمیان اس کی آمدنی مشترک ہو جیسا کہ بعض علاقوں کا عرف اس پر چلا آرہا ہے کہ زمین کسی ملکیت میں نہیں ہوتی، البتہ اس کی آمدنی اور منافع مشترک ہوتے ہیں تو پھر بھی ایسی زمین کا بیچنا یا اس میں کسی قسم کا تصرف جائز نہیں، بلکہ سب لوگ اس کی آمدنی میں شریک ہوں گے۔ تاہم اگر زمین ایسی ہو کہ جس سے مفادِ عامہ وابستہ نہ ہوں اور کئی لوگ اس میں شریک ہوں نیز ہر ایک کا اس میں معین حصہ مقرر ہو اور عرف میں اُس کے بیچنے کا اختیار بھی حاصل ہو تو ایسی مشترکہ جائیداد میں ہر مالک اپنی ملک میں تصرف کا حق رکھتا ہے۔

---

(۱) شرح المجلة لسليم رستم باز، المادة: ۱۰۶۹، ص/۵۹۹

والدليل على ذلك:

الأراضي القريبة عن العمران تترك للأهالي مرعى وبيدرا و محتطبا، ويقال لها الأراضي المتروكة .(۱)

ترجمہ:

آبادی کے ساتھ قریبی زمینیں وہاں کے لوگوں کے واسطے بطور چراگاہ چھوڑی جائے گی اور اس کو متروکہ (چھوڑی ہوئی) زمین کہا جاتا ہے۔

الأموال المشتركة شركة الملك تقسم حاصلاتها بين أصحابها على قدر حصصهم .(۲)

ترجمہ:

شرکت ملک کے ساتھ مشترکہ اموال سے حاصل ہونے والے منافع ان کے مالکوں کے مابین ان کے حصص کے بقدر تقسیم کیے جائیں گے۔

يصح بيع الحصة المعلومة الشائعة بدون إذن الشريك .(۳)

ترجمہ: ایسا مشترکہ حصہ جو معلوم ہو لیکن غیر تقسیم شدہ ہو اُسے شریک کی اجازت کے بغیر فروخت کرنا صحیح ہے۔

❁❁❁

افیون کی کاشت کرنا

سوال نمبر(219):

کیا افیون کی کاشت اور کاروبار جائز ہے؟ اس مسئلہ کو بمع ضروری متعلقات کے تحریر فرمائیں۔

بيّنوا تؤجروا

الجواب وبالله التوفيق:

شریعت اسلام خرید و فروخت اور دیگر معاملات میں منافع کو اعتبار دیتا ہے، لیکن ایسے امور جو بظاہر منافع

(۱) شرح المجلة لسليم رستم باز، المادة: ۱۲۷۱، ص/ ۶۸۸

(۲) أيضاً: ۱۰۷۳، ص/ ۶۰۰، ۶۰۱

(۳) أيضاً: ۲۱۵، ص/ ۱۰۳

کالبادہ اوڑھ کر درحقیقت کئی جسمانی اور روحانی مفاسد کو بغل میں لیے ہوئے ہوں، ایسے امور کی شریعت میں ہرگز اجازت نہیں۔ افیون کا استعمال ہمارے معاشرہ میں بہ نسبت دوائی میں استعمال ہونے کے، ہیروئن جیسے مضر اور تباہ کن چیز بنانے کے لیے بہت غالب ہے۔ اس لیے اس کی کاشت اور خرید و فروخت کسی مسلمان کا شیوہ نہیں۔ یہ حرام اور قابل اجتناب ہے کیونکہ یہ بے شمار انسانوں کی جوانیاں برباد کرنے والا، دماغی توازن کو بگاڑنے والا اور اللہ تعالیٰ کی یاد اور نماز سے رکاوٹ بننے والا ہے۔ تاہم شریعتِ مطہرہ میں چونکہ ضرورت کو ملحوظ رکھا گیا ہے، اس لیے علاج کے پیشِ نظر بوقتِ ضرورت بقدرِ ضرورت حکومت کی نگرانی میں اس کی کاشت کی جائے تو اس کی گنجائش ہے۔

والدلیل علی ذلك:

(ويحرم أكل البنج والحشيشة) هي ورق القنب (والأفيون) لأنه مفسد للعقل، ويصدّ عن ذكر اللّٰه تعالىٰ، وعن الصلوٰة. قال ابن عابدين :.... بل الصّواب أن مراد صاحب الهداية وغيره إباحة قليله للتداوي ونحوه ومن صرّح بحرمته أراد به القدر المسكر منه.(۱)

ترجمہ: اور حرام ہے بھنگ اور حشیش کا کھانا، حشیش سن درخت کے پتوں کو کہتے ہیں، اور افیون کا کھانا بھی کیونکہ یہ عقل کو خراب کرنے والا ہے اور نماز اور اللہ تعالیٰ کے ذکر سے آدمی کو روکتا ہے۔ ابن عابدینؒ ان اشیاء کی اباحت یا حرمت کے بارے میں تفصیلی گفتگو کے بعد فرماتے ہیں:... بلکہ صحیح یہ ہے کہ صاحب ہدایہ وغیرہ کی مراد یہ ہے کہ اس کا تھوڑا حصہ بطورِ دوا استعمال کرنا مباح ہے۔ اور جس نے حرام ہونے کی تصریح کی ہے، اُس کا مراد اتنی مقدار میں پینا ہے جس سے نشہ چڑھ جائے۔

❁❁❁

نہر قدیم کے روکنے کا استحقاق

سوال نمبر (220):

ایک محلّہ کا مشترکہ پانی ہے، جس سے تقریباً دو ہزار من غلہ دینے والی زمین سیراب ہوتی ہے۔ اس محلّہ کی ایک طرف ایک خاص رقبہ ہے جو بعد میں آباد ہوا ہے اور اسی پانی سے سیراب ہوتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ محلّہ کے عام لوگ کہتے ہیں کہ اس خاص رقبہ والوں کا پانی میں حصہ نہیں ہے، اس لیے کہ نیا آباد شدہ ہے۔ قدیم زمین کے ساتھ شامل نہیں ہے۔ حالانکہ یہ خاص رقبہ بھی چالیس سال سے اس پانی سے سیراب ہوتا ہے اور چالیس سال پہلے جب یہ نہر نکالی گئی،

(۱) ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الاشربة: ۱۰/ ۴۰-۴۱

اس وقت عام محلہ والوں نے چوں چرا نہیں کیا تھا۔ رقبہ خاص والوں کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ یہ نہر قدیم تھی، جو کسی وجہ سے کٹ گئی تھی اور پھر نکالی گئی۔ اب کیا اس رقبہ خاص کو پانی ملنے کا حق ہے؟ نیز یہ نہر عام لوگوں کی زمین سے گزر کر خاص رقبہ تک پہنچتی ہے۔ کیا وہ لوگ حق مرور سے منع کر سکتے ہیں؟　　بینوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

سوال میں مذکور صورتحال اگر حقیقت پر مبنی ہو کہ یہ نہر قدیم سے جاری تھی اور پھر کٹ گئی تھی اور چالیس سال پہلے اس کو دوبارہ نکالا گیا ہو اور قدیم محلہ والوں نے اس کو خاص رقبہ والوں سے منع نہ کیا ہو تو اب محلہ والوں کو رقبہ خاص کے پانی روکنے کا حق حاصل نہیں ہوگا اور نہ ان کا یہ دعویٰ قابل سماعت ہوگا، کیونکہ چھتیس (۳۶) سال بعد دعویٰ قابل سماعت نہیں رہتا اس لیے رقبہ خاص کو پانی ملے گا۔ البتہ اگر پانی کی تقسیم کی کیفیت پہلے سے معلوم نہ ہو اور اب پانی کی تقسیم پر اختلاف ہو تو اس صورت میں زمین کے رقبے کے حساب سے پانی ملے گا، مثلاً اگر خاص رقبہ، رقبہ عامہ کا تہائی حصہ ہو تو پانی بھی تہائی حصہ ملے گا اور جب رقبہ خاص والوں کو حق شرب ملے گا تو ان کو حق مرور بھی حاصل ہوگا اور عام محلہ والوں کے لیے ان کا منع کرنا شرعاً جائز نہیں۔

والدلیل علی ذلک:

إذا كانت دعوى الطريق الخاص والمسيل وحق الشرب في عقار الملك، فلا تسمع بعد مرور خمس عشرة سنة، وإن كانت في عقار الوقف، فللمتولي أن يدعيها إلى ست وثلاثين سنة، ولا تسمع دعوى الطريق الخاص والمسيل وحق الشرب في الأراضي الأميرية بعد أن تركت عشر سنين كما لاتسمع دعوى الأراضي الأميرية بعد مرور عشر سنين .(۱)

ترجمہ: اگر دعویٰ طریق خاص کا یا حق مسیل یا حق شرب کا کسی مملوکہ جائداد میں ہو تو اس طرح کا دعویٰ پندرہ سال کے بعد نہیں سنا جائے گا، اور اگر وقف کی زمین میں دعویٰ ہو تو متولی کے لیے یہ اختیار ہے کہ وہ چھتیس سال تک دعویٰ کرلے، اور حکومتی زمینوں میں اگر دس سال تک حق مسیل اور اسی طرح حق شرب کا دعویٰ نہیں کیا گیا تو اس کے بعد اُسے نہیں سنا جائے گا۔ جیسے کہ دس سال گزرنے کے بعد اراضی امیریہ (اراضی سلطانیہ) یعنی حکومتی زمینوں کا دعویٰ نہیں سنا جاتا۔

(۱) أيضاً، المادة: ۱۶۶۲، ص/۹۸۸

کتاب الصَید

(مباحثِ ابتدائیہ)

تعارف اور حکمتِ مشروعیت:

اشرف المخلوقات ہونے کے ناطے رب کریم نے دنیا کی تمام مخلوقات کو انسان کے فائدے کے لیے پیدا فرمایا ہے، اگرچہ ان سے استفادہ کی صورتیں مختلف ہیں، تاہم استفادے کی ہر ممکنہ صورت اور طریقے کی نشان دہی بھی اسلام نے خود ہی کردی ہے تاکہ انسانی ضروریات کی مناسب کفالت بھی ہو سکے اور دیگر مخلوقات وحیوانات کے بالکلیہ استیصال اور نسل کشی سے بھی بچا جا سکے۔ چنانچہ ہر اس حیوان کے شکار کو شریعت میں جائز قرار دیا گیا ہے جس سے انسان کو کچھ نہ کچھ فائدہ ہو۔

صید کا لغوی اور اصطلاحی معنی:

صید لغت میں صاد یصید کا مصدر ہے، بمعنی شکار کرنا۔ شکار کو بھی صید کہتے ہیں۔ یہاں پر صید بمعنی مصید ہے یعنی شکار کی ہوئی چیز، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَأَنْتُمْ حُرُمٌ﴾(۱)

اے ایمان والو! جس وقت تم احرام میں ہو، شکار کو نہ مارو۔

علامہ کاسانیؒ کے ہاں صید اس حیوان کو کہتے ہیں جس کو (انسانوں سے طبعی) وحشت اور اجنبیت ہو اور اس کے اڑنے یا تیز دوڑنے کی وجہ سے اس کو پکڑنا حیلہ کے بغیر ممکن نہ ہو۔

اسم لما يتوحش ويمتنع ولا يمكن أخذه إلا بحيلة، إما لطيرانه أو لعدوه.(۲)

تعریف سے معلوم ہوتا ہے کہ جن جانوروں کا گوشت نہیں کھایا جاتا، ان کا شکار بھی جائز ہے، اگر شکار کے بعد ان کے چمڑے، سینگ، ہڈی، بال اور پروں وغیرہ سے فائدہ اُٹھایا جا سکے۔ اسی طرح ذبح کرنے سے ان کا گوشت بھی پاک ہو جاتا ہے، اگرچہ وہ کھایا نہیں جا سکتا، لیکن خارجی استعمال میں لایا جا سکتا ہے۔ کسی درندے کے ضرر سے بچنے

(۱) المائدة: ۹۵، الموسوعة الفقهية، مادة صيد: ۱۱۳/۲۸

(۲) بدائع الصنائع، كتاب الذبائح والصيود: ۱۷۷/۶

کے لیے اس کا شکار کرنا بھی جائز ہے۔(۱)

صید کی مشروعیت:

قرآن کریم کی مختلف آیتوں میں شکار کی اجازت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، مثلاً:

﴿وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا﴾(۲)

اور جب تم احرام سے نکلو تو شکار کرلو۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهٗ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ﴾(۳)

حلال ہوا تمہارے لیے دریا کا شکار اور دریا کا کھانا، تمہارے فائدے کے واسطے۔

اسی طرح حضرت عدی بن حاتم اور ابوقتادہ رضی اللہ عنہما کی روایات میں شکار کی اجازت کے ساتھ ساتھ بعض احکام کا بھی تذکرہ ہے۔(۴)

شکار کے جواز پر صحابہ وتابعین کا عملی اجماع بھی ہے اور اصولِ شریعت اور عقل سلیم بھی اس کے جواز کا متقاضی ہے۔(۵)

شکار کا حکم:

شکار کا اصل حکم تو اباحت اور جواز ہے، البتہ چند خاص صورتوں میں اس کا حکم مختلف ہوسکتا ہے:

خلافِ اولیٰ اور مکروہ صورتیں:

(۱)......رات کے وقت شکار کرنا خلافِ اولیٰ ہے۔(۶)

(۲) بلا مقصد محض تفریح طبع کے لیے شکار کرنا مکروہ ہے یا ایسا شکار کرنا جس سے انسان دوسرے امور سے غفلت کا شکار ہوجائے۔(۷)

---

(۱) تبیین الحقائق، کتاب الصید: ۷/۱۳۵، الدرالمختار، کتاب الصید: ۱۰/۶٤

(۲) مائدۃ: ۲ (۳) مائدۃ: ۹٦

(٤) الصحیح للبخاري، کتاب الذبائح و الصید والتسمیة وباب الصید علی الجبال: ۲/۸۲۳، ۸۲۵

(۵) حاشیة بدائع الصنائع، کتاب الذبائح و الصیود: ٦/۱۷۳، الموسوعة الفقهیة، مادہ صید: ۲۸/۱۱٤

(٦) الدرالمختار، کتاب الصید: ۱۰/٦٤ (۷) الدرالمختار، کتاب الصید: ۱۰/٤۵، ٤٦

(۳)......اسی طرح زندہ جانوروں پر نشانہ بازی کرنا یا زندہ جانوروں سے کتے اور باز کی شکار کی تربیت دینا بھی مکروہ ہے۔(۱)

حرمت کی صورتیں:

(۱)......شکار کرنے والا حج یا عمرے کے احرام میں ہو اور شکار بری یعنی خشکی کا ہو۔(۲)

(۲)......شکار کرنے والا احرام میں نہ ہو، لیکن شکار کا جانور حرم کی حدود کے اندر ہو۔(۳)

(۳)......شکار پر کسی کی ملکیت کے آثار ہوں، مثلاً: رنگ وغیرہ یا اس کے پر کاٹے گئے ہوں یا گلے میں رسی ہو۔(۴)

(۴)......شکار سے کسی کے اموال اور کھیتوں کا نقصان ہو رہا ہو۔(۵)

مالکیہ کے ہاں شکار معاش کے لیے مباح، اہل وعیال پر فراخی کے لیے مستحب، ضرورت کے وقت احیاء نفس کے لیے واجب، کھیل کود اور لہو لعب کے لیے مکروہ اور بغیر فائدہ تعذیب حیوان کی وجہ سے حرام ہے۔(۶)

شکار کی اقسام:

شکار کیے جانے والے حیوان کی دو قسمیں ہیں:

(۱) بری یعنی خشکی کا شکار (۲) بحری یعنی دریا سمندر وغیرہ کا شکار

بری شکار وہ ہے جس کا توالد وتناسل خشکی پر ہو، رہن سہن کا اعتبار نہیں۔

بحری شکار وہ ہے جس کا توالد وتناسل پانی میں ہو، اگرچہ رہن سہن خشکی پر ہو، لہٰذا اگر محرم نے مینڈک، کیکڑا، کچھوا وغیرہ احرام کی حالت میں شکار کیا تو اس پر دم نہیں، اس لیے کہ محرم کے لیے بحری حیوانات کا شکار جائز ہے۔(۷)

حنفیہ کے ہاں پانی کے حیوانات میں سے صرف مچھلی حلال ہے، باقی سب حرام ہیں اور مچھلیوں میں سے وہ

---

(۱) الدرالمختار، کتاب الصید: ۶٤/۱۰

(۲) مائدة:۹٦ (۳) عنکبوت :٦۸، ردالمحتار، کتاب الصید: ٤٦/۱۰

(٤) الموسوعة الفقهية، مادة صيد: ۱۱٦/۲۸

(٥) الفقه الإسلامي وأدلته : ۲۸۰٤/٤

(٦) الفقه الإسلامي وأدلته، الفصل الثاني الصيد : ۲۸۰٤/٤، حاشية الدسوقي على الشرح الكبير: ۱۰۷/۲

(۷) ردالمحتار، کتاب الحج، باب الجنايات: ٥۹٥/۳

مچھلی بھی حرام ہے جو خود مرجائے اور پانی کی سطح پر آجائے، البتہ دوسرے فقہا کے ہاں علی اختلاف الاقوال پانی کے حیوانات میں سے صرف مینڈک، کچھوا، مگرمچھ، سانپ، کیکڑا، سمندری کتا، خنزیر اور سمندری انسان حرام ہیں، باقی سب حلال ہیں۔(۱)

شکار کردہ حیوان کب شکاری کی ملکیت شمار ہوگا؟

فقہا کے ہاں حیوان پر قابو پانے سے وہ ملکیت میں آجاتا ہے، البتہ قابو پانا دو قسم کا ہے: حقیقی و حکمی حقیقی تو ظاہر ہے اور حکمی یہ ہے کہ کسی ایسی چیز کے استعمال سے شکار قابو کیا جائے جس کو عموماً شکار کے لیے استعمال کیا جاتا ہے، مثلاً: جال دریا میں ڈال دیا اور اس میں شکار آ گیا تو اب شکاری کا ہے، چاہے اس نے شکار کی نیت سے جال ڈالا ہو یا ویسے ہی چھوڑ دیا ہو۔ البتہ اگر سکھانے کے لیے رکھ دیا اور شکار گھس گیا تو ملکیت حاصل نہیں ہوتی، جب تک پکڑ نہ لے۔ ہاں جو چیز شکار کے لیے استعمال نہ ہو، اس میں نیت کے بغیر شکار کا مالک نہیں ہوگا۔(۲)

شکار کا رکن:

شکار کا فعل، شکار کے اہل شخص سے شکار کے محل میں جمیع شرائط کے ساتھ صادر ہونا اس کا رکن ہے۔(۳)

شکار شدہ حیوان کے حلال ہونے کے لیے شرائط:

شکار کیے ہوئے حیوان کے حلال ہونے کے لیے حنفیہ کے ہاں چند شرائط ہیں جن میں سے کچھ شکار کرنے والے سے متعلق ہیں، کچھ شکار سے متعلق جب کہ کچھ آلہ شکار سے متعلق ہیں، البتہ بعض شرائط وہ ہیں جو ذبح سے متعلق ہیں، لہٰذا وہ اپنے مقام پر ذکر کی جائیں گی۔

یاد رہے کہ یہ شرائط اس شکار کے لیے ہیں جس کا کھانا حلال ہو اور شکار کرنے کے بعد ذبح کرنے کا موقع نہ ملے۔ اگر ذبح کا موقع مل جائے تو اس میں ذبح کی شرائط لاگو ہوں گی، صید کی نہیں، ہاں اگر شکار سمندر کا ہو (مچھلی کا) تو پھر مطلقاً جائز ہے جس نے بھی شکار کیا ہو، مسلمان ہو یا کافر، اس کے شکار کے لیے کوئی شرط نہیں۔(۴)

---

(۱) بدائع الصنائع، کتاب الذبائح و الصیود: ٦/١٧٣، ١٧٤

(۲) الفتاوی الهندیة، کتاب الصید، الباب الثاني مایملك به الصید ومالا یملك به: ٥/٤١٧

(۳) الفتاوی الهندیة، کتاب الصید، الباب الأول في تفسیره ورکنه: ٤/٤١٧

(٤) حاشیة شلبي علی تبیین الحقائق، کتاب الصید: ٧/١٣١، ١٣٢، الفتاوی الهندیة حواله بالا، ردّ المحتار، کتاب الصید: ١٠/٤٦

شکار کرنے والے سے متعلق شرائط:

(۱)......شکار کرنے والا صاحب عقل وتمیز ہو اور مسلمان یا کتابی ہو یعنی ایسا شخص ہو جو شکار پر خاص اللہ کا نام لینے والا ہو، لہٰذا چھوٹے بچے، دیوانے، مشرک، مرتد وغیرہ کا شکار درست نہیں۔اسی طرح ہر اس شخص کا شکار بھی درست نہیں جو اگرچہ مسلمان ہو، لیکن اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کے نام سے شکار کرے۔(۱)

(۲)......شکار کرنے والا حلال ہو، یعنی احرام کی حالت میں نہ ہو، اسی طرح شکار بھی حرم کا نہ ہو۔اگر شکاری حلال ہو اور شکار حرم کا ہو تو پھر بھی یہ شکار جائز نہیں۔(۲)

(۳)......تیر پھینکتے یا شکاری کتا وغیرہ چھوڑتے وقت قصداً بسم اللہ ترک نہ کیا ہو، لہٰذا اگر ارسال (کتا چھوڑنے) کے وقت تسمیہ ترک کر دیا اور پھر کتے کا شکار پر حملہ کرتے وقت تسمیہ پڑھ لیا تو اس کا کوئی اعتبار نہیں۔(۳)

(۴)......تیر پھینکنے اور کتا چھوڑنے کے بعد کسی اور کام میں مشغول نہ رہے، یہاں تک کہ شکار کو پکڑ لے۔اگر تیر پھینکنے یا کتا چھوڑنے کے بعد بیٹھا رہا اور بعد میں مطلوبہ شکار مردہ حالت میں مل گیا تو اس کا کھانا حلال نہیں، کیونکہ شکاری کے لیے ضروری ہے کہ وہ شکار تک جلدی پہنچ کر اس کو ذبح کرنے کی کوشش کرے، لہٰذا مذکورہ صورت میں شکاری کی تاخیر کی وجہ سے جانور کی موت بغیر ذبح کے واقع ہوئی اور جہاں بھی کوتاہی شکاری کی ہو، وہاں شکار کا جانور حرام ہوگا۔(۴)

(۵)......تیر پھینکنے اور کتا چھوڑنے میں شکاری کے ساتھ کوئی ایسا شخص نہ ہو جس کا ذبیحہ حلال نہیں، جیسے: مشرک یا قصداً بسم اللہ کو چھوڑنے والا۔(۵)

---

(۱) الدرالمختار مع ردالمحتار، کتاب الذبائح: ۴۲۸/۹، و کتاب الصید: ۴۶/۱۰، الفتاوی الهندية، الباب الثالث في شرائط الاصطیاد: ۴۲۱/۵

(۲) الدرالمختار مع ردالمحتار، کتاب الذبائح: ۴۲۷/۹، الفتاوی الهندية، الباب الثالث في شرائط الاصطیاد: ۴۲۱/۵

(۳) ردالمحتار، کتاب الصید: ۵۱/۱۰، الفتاوی الهندیه حواله سابقه

(٤) ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الصید: ۴۶/۱۰، الفتاوی الهندية، الباب الأول: ۴۱۷/۵، الموسوعة الفقهية، مادة صيد: ۱۲۶/۲۸

(٥) ردالمحتار، کتاب الصید: ۴۶/۱۰، الفتاوی الهندیه، کتاب الصید، الباب الأول في تفسیره ورکنه وحکمه: ۴۱۷/۵

شکارشدہ جانور سے متعلق شرطیں:

(۱)......وہ شکار حشرات میں سے نہ ہو۔

(۲)......وہ شکار پانی کے اندر رہنے والا نہ ہو۔

(۳)......وہ شکار وحشی اور غیر مانوس ہو اور اپنی حفاظت خود اپنے پروں، پنجوں یا کچلیوں سے کرسکتا ہو، چنانچہ گھریلو جانوروں اور مانوس جنگلی جانوروں کا ذبح اختیاری ضروری ہے۔

(۴)......حلال اور ماکول اللحم ہو۔

(۵)......ذبح کرنے سے پہلے پہلے وہ جانور شکاری یا کتے وغیرہ کے لگائے گئے زخم سے مرجائے، البتہ کچھ رمق زندگی کی باقی ہو تو پھر ذبح کردینا ضروری ہے۔(۱)

بازاور کتے کے متعلق شرطیں:

(۱)......کتا اور باز تربیت یافتہ (معلّم) ہو۔

(۲)......شکاری نے اس کو شکار پر چھوڑا ہو۔

(۳)......کتے کے ساتھ کوئی دوسرا جانور، غیر معلم کتا یا ایسا کتا، جس کو چھوڑتے وقت بسم اللہ نہ کہی گئی ہو؛ شکار میں شریک نہ ہو۔

(۴)......شکار کو زخمی کر کے مار دے، نہ کہ گردن توڑنے سے۔

(۵)......شکار میں سے کچھ بھی نہ کھائے۔ یہ شرط کتے کے لیے ہے، باز کے لیے نہیں۔(۲)

آلہ شکار کی شرائط:

آلہ دو قسم پر ہے: آلہ جامدہ اور حیوان۔ آلہ جامدہ (چاقو، تیر، نیزہ وغیرہ) کی شرائط مندرجہ ذیل ہیں:

(۱)......آلہ دھار والا ہو یعنی جلد اور گوشت کاٹنے والا ہو، چاہے لوہے کا ہو یا کسی اور چیز کا۔

(۲)......شکار کو دھار والی طرف لگ جائے اور اس کو زخمی کردے اور یہ یقین بھی ہو کہ موت اسی زخم سے واقع ہوئی ہے۔

---

(۱) ردالمحتار، کتاب الصید: ۱۰/۴٦،الفتاوی الهندية، کتاب الصيد،الباب الأول في تفسيره وركنه وحكمه:٥/٤١٧

(۲) الفتاوی الهندية، کتاب الصيد، الباب الأول في تفسيره وركنه وحكمه:٥/٤١٧،٤٢٢

(۳)......تیر وغیرہ براہِ راست لگ جائے۔ ہوا، دیوار یا درخت سے مڑ کر شکار کو نہ لگے۔(۱)

شکار سے متعلقہ چند مسائل:

(۱)......حنفیہ کے ہاں کتا چھوڑتے وقت یا تیر پھینکتے وقت شکار کی تعیین ضروری نہیں، لہٰذا اگر ایک ہی تسمیہ سے کئی حیوان شکار ہو جائیں تو سب جائز ہیں۔(۲)

(۲)......شکار کے آلے کا استعمال اس طور پر ہو کہ اس کی طرف شکار کی نسبت درست ہو، لہٰذا اگر کتا خود ہی بھاگ کر شکار کرے یا ہوا کی وجہ سے شکار پر تیر لگ جائے اور اس سے وہ شکار مر جائے تو اس کا کھانا جائز نہیں۔(۳)

(۳)......شکار کرتے وقت ایسے حیوان کا ارادہ کرنا ضروری ہے جس کا شکار جائز ہو، لہٰذا اگر شکاری نے انسان یا کسی گھریلو جانور کی آہٹ سن کر تیر چھوڑا اور وہ کسی حلال جنگلی شکار کو لگ گیا تو یہ شکار حرام ہے، اس لیے کہ شکاری نے جن چیزوں پر تیر چھوڑا تھا، وہ شکار ہی نہیں۔(۴)

(۴)......اگر پرندے کو تیر لگا اور وہ پہاڑ یا مکان کی چھت پر گرا، پھر زمین پر آ رہا تو وہ بھی حرام سمجھا جائے گا، کیونکہ یہ احتمال موجود ہے کہ اس کی موت تیر سے نہیں، بلکہ پہاڑ یا چھت سے نیچے گرنے کی وجہ سے ہو۔

(۵)......شکار کے جانور سے علیحدہ ہونے والا عضو حرام اور باقی حلال ہے، البتہ اگر جانور کے دو حصے ہو گئے یا ایک تہائی جدا ہو گیا تو پورا حلال ہے۔(۵)

(۶)......جال وغیرہ میں پھنسا ہوا شکار (سوائے مچھلی کے) ذبح اختیاری کے بغیر حلال نہیں، اگر خود ہی مر جائے تو حرام ہوگا۔

(۷)......بندوق یا بھاری پتھر سے کیا گیا شکار بھی ذبح کے بغیر حلال نہیں، اس لیے کہ بندوق اور بھاری پتھر زور کی وجہ سے حیوان کو مارتا ہے، کاٹ کر اور زخم لگا کر نہیں۔(۶)

---

(۱) الموسوعة الفقهية، مادة صيد: ۱۳۳/۲۸، ردالمحتار، كتاب الصيد: ۵۳/۱۰

(۲) ردالمحتار، كتاب الصيد: ۵۱/۱۰، الفتاوى الهندية، الباب الثالث في شرائط الاصطياد: ۴۲۱/۵

(۳) الموسوعة الفقهية، مادة صيد: ۱۱۹/۲۸، ردالمحتار، كتاب الصيد: ۵۱/۱۰

(۴) الدرالمختار، كتاب الصيد: ۶۴/۱۰، ۶۵، الموسوعة الفقهية، مادة صيد: ۱۲۰/۲۸

(۵) الدرالمختار، كتاب الصيد: ۶۱/۱۰، ۶۲

(۶) الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصيد: ۵۹/۱۰_۶۱، الموسوعة الفقهية، مادة صيد: ۱۳۴/۲۸، ۱۳۵

(۸)......زہر آلود تیر سے کیا گیا شکار بھی جائز نہیں، اس لیے کہ اس میں حلال اور حرام چیز مشترک ہو کر شکار کا آلہ بن گیا ہے، لہٰذا مسلمان اور مجوسی کے مشترکہ تیر کی طرح یہ بھی جائز نہیں۔(۱)

(۹)......موجودہ دور میں بجلی کرنٹ اور دوائی ڈالنے سے مچھلیوں کا شکار کیا جاتا ہے، یہ اگرچہ جائز ہے، لیکن اگر دوسرے آبی حیوانات اور چھوٹی مچھلیوں کے مرنے کا خطرہ ہو تو اس سے احتراز بہتر ہے۔

حلال وحرام جانوروں اور پرندوں کی تفصیل:

حیوان دراصل دو قسم پر ہیں:

ایک قسم وہ ہے جو پانی میں رہائش پذیر ہو۔ ان میں سے حنفیہ کے ہاں صرف اور صرف مچھلی حلال ہے، باقی سب چیزیں حرام ہیں۔ مچھلیوں میں بھی وہ مچھلی حرام ہے جو خود مر کر پانی کی سطح پر آجائے۔ اس کے علاوہ بقیہ جانور حنفیہ کے ہاں حرام ہیں، اگرچہ دوسرے فقہائے کرام کے ہاں اس میں کچھ تفصیل بھی ہے۔(۲)

خشکی کے جانوروں کی تین قسمیں ہیں:

(۱)......ایک وہ جن میں خون بالکل نہیں پایا جاتا، جیسے: ٹڈی، بھڑ، مکھی، مکڑی وغیرہ؛ ایسے حیوانات میں ٹڈی (جراد) کے سوا باقی سب حرام ہیں، اس لیے کہ یہ حیوانات فطرتاً خبیث ہیں، جن سے طبیعت کو نفرت ہوتی ہے، لہٰذا ان کی حرمت کی وجہ یہی طبعی خباثت ہے۔

(۲)......وہ جانور جن میں خون ہے، لیکن بہتا ہوا نہیں، جیسے: سانپ، چھپکلی اور تمام حشرات الارض؛ یہ بھی بالاتفاق حرام ہیں، البتہ امام شافعیؒ کے ہاں گوہ (ضب) حلال ہے۔

(۳)......وہ جانور جن میں بہتا ہوا خون (دم سائل) موجود ہو، وہ دو قسم کے ہیں: ایک مانوس اور گھریلو جانور اور دوسرے وحشی اور جنگلی، گھریلو جانوروں میں گائے، بکری، بیل، اونٹ وغیرہ اور جنگلی جانوروں میں ہرن، نیل گائے، جنگلی اونٹ اور جنگلی گدھا حلال ہیں۔ گھوڑے کا گوشت امام ابوحنیفہؒ وامام مالکؒ کے ہاں مکروہ اور صاحبینؒ وامام شافعیؒ کے ہاں حلال ہے۔

جن جانوروں میں چیرنے پھاڑنے کی عادت ہو یعنی داڑھ اور کچلی والے (ذی ناب) ہوں تو وہ بالاتفاق

---

(۱) الموسوعة الفقهية، مادة صيد: ۲۸/ ۱۳۶، ۱۳۷

(۲) بدائع الصنائع، كتاب الذبائح والصيود: ۶/ ۱۷۳، ۱۷۴

حرام ہیں، جیسے: بلی، کتا، شیر وغیرہ۔ اسی طرح وہ جانور بھی حرام ہیں، جن کی حرمت کے بارے میں نصوص وارد ہیں، جیسے: گدھا وغیرہ۔(۱)

وہ جانور جو بذات خود تو حلال ہوں لیکن ان کی موت ذبح (اختیاری یا اضطراری) کے بغیر کسی دوسری وجہ سے واقع ہو جائے، وہ بھی حرام ہیں۔(۲)

وہ پرندے جو پنجوں سے اپنا شکار کرتے ہیں یا دوسرے پرندوں پر حملہ آور ہو کر ان کو شکار کرتے ہیں، وہ بھی حرام ہیں۔ اسی طرح وہ پرندے بھی حرام ہیں، جن کے قتل کے بارے میں حکم دیا گیا ہے، جیسے: چیل وغیرہ، اسی طرح ہدہد بھی حرام ہے، اس لیے کہ اس کے قتل سے حدیث میں منع وارد ہے۔

کوؤں میں سے نجاست خور تو بالاتفاق حرام ہے، باقی اقسام کے بارے میں فقہا کے درمیان اختلاف موجود ہے۔

علامہ کاسانیؒ کے ہاں دانہ خور اور گھاس خور کوا حلال ہے۔(۳)

مکروہ حیوانات:

جن حلال جانوروں کا اکثر کھانا مردار اور نجس ہو، ان کا کھانا مکروہ ہے، مثلاً: مرغی، اونٹ یا اور کوئی جانور جو گندگی کھانے کا عادی ہو۔ اسی طرح ان کا دودھ پینا بھی مکروہ ہوگا۔(۴)

❁❁❁❁❁

---

(۱) ملخص از بدائع الصنائع، کتاب الذبائح والصیود: ۱۹٤-۱۷۳/٦

(۲) بدائع الصنائع، کتاب الذبائح والصیود، فصل في شرط حل الأكل في الحيوان المأكول: ۱۹۷/٦

(۳) بدائع الصنائع، کتاب الذبائح والصیود: ۱۹٤،۱۹۳/٦

(٤) بدائع الصنائع، فصل في مايكره من الحيوانات: ۱۹٦-۱۹٤/٦

کتاب الصّید

(شکار کے مسائل)

رات کے وقت پرندوں کا شکار کرنا

سوال نمبر(221):

شرعی نقطۂ نظر سے رات کے وقت پرندوں کا شکار کرنا کیسا ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

رات کے وقت پرندوں کا شکار کرنا اگر چہ جائز ہے، لیکن فقہائے کرام نے لکھا ہے کہ بہتر اور اولیٰ یہی ہے کہ رات کے وقت شکار نہ کیا جائے۔

والدّلیل علی ذلك:

وأخذ الطیر لیلامباح والأولی عدم فعله .(۱)

ترجمہ: رات کے وقت پرندوں کا پکڑنا (شکار کرنا) جائز ہے البتہ بہتر یہ ہے کہ ایسا نہ کیا جائے۔

❁❁❁

پرندوں کی گردن ہاتھ سے مروڑ کر مارنا

سوال نمبر(222):

حلال چھوٹے پرندوں کو بعض اوقات غلیل سے مارا جاتا ہے اور چاقو موجود نہیں ہوتا تو اس کی گردن مروڑ کر بدن سے جدا کی جاتی ہے، ایسے پرندے کا کھانا کیسا ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

کوئی بھی حلال پرندہ جب زندہ قابو میں آئے تو اس کا کھانا اس صورت میں حلال ہوگا کہ اسے کسی تیز دھار آلہ

(۱) تنویرالابصار مع الدرالمختار، کتاب الصید: ۱۰/ ٦٤

سے ذبح کیا جائے، ورنہ بصورت دیگر اس کا کھانا حلال نہیں رہے گا۔

صورت مسئولہ میں حلال چھوٹے پرندے کو جب غلیل سے مارا جائے تو چھری چاقو موجود نہ ہونے کی صورت میں اس کی گردن مروڑ کر بدن سے الگ کرنا، اس کے حلال ہونے کے لیے کافی نہیں، بلکہ یہ مردار ہے اور اس کا کھانا حرام ہے۔

والدلیل علی ذلک:

قوله تعالیٰ: ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيحَةُ وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ﴾.(۱)

ترجمہ: تم پر مردار جانور، خون، خنزیر کا گوشت اور وہ جانور حرام کر دیا گیا ہے جس پر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کا نام پکارا گیا ہو۔ اور وہ جو گلا گھٹنے سے مرا ہو، اور جسے چوٹ مار کر ہلاک کیا گیا ہو، اور جو اوپر سے گر کر مرا ہو، اور جسے کسی جانور نے سینگ مار کر ہلاک کیا ہو، اور جسے کسی درندے نے کھا لیا ہو، البتہ جسے تم ذبح کر چکے ہو (تو وہ حلال ہے)

❁❁❁

بندوق اور ائیر گن سے کیے جانے والے شکار

سوال نمبر (223):

بندوق اور ائیر گن کے ذریعے جس حلال جانور یا پرندے کا شکار کیا جاتا ہے کیا اس کا کھانا حلال ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

جو شکار کسی ایسی چیز سے کیا جائے کہ وہ تیز دھار آلہ نہ ہو، بلکہ قوت اور دباؤ کے ذریعے شکار کو زخمی کر کے اس کی جان لے لے تو اس کا کھانا جائز نہیں۔ چونکہ بندوق اور ائیر گن سے نکلنے والی گولی تیز دھار نہیں ہوتی، بلکہ وہ قوت اور دباؤ کے ذریعے شکار کو زخمی کرتی ہے، اس لیے اگر یہ شکار قابو میں آنے سے پہلے مر جائے تو اس کا کھانا جائز نہیں اور اگر اس میں کچھ زندگی باقی ہو تو اللہ تعالیٰ کا نام لے کر اس کو ذبح کیا جائے، پھر اس کا کھانا جائز ہے۔

---

(۱) المائدة/۳

والدليل على ذلك:

والأصل أن الموت إذا حصل بالجرح بيقين حل، وإن بالثقل أو شك فيه فلا يحل حتماً أو احتياطاً، ولا يخفى أن الجرح بالرصاص إنما هو بالإحراق والثقل بواسطة اندفاعه العنيف إذ ليس له حد فلا يحل. (۱)

ترجمہ: قاعدہ ہے کہ جب (شکار کی) موت یقینی طور پر زخمی ہونے سے واقع ہو جائے تو وہ حلال ہے اور اگر دباؤ کی وجہ سے ہو یا زخم اور دباؤ میں سے جس کی وجہ سے موت واقع ہوئی ہے اس میں شک ہو تو یقیناً یا احتیاطاً کا تقاضا یہ ہے کہ حلال نہ ہو اور یہ بات ظاہر ہے کہ گولی کے ذریعے (شکار کا) زخمی ہونا اُس کے جلانے کی وجہ سے ہے اور اُس کے سخت پریشر کی وجہ سے جو دباؤ ہے اُس کی وجہ سے ہے، کیونکہ گولی کا کوئی تیز دھار نہیں ہوتا لہٰذا وہ حلال نہیں۔

❁❁❁

پرندے کی آنکھیں بند کر کے اس کے ذریعے باز کا شکار کرنا

سوال نمبر (224):

باز کے شکار کا ایک طریقہ یہ ہے کہ کسی پرندے کی آنکھیں باندھ دی جاتی ہیں تا کہ وہ باز دیکھ کر بھاگ نہ سکے اور اُس کے پاؤں کے ساتھ سخت دھاگہ باندھ دیا جاتا ہے تا کہ جب باز اُس کو شکار کرنا چاہے تو اس کے پَر اس میں پھنس جائیں۔ یوں جب اس پرندے کو ہوا میں اُڑایا جاتا ہے اور باز اِس پر حملہ آور ہوتا ہے، تو اُس کے پَروں سے تار اُلجھ جاتا ہے اور یوں باز زمین پر گر جاتا ہے۔ اور شکاری اُسے پکڑ لیتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس طرح پرندے کی آنکھیں بند کر کے اُس کے ذریعے باز کا شکار کرنا جائز ہے یا نہیں؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

فقہائے کرام نے کسی زندہ جانور کے ذریعے باز وغیرہ کو تعلیم دینا مکروہ قرار دیا ہے کیونکہ اس کی وجہ سے وہ زندہ جانور تکلیف میں مبتلا ہوتا ہے۔ مذکورہ صورت میں باز کے شکار کرنے کے لیے زندہ پرندے کی آنکھیں باندھنا بھی اُسے تکلیف میں مبتلا کرنا ہے اس لیے یہ عمل بھی کراہت سے خالی نہیں۔

---

(۱) ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الصید، تحت قوله: (ولو كانت خفيفة): ۱۰/۶۰

والدّلیل علی ذلک:

ویکرہ تعلیم البازي بالطیر الحي یأخذہ ویعذّبہ، ولابأس بأن یعلم بالمذبوح.(١)

ترجمہ:

زندہ جانور سے باز کو تعلیم دینا مکروہ ہے، کہ باز اُسے پکڑے اور تکلیف دے۔ البتہ ذبح شدہ جانور کے ساتھ اُسے تعلیم دینے میں کوئی حرج نہیں۔

۞۞۞

تالاب میں دوائی ڈالنے سے مرنے والی مچھلیوں کا کھانا

سوال نمبر(225):

بعض لوگ مچھلیوں کا شکار کرنے کے لیے کسی بڑے تالاب میں ایک قسم کی دوائی ڈالتے ہیں جس سے وہ مچھلیاں مرجاتی ہیں۔ کیا ایسی مچھلیوں کا کھانا جائز ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

تالاب میں موجود مچھلیاں جب کسی بھی خارجی سبب سے مرجائیں تو ان کا کھانا حلال ہے اور دوائی ڈالنا بھی اس کے خارجی اسباب میں سے ایک سبب ہے، لہٰذا دوائی ڈالنے سے مرنے والی مچھلیوں کی حلت متاثر نہیں ہوتی۔ ان کا کھانا حلال ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

ثم الأصل في السمك عندنا أنه إذا مات بآفة یحل کالمأخوذ، وإذامات حتف أنفه من غیرآفة لایحلّ کالطّافي.(٢)

---

(١) الفتاوی الهندیة، کتاب الکراهیة، الباب الحادي والعشرون، ٥/٣٦٢، رشیدیه

(٢) الهدایة، کتاب الذبائح، فصل فیمایحل اکله ومالایحل: ٤/٤٤٣

ترجمہ:

پھر ہمارے نزدیک مچھلی کے بارے میں قاعدہ یہ ہے کہ جب وہ کسی آفت (یعنی خارجی سبب) سے مرجائے تو حلال ہے، جیسے وہ مچھلی جو پکڑی گئی ہو اور جب وہ بغیر کسی آفت (یعنی خارجی سبب) کے اپنی موت مرجائے تو وہ حلال نہیں ہے، جیسے: خود مر کر پانی کی سطح پر آئی ہوئی مچھلی۔

❁❁❁

حلال وحرام پرندوں کی پہچان کا طریقہ

سوال نمبر(226):

پرندوں کی بہت ساری اقسام ہیں۔آسانی کے لیے ان میں حلال وحرام پرندوں کی پہچان کا طریقہ بتائیں؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

جو پرندے پنجہ اور چونچ کے ذریعے شکار کرتے ہیں، جیسے شکرہ، باز اور شاہین وغیرہ، وہ سب حرام ہیں۔اسی طرح جو پرندے ایسے ہیں کہ ان کی غذا مردار چیزیں کھانا ہو، جیسے: گدھ تو وہ بھی حرام ہیں۔اور وہ پرندے جو پنجہ اور چونچ کے ذریعے شکار نہیں کرتے، بلکہ ان کی غذا دانے وغیرہ کھانا ہو، جیسے: کبوتر، فاختہ اور بٹیر وغیرہ وہ حلال ہیں۔

والدلیل علی ذلك:

والسنور الأهلي فلايحل، وكذلك المتوحش فمنها المسمى بسباع الوحش والطير، وهو كل ذي ناب من السباع، وكل ذی مخلب من الطير ...... كالبازي والباشق والصقر والشاهين والحداة والبعاث والنسر والعقاب ومأشبه ذلك.(۱)

ترجمہ:

اور گھریلو بلی حلال نہیں ہے، اور اسی طرح وحشی حیوانات کا حکم ہے۔جن میں سے بعض کو درندہ جانور اور بعض کو درندہ پرندے کہا جاتا ہے۔اس سے مراد سب کچلیوں والے درندہ جانور اور چنگل مار کر شکار کرنے والے پرندے ہیں

(۱) الفتاوی الهندية، كتاب الذبائح، الباب الثاني في بيان مايوكل من الحيوان: ٥/ ٢٨٩

(یہ سب حرام ہیں)۔۔۔۔۔مثلاً باز، باشہ، شکرا، شاہین، چیل، بعاث، گدھ، عقاب اور جو اس کی مانند ہیں۔

❁❁❁

کوچہ گشت گائے، بھینس کا دودھ پینا

سوال نمبر(227):

جو گائے، بھینس ایسی ہو کہ گلی کوچوں یا کہیں دوسری جگہوں پر چل پھر کر ناپاک چیزیں بھی کھایا کرتی ہو ایسے جانوروں کا دودھ پینا اور ذبح کرنے کے بعد گوشت کھانا کیسا ہے؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

جو گائے، بھینس وغیرہ ایسی ہو کہ وہ ناپاک (نجس) چیز کھایا کرتی ہو اور یہ نجاستیں اس مقدار میں کھائے کہ اس سے ان کے گوشت میں کچھ بدبو محسوس ہو تو ایسی گائے، بھینس کا دودھ پینا بھی مکروہ ہے۔

تاہم اگر ان ناپاک چیزوں کے ساتھ ساتھ پاک خوراک بھی کھاتی ہو تو پاک چیزوں کی خلط کی وجہ سے ایسے حیوان کے گوشت میں بدبو پیدا نہیں ہوتی، لہٰذا ان کا دودھ پینا یا ذبح کے بعد گوشت کھانا بلا کسی کراہت کے جائز ہے۔

والدلیل علی ذلک:

وروي ابن رستم عن محمدؒ في الناقة الجلالة، والشاة الجلالة، والبقرة الجلالة، إنما تكون جلالة إذاانتن وتغير لحمها، فوجدت منه ريح منتنة، فهي الجلالة حينئذ لايشرب لبنها، ولا يؤكل لحمها وبيعها وهبتها جائز، هذا إذا كانت لاتخلط، ولاتأكل إلاالعذرة غالباً، فإن خلطت، فليست بجلالة، فلاتكره؛ لأنها لاتنتن. (۱)

ترجمہ:

اور ابن رستمؒ نے امام محمدؒ سے جلالہ اونٹنی اور جلالہ بکری اور جلالہ گائے کے متعلق روایت کی ہے کہ وہ جلالہ تب قرار پاتی ہے کہ جب اس کا گوشت بدبودار اور متغیر ہو جائے، جس کی وجہ سے اُس سے بدبو آتی ہو۔ ایسی صورت میں اس کا دودھ نہ پیا جائے گا اور نہ اس کا گوشت کھایا جائے گا البتہ اس کا بیع اور ہبہ کرنا جائز ہے اور یہ حکم اس صورت میں ہے

---

(۱) الفتاوی الهندية، كتاب الذبائح، الباب الثاني في بيان مايؤكل: ۵/۲۸۹، ۲۹۰

جبکہ وہ (خوراک میں) کچھ اور نہ ملاتی ہو اور اکثر نجاست ہی کھاتی ہو اور اگر کوئی اور چیز بھی ملا کر کھاتی ہو، تو جلالہ قرار نہ پائے گی، پس وہ مکروہ بھی نہ ہوگی، اس لیے کہ وہ بدبودار نہیں ہوتی۔

❁❁❁

گشتی مرغی کو محبوس کیے بغیر اس کا کھانا

سوال نمبر(228):

ایک صاحب سے سنا ہے کہ گشتی (گلی کوچے میں پھرنے والی) مرغی کو ذبح سے پہلے چند دن محبوس رکھا جائے تاکہ گندگی کا اثر ختم ہو جائے، پھر اس کو ذبح کیا جائے۔ اگر ایسی مرغی کو ذبح سے پہلے محبوس نہ رکھا جائے تو کیا اس کے کھانے کا کیا حکم ہوگا؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

گشتی مرغی اگرچہ گندی چیزیں بھی کھایا کرتی ہے، لیکن اس کے خوراک میں چونکہ غلبہ پاک چیز یعنی دانہ وغیرہ کا ہوتا ہے جس سے اس کے گوشت میں کسی قسم کی کوئی بدبو پیدا نہیں ہوا کرتی، لہٰذا اس کو ذبح سے پہلے چند دن محبوس رکھنا ضروری نہیں اور اس کا کھانا بلا کسی کراہت کے جائز ہے، تاہم جن لوگوں کو اس قسم کی مرغیوں سے نفرت یا طبعی کراہت ہو تو ایسی صورت میں ان مرغیوں کا کھانا مکروہ تنزیہی ہوگا۔ یہ کراہت فقہائے کرام کے ہاں کراہت طبعی کہلاتی ہے۔

والدّلیل علی ذلك:

ولایکرہ أکل الدجاج المخلی، وإن کان یتناول النجاسة؛ لأنه لایغلب علیها أکل النجاسة، بل یخلطها بغیرها، وهو الحب.(۱)

ترجمہ:

گشتی مرغی کھانا مکروہ نہیں ہے، اگرچہ وہ گندگی کھاتی ہو، کیونکہ اس پر گندگی کھانے کا غلبہ نہیں ہوتا، بلکہ وہ

(۱) الفتاوی الهندیة، کتاب الذبائح، الباب الثاني في بیان مایؤکل من الحیوان: ۲۹۰/۵

گندگی کے علاوہ چیز یعنی دانہ سے ملا کر کھاتی ہے۔

❁❁❁

فارمی مرغیوں کی غذا میں خون خلط ہو تو ان کا کھانا

سوال نمبر (229):

آج کل فارمی مرغیوں کی غذا میں دوسرے اجزا کے ساتھ خون کی ایک مقدار بھی ملائی جاتی ہے۔ایسی مرغیوں کا کھانا کیسا ہے؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

فارمی مرغیوں کی غذا میں چونکہ خون کی ایک مقدار دوسرے اجزا کے ساتھ ملا کر ایک خاص قسم کی غذا تیار کی جاتی ہے اس میں چونکہ غلبہ ان دوسرے اجزا کا ہوتا ہے،اس لیے وہ غذا کھلانے سے ان مرغیوں کے گوشت میں کسی قسم کی خرابی یا بدبو پیدا نہیں ہوتی،لہٰذا اس غذا کے کھانے کی وجہ سے ان مرغیوں کا کھانا مکروہ نہیں۔بلا کراہت جائز ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

ولایکرہ أکل الدجاج المخلی، وإن کان یتناول النجاسۃ ؛لأنہ لایغلب علیھا أکل النجاسۃ بل یخلطھابغیرھا، وھو الحب.(۱)

ترجمہ:

گلیوں میں آزاد چھوڑی گئی مرغی کا کھانا مکروہ نہیں،اگرچہ گندگی کھاتی ہو،کیونکہ اس پر نجاست کا غلبہ نہیں ہوتا،بلکہ (مرغی) اس کو دوسری چیز یعنی دانہ سے ملا کر کھاتی ہے۔

❁❁❁

---

(۱) الفتاوی الھندیۃ، کتاب الذبائح، الباب الثاني فی بیان مایؤکل من الحیوان :۵/ ۲۹۰

بطخ کی حلت

سوال نمبر(230):

کیا شریعت کی رُو سے بطخ کھانا حلال ہے؟ بینوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

شرعی لحاظ سے جو پرندے چنگل مار کر شکار کرنے والے نہیں، ان کا کھانا حلال ہے۔ بطخ ایک حلال پرندہ ہے جو چنگل مار کر شکار نہیں کرتا اس لیے اس کے کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

و مالامخلب له من الطیر و المستأنس منه کالدجاج و البط ......حلال بالإجماع.(۱)

ترجمہ: اور پرندوں میں سے جو ذومخلب (یعنی چنگل مار کر شکار کرنے والے) نہیں، اور ان میں سے جو مستأنس (یعنی پالتو) ہیں مثلاً مرغی اور بطخ۔۔۔۔یہ بالاجماع حلال ہیں۔

۞۞۞

خرگوش کا گوشت کھانا

سوال نمبر(231):

شریعت کی رُو سے خرگوش کا گوشت کھانا کیسا ہے؟ بینوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

خرگوش ایک حلال جانور ہے۔ اس کے کھانے میں کوئی حرج نہیں اور رسول اللہ ﷺ سے بھی اس کا گوشت کھانا منقول ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

(ولابأس بأكل الارنب)لأن النبيﷺ أكل منه حين أهدي إليه مشويًاوأمر أصحابه بالأكل منه (۲)

---

۱) الفتاوی الهندیة، کتاب الذبائح، الباب الثاني في بیان مایؤکل من الحیوان :۵/۲۸۹

۲) الفتاوی الهندیة، کتاب الذبائح، الباب الثاني في بیان مایؤکل من الحیوان :۵/ ۲۸۹

ترجمہ:

اور خرگوش کھانے میں کوئی مضائقہ نہیں، اس لیے کہ آنحضرت ﷺ نے خود خرگوش میں سے کھایا جب وہ آپ کو بھنا ہوا ہدیہ پیش کیا اور صحابہ کرامؓ کو بھی اس کے کھانے کا حکم دیا۔

❁❁❁

قنفذ (شکونڑ) کا کھانا

سوال نمبر(232):

ایک جانور ہے جس کو اردو میں ''سیہی'' اور پشتو میں ''شکونڑ'' کہتے ہیں، اس کی حلت کے متعلق شرعی حکم درکار ہے؟

بینوا توجروا

الجواب و باللّٰہ التوفیق:

بعض چیزیں ایسی ہیں جن سے فطری طور پر انسان کو گھن محسوس ہوتی ہے۔ شریعت نے بھی ایسی چیزوں کو حرام قرار دیا ہے، جیسے: کیڑے مکوڑے یا دیگر موذی جانور مثلاً چوہا، گوہ، قنفذ وغیرہ۔ سیہی یا شکونڑ کو عربی میں قنفذ کہتے ہیں اس سے بھی طبیعت نفرت محسوس کرتی ہے، اس لیے اس کا کھانا بھی حرام ہے۔

والدلیل علی ذلک:

وجميع الحشرات و هوام الأرض من الفار، والجراد، والقنافذ، والضب، واليربوع، وابن عرس، و نحوها، ولا خلاف في حرمة هذه الأشياء إلا في الضب، فإنه حلال عند الشافعي.(۲)

ترجمہ:

تمام حشرات اور کیڑے مکوڑے مثلاً چوہا، ٹڈی، خارپشت یعنی سیہہ، گوہ (یعنی سوسمار) یربوع (چوہے کی طرح کا ایک جانور) نیولا اور اس کے مانند ... ان سب چیزوں کے حرام ہونے میں کوئی اختلاف نہیں، البتہ گوہ کے حکم میں اختلاف ہے، امام شافعیؒ کے ہاں یہ حلال ہے۔

(۱) الهداية، كتاب الذبائح، فصل فيما يحل أكله وما لا يحل: ٤٤١/٤

کتاب الذبائح

(مباحثِ ابتدائیہ)

تعارف اور حکمت مشروعیت:

طبی نقطۂ نظر سے انسانی جسم کو جن بنیادی غذاؤں کی ضرورت ہے، ان کا اکثر حصہ جانوروں سے حاصل ہوتا ہے۔ گوشت کی مناسب مقدار جسمانی صحت کے لیے انتہائی ضروری ہے، تاہم گوشت کا سرچشمہ ایک ایسا خون ہے جو نہ صرف یہ کہ شریعت مطہرہ میں ناپاک ہے بلکہ طبی لحاظ سے انسانی صحت کے لیے انتہائی نقصان دہ اور مضر بھی ہے۔ اسلام نے اس سلسلہ میں کافی آسان اور شائستہ اصول وضع کیے ہیں کہ پہلے جانور کو ذبح کر کے اس کے جسم سے فاسد خون پوری طرح نکال دیا جائے، تاکہ انسانی صحت کے لیے اس کی مضرت کا پہلو ختم ہو جائے، اسی عمل کو زکوۃ، ذبح اور نحر کہتے ہیں۔ (۱)

شاہ ولی اللہؒ ذبح کو انسان کی امتیازی خصوصیت قرار دے کر فرماتے ہیں کہ اللہ کے نام پر ذبح کرنا شرک سے نفرت کا اظہار ہے۔ یہ انسان اور دوسرے گوشت خور جانوروں کے درمیان بنیادی فرق ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے ایک حیوان کی جان تلف کرنے کی اجازت دی ہے۔ (۲)

ذبائح کی لغوی تحقیق:

ذبائح ذبیحہ کی جمع ہے بمعنی ''ذبح شدہ جانور''۔ لغت میں ذبح کا معنی ہے چیرنا۔ سانس کی نالی (حلقوم) کو سر اور گردن کے جوڑ میں کاٹنے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ (۳)

اسی طرح ذبح کا اطلاق ان معانی پر بھی ہوتا ہے:

القطع في الحلق ''(ذبح)، ''القطع في اللّبّة'' (نحر) اور '' مایتوصل به إلی حل الحیوان '' (جس سے حیوان حلال ہو جائے، ذبح اختیاری ہو یا اضطراری) (۴)

---

(۱) بدائع الصنائع، کتاب الذبائح والصیود، فصل في شرط حل الأکل في الحیوان المأکول: ۶/ ۲۰۱، الموسوعة الفقهیة، مادة ذبح: ۲۱/ ۱۷۷

(۲) حجة الله البالغة، مبحث في أبواب من المعیشة، باب الأطعمة والأشربة: ۲/ ۱۸۰، ۱۸۱

(۳) لسان العرب، مادة ذبح: ۵/ ۲۲

(٤) الموسوعة الفقهیة، مادة ذبح: ۲۱/ ۱۷۱

اصطلاحی تحقیق:

شریعت کی اصطلاح میں ذبح کا معنی ہے "قطع الأوداج" یعنی رگوں کو کاٹنا۔ رگوں سے مراد سانس کی نالی (حلقوم) غذا کی نالی (مریٔ) اور حلق کے پاس سے گزرنے والی دو شہ رگیں (ودجان) ہیں۔ چاروں کو تغلیباً اوداج سے تعبیر کیا جاتا ہے۔(۱)

کتنی رگوں کو کاٹنا ضروری ہے؟

امام ابوحنیفہؒ کے ہاں چاروں میں سے تین کٹ جائیں تو کافی ہیں۔ امام ابویوسفؒ کے ہاں غذا اور سانس کی نالی کٹ جانا ضروری ہے، البتہ خون کی نالیوں میں سے ایک بھی کٹ جائے تو کافی ہے۔ چاروں کو کاٹنا بہتر اور سنت ہے۔(۲)

مشروعیت ذبح:

قرآن کریم سے:

﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ﴾(۳) ﴿إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَذْبَحُوا بَقَرَةً﴾(٤)

احادیث مبارکہ سے:

عن جابر رضي الله عنه قال: نحرنا مع رسول الله ﷺ يوم الحديبية سبعين بدنة، البدنة عن سبعة.(٥)

وقال عمر رضي الله عنه: الزكاة في الحلق واللبة.(٦)

اس کے علاوہ ذبح ونحر پر صحابہ کرام سے لے کر آج تک مسلمانوں کا تعامل ہے اور عقل سلیم بھی اس کی مشروعیت کی مقتضی ہے۔

---

(۱) تبيين الحقائق، كتاب الذبائح: ٦/٤٤٨، الدر المختار، كتاب الذبائح: ٩/٤٢٣

(۲) بدائع الصنائع، كتاب الذبائح والصيود، فصل في شرط حل الأكل في الحيوان المأكول: ٦/٢٠٥

(۳) الكوثر: ٢ (٤) البقرة: ٦٧

(٥) مسند أحمد، مسند جابر بن عبدالله، رقم (١٤٣٩٤): ٤/٣٢١: ٣/٣٥٣

(٦) مصنف عبدالرزاق، باب مايقطع من الذبيحة، رقم (٨٦١٤): ٤/٤٩٥

ذبح کی قسمیں:

ذبح کی دو قسمیں ہیں: (۱) ذبح اختیاری (۲) ذبح اضطراری

(۱) ذبح اختیاری:

جو جانور قابو میں ہو، اس کو ذبح کرنا ذبح اختیاری ہے۔ پھر ذبح اختیاری کی دو قسمیں ہیں: ذبح اور نحر

(۱) ذبح: اونٹ کے علاوہ دوسرے جانوروں میں ذبح افضل ہے، بشرطیکہ وہ قابو میں ہوں۔ ذبح کا طریقہ یہ ہے کہ جانور کے گلے میں موجود چاروں رگیں یا ان میں سے کوئی تین کاٹی جائیں۔ ذبح کا محل سینے کے اوپر والے حصے سے لے کر جبڑوں کے نیچے تک ہے۔

(۲) نحر: اونٹ میں نحر کرنا افضل ہے اور نحر کا طریقہ یہ ہے کہ گردن سے نیچے اور سینہ سے اوپر والے حصے میں موجود شہ رگ کو کاٹا جائے۔ ذبح اور نحر دونوں کو لفظ زکوۃ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔(۱)

(۲) ذبح اضطراری:

جو جانور قابو میں نہ ہو، اس کو ذبح کرنا ذبح اضطراری ہے۔ ایسے جانور کے حلال ہونے کے لیے کسی خاص رگ یا نالی کا کٹنا ضروری نہیں، بلکہ جسم کے جس حصے میں بھی ممکن ہو، زخم لگایا جائے، جس سے خون بہہ جائے۔ اگر اس زخم سے مر جائے تو شکار کی طرح حلال ہے، البتہ زخم لگانے کے بعد وہ قابو میں آ جائے تو پھر ذبح کر دے۔ ایسی صورت میں اگر ذبح نہ کیا اور جانور مر گیا تو حرام ہے۔(۲)

اونٹ میں نحر کی حکمت:

اونٹ میں نحر کی افضلیت تو خود سنت سے ثابت ہے، البتہ اس میں چونکہ جانور پر آسانی اور سہولت زیادہ ہے، اس لیے یہ شریعت کے اصول سے زیادہ موافق بھی ہے۔ اونٹ کو لٹا کر ذبح کرنے میں چونکہ تکلیف ہے اس لیے کھڑے کھڑے اس کے سینے پر وار کر کے نحر کرنا افضل قرار دیا گیا۔ علامہ کاسانیؒ فرماتے ہیں کہ اونٹ کے سینے پر گلے کی

---

(۱) بدائع الصنائع، کتاب الذبائح و الصیود، فصل فی شرط حل الأکل فی الحیوان المأکول: ۶/۲۰۱-۲۰۳

(۲) بدائع الصنائع، کتاب الذبائح و الصیود، فصل فی شرط حل الأکل فی الحیوان المأکول: ۶/۲۵۰، ۲۵۱

نسبت گوشت کم ہوتا ہے، لہٰذا وہاں پر شہ رگ کاٹنا نسبتاً زیادہ آسان ہے جس میں جانور کے لیے سہولت اور راحت ہے۔(۱)

شافعیہ کے ہاں ہر لمبی گردن والے جانور میں نحر افضل ہے، جبکہ مالکیہ کے ہاں لمبی گردن والوں میں نحر واجب ہے، باقی جانوروں میں ذبح اور نحر ہر ایک کی اجازت ہے۔(۲)

حنفیہ کے ہاں اگر کسی نے اونٹ کو ذبح کیا اور دوسرے جانوروں کا نحر کیا تو جانور اگرچہ حلال ہے، لیکن ایسا کرنا مکروہ ہے۔(۳)

ذبح اختیاری کا رکن:

جن جانوروں میں ذبح افضل ہے، ان میں ذبح کرنا اور جن میں نحر افضل ہے ان میں نحر کرنا ذبح کا رکن ہے۔ لہٰذا ذبح اور نحر کے بغیر کوئی بھی قابو یافتہ جانور حلال نہیں ہوگا۔(۴)

ذبح اضطراری کا رکن:

غیر قابو یافتہ جانوروں اور شکار کے کسی بھی عضو پر ایسا زخم لگانا جس سے خون بہہ جائے، رکن ہے۔ ذبح سے مقصود چونکہ فاسد خون کا اخراج ہے اور وہ یہاں مطلق زخم سے حاصل ہو رہا ہے، اس لیے سبب (جرح) کو مسبب (اخراج دم) کا قائم مقام بنا دیا گیا۔(۵)

ذبح کرنے والے سے متعلقہ شرائط:

(۱) عقل اور تمیز رکھنے والا ہو۔

(۲) مسلمان یا کتابی ہو۔ (اللہ کے نام سے ذبح کرنے والا ہو)

(۳) حالت احرام میں نہ ہو۔

(۴) ذبح کرتے وقت بسم اللہ پڑھے، البتہ بھول جائے تو ذبح درست ہے۔ اگر قصداً چھوڑ دے تو ذبیحہ حرام ہوگا۔ بہتر تو

---

(۱) بدائع الصنائع، کتاب الذبائح والصیود، فصل في شرط حل الأکل في الحیوان المأکول: ۲۰۳/۶

(۲) الموسوعة الفقهية، مادة ذبح: ۱۷۶/۲۱

(۳) بدائع الصنائع، کتاب الذبائح والصیود، فصل في شرط حل الأکل في الحیوان المأکول: ۲۰۳/۶

(٤) أيضاً: ۲۰۱/۶

(٥) أيضاً: ۲۱۷/۶

یہ ہے کہ "بسم اللہ اللہ اکبر" پڑھ لے، البتہ اگر اللہ کے دوسرے ناموں سے اس کی بڑائی بیان کرے تب بھی درست ہے۔ یاد رہے کہ اللہ کا نام لینے سے ذبح کے وقت اللہ کی تعظیم اور ذبیحہ کی حلت کا ارادہ ہو، نہ کہ دعا و افتتاح فعل کا، لہٰذا اگر دعا یا افتتاحِ فعل کی نیت سے اللہ کا نام یا بسم اللہ وغیرہ پڑھ لے تو اس سے ذبح حلال نہیں ہوگا۔

ذبح اختیاری میں تسمیہ بالکل ذبح کے وقت پڑھی جائے گی، جبکہ ذبح اضطراری (شکار) میں تیر پھینکنے یا کتا چھوڑنے کے وقت ۔۔۔۔لہٰذا تیر لگتے وقت یا کتے کے حملے کے وقت تسمیہ کا اعتبار نہیں۔ اسی طرح اگر بسم اللہ خود نہ پڑھے، بلکہ کوئی دوسرا پڑھے اور یہ سنے تو بھی اس کا اعتبار نہیں۔

(۵) اللہ کے علاوہ کسی اور کا نام نہ لے، حتیٰ کہ کسی پیغمبر کے نام کا ذبیحہ بھی جائز نہ ہوگا۔(۱)

مذبوحہ جانور کی شرائط:

(۱) ذبح کے وقت جانور زندہ ہو یعنی اس سے ایسی حرکات صادر ہوں جو زندگی کی علامت ہوں، مثلاً: خون بہنا، حرکت کرنا، آنکھیں اور منہ بند کرنا، پاؤں سکڑنا وغیرہ۔(۲)

(۲) جانور کی موت صرف ذبح کی وجہ سے ہو، کسی خارجی امر کی وجہ سے نہ ہو۔

(۳) مذبوحہ جانور حرم کا باسی نہ ہو۔(۳)

(۴) مذبوح کے لیے ضروری ہے کہ وہ قابل انتفاع ہو۔ چاہے گوشت پیش نظر ہو یا دوسرے منافع (۴)

آلہ ذبح:

(۱) ہر ایسی چیز سے ذبح کرنا درست ہے جو دھار والی ہو اور رگوں کو کاٹ سکے، البتہ یہ ضروری ہے کہ وہ چیز ذبح میں زیادہ وقت نہ لے، اس لیے کہ اس میں تعذیب حیوان ہے۔ شافعیہ کے ہاں وہ چیز ایسی نہ ہو جس میں زیادہ قوت کی

(۱) بدائع الصنائع، کتاب الذبائح والصيود، فصل في شرط حل الأكل في الحيوان المأكول: ٦/٢٤٤-٢٤٦، الدر المختار، كتاب الذبائح: ٩/٤٢٧، الموسوعة الفقهية، مادة ذبائح: ٢١/١٨٣-١٩٢

(٢) بدائع الصنائع، کتاب الذبائح والصيود، فصل في شرط حل الأكل في الحيوان المأكول: ٦/٢٤٩، الدر المختار، كتاب الذبائح: ٩/٤٤٨

(٣) بدائع الصنائع، کتاب الذبائح والصيود، فصل في شرط حل الأكل في الحيوان المأكول: ٦/٢٥٢، الموسوعة الفقهية، مادة ذبائح: ٢١/١٧٩

(٤) الدر المختار، كتاب الصيد: ١٠/٦٤، الفتاوى الهندية، كتاب الذبائح، الباب الأول في ركنه وشرائطه: ٥/٢٨٦

ضرورت پڑے۔(۱)

(۲) ناخن اور دانت سے ذبح جائز نہیں، البتہ اگر جسم سے علیحدہ ہوں تو مع الکراہت ذبح جائز ہوگا، کیونکہ اس میں حبشیوں کے ساتھ مشابہت اور تعذیب حیوان ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ جانور کی موت زیادہ زور لگانے سے واقع ہو جائے۔(۲)

ذبح کے مستحبات:

شریعت کی رو سے جس اقدام میں جانور کی سہولت ہو، وہ مستحسن ہے۔ ذیل میں چند مستحبات کا تذکرہ پیش خدمت ہے:

(۱) مستحب ہے کہ دن کے وقت ذبح کیا جائے۔ ایسا کرنا سنت بھی ہے اور اس سے درست طریقے سے ذبح کا موقع بھی مل جاتا ہے۔

(۲) ذبح سے پہلے چھری کو خوب تیز کرنا تاکہ دھار ہو جائے اور جلد ہی رگوں کو کاٹ دے۔

(۳) جانور کے تین پاؤں باندھ کر ایک دایاں پاؤں کھلا چھوڑنا اور قبلہ رو لٹا کر ذبح کرنا۔

(۴) ذبح میں سرعت سے کام لینا تاکہ تعذیب حیوان سے بچا جا سکے۔

(۵) تمام رگیں کاٹنا، گلے کی جانب سے ذبح کرنا، نہ کہ گردن کی جانب سے۔

(۶) اونٹ کھڑے کھڑے نحر کرنا اور بقیہ جانوروں کو ذبح کرنا۔

مکروہات:

رات کے وقت قربانی کرنا، جانور کے سامنے چھری تیز کرنا، ایک جانور کے سامنے دوسرا ذبح کرنا، جانور کو کھینچ کر ذبح خانہ لے جانا، جانور کو بے جا تکلیف دینا، گردن کی طرف سے ذبح کرنا، گردن الگ کرنا، جان نکلنے سے پہلے چمڑا اتارنا ہڈی توڑنا یا گوشت کاٹنا، عین ذبح کے وقت یہ کہنا کہ "یا اللہ! یہ فلاں شخص کے لیے قبول فرما" یعنی ذبح کے وقت اللہ کے نام کے ساتھ کسی کا نام ذکر کرنا۔

---

(۱) الفتاوى الهندية، كتاب الذبائح، الباب الأول في ركنه وشرائطه :٥/٢٨٧،بدائع الصنائع، كتاب الذبائح والصيود،فصل في شرط حل الأكل في الحيوان المأكول:٦/٢٧٠

(۲) بدائع الصنائع، كتاب الذبائح والصيود،فصل في شرط حل الأكل في الحيوان المأكول:٦/٦/٢٠٨_٢١٠

(۳) أيضاً:٦/٦/٢٧٠_٢٧٢

حلال جانور کے حرام اجزا:

ذبح کے بعد بھی حلال جانور کے سات اجزا کو کھانے سے منع کیا گیا ہے: بہتا ہوا خون، ذکر، فرج، خصیتین، مثانہ، گلٹی (سخت گوشت کا ٹکڑا) اور پتہ۔ رسول اللہ ﷺ نے ان چیزوں کے کھانے کو ناپسند فرمایا ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کے ہاں دم مسفوح کے علاوہ باقی چھ مکروہ ہیں حرام نہیں۔(۱)

چند متفرق مسائل:

(۱) جن جانوروں کا کھانا جائز نہیں، حنفیہ کے ہاں ان میں خنزیر کے بغیر باقی جانوروں کو ذبح کرنے سے ان کے چمڑے، بالوں اور ہڈیوں وغیرہ سے بلا دباغت فائدہ اٹھانا جائز ہے۔ یہی حکم شکار کا بھی ہے۔(۲)

(۲) ذبح اختیاری میں بسم اللہ مذبوح پر پڑھی جاتی ہے، نہ کہ آلہ پر، لہٰذا چھری پر تسمیہ پڑھنے کے بعد اس کے بدلے دوسری چھری لینا جائز ہے، اگرچہ دوسری چھری پر بسم اللہ نہ پڑھے، جب کہ ذبح اضطراری (شکار وغیرہ) میں تسمیہ آلہ پر پڑھی جاتی ہے، نہ کہ مذبوح پر۔(۳)

(۳) عورت، گونگے اور غیر مختون شخص کا ذبیحہ حلال ہے۔ اسی طرح ایسے مرد و عورت کا ذبیحہ بھی حلال ہے جو جنابت یا ناپاکی کی حالت میں ہوں۔(۴)

(۴) ذبح اختیاری میں اگر جانور زیادہ ہوں تو ہر ایک پر الگ تسمیہ ضروری ہے۔ سب جانوروں کے لیے ایک مرتبہ پڑھنا کافی نہیں۔(۵)

مشینی ذبیحہ سے متعلق بنیادی امور:

یہ ذبح کے سلسلے میں ایک اہم مسئلہ ہے۔ اس میں چند امور قابلِ غور ہیں:

(۱) مشین کے ذریعے ذبح کرنے میں عموماً دو افراد حصہ لیتے ہیں۔ ایک بٹن دبانے والا (آپریٹر) اور دوسرا جانوروں کو

---

(۱) بدائع الصنائع، كتاب الذبائح والصيود، فصل في شرط حل الأكل في الحيوان المأكول: ٦/ ٢٧٢

(۲) بدائع الصنائع، كتاب الطهارة، فصل في مايقع به التطهير: ١/ ٤٤٥

(۳) بدائع الصنائع، كتاب الذبائح والصيود، فصل في شرط حل الأكل في الحيوان المأكول: ٦/ ٢٤٦، ٢٤٧

(۴) الفتاوى الهندية، كتاب الذبائح، الباب الأول في ركنه وشرائطه: ٥/ ٢٨٦، الدر المختار، كتاب الذبائح: ٩/ ٤٣٠، ٤٣١

(۵) الفتاوى الهندية، كتاب الذبائح، الباب الأول في ركنه وشرائطه: ٥/ ٢٨٦

مشین کے سامنے لانے والا۔ جہاں تک دوسرے شخص کا تعلق ہے تو اس کی حیثیت ذبح میں تعاون کرنے والے کی ہے اور فقہا کی تصریحات کے مطابق ذبح میں تعاون کرنے والے شخص کے لیے بھی بسم اللہ کہنا ضروری ہے۔(۱)

یہ بھی ضروری ہے کہ وہ خود بسم للہ پڑھے، کسی شخص سے یا ٹیپ ریکارڈ سے سننا معتبر نہیں، اس لیے کہ فقہائے کرام کے ہاں ذبیحہ پر بسم اللہ کہنے میں نیابت جائز نہیں۔(۲)

(۲) سب سے اہم مسئلہ یہ ہے کہ کیا بٹن دبانے والے (آپریٹر) کی طرف ذبح کی نسبت ہوگی یا نہیں؟ تو اس سلسلے میں اہل علم کے درمیان اختلاف رائے ہے، نیز مشین کی نوعیت بھی مختلف ہوسکتی ہے۔

بنیادی طور پر یہ مشین دوطرح کی ہوتی ہے: ایک یہ کہ مشین میں نصب آلۂ ذبح کے نیچے بہت ساری مرغیاں موجود ہوں اور بٹن دبانے سے وہ بیک وقت ذبح ہوجائیں۔ یہ صورت عام طور پر اہل علم کے ہاں جائز ہے۔ اس صورت میں ذبح کی نسبت مشین کی طرف نہیں ہوگی، بلکہ فاعل مختار آپریٹر کی طرف ہوگی۔

لأن الفعل يضاف إلى مستعمل الآلة لا إلى الآلة.(۳)

لہٰذا آپریٹر کے لیے بسم اللہ کہنا ضروری ہوگا۔

ایک اشکال اور اس کا جواب:

جہاں تک یہ سوال ہے کہ ایک بسم اللہ کئی ذبیحوں کے لیے کافی ہے یا نہیں؟ تو اس کے لیے اصول یہ ہے کہ بسم اللہ کا تعلق فعل ذبح سے ہے، نہ کہ ذبح کیے جانے والے جانور سے، یعنی اگر ذبح کا فعل ایک بار پایا جائے اور اس سے متعدد جانور ذبح ہوجائیں تو ایک ہی بار بسم اللہ کہنا ان سب کی حلت کے لیے کافی ہوگا۔ علامہ حصفکیؒ فرماتے ہیں:

"لو اضطجع شاتين إحدهما فوق الأخرى فذبحهما ذبحة واحدة بتسمية واحدة حلا بخلاف مالو ذبحهما على التعاقب لأن الفعل يتعدد فتعدد التسميه".(٤)

---

(۱) ردالمحتار على الدر المختار، كتاب الذبائح: ۹/۴۳۸، الدر المختار، كتاب الأضحية: ۹/۴۸۲

(۲) ردالمحتار على الدر المختار، كتاب الذبائح: ۹/۴۳۸، بدائع الصنائع، كتاب الذبائح والصيود، فصل في شرط حل الأكل في الحيوان الماكول: ۶/۲۴۴

(۳) بدائع الصنائع، كتاب الذبائح والصيود، فصل في شرط حل الأكل في الحيوان الماكول: ۶/۲۴۶

(٤) الدر المختار على صدر ردالمحتار، كتاب الذبائح، ۹/۴۳۹

مشین کی دوسری صورت یہ ہے کہ بٹن دبانے پر مشین چل پڑے، مرغیاں آتی رہیں اور ذبح ہوتی رہیں۔ اس سلسلے میں بعض اہل علم کے ہاں جب تک مشین بند نہ ہو (فعلِ ذبح منقطع نہ ہو) اس وقت تک جتنے جانور آلہ ذبح پر آکر ذبح ہوجائیں، وہ سب حلال ہیں، بشرطیکہ بٹن دباتے وقت تسمیہ کہا ہو، جب کہ دوسری رائے کے مطابق صرف پہلی دفعہ ذبح ہونے والا جانور حلال ہوگا، باقی حلال نہیں ہوں گے۔

ان دونوں رایوں میں سے راجح پہلی رائے ہے، کیونکہ ذبیحہ میں شریعت کا اصل مقصود تین باتیں ہیں:

(۱) جانور کے جسم میں موجود گندا خون نکل جائے۔

(۲) کسی مشرک نے فعل ذبح انجام نہ دیا ہو۔

(۳) ذبح کے وقت اللہ ہی کا نام لیا گیا ہو، غیر اللہ کا نہیں۔

ذبح کی اس صورت میں تینوں باتیں پائی جاتی ہیں۔

یہ تمام تفصیل احناف اور جمہور کے مطابق ہے۔ امام شافعیؒ کے ہاں ذبیحہ پر بسم اللہ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ ذبیحہ غیر اللہ کا نام نہ لیا جائے، لہٰذا اگر کوئی مسلمان قصداً بھی بسم اللہ نہ پڑھے تو ذبیحہ حلال ہے، لہٰذا ان کے ں اگر آپریٹر مسلمان ہو تو مشینی ذبیحہ کے حلال ہونے میں کوئی کلام نہیں۔

جہاں تک مشین کے ذریعے چمڑا اُتارنا یا گوشت کاٹنا ہے تو یہ بالاتفاق جائز ہے، اس میں کوئی قباحت ں۔ البتہ جان نکلنے تک انتظار کیا جائے ورنہ مکروہ ہوگا۔(۱)



لخص أز قاموس الفقه، مادة ذبح : ۳/۴۵۶-۴۵۹

کتاب الذبائح

(ذبائح کا بیان)

ذبح کے دوران بسم اللہ رہ جانا

سوال نمبر(233):

دکان دار کثیر تعداد میں مرغیاں ذبح کرتا ہو اور اس سے بسم اللہ پڑھنا رہ جائے یا اس کو یاد ہو لیکن جلدی کی وجہ سے رہ جائے اور جب اس سے پوچھا جائے تو وہ اقرار کرے کہ میں نے بسم اللہ یاد ہوتے ہوئے بھی چھوڑا ہے تو اس کا کیا حکم ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

ذبح کے دوران جب کوئی بسم اللہ پڑھنا بھول جائے تو اس سے جانور کی حلت متاثر نہیں ہوتی بلکہ اس کا کھانا حلال ہے، لیکن اگر ذبح کرتے وقت عمداً اور قصداً بسم اللہ ترک کرے تو اس کا کھانا جائز نہیں۔

صورتِ مسئولہ میں جب دکان دار اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ ذبح کے دوران بسم اللہ یاد ہوتے ہوئے بھی میں چھوڑ دیتا ہوں تو اس طرح ذبح شدہ مرغی کا کھانا جائز نہیں اور اگر اس مرغی کے پیسے اس دکان دار کو دیے ہوں تو وہ ذبح کرنے والا اس مرغی کی قیمت کا ضامن ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

ولاتحل ذبیحة تارك التسمية عمداً، وإن تركها ناسيا تحل......ولو قال القصاب: تركت التسمية عمدًا لم يحل، ويغرم قيمته .(۱)

ترجمہ: قصداً تسمیہ چھوڑنے والے کا ذبیحہ حلال نہیں، البتہ اگر تسمیہ بھول کر رہ گیا تو ذبیحہ حلال ہے۔۔۔اگر قصاب کہے کہ میں نے تسمیہ قصداً چھوڑا ہے تو ذبیحہ حلال نہیں ہوتا اور اس پر قیمت کا تاوان لازم ہوگا۔



(۱) الفتاوی الهندية، كتاب الذبائح، الباب الأول: ٥/٢٨٨

یہودی وعیسائی کے ہاتھ کا ذبیحہ کھانا

سوال نمبر(234):

ہم یورپ میں جس مقام پر رہتے ہیں وہاں کے یہودی وعیسائی جانوروں کو ذبح کر کے ان کا گوشت مارکیٹوں میں بیچتے ہیں۔کیا ہمارے لیے یہ گوشت کھانا جائز ہے یانہیں؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

یہودی وعیسائی چونکہ اہل کتاب ہیں اس لیے شریعت نے ان کے ہاتھ کے ذبیحہ کو اعتبار دیتے ہوئے اس کا کھانا جائز قرار دیا ہے جو یہودی وعیسائی اپنے دین ومذہب پر قائم ہوں اور دہریت کے شکار نہ ہوں وہ جب ذبح کرتے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لے لیں تو ان کا ذبیحہ حلال ہوگا،تاہم اگر ذبح کرتے وقت اللہ تعالیٰ کے نام کی جگہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام یا حضرت عزیر علیہ السلام کا نام لیا تو "مـا أهـل لغير الله" کی وجہ سے اس کا کھانا حلال نہیں ہوگا۔موجودہ دور میں اکثر اہل کتاب دہریت کے شکار ہو گئے ہیں، اس لیے ان کے ذبح کردہ جانوروں کے گوشت کھانے سے بھی احتراز کرنا چاہیے۔چنانچہ غیر مسلم ممالک میں جہاں کہیں تیار گوشت ملتا ہو جب تک اس کے بارے میں اطمینان حاصل نہ ہو کہ ذبح میں شرعی ضوابط کا لحاظ رکھا گیا ہے،اُس وقت تک ایسے گوشت کا استعمال درست نہیں، بلکہ اس سے احتراز کیا جائے۔

والدلیل علی ذلک:

(و حل ذبيحة مسلم) و كتابي لقوله تعالى:﴿وَطَعَامُ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ﴾ ويشترط أن لايذكر فيه غير الله تعالىٰ، حتى لو ذكر الكتابي المسيح أوعزيرا لايحل.(۱)

ترجمہ:

مسلمان اور کتابی کا ذبیحہ حلال ہے۔باری تعالیٰ کے اس ارشاد کی وجہ سے ''اور جن لوگوں کو کتاب دی گئی ہے، ان کا ذبیحہ تمہارے لیے حلال ہے''البتہ شرط اس میں یہ ہے کہ ذبح کے دوران کسی غیر اللہ کا نام ذکر نہ کرے، چنانچہ

(۱) البحر الرائق، کتاب الذبائح :۸/۳۰۶

اگر اہل کتاب حضرت عیسیٰ یا حضرت عزیر علیہما السلام کا نام ذکر کریں تو ان کا ذبیحہ حلال نہ ہوگا۔

❁❁❁

شیعہ کا ذبیحہ کھانا

سوال نمبر (235):

اہل تشیع مختلف عقائد ونظریات رکھتے ہیں۔کیا ان عقائد ونظریات کی وجہ سے ان کے ذبیحے پر اثر پڑتا ہے یا نہیں؟اور ایسا ذبیحہ ہمارے لیے کھانا حلال ہے یا نہیں؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

اہل تشیع میں سے جو شخص صرف اس بات کا قائل ہو کہ حضرت علیؓ تمام صحابہ کرامؓ سے افضل ہیں اور باقی صحابہ کرام میں سے کسی کو بھی کافر ومرتد نہ سمجھتا ہو تو اس شخص کا یہ عمل فسق اور ضلالت وگمراہی ہے،لیکن کفر نہیں ہے،لہٰذا ایسے شخص کا ذبیحہ حلال رہے گا۔لیکن جو شیعہ ایسے عقیدے کا قائل ہو جس کے کفر پر امت کا اتفاق ہو، جیسے حضرت علیؓ کی اُلوہیت کا عقیدہ رکھنا، یا یہ کہنا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے وحی میں غلطی کر کے حضورﷺ کو وحی پہنچائی حالانکہ حق حضرت علیؓ کا تھا، یا حضرت ابوبکر صدیقؓ کی صحابیت کا انکار کرنا، یا صحابہ کرام کو کافر ومرتد کہنا، یا تحریف قرآن کا عقیدہ رکھنا یا حضرت عائشہ صدیقہ بنت صدیقؓ پر تہمت لگانا وغیرہ.... یہ تمام ایسی باتیں ہیں کہ ان کا عقیدہ رکھنے والا یا ان کا قائل کوئی مسلمان نہیں ہوسکتا،لہٰذا ایسے شیعہ کا ذبیحہ حلال نہیں ہے۔

والدلیل علی ذلک:

وأما شرائط الذکاۃ ۔ ومنہا أن یکون مسلما،أو کتابیا فلاتؤکل ذبیحۃ أھل الشرك والمرتد.(۱)

ترجمہ:

ذبح کی شرائط میں سے یہ بھی ہے کہ ذبح کرنے والا مسلمان یا اہل کتاب ہو، پس کسی مشرک اور مرتد کا ذبیحہ نہیں کھایا جائے گا۔

---

(۱) الفتاویٰ الہندیہ، کتاب الذبائح، الباب الأول: ۵/۲۸۵

وبهذا ظهر أن الرافضي إن كان ممن يعتقد الألوهية في علي أوأن جبرئيل غلط في الوحي أوكان ينكر صحبة الصديق أويقذف السيدة الصديقة، فهو كافر ......بخلاف مااذا كان يفضل علياأويسب الصحابة، فإنه مبتدع لا كافر .(١)

ترجمہ:

اس سے معلوم ہوا کہ اگر رافضی (شیعہ) ان لوگوں میں سے ہو جو کہ حضرت علیؓ کی الوہیت کا اعتقاد رکھتے ہیں یا حضرت جبرئیل سے وحی میں غلطی کا عقیدہ رکھتا ہو یا حضرت ابوبکر صدیقؓ کے صحابی ہونے کا انکار کرتا ہو یا حضرت سیدہ صدیقہ عائشہؓ پر تہمت لگاتا ہو تو وہ کافر ہے۔۔۔۔ بخلاف اُس کے جو حضرت علیؓ کو (تمام صحابہ کرام سے) افضل قرار دیتا ہو یا صحابہ کرامؓ کو گالی دیتا ہو تو یہ شخص مبتدع ہے، لیکن کافر نہیں۔

❁❁❁

غیر مسلم ممالک سے درآمد شدہ گوشت کا استعمال

سوال نمبر(236):

غیر مسلم ممالک سے جو گوشت درآمد کیا جاتا ہے، ان کا کھانا کیسا ہے؟

بيّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰه التوفيق:

غیر مسلم ممالک سے درآمد شدہ گوشت کے بارے میں جب تک پورا یقین نہ ہو کہ یہ حلال جانور یا پرندے کا گوشت ہے اور اس کو شرعی طریقہ پر ذبح کیا گیا ہے تو اس وقت تک ایسے گوشت کے کھانے سے احتراز کرنا چاہیے اور اس میں احتیاط کا پہلو اختیار کرنا چاہیے۔

والدّليل على ذلك:

عن أبي الحوراء السعدي قال: قلت للحسن بن علي : ماحفظت من رسول اللّٰه؟ قال: حفظت من رسول اللّٰه ﷺ: دع مايريبك إلى مالايريبك، فإن الصدق طمانينة، وإن الكذب ريبة.(٢)

(١) ردالمحتارعلى الدرالمختار، كتاب النكاح، فصل في المحرمات :١٣٥/٤

(٢) جامع الترمذي، أبواب صفة القيمة :٥٣٠/٢

ترجمہ:

ابوالحوراء سعدی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بیٹے حسن رضی اللہ عنہ سے کہا کہ تم نے رسول اللہ ﷺ سے کونسی بات یاد کی ہے؟ آپؓ نے جواب دیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ بات یاد کی ہے کہ: جو تمہیں شک میں ڈالے اس کو چھوڑ دو، اور اُسے اختیار کرو جو تمہیں شک میں نہ ڈالے کیونکہ سچ ذریعہ اطمینان ہے اور جھوٹ شک میں مبتلا کرنے کا ذریعہ ہے۔



ذبح سے پہلے جانور کے سامنے چھری تیز کرنا

سوال نمبر(237):

بعض لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ جانور ذبح کرنے سے پہلے اُسی جانور کے سامنے چھری تیز کرتے ہیں۔اس کا کیا حکم ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

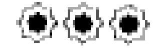
ذبح سے پہلے جانور کے سامنے چھری تیز کرنا چونکہ جانور کی تکلیف میں بے جا طور پر زیادتی کا باعث ہے، اس لیے ایسا کرنے کو فقہاے کرام نے مکروہ لکھا ہے لہٰذا جانور کی نظر سے ہٹ کر چھری تیز کر کے اس کو ذبح کیا جائے۔ تاہم ایسا کرنے سے حیوان کا گوشت کھانا حرام یا مکروہ نہیں ہوتا۔

والدّلیل علی ذلک:

ویکرہ أن یضجعها ویحدالشفرة بین یدیها، وهذا کله لاتحرم به الذبیحة.(۱)

ترجمہ:

اور (ذبح میں) یہ مکروہ ہے کہ جانور کو لٹائے اور پھر اس کے سامنے چھری تیز کرے اور یہ سب امور ایسے ہیں کہ ان کی وجہ سے ذبیحہ حرام نہیں ہوتا۔



(۱) الفتاوی الهندیة، کتاب الذبائح، الباب الأول: ۵/۲۸۷، ۲۸۸

عورت کا جانور ذبح کرنا

سوال نمبر(238):

کیا عورت جانور ذبح کر سکتی ہے؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

جانور ذبح کرنے کے لیے مرد ہونا شرط نہیں ہے، بلکہ عورت بھی اگر قدرت رکھتی ہو تو جانور ذبح کر سکتی ہے۔ البتہ اگر عورت ایسی ہو کہ اُس کے ذبح کرنے سے جانور کے زیادہ تکلیف میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہو تو پھر بہتر یہی ہے کہ کوئی مرد ذبح کرے۔

والدليل على ذلك:

ويحل إذا كان يعقل التسمية، والذبحة، يضبط، وإن كان صبيا، أو مجنونا، أو امرأة.(۱)

ترجمہ:

اور اس شخص کا ذبیحہ حلال ہوگا جو تسمیہ سمجھتا ہو اور ذبح کا طریقہ جانتا ہو اور اوداج (رگیں) کاٹنے پر قادر ہو، اگر چہ وہ نابالغ بچہ ہو یا مجنون ہو یا عورت ہو۔

❁❁❁

مرغی کو صفائی کے لیے گرم پانی میں ڈالنا

سوال نمبر(239):

مرغی کو ذبح کے بعد آسانی کے ساتھ صفائی کے لیے گرم پانی میں ڈالا جاتا ہے، ایسی مرغی کا کھانا کیسا ہے؟

بینوا تؤجروا

(۱) الهندية، كتاب الذبائح: ۵: ٤۳۳

الجواب وباللہ التوفیق:

ذبح کے بعد مرغی کو اگر گرم پانی میں اتنے وقت کے لیے جوش دیا جائے کہ مرغی کی اندرونی نجاست گوشت میں سرایت کر جائے تو اس کا کھانا جائز نہیں ہے اور اگر گرم پانی میں ذبح کے بعد تھوڑی دیر کے لیے صرف اس لیے ڈالا جاتا ہو تا کہ اس کے پَر آسانی سے نکالے جائیں اور گرم پانی کی وجہ سے مرغی کی اندرونی نجاست گوشت میں سرایت نہ کرے تو ایسی صورت میں اس کا کھانا حلال ہے، کیوں کہ اس طرح کرنے سے گرم پانی کی تاثیر صرف چمڑے تک محدود رہتی ہے۔ اندر گوشت کو متاثر نہیں کرتی۔

والدّلیل علی ذلک:

(وکذا دجاجة ملقاة حاله علی الماء للنتف قبل شقها) قال في الفتح: أنها لاتطهر أبدا لكن علی قول أبي يوسفؒ تطهر، والعلة واللّٰه أعلم، تشربها النجاسة بواسطة الغليان.......... لكن العلة المذكورة لاتثبت مالم يمكث اللحم بعد الغليان زمانا يقع في مثله التشرب والدخول في باطن اللحم. (۱)

ترجمہ: اسی طرح وہ مرغی جس کو چیرنے سے پہلے گرم پانی میں پَر نکالنے کے لیے ڈالا جائے۔ فتح میں لکھا ہے کہ ایسی مرغی کبھی بھی پاک نہیں ہوگی، لیکن امام ابو یوسفؒ کے قول کے مطابق پاک ہوتی ہے اور اس کی علت جوش مارنے کے ذریعے گوشت کے اندر نجاست کا جذب ہونا ہے۔ واللہ اعلم ۔۔۔۔ لیکن یہ مذکورہ علت اس وقت تک ثابت نہیں ہوتی جب تک اس کو جوش دینے کے بعد اتنا وقت پانی میں نہ رکھا جائے جتنے وقت میں نجاست گوشت کے اندر داخل ہو کر جذب ہو سکتی ہو۔

❁❁❁

بھینس گائے وغیرہ کا بچہ پیدا ہوتے ہی ذبح کرنا

سوال نمبر (240):

گائے بھینس وغیرہ جب بچہ جنے تو فوراً یا چند دنوں بعد اس کو ذبح کرنا کیسا ہے؟

بیّنوا تؤجروا

(۱) ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الطهارة، باب الانجاس، مطلب في تطهير الدهن: ۱/ ٥٤٤

الجواب وباللہ التوفیق:

اس میں کوئی شک نہیں کہ کوئی بھی حیوان جب بچہ جن لے تو ایک مدت تک اسے اپنے بچے سے انتہائی شفقت ومحبت ہوتی ہے اور اس کے بچے کو تکلیف وضرر دینے یا بچے کو ماں سے جدا کرنے سے اس کو بہت تکلیف ہوتی ہے، بلاضرورت حیوان کو ایسی تکلیف پہنچانے سے احتراز ضروری ہے۔

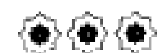
صورتِ مسئولہ میں گائے یا بھینس وغیرہ کا بچہ جننے کے فوراً یا چند دنوں بعد ذبح کرنا چونکہ گائے یا بھینس کو تکلیف دینے کا ذریعہ ہے، اس لیے بلاضرورت اس کو جنتے ہی یا جننے کے کچھ دنوں بعد ذبح نہ کیا جائے، بلکہ ایک مدت تک انتظار کر کے پھر اس کو ذبح کرنے کی اجازت ہے تاکہ ایک بے زبان مخلوق کو بلاضرورت تکلیف دینے کا ذریعہ نہ بنے۔ تاہم اگر کسی نے نومولود حلال جانور کو شرعی طریقہ سے ذبح کر دیا تو اُس کا گوشت حلال ہوگا۔

والدّلیل علی ذلک:

عن عبدالرحمن بن عبدالله عن أبيه قال كنا مع رسول الله ﷺ في سفر فانطلق لحاجته، فرأينا حمرة معها فرخان، فأخذنا فرخيها، فجاءت الحمرة فجعلت تفرش فجاء النبي ﷺ فقال: من فجع هذه بولدها ردوا ولدها إليها.(١)

ترجمہ:

عبدالرحمٰن بن عبداللہ اپنے والد (ابن مسعودؓ) سے روایت کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفر میں تھے، آپ ﷺ قضائے حاجت کے لیے تشریف لے گئے تو ہم نے ایک چھوٹا پرندہ اس کے دو بچوں سمیت دیکھا، ہم نے اس کے دونوں بچوں کو اٹھالیا فوراً وہ چڑیا آئی اور اس نے اپنے پروں کو پھیلانا شروع کیا۔ پیغمبر ﷺ تشریف لاکر فرمانے لگے کہ کس نے اس (پرندے) کو اس کے بچے کی وجہ سے دردمند کیا ہے، اسے اس کے بچے لوٹا دو۔



(١) سنن أبي داؤد، كتاب الجهاد، باب في كراهية حرق العدو بالنار: ٢/١٥،١٦

حلال جانور کی اوجھڑی اور گردوں کا کھانا

سوال نمبر(241):

حلال جانور کی اوجھڑی اور گردے حلال ہیں یا حرام؟ زید کہتا ہے کہ گردوں کے ذریعے پیشاب فلٹر ہوتا ہے اس لیے اس کا کھانا جائز نہیں۔

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

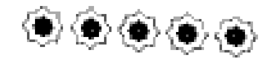
فقہائے کرام کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ جانور میں سات اعضا کا کھانا جائز نہیں، وہ سات اعضا یہ ہیں: (۱) بہتا ہوا خون (۲) نر و مادہ جانور کی شرم گاہ (۳) خصیتین (کپورے) (۴) غدود (۵) مثانہ (۶) پتہ (۷) حرام مغز۔ ان سات اعضا میں اوجھڑی اور گردوں کا ذکر نہیں، لہٰذا ان کا کھانا جائز ہے اور زید کا یہ کہنا کہ گردوں سے پیشاب فلٹر ہوتا ہے، اس وجہ سے اس کا کھانا جائز نہیں، دُرست نہیں۔

والدّلیل علی ذلک:

وأما بيان ما يحرم أكله من أجزاء الحيوان المأكول، فالذي يحرم أكله منه سبعة: الدّم المسفوح، والذّكر، والأنثيان، والقبل، والغدة، والمثانة، والمرارة.(۱)

ترجمہ:

وہ جانور جن کا گوشت حلال ہے، اُن کے اعضاء میں سے حرام اجزا کا بیان یہ ہے کہ ان کے سات اجزا حرام ہیں: بہتا ہوا خون، آلہ تناسل، خصیتین، مادہ کی شرمگاہ، غدود، مثانہ اور پتہ۔



(۱) بدائع الصنائع، کتاب الذبائح والصیود، فصل فیما یحرم اکله من اجزاء الحیوان: ۶/۲۷۲

كتاب الأضحية

(مباحثِ ابتدائیہ)

تعارف اور حکمت مشروعیت:

اپنے محسن کی نعمتوں کا اقرار اور اپنی قدرت کے مطابق اس کا شکر ادا کرنا فطرتِ انسانی ہے۔ پھر جب محسن ومنعم بھی ہر خوبی میں مکمل واکمل ہو اور نعمتیں بھی ایسی ہوں جو اس کے بغیر کوئی اور نہ دے سکے تو اس کی خوشی کے لیے جب کہ وہ خود "وھو یطعم ولا یطعم" کے مرتبے پر ہے، اپنے محبوب جانور، جب کہ وہ بھی اسی کا دیا ہوا ہے، کو قربان کرنا کوئی بڑی بات نہیں۔ ہاں! اگر محبوب کو محبت جتانی ہو تو پھر یہ معمولی اور حقیر چیز بھی بے نظیر اور بے مثال ہے۔

زمانہ جاہلیت کے نام نہاد چڑھاوؤں اور منتوں کو شریعت مطہرہ نے ختم کر کے قربانی کو ایک پاکیزہ عبادت کا درجہ دیا جس میں سنت ابراہیمی کے احیا کے ساتھ ساتھ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے صبر وتحمل اور طاعت کے جذبے کو اپنانے اور پروان چڑھانے کا حکم دیا گیا۔

اپنے محبوب جانور کو اللہ کے نام پر قربان کرنے کے بدلے اگر اللہ کی رضا، گناہوں کی مغفرت اپنے اہل وعیال، پڑوسیوں، فقیروں اور مسکینوں پر توسع اور فراخی کا تحفہ مل جائے تو اس سودے سے کسی بھی مسلمان کے دل میں تنگی نہیں ہونی چاہیے۔ اُس ربِ کریم کو تو جانور کے گوشت اور خون سے کوئی غرض نہیں، وہ تو بس دلوں کی پاکیزگی کو دیکھتا ہے۔

اضحیہ کی لغوی تحقیق:

قربانی کے جانور کو عربی میں اُضحیہ، اِضحیہ (أضاحي)، ضحية (ضحايا) اور اضحاة (اضحى) کہتے ہیں۔ آخری لفظ کے اعتبار سے اس دن کو بھی یوم الاضحیٰ یعنی قربانیوں کا دن کہتے ہیں۔ (۱)

اصطلاحی تحقیق:

علامہ زیلعیؒ کے ہاں اُضحیہ "خاص عمر کے مخصوص جانور کو تقرب الی اللہ کی نیت سے مخصوص وقت میں مخصوص شرائط اور سبب کے ساتھ ذبح کرنے کا نام ہے۔"

اسم لحيوان مخصوص، بسنّ مخصوص، يذبح بنية القربة في يوم مخصوص عند

---

(۱) لسان العرب، مادة ضحى: ۸/۲۹، ۳۰.

وجود شرائطها وسببها.(۱)

قربانی کی مشروعیت:

قربانی قرآن وحدیث کی رو سے بالاتفاق مشروع ہے۔قرآن کریم کی آیت:

﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ﴾(۲)

میں صلوۃ سے مراد صلوۃ عید اور نحر سے مراد قربانی ہے۔(۳)

اسی طرح ﴿قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِينَ﴾(٤)

میں لفظ نسک قربانی کے لیے استعمال ہوا ہے۔(۵)

رسول اکرم ﷺ نے اپنے مبارک ہاتھوں سے قربانی فرمائی ہے۔(٦) اور یہ بھی فرمایا ہے:

"من كان له سعة ولم يضح فلايقربن مصلانا".(۷)

جو شخص قدرت اور وسعت رکھتے ہوئے بھی قربانی نہ کرے، وہ ہمارے مصلی (عیدگاہ) کے قریب بھی نہ آئے۔

اضحیہ سے ملتی جلتی چند اصطلاحات کی تشریح:

(۱) القربان: ہر وہ چیز جس سے بندہ کو اللہ تعالی کا قرب حاصل ہو سکے، چاہے وہ ذبیحہ ہو یا کوئی اور چیز۔

(۲) الهدي: ایام نحر میں حرم کے اندر ذبح کیا جانے والا جانور، چاہے حج تمتع و قران کے بدلے ہو، کسی واجب کے ترک یا ممنوع کام کے ارتکاب کی وجہ سے ہو یا ویسے نفلی عبادت کے طور پر ہو۔

(۳) عقیقة: کسی بچے یا بچی کی ولادت کے بعد بطور شکرانہ اللہ کے نام پر ذبح کیا جانے والا جانور۔

---

(۱) تبيين الحقائق، كتاب الأضحية: ٦/٤٧٣، الفتاوى الهندية: ٥/٢٩١

(۲) کوثر: ۲ (۳) الجامع لأحكام القرآن: ١٠/٢١٨

(٤) الأنعام: ١٦٢ (٥) الجامع لأحكام القرآن: ٤/١٥٢

(٦) مسند أحمد بن حنبل عن أنس: ٣/٩٩

(۷) سنن ابن ماجة: ص ٢٢٦، الميزان

(٤) فرع اور عتیرہ : یہ دورِ جاہلیت میں مشرکین کی دو قربانیوں کا نام ہے۔ جانور کے پہلے بچے کو اپنے معبودانِ باطلہ کے نام پر ذبح کرنے کو فرع، جب کہ رجب کے پہلے عشرے میں اسی مقصد کے لیے ذبح کیے جانے والے جانور کو عتیرہ اور رجبیہ بولتے تھے۔(۱)

شریعتِ مطہرہ میں اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر کسی بھی شخص یا چیز کے نام پر ذبح کرنا حرام اور موجبِ شرک ہے۔(۲)

حکم کے اعتبار سے قربانی کی قسمیں:

حنفیہ کے ہاں حکم کے اعتبار سے قربانی کی دو قسمیں ہیں: واجب اور نفل

پھر واجب کی بھی تین قسمیں ہیں: بعض قربانیاں اغنیا اور فقرا دونوں پر واجب ہیں، بعض صرف فقرا پر اور صرف اغنیا پر واجب ہیں۔ ذیل میں ہر ایک کی تفصیل پیش خدمت ہے:

(۱) وہ قربانی جو اغنیا اور فقرا دونوں پر واجب ہے، وہ نذر کی قربانی ہے، یعنی نذر ماننے والا غنی ہو یا فقیر، وہ اپنی نذر پوری کرے گا۔

(۲) صرف فقیر پر قربانی اس صورت میں واجب ہوگی، جب وہ قربانی کا جانور عید کے دن ذبح کرنے کی نیت سے خرید لے کہ میں اس کو عید کے دن ہی قربانی کی نیت سے ذبح کروں گا۔ یہ قربانی اس لیے واجب ہے کہ یہ عرفاً نذر کی طرح ہے، البتہ غنی، یعنی مال دار شخص پر چونکہ ابتدا ہی سے قربانی واجب ہے، اس لیے اس کے جانور خریدنے سے واجب شدہ قربانی کی ادائیگی مقصود ہوگی، نہ کہ نذر کی ادائیگی، لہٰذا محض جانور خریدنے سے کچھ بھی تبدیلی نہیں آئے گی۔

(۳) نذر اور جانور خریدے بغیر صرف مالدار پر عید کی قربانی واجب ہے۔ یہی حنفیہ کا مسلک ہے، البتہ ائمہ ثلاثہ اور امام ابو یوسفؒ کے ہاں قربانی سنتِ مؤکدہ ہے، واجب نہیں۔

نفلی قربانی:

نذر اور قربانی کی نیت سے جانور خریدے بغیر اگر کوئی غریب شخص یا مسافر عید کی قربانی کرلے تو یہ نفلی قربانی شمار ہوگی۔(۳)

---

(۱) الموسوعة الفقهية الكويتية، مادة أضحية: ٧٥/٥

(۲) المجموع شرح المهذب: ٣٢١/٩

(۳) بدائع الصنائع، كتاب التضحية، أما صفة التضحية ......: ٢٧٥/٦-٢٨١، الفتاوى الهندية: ٢٩١/٥، ٢٩٢

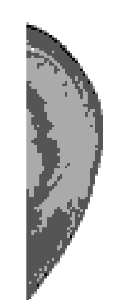
قربانی کے وجوب کی شرائط:

واجب قربانی کی پہلی دوصورتوں کے لیے وہی شرائط ہیں جونذر کے لیے ہیں (یعنی اسلام، عقل، بلوغ اور آزادی) اس لیے کہ مذکورہ دونوں صورتوں میں مال کی وجہ سے نہیں، بلکہ نذر قولی یا نذر عرفی کی وجہ سے قربانی واجب ہوتی ہے۔(۱)

قربانی کی تیسری صورت کے واجب (حنفیہ کے قول کے مطابق) یا سنت مؤکدہ (جمہور کے قول کے مطابق) ہونے کے لیے مندرجہ ذیل شرائط ہیں:

(۱) قربانی کرنے والا مسلمان ہو، اگر چہ بارہ ذی الحجہ کو غروب آفتاب سے پہلے مسلمان ہو جائے۔

(۲) مقیم ہو مسافر نہیں، لہٰذا مسافر حجاج پر عید کی قربانی واجب نہیں۔ البتہ اگر حاجی مکہ مکرمہ کا باشندہ ہو یا پندرہ دن پہلے سے مکہ مکرمہ میں مقیم ہوا ہو تو اس پر قربانی واجب ہوگی، خواہ وہیں کرے یا اس کی طرف سے اس کے وطن میں کی جائے۔



(۳) قربانی کرنے والا آزاد ہو، غلام نہ ہو۔

(۴) قربانی کرنے والا صدقۃ الفطر کے نصاب کا مالک ہو، یعنی گھر کے ضروری سامان، سواری، خادم اور ہتھیار وغیرہ کے علاوہ اس کے پاس ساڑھے باون تولے چاندی (دوسو درہم) کے برابر مال ہو، چاہے نقد ہو یا تجارتی وغیر تجارتی فاضل جائیداد یا سامان کی صورت میں ہو یا ایسی زمین کا مالک ہو جس سے سالانہ اتنی مقدار پیدوار آئے جو سال بھر کی خوراک کی ضرورت کے لیے کافی ہو تو اس پر بھی قربانی واجب ہوگی۔ اسی طرح عورت کا مہر معجّل یا زیورات وغیرہ صدقۃ فطر کے نصاب کے برابر ہو تو اس پر قربانی واجب ہے۔(۲)

☆..... قربانی کے وجوب کے لیے امام ابوحنیفہؒ وابو یوسفؒ کے ہاں عقل وبلوغ شرط نہیں، لہٰذا اگر نابالغ صاحب نصاب ہو تو اس کا باپ، نگران یا ولی اس کے مال سے اس کے لیے قربانی کرے۔(۳)

تاہم امام محمد اور امام زفر رحمہما اللہ کے ہاں نابالغ بچے پر قربانی واجب نہیں، اس لیے کہ قربانی ایک خالص عبادت ہے اور بچہ ابھی عبادات کے وجوب کا اہل نہیں۔ اور یہی مفتی بہ قول ہے چنانچہ علامہ حصکفیؒ نے فرمایا ہے:

---

(۱) بدائع الصنائع، کتاب التضحیة، وأما شرائط الوجوب: ۲۸۱/۶

(۲) بدائع الصنائع، کتاب التضحیة، وأما شرائط الوجوب: ۲۸۱/۶۔۲۸۴، الفتاوی الهندیة: ۲۹۲/۵، الدر المختار مع رد المحتار: ۴۵۷/۹

(۳) البحر الرائق: ۳۱۹/۸، بدائع الصنائع: ۲۸۴/۶، الفتاوی الهندیة: ۲۹۲/۵

وهو المعتمد لما في متن مواهب الرحمن من أنه أصح ما يفتى به ...... فالأب لا

يملك في مال ولده.

علامہ شامی کی رائے بھی یہی ہے، وہ فرماتے ہیں:

ورجحه الطرسوسي بأن القواعد تشهدله، ولأنها عبادة، وليس القول بوجوبها أولى

من القول بوجوب الزكوة في ماله.(۱)

☆......قربانی واجب ہونے میں مرد اور عورت کے احکام یکساں ہیں، مرد ہونا شرط نہیں۔(۲)

قربانی کا رکن:

ذبح ما يجوز ذبحه في الأضحية بنية الأضحية في أيامها.(۳)

قربانی کے مخصوص دنوں میں، قربانی کی نیت سے ایسا جانور ذبح کرنا جس سے قربانی جائز ہو۔

قربانی کا سبب:

قربانی کا سبب، قربانی کے دنوں (10،11،12 ذی الحج) کو پالینا ہے۔ قربانی کے واجب ہونے کے لیے قربانی کے آخری وقت کا اعتبار ہوگا۔ لہٰذا اگر بارہ ذی الحجہ کو غروب آفتاب سے قبل غریب مال دار ہوجائے یا مسافر مقیم ہوجائے تو ان پر قربانی واجب ہوگی۔(۴)

قربانی کے جانور سے متعلقہ شرائط:

(۱) قربانی کا جانور حلال اور ماکول اللحم ہو اور پالتو (گھریلو) جانوروں میں سے ہو، لہٰذا حلال جنگلی جانوروں اور پرندوں وغیرہ کی قربانی جائز نہیں۔(۵)

(۲) جانور کی عمر قربانی کے قابل عمر حد تک پہنچ گئی ہو، یعنی:

☆......اونٹ اور اونٹنی کی عمر پانچ سال یا اس سے زائد ہو۔ اونٹ کے مقابلے میں اونٹنی کی قربانی بہتر ہے۔

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الأضحية: ۴۵۹/۹

(۲) الفتاوى الهندية: ۲۹۲/۵

(۳) أيضاً: ۲۹۱/۵

(۴) بدائع الصنائع: ۲۸۸/۶، الدر المختار على صدر رد المحتار: ۴۵۳/۹

(۵) بدائع الصنائع: ۲۹۸/۶

☆.....بیل اور گائے کے لیے دو سال یا زائد عمر کا ہونا ضروری ہے۔ گائے کی قربانی بیل سے افضل ہے۔ بھینس (نر، مادہ) کا حکم بھی گائے کی طرح ہے۔

☆.....بکرا، بکری کی عمر کم از کم ایک سال ہونی چاہیے، اگر چہ صحت مند ہونے کی وجہ سے زیادہ عمر کے معلوم ہوں۔

☆.....بھیڑ، دنبے کی عمر بھی ایک سال ہونی چاہیے، البتہ اگر بھیڑ دنبہ چھ ماہ کا ہو، لیکن صحت مند ہونے کی وجہ سے ایک سال کا معلوم ہو تو بھی اس کی قربانی جائز ہے۔ بھیڑ بکریوں میں حنفیہ کے ہاں نر کی قربانی افضل ہے۔(۱)

(۳) عیوب فاحشہ سے سلامت ہو، یعنی وہ عیوب جن سے جانور کا گوشت یا چربی وغیرہ متاثر ہو کر کم ہو جائے۔(۲)

قربانی کرنے والے سے متعلقہ شرائط:

(۱) قربانی سے تقرب الی اللہ کی نیت ہو، اگر صرف گوشت کی نیت ہو تو قربانی درست نہیں۔

(۲) جانور خریدتے وقت یا کم از کم ذبح کرتے وقت نیتِ تقرب قربانی کے ساتھ پائی جاتی ہو۔

(۳) قربانی میں شریک تمام شرکا کی نیت عبادت کی ہو۔ (عید کی قربانی، حجِ تمتع یا قران کی قربانی، نفلی قربانی، عقیقہ اور کفارہ دم کی قربانی سب عبادات ہیں)، لہٰذا اگر شرکا میں سے کسی نے محض کھانے کے لیے، ضیافت کے لیے یا بیچنے کے لیے قربانی کی تو اس سے تمام شرکا کی قربانی ناجائز ہو جائے گی۔(۳)

قربانی کرنے کا وقت:

حنفیہ کے ہاں ۱۰ ذی الحجہ کے طلوعِ فجر سے لیکر ۱۲ ذی الحجہ کے غروبِ آفتاب تک قربانی کی جاسکتی ہے، البتہ ۱۰ تاریخ کو قربانی کرنا ۱۱ اور ۱۲ تاریخ سے افضل ہے۔

رات کے وقت قربانی کرنا جائز ہے، لیکن غلطی کا احتمال ہونے کی وجہ سے مکروہ ہے۔

شہر والے لوگوں کے لیے عید کی نماز سے پہلے قربانی کرنا جائز نہیں۔ اگر شہر کی ایک ہی مسجد میں بھی نماز پڑھی گئی تو اب ان کے لیے قربانی کرنا جائز ہے، البتہ اگر پورے شہر میں کسی عذر کی وجہ سے عید کی نماز بالکل معطل ہو جائے تو زوالِ شمس تک انتظار کرنے کے بعد قربانی جائز ہوگی۔

---

(۱) خلاصة الفتاوى: ٤/٣١٢، ٣١٤، الفتاوى الهندية: ٥/٢٩٧

(۲) الموسوعة الفقهية: ٥/٨١-٨٣

(۳) والتفصيل في الموسوعة الفقهية: ٥/٨٩، ٩٠

جن دیہاتوں اور قصبوں میں عید کی نماز پڑھنا جائز نہیں، وہاں کے لوگ طلوع فجر کے بعد ہی قربانی کر سکتے ہیں۔ اگر قربانی کرنے والا شہر میں ہو اور وہ کسی گاؤں والے کو وکیل بنادے تو وہ گاؤں میں صبح سویرے بھی قربانی کر سکتا ہے، اس لیے کہ قربانی کا اعتبار مکانِ ذبح سے ہے نہ کہ مؤکل کی جگہ سے، اس لیے کہ عبادت تو فعل ذبح ہے۔(۱)

☆......اگر یوم الاضحیٰ میں شک ہو جائے تو قربانی کو بارہ ذی الحجہ تک مؤخر نہیں کرنا چاہیے، اگر مؤخر کر دیا تو مستحب یہ ہے کہ ذبح کر کے تمام کا تمام صدقہ کر دے اور خود اس سے نہ کھائے اور مذبوح وغیر مذبوح جانور کے مابین قیمت کے فرق کو صدقہ کر دے۔(۲)

جانور میں شرکت کے ساتھ قربانی:

اونٹ، اونٹنی، گائے، بیل، بھینس، بھینسا میں سات افراد شریک ہو سکتے ہیں۔ سات سے کم ہوں تو کوئی مضائقہ نہیں، البتہ اگر سات سے ایک بھی زائد ہو گیا تو کسی کی بھی قربانی جائز نہ ہوگی۔ اور بکرا، بکری، بھیڑ، دنبہ میں صرف ایک قربانی ہو سکتی ہے۔(۳)

قربانی کی قضا:

اگر کسی شخص پر قربانی واجب ہو اور وہ مقررہ ایام میں قربانی نہ کر سکے تو بعد میں اس پر قضا واجب ہوگی۔ پھر اگر یہ شخص مال دار ہو تو اس پر ایک بکری کی قیمت صدقہ کرنا واجب ہے، البتہ اگر پہلے سے قربانی کے لیے جانور خریدا تھا تو پھر اس کے لیے جانور صدقہ کرنا یا اس کی قیمت صدقہ کرنا دونوں جائز ہیں۔

بالفرض اگر آدمی غریب ہو اور اس پر قربانی نذر کی وجہ سے یا قربانی کی نیت سے جانور خریدنے کی وجہ سے واجب ہو تو اس پر اسی معینہ جانور کو زندہ صدقہ کرنا واجب ہے، اگر ذبح کیا تو اس کے لیے خود اس سے کھانا بالکل ناجائز ہے، اسی طرح زندہ اور ذبح شدہ جانور کے درمیان قیمت کے فرق کو بھی صدقہ کرے گا، اس لیے کہ اس پر قضا میں زندہ جانور کا صدقہ کرنا واجب تھا۔(۴)

قربانی کے جانور میں عیب کا حکم:

عیوب کے سلسلے میں قاعدہ یہ ہے کہ جس عیب سے جانور کی کوئی مخصوص منفعت یا خوبصورتی بالکل ختم ہو جائے

(۱) الهداية: ٤/٤٤٥-٤٤٧، الفتاوى الهندية: ٥/٢٩٥

(۲) الفتاوى الهندية: ٥/٢٩٥ (۳) الهداية: ٤/٤٤٤، ٤٤٥

(٤) الهداية مع حاشية: ٤/٤٤٧، بدائع الصنائع: ٦/٢٩٣، ٢٩٤

تو اس عیب کے ہوتے ہوئے قربانی درست نہ ہوگی اور اگر عیب اس درجے کا نہ ہو تو قربانی جائز ہوگی۔

یہ بھی یاد رہے کہ ان عیوب سے مال داروں کی قربانی پر اثر پڑے گا جہاں تک فقرا کی بات ہے تو ان کے لیے عیب دار جانوروں کی قربانی بھی جائز ہے، اس لیے کہ ان پر شریعت کی طرف سے قربانی واجب ہی نہیں۔ قربانی کے جانور میں اگر ذبح کرتے وقت کوئی عیب پیدا ہو جائے تو ایسا عیب قربانی سے مانع نہیں۔ (۱)

وہ عیوب جو قربانی میں مانع ہیں:

سینگ بالکل جڑ سے اُکھڑ گیا ہو، جانور اندھا ہو، یک چشم ہو، اتنا لنگڑا ہو کہ مذبح تک نہ جا سکے، انتہائی کمزور ہو، دونوں کانوں کٹے ہوئے ہوں یا پیدائشی طور پر نہ ہوں، ایک کان ہو اور دوسرا نہ ہو، پورا دُم یا اکثر حصہ کٹا ہوا ہو، سرین کٹی ہوئی ہو، بہت مریض ہو، کوئی بھی عضو ایک تہائی سے زیادہ کٹ گیا ہو، ناک کٹ گئی ہو، تھن کٹا ہوا ہو، زبان اس قدر کٹی ہوئی ہو کہ گھاس وغیرہ نہ کھا سکے، جانور غلاظت کھانے والا ہو (البتہ اس کو چند دنوں تک پاک خوراک کھلانے کے بعد ذبح کرنا جائز ہے) اتنا کمزور ہو کہ ہڈی گودے سے خالی ہو، ایک پاؤں کٹا ہوا ہو، بکری کے ایک تھن کا اور اونٹنی، گائے کے دو تھنوں کا دودھ خشک ہو گیا ہو یا تھنوں کے سرے کٹ گئے ہوں۔ (۲)

وہ عیوب جو قربانی میں مانع نہیں:

سینگ پیدائشی طور پر نہ ہوں یا اس طرح ٹوٹ گئے ہوں کہ کچھ حصہ باقی ہو، آلہ تناسل کٹا ہوا ہو جس سے جفتی کے قابل نہ رہا ہو، زکام یا کھانسی ہو، بچہ جننے کے قابل نہ ہو، داغ زدہ ہو، دیوانہ ہو (لیکن دیوانہ پن خوراک وغیرہ سے مانع نہ ہو)، دانت نہ ہوں، لیکن چارہ کھا سکتا ہو، خارش زدہ ہو لیکن صحت مند ہو، بکری کی زبان کٹی ہوئی ہو لیکن کھا سکتی ہو (بخلاف گائے بیل وغیرہ)۔ (۳)

اسی طرح وہ جانور جس کے کان چھوٹے ہوں یا کان میں سوراخ ہو یا کان اوپر سے نیچے کٹا ہوا ہو یا سرین پیدائشی طور پر چھوٹی ہو، اس کی قربانی جائز رہے گی۔ (۴)

---

(۱) الفتاوی الهندية: ٢٩٩/٥

(۲) الفتاوی الهندية: ٢٩٧/٥-٢٩٩، الهداية: ٤٤٧/٤، ٤٤٨

(۳) الفتاوی الهندية: ٢٩٧/٥، ٢٩٨

(۴) خلاصة الفتاوی: ٣٢٠/٤، ٣٢١

قربانی کے آداب و مستحبات:

قربانی کے جانور کو چند دن پہلے سے اپنے گھر لا کر اس کے گلے میں قلادہ ڈالا جائے، اس پر کوئی کپڑا وغیرہ ڈال دیا جائے اور اس کا خیال رکھا جائے، مذبح کی طرف نرمی سے لے جایا جائے، اس کے بال نہ تراشے جائیں، حتی الوسع دودھ نہ دوہا جائے، البتہ اگر جانور کو تکلیف ہو تو دوہ کر صدقہ کر دے، اس پر سواری نہ کی جائے۔(۱)

مستحب یہ ہے کہ اپنے ہاتھوں سے ذبح کرے، اگر نہ کر سکے تو کم از کم قربانی کی جگہ حاضر ہو جائے۔(۲)

جانور کو قبلہ رخ کر کے یہ دعا پڑھے:

إِنِّي وَجَّهتُ وَجهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمَاوَاتِ وَالأَرضَ حَنِيفًا وَمَا أَنَا مِنَ المُشرِكِينَ، إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ العَالَمِينَ، لَا شَرِيكَ لَهُ وَبِذٰلِكَ أُمِرتُ وَأَنَا أَوَّلُ المُسلِمِينَ.(۳)

دعا پڑھنے کے بعد یہ بھی کہہ دے کہ یا اللہ یہ قربانی خاص تیرے لیے ہے تو اس کو فلاں فلاں کی طرف سے قبول فرما۔ بہتر تو یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کی پوری امت کو یاد رکھا جائے، اس لیے کہ خود رسول اللہ ﷺ نے قربانی کر کے یہ فرمایا تھا:

اللهم منك ولك عن محمد وأمته. (٤)

☆......قربانی کرنے والے شخص کے لیے مستحب ہے کہ ذی الحج کا مہینہ شروع ہونے کے بعد بال اور ناخن کاٹنا ترک کر دے۔(۵)

☆......قربانی کے جانور کا خوبصورت اور صحت مند ہونا مستحب ہے۔ قربانی کے دنوں میں اگر کسی کو جانور میسر نہ ہو تو از راہِ تشبہ مرغی ذبح کرنا مکروہ ہے۔(۶)

---

(١) الفتاوى الهندية: ٣٠٠/٥

(٢) الهداية: ٤٥١/٤

(٣) سنن ابن ماجة، باب أضاحي رسول الله ﷺ: ص ٢٣٢

(٤) سنن ابن ماجة، باب أضاحي رسول الله ﷺ: ص ٢٣٢

(٥) الصحيح للمسلم، باب نهي من دخل عشر ذي الحجة: ١٦٠/٢

(٦) الفتاوى الهندية: ٣٠٠/٥

گوشت اور چمڑے کے مصارف:

اگر قربانی نذر کی نہ ہو تو پھر مستحب یہ ہے کہ اس کے گوشت سے خود بھی کھایا جائے اور دوسروں کو بھی کھلایا جائے۔ بہتر یہ ہے کہ گوشت کے تین حصے کرکے ایک ثلث کو صدقہ کرے، ایک ثلث سے اعزہ واقارب کی ضیافت کرے اور ایک ثلث اپنے لیے استعمال میں لائے۔ قربانی کے گوشت سے اغنیا فقرا ہر کسی کو کھلانا جائز ہے۔(۱)

کثیر العیال شخص کے لیے گوشت خود استعمال کرنا افضل ہے۔(۲)

اگر قربانی نذر کی ہو (غریب شخص کی ہو یا امیر کی) تو اس کے گوشت سے خود کھانا یا اغنیا کو کھلانا ناجائز ہے۔ اب اس کے مصارف صرف فقرا ہیں، اس لیے کہ اب یہ صدقات واجبہ کے قبیل سے ہو گیا ہے جن کے مصارف فقرا ہیں۔(۳)

جہاں تک چمڑے کی بات ہے تو اس کو صدقہ کرنا افضل ہے، البتہ اس کو خود اپنے استعمال میں لانا بھی جائز ہے، چاہے غنی ہو یا فقیر۔ اگر اس کو فروخت کردیا تو پھر اس رقم کو فقرا پر صدقہ کردینا واجب ہے۔ رقم کو خود استعمال نہیں کرسکتا۔ اسی طرح قربانی کے گوشت یا چمڑے کو قصاب یا مزدور کو مزدوری میں دینا بھی ناجائز ہے۔(۴)

قربانی سے متعلق متفرق احکامات:

☆......جن لوگوں پر قربانی واجب ہو، ان کے لیے قربانی کے دنوں جانور کی قیمت صدقہ کردینے سے فریضہ قربانی ساقط نہیں ہوگا، بلکہ اس کی قضا کرے گا۔(۵)

☆......حنفیہ کے ہاں اگر وحشی اور پالتو جانور کے اختلاط سے بچہ پیدا ہو جائے تو اس کی قربانی کے جواز یا عدم جواز میں ماں کا اعتبار ہوگا، اگر ماں پالتو ہو تو قربانی درست ہے، ورنہ نہیں۔(۶)

---

(۱) الفتاوی الهندية : ٣٠٠/٥، الهداية : ٤٥٠/٤

(۲) الفتاوی الهندية : ٣٠٠/٥

(۳) الفتاوی الهندية : ٣٠٠/٥

(٤) الهداية : ٤٥٠/٤، الفتاوی الهندية : ٣٠١/٥

(٥) الفتاوی الهندية : ٢٩٣/٥، الهداية : ٤٤٧/٤، بدائع الصنائع : ٢٩١/٦

(٦) خلاصة الفتاوی : ٣١٤/٤

☆.....قربانی کے جانور کا گوشت باقاعدہ وزن کر کے تقسیم کرنا چاہیے، محض اندازے سے تقسیم کرنا درست نہیں، اگرچہ ایک دوسرے کو اجازت بھی دیں، البتہ اگر سری پائے وغیرہ بھی گوشت کے ساتھ ملائے جائیں تو پھر اندازے سے تقسیم درست ہے، ورنہ نہیں، اس لیے کہ ایسی صورت میں چونکہ گوشت کا سری پایوں وغیرہ سے جنس مختلف ہے، لہٰذا زیادہ گوشت انہی اشیا کے مقابلے میں آ کر معاملہ درست ہو جائے گا۔(۱)

☆......اگر مال دار آدمی سے قربانی کا جانور گم ہو جائے اور وہ اس کی جگہ دوسرا ذبح کر دے تو بعد میں اگر پہلا جانور مل جائے تو اس کی قربانی واجب نہیں، البتہ اگر وہ جانور ایام نحر ہی میں مل جائے تو اس کو بھی استحباباً ذبح کر سکتا ہے۔ اس کے برعکس اگر غریب کا جانور گم ہو جائے تو اس سے قربانی ساقط ہو جائے گی، البتہ قربانی کے دنوں میں گم شدہ جانور ملنے کے بعد اس کی قربانی واجب ہوگی۔ اسی طرح اگر غریب نے جانور گم ہونے کے بعد دوسرا جانور خرید کر ذبح کر لیا اور ایام نحر ہی میں وہ پہلے والا بھی مل گیا تو اب اس پر دوسرا جانور ذبح کرنا بھی واجب ہے۔(۲)

☆.....قربانی میں نیابت درست ہے، اسی طرح متوفی کی طرف سے یا رسول کریم ﷺ کی طرف سے بھی قربانی جائز ہے۔(۳)

☆.....قربانی کے جانور کو اگر کسی عذر کی وجہ سے قبل از وقت ذبح کیا گیا تو وہ صدقہ کا جانور شمار ہوگا، اس کا اپنی ذات کے لیے استعمال درست نہیں، صرف فقراء ہی اس کے مستحق ہوں گے۔ تاہم یہ حکم اس جانور کا ہے جس کو مال دار یا غریب کسی بھی شخص نے نذر قربانی کے لیے خرید لیا تھا یا غریب شخص نے قربانی کے لیے خرید لیا تھا، اگر یہ جانور کسی مال دار شخص نے قربانی کے لیے خرید لیا ہو تو قبل از وقت ذبح کرنے کی صورت میں وہ اس کے گوشت سے خود بھی کھا سکتا ہے۔(۴)

---

(۱) خلاصة الفتاوی: ۳۱۵/۴، بدائع الصنائع: ۲۹۲/۶

(۲) بدائع الصنائع، كتاب التضحية، فصل وأما كيفية الوجوب: ۲۹۰/۶

(۳) بدائع الصنائع، كتاب التضحية، فصل في كيفية الوجوب، ومنها أن تجزئ فيها النيابة: ۲۹۱/۶، أبو داؤد، باب الأضحية عن الميت: ۳۷/۲

(۴) الفتاوى الهندية، كتاب الأضحية، الباب السادس في بيان ما يستحب في الأضحية: ۳۰۱،۳۰۰/۵

قربانی کے جانور کا بچہ جنم لینے کا حکم:

قربانی کا جانور اگر بچہ جنم لے تو حنفیہ کے ہاں اس میں مندرجہ ذیل صورتیں ہیں:

(۱) اگر جانور کسی غریب شخص کی قربانی کا ہو تو بچے کو بھی ماں کے ساتھ ذبح کرنا واجب ہے۔

(۲) اگر جانور کسی مال دار شخص کا ہو تو اس کی تین صورتیں ہیں:

(الف)...... ایام نحر میں ماں کے ساتھ ذبح بھی کرسکتا ہے، چاہے ماں سے پہلے ذبح کرلے یا بعد میں ذبح کرلے۔ ذبح کرنے کے بعد حنفیہ کے راجح قول کے مطابق وہ اس کے گوشت کو خود بھی کھا سکتا ہے اور دوسروں کو بھی کھلا سکتا ہے، اگرچہ امام ابوحنیفہؒ کے ایک قول میں اس کا کھانا درست نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اختلاف سے بچنے کے لیے امام ابوحنیفہؒ نے اس بچے کو زندہ صدقہ کرنا زیادہ بہتر قرار دیا ہے۔

(ب)...... ایام نحر میں اس کو زندہ صدقہ کرسکتا ہے۔

(ج)...... اگر ایام نحر گزر جائیں تو اب صرف ایک ہی صورت باقی ہے اور وہ یہ ہے کہ اب اس کو زندہ صدقہ کرے۔(۱)

❀❀❀❀❀

---

(۱) الفتاوى الهندية، كتاب الأضحية، الباب السادس في بيان ما يستحب في الأضحية: ۳۰۱/۵، بدائع الصنائع، كتاب التضحية، فصل في ما يستحب قبل التضحية وعندها وبعدها: ۳۲۲،۳۲۱/۶

مسائل كتاب الأضحية

(قربانی سے متعلقہ مسائل)

وجوب قربانی کا نصاب

سوال نمبر(242):

شرعی اعتبار سے قربانی کس شخص پر واجب ہے؟

بيّنوا تؤجروا

الجواب وبالله التوفيق:

شرعی اعتبار سے قربانی ہر اس مسلمان (مرد وعورت) پر واجب ہوتی ہے جو عاقل، بالغ اور مقیم ہو اور اس کی ملکیت میں قربانی کے ایام میں ساڑھے سات تولہ سونا یا ساڑھے باون تولہ چاندی یا چاندی کے نصاب کے بقدر نقدی یا چاندی کے نصاب کے بقدر مال یا سامان موجود ہو جو اس شخص کے حاجات اصلیہ اور قرض سے خالی ہو، ایسے شخص پر قربانی واجب ہوتی ہے۔

والدّليل على ذلك:

(وأما شرائط الوجوب) منها اليسار، وهو ما يتعلق به وجوب صدقة الفطر دون ما يتعلق به وجوب الزكوة..... والموسر في ظاهر الرواية من له مائتا درهم أو عشرون دينارا أو شيء يبلغ ذلك، سوى مسكنه ومتاع مسكنه، ومركوبه وخادمه في حاجته التي لا يستغني عنها.(١)

ترجمہ: قربانی کے وجوب کی شرائط میں سے ایک تونگری بھی ہے اور اس کی مقدار وہی ہے جس سے صدقہ فطر کا وجوب متعلق ہے نہ کہ زکوٰۃ کا۔۔۔۔ اور ظاہر الروایۃ کے مطابق تونگر وہ شخص ہے جس کی ملکیت میں دو سو درہم یا بیس دینار ہوں یا کوئی ایسی چیز ہو جس کی مالیت مذکورہ نصابوں میں سے کسی ایک تک پہنچ جائے جو اس کے گھر، گھر کے سامان، سواری اور اس کی ضروری حاجتوں میں مشغول خادم کے علاوہ ہو۔

❁❁❁

(١) الفتاوى الهندية، كتاب الأضحية، الباب الأول: ٥/٢٩٢

تین تولے سونا اور کچھ نقدی پر وجوب قربانی

سوال نمبر(243):

اگر کسی عورت کے پاس تین تولے سونا اور پانچ سو روپے نقد ہوں تو اس پر قربانی واجب ہوتی ہے یا نہیں؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

واضح رہے کہ جس مرد یا عورت کے پاس سونا اور چاندی یا نقدی ہو لیکن کوئی بھی جنس اپنی نصاب تک نہیں پہنچا ہو تو سب کو ملا کر ایک نصاب بنایا جائے گا۔ اس ملانے کی کیفیت میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور صاحبین کا اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک قیمت کے اعتبار سے ملایا جائے گا، جبکہ صاحبینؒ کے نزدیک ان کو اجزا کے اعتبار سے ملایا جائے گا۔ فقہ حنفی کی کتابوں میں اگر چہ امام صاحب کا قول مفتیٰ بہ قرار دیا گیا ہے، لیکن موجودہ حالات میں سونے اور چاندی کی قیمتوں کے درمیان پائے جانے والے تفاوت کی وجہ سے امام ابوحنیفہؒ کے قول پر عمل کرنے کی صورت میں بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اس لیے حالات کو مد نظر رکھ کر صاحبین کے قول (ضم بالاجزا) پر فتویٰ دینا زیادہ مناسب ہے تاکہ عام لوگ مشکل میں نہ پڑیں۔ علاوہ ازیں خود امام ابوحنیفہؒ سے بھی ایک قول اجزا کے اعتبار سے ملانے کا مروی ہے۔

لہٰذا صورتِ مسئولہ میں اگر اس عورت کے پاس تین تولے سونے کے ساتھ صرف پانچ سو روپے ہوں تو اس پر قربانی واجب نہیں، اس لیے کہ صاحبینؒ کے قول کے بموجب تین تولے سونے کے ساتھ ساڑھے اکتیس تولہ چاندی یا اس کی قیمت کے بقدر پیسوں کا ہونا ضروری ہے۔ صورت مسئولہ میں چونکہ یہ مقدار نہیں پائی جاتی، لہٰذا اس عورت پر قربانی واجب نہیں۔

والدّلیل علی ذلك:

...ثمّ اختلف أصحابنا في كيفية الضم، فقال أبو حنيفةؒ: يضم أحدهما إلى الآخر باعتبار القيمة، وقال أبو يوسفؒ ومحمدؒ: يضم باعتبار الأجزاء، وهو رواية عن أبي حنيفة أيضاً.(۱)

---

(۱) بدائع الصنائع، كتاب الزكاة، فصل في مقدار الواجب: ۲/۴۱۲

ترجمہ: ہمارے فقہائے کرام نے (جب سونا اور چاندی اپنے اپنے نصاب سے کم ہو تو ان کے باہم) ملانے کی کیفیت میں اختلاف کیا ہے۔ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ ایک دوسرے کے ساتھ قیمت کے اعتبار سے ملایا جائے اور امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ (ایک دوسرے کے ساتھ) اجزا کے اعتبار سے ملایا جائے اور امام ابوحنیفہؒ سے بھی ایک روایت اسی طرح منقول ہے۔

ومتى كان قول أبي يوسفؒ ومحمدؒ موافق قوله لايتعدى عنه إلافيما مسّت إليه الضرورة،وعلم أنه لو كان أبو حنيفةؒ راى ما رأوا لأفتى به، وكذاإذا كان أحدهما معه .(۱)

ترجمہ: اور جب امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ کا قول امام ابوحنیفہؒ کے قول کے مطابق ہو تو اس سے تجاوز نہیں کیا جائے گا، البتہ ضرورت اور حاجت پیش آئے تو اس سے تجاوز کیا جاسکتا ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر امام ابوحنیفہؒ کی رائے بھی وہی ہو جو ان (صاحبینؒ) کی رائے ہے تو فتویٰ ضرور اس پر دیا جائے گا اور اسی طرح جب ان دونوں (صاحبینؒ) میں سے کوئی ایک امام ابوحنیفہؒ کے ساتھ ہو۔

❀❀❀

قرض خواہ پر قربانی کا وجوب

سوال نمبر(244):

جس شخص کے پاس وجوبِ قربانی کے نصاب کی بقدر رقم موجود ہو اور کسی کو قرض کے طور پر اس سے کچھ رقم دے دے تو کیا اس پر قربانی واجب ہوتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

اگر کسی شخص کے پاس نصاب کے بقدر مال موجود ہو اور اس سے کچھ رقم کسی کو بطورِ قرض دیدے تو اس سے اس کے نصاب پر اثر نہیں پڑتا، کیونکہ قرض دینے سے رقم اس کی ملکیت سے نہیں نکلتی، اس لیے حسبِ سابق اس کا نصاب برقرار رہتا ہے، چنانچہ اس پر قربانی واجب رہے گی۔ البتہ اگر قربانی کے دنوں میں اس کی رقم قرضداروں نے واپس نہ کی اور اس کے علاوہ اس کے پاس اتنی نقد رقم نہ ہو جس سے قربانی کر سکے، نہ ہی زائد از ضرورت اتنا سامان ہو جس کو بیچ کر رقم حاصل کر سکے تو ایسی صورت میں اس پر قربانی واجب نہ ہوگی۔ تاہم اگر کسی سے قرض لے کر قربانی کرے تو بہتر ہے۔

(۱) شرح عقود رسم المفتی، مطلب في الترتیب بین روایات المذهب:ص/۸۷

والدلیل علی ذلك:

له مال كثيرٌ غائبٌ في يد مضاربه أو شريكه ومعه من الحجرين أو متاع البيت مايضحي به تلزم۔ (۱)

ترجمہ: ایک آدمی کا بہتر سارا مال ہو جو اس کے قبضہ میں نہ ہو بلکہ اس کے مضارب یا شریک کے قبضہ میں ہو اور اس کے پاس سونا چاندی اور گھر کے سامان میں سے ایسی چیز ہو جس سے قربانی کر سکے تو اس پر قربانی لازم ہے۔

ولو كان عليه دين بحيث لو صرف فيه نقص نصابه لاتجب، وكذا لو كان له مالٌ غائب لايصل إليه في أيامه.(۲)

ترجمہ: اگر کسی شخص پر اتنا قرض ہو کہ اگر وہ (اپنا مال) اس کی (ادائیگی) میں صَرف کرے تو نصاب پورا نہ رہے تو اس پر قربانی واجب نہ ہوگی۔ اسی طرح اگر کسی کا مال اس طرح غائب ہو (یعنی اس کے قبضہ میں نہ ہو) کہ ایامِ اضحیہ میں اسے نہ پہنچے، تو اس پر بھی قربانی واجب نہیں۔

❁❁❁

مقروض پر وجوب قربانی

سوال نمبر(245):

مقروض کے پاس کچھ رقم موجود ہونے کی صورت میں قربانی واجب ہوتی ہے یا نہیں؟

بيّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

مقروض کے پاس اگر اتنی رقم موجود ہو کہ اس رقم سے قرض کی مقدار منفی کرنے کے بعد بھی نصاب (ساڑھے باون تولے چاندی کی مروجہ قیمت) کے بقدر پیسے باقی رہتے ہوں تو اس پر قربانی واجب ہو جاتی ہے اور اگر قرض منفی کرنے کے بعد نصاب کی مقدار سے کم پیسے بچتے ہوں تو اس پر قربانی واجب نہیں ہوتی۔

والدلیل علی ذلك:

ولو كان عليه دين بحيث لو صرف فيه نقص نصابه لاتجب.(۳)

ترجمہ: اگر کسی شخص پر اتنا قرض ہو کہ وہ (اپنا مال) اس کی (ادائیگی) میں صَرف کرے، تو نصاب ناقص ہو جائے تو

(۱) رد المحتار، كتاب الأضحية

(۲،۳) الفتاوى الهندية، كتاب الأضحية، الباب الأول: ۲۹۲/۵

اس پر قربانی واجب نہ ہوگی۔

مہر معجل اور مہر مؤجل پر وجوب قربانی

سوال نمبر (246):

عورت کا جو مہر معجل یا مؤجل مقرر کیا جاتا ہے اس کی وجہ سے عورت پر قربانی واجب ہے یا نہیں؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

مہر مؤجل سے عورت مال دار شمار نہیں ہوتی، اس لیے اس کی وجہ سے عورت پر قربانی بھی واجب نہیں۔اور مہر معجل میں اگر شوہر غنی نہ ہو غریب ہو، تب بھی عورت پر قربانی واجب نہیں، ہاں اگر شوہر غنی ہو اور مہر قربانی کے نصاب کے بقدر ہو تو اس صورت میں عورت پر قربانی واجب ہوتی ہے۔

والدّلیل علی ذلك:

(وشرائطها الإسلام والإقامة واليسار الذي يتعلق به) وجوب (صدقة الفطر) وقال ابن عابدين رحمه الله :قوله (اليسار)...... والمرأة موسرة بالمعجل لو الزوج مليًا وبالمؤجل لا.(١)

ترجمہ: قربانی کے شرائط: اسلام، اقامت اور وہ مال داری ہے جس سے صدقۂ فطر واجب ہوتی ہے۔ابن عابدینؒ فرماتے ہیں کہ اگر شوہر غنی ہو تو عورت مہر معجل سے غنی شمار ہوتی ہے جب کہ مہر موجل سے عورت غنی شمار نہیں ہوتی۔

❁❁❁

حضور ﷺ کی طرف سے قربانی کرنا اور اس کے گوشت کا استعمال

سوال نمبر (247):

ایک صاحب استطاعت شخص اگر اپنی واجب قربانی کرتے ہوئے حضور ﷺ کی طرف سے بھی قربانی کرلے تو یہ عمل کیسا ہے؟ اور اس گوشت کو خود کھا سکتا ہے یا نہیں؟

بینوا تؤجروا

---

(١) ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الأضحية: ٤٥٢/٩، ٤٥٣

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک ایک شخص اپنے اعمالِ صالحہ کا ثواب دوسرے لوگوں کو بخش سکتا ہے، چاہے مردہ ہوں یا زندہ جس کا نفع ان کو پہنچتا ہے اور ان کے رفع درجات کا ذریعہ بنتا ہے، چونکہ حضور ﷺ کے امت پر انتہائی درجہ کے احسانات ہیں، اس لیے اپنے اعمالِ صالحہ کے ایصال ثواب کا نذرانہ آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کرنا جائز بلکہ مستحسن اور بہتر ہے۔

صورتِ مسئولہ میں اس شخص کے لیے اپنی واجب قربانی کے علاوہ دوسری قربانی کرنا اور اس کا ثواب حضور ﷺ کو بخشا مستحسن اور بہتر عمل ہے، یہ شخص قربانی اپنی طرف سے کرلے اور اس کا ثواب آپ ﷺ کو بخش دے اور اپنی قربانی کے گوشت کی طرح اس گوشت سے خود بھی کھا سکتا ہے اور دوسروں کو بھی کھلا سکتا ہے۔

والدّلیل علی ذلك:

"كان النبي ﷺ يضحي بكبشين." قال المحشي الشيخ المحدث أحمد علي السهارنفوري في شرح هذا الحديث: قال بعض العلماء: كان أحدهما عن نفسه المعظمة عند الله تعالىٰ والآخر عن أمته، ممن لم يضح، وينبغي للأمة أن يذبحوا كبشين أحدهما لنفسه والآخر لرسول الله ﷺ.(١)

ترجمہ: ''نبی کریم ﷺ دو دنبوں کی قربانی کیا کرتے تھے۔'' محشی شیخ احمد علی سہارنپوری کہتے ہیں: بعض علما کا کہنا ہے کہ ایک دنبہ آپ ﷺ کی اپنی عظیم المرتبت نفس کی طرف سے ہوتا تھا اور دوسرا دنبہ امت میں سے اُن لوگوں کی طرف سے ہوا کرتا تھا جنھوں نے قربانی نہ کی ہو۔ اُمت کو بھی چاہیے کہ دو دنبے ذبح کریں، ایک اپنی طرف سے اور دوسرا رسول اللہ ﷺ کی طرف سے۔

❁❁❁

غریب ہونے کے باوجود والدین کے ایصالِ ثواب کے لیے قربانی کرنا

سوال نمبر (248):

جس شخص پر قربانی واجب نہ ہو اور وہ والدین کے ایصالِ ثواب کے لیے قربانی کرنا چاہے تو اس کا شرعی حکم کیا ہے؟

بینوا تؤجروا

---

(١) صحيح البخاري مع حاشية الشيخ سهارنفوري، كتاب الأضاحي، باب ضحية النبي ﷺ بكبشين: ٨٣٣/٢

الجواب وباللّٰہ التّوفیق:

مُردوں کے ایصالِ ثواب کے لیے کوئی بھی نیک عمل کرنا چاہے بدنی ہو یا مالی درست اور باعثِ اجر و ثواب ہے۔

صورتِ مسئولہ کے مطابق اگر کوئی شخص قربانی واجب نہ ہونے کے باوجود والدین کے ایصالِ ثواب کے لیے اپنی طرف سے قربانی کرتا ہو تو یہ درست ہے۔ تاہم اپنے اوپر بے جا قرضوں کا بوجھ نہ ڈالا جائے جو بعد میں پریشانی کا باعث بنے۔

والدّلیل علی ذلک:

ولو ضحّی عن میت من مال نفسه بغیر أمر المیت جاز .(۱)

ترجمہ:

اگر کوئی شخص میت کے حکم کے بغیر اس کی طرف سے اپنے پیسوں سے قربانی کرلے تو جائز ہے۔

❀❀❀

مال دار بیٹے پر باپ کی طرف سے قربانی

سوال نمبر(249):

جس شخص کا بیٹا مال دار ہو تو کیا اس پر اپنے باپ کی طرف سے قربانی کرنا لازم ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التّوفیق:

قربانی واجب ہونے کی جتنی شرائط ہیں، وہ شرائط جس میں پائی جائیں تو اس شخص پر صرف اپنی طرف سے قربانی کرنا واجب ہو جاتا ہے۔ اس کی مال داری کی وجہ سے اس کے ذمہ کسی دوسرے کی طرف سے قربانی کرنا واجب نہیں ہوتا۔

صورتِ مسئولہ میں مال دار بیٹے پر دیگر شرائط کے موجود ہونے کی صورت میں صرف اپنی طرف سے قربانی کرنا واجب ہوگا۔ باپ کی طرف سے اس پر قربانی کرنا واجب نہیں۔

(۱) الفتاوی الخانیة علی الهندیة، کتاب الأضحية، فصل في ما یجوز في الضحایا: ۳/۳۵۲

والدّليل على ذلك:

فتجب على حرمسلم مقيم موسر عن نفسه. (١)

ترجمہ:

آزاد مسلمان، مقیم، تو انگر پر اپنی طرف سے قربانی کرنا واجب ہے۔

❁❁❁

کسی دوسرے شخص کے لیے قربانی کرنا

سوال نمبر (250):

ایک شخص دوسرے کے لیے اس کے حکم سے یا اس کے حکم کے بغیر قربانی کرے تو اس دوسرے شخص کا ذمہ فارغ ہو جاتا ہے یا نہیں؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التّوفیق:

قربانی سے ذمہ فارغ ہونے کے لیے ضروری ہے کہ اس شخص کا اس جانور میں کسی طرح ملکیت ثابت ہو، چاہے وہ شخص خود اس کو قبض کرے یا اس کا کوئی وکیل قبض کر لے، اس طرح ملکیت ثابت ہونے کے بعد اگر ایک شخص اس مالک کی طرف سے قربانی کرتا ہے تو جائز ہے۔ لیکن اگر کسی طرح بھی ملکیت ثابت نہ ہو کہ نہ وہ خود اس جانور کو قبض کرے اور نہ اس کا کوئی وکیل تو ایسی صورت میں اگر ایک شخص دوسرے کی طرف سے قربانی کرتا ہے تو اس سے اس شخص کا ذمہ فارغ نہیں ہوتا۔

والدّليل على ذلك:

ذكر في فتاوى أبي الليث: إذا ضحى بشاة نفسه عن غيره بأمر ذلك الغير أو بغير أمره لاتجوز؛ لأنه لايمكن تجويز التضحية عن الغير إلا بإثبات الملك لذلك الغير في الشاة، ولن يثبت الملك له في الشاة إلا بالقبض، ولم يوجد قبض الآمر ههنا لابنفسه ولابنائبه. (٢)

(١) تنويرالابصار مع الدرالمختار، كتاب الأضحية: ٩/ ٤٥٤-٤٥٧

(٢) الفتاوى الهندية، كتاب الأضحية، الباب السابع في التضحية عن الغير: ٥/ ٣٠٢

ترجمہ:

فقیہ ابواللیثؒ کے فتاویٰ میں ہے کہ جب کوئی شخص اپنی بکری دوسرے شخص کی طرف سے اس کے حکم سے یا اس کے حکم کے بغیر قربانی کرلے تو یہ قربانی جائز نہیں، کیونکہ دوسرے شخص کی طرف سے قربانی کے جواز کے لیے اس بکری میں اس شخص کی ملکیت ضروری ہے اور بکری میں ملکیت قبض کے بغیر ثابت نہیں ہوتی اور یہاں اس صورت میں آمر کی طرف سے نہ قبض پایا گیا ہے اور نہ اس کے قائم مقام کی طرف سے۔

❁❁❁

کس جانور کی قربانی افضل ہے؟

سوال نمبر(251):

بکرے اور دنبے کا اکیلے قربانی کرنا افضل ہے یا گائے، بھینس میں دوسرے لوگوں کے ساتھ شریک ہوکر ساتویں حصہ کی قربانی افضل ہے؟

بيّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

بکرے یا دنبے کی قربانی کرنا گائے یا بھینس کے ساتویں حصہ کی قربانی سے اس وقت افضل اور بہتر ہوتا ہے، جب بکرا یا دنبہ قیمت اور گوشت میں گائے یا بھینس کے ساتویں حصہ کے ساتھ برابر ہو، ورنہ جس کی قیمت اور گوشت زیادہ ہو، اس کی قربانی کرنا افضل رہے گا۔

والدّليل على ذلك:

الشـاة أفضـل من سبع البقرة، إذا استويا في القيمة واللحم.قال ابن عابدين: تحت قوله (إذا استويا) فإن كان سبع البقرة أكثرلحماًفهوأفضل .(١)

ترجمہ:

بکرے یا دنبے کی قربانی گائے کے ساتویں حصہ کی قربانی سے اس وقت بہتر ہے جب یہ دونوں قیمت اور گوشت میں برابر ہوں۔ابن عابدینؒ فرماتے ہیں کہ اگر گائے کے ساتویں حصے کا گوشت زیادہ ہو تو پھر وہ افضل ہے۔

(١) ردالمحتارعلى الدرالمختار،كتاب الأضحية :٩/ ٤٦٦

قربانی کا جانور چوری ہونے کی صورت میں دوسرا جانور خریدنے اور ذبح کرنے کا حکم

سوال نمبر (252):

ایک شخص سے کسی نے قربانی کا جانور چرالیا تو اس نے دوسرا خریدا، ابھی عید کے دن سے پہلے وہ پہلا جانور مل گیا تو یہ شخص اب ایک جانور کی قربانی کرے گا یا دونوں کی قربانی اس پر لازم ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

قربانی کا جانور چوری ہو جانے یا گم ہونے کی صورت میں جب قربانی کرنے والا دوسرا جانور خریدے اور اس کے بعد وہ پہلا بھی مل جائے تو ایسے شخص پر ان دونوں میں سے ایک کی قربانی لازمی ہے، البتہ دوسرا جانور اگر پہلے سے کم قیمت والا ہو تو اس کی قربانی کرنے کی صورت میں دونوں کی قیمتوں میں جتنا فرق ہے وہ بھی صدقہ کرنا لازم ہے۔ یہ حکم اس صورت میں ہے جب یہ شخص غنی ہو، اور اگر یہ واقعہ کسی فقیر (غیر صاحبِ نصاب) کو پیش آئے تو اس پر ان دونوں کی قربانی لازم ہے۔

والدّلیل علی ذلك:

ولو ضلت أو سرقت، فشرى أخرى، فظهرت، فعلى الغني إحداهما وعلى الفقير كلاهما.(١)

ترجمہ:

اگر قربانی کا جانور گم ہو گیا یا چوری ہو گیا اور اس نے دوسرا خریدا، اس کے بعد پہلا بھی مل گیا تو غنی پر ان میں سے ایک کی اور فقیر پر دونوں کی قربانی کرنا لازم ہے۔

❁❁❁

قربانی کے لیے دوسرا جانور خریدنے کے بعد پہلا جانور بیچنا

سوال نمبر (253):

قربانی کے لیے جانور خریدنے کے بعد اگر کہیں دوسرا جانور پسند آ کر اس کو خرید لے تو دونوں کی قربانی لازم

(١) الدرالمختار علی صدر ردالمحتار، کتاب الأضحية: ٤٧١/٩

ہے یا پہلے کو بیچنے کی گنجائش ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

جب کوئی مالدار شخص قربانی کے لیے دوسرا جانور خرید لے تو اس کے لیے پہلا جانور بیچ کر ایک کی قربانی پر اکتفا کرنے کی گنجائش ہے، تاہم اگر دوسرے جانور کی قیمت پہلے جانور سے کم ہو تو اس صورت میں ان دونوں کی قیمتوں میں جتنا فرق ہے اس کے بقدر پیسے صدقہ کرے، لیکن اگر کوئی فقیر اس طرح کرلے کہ یکے بعد دیگرے دو جانور خرید لے تو اس پر دونوں کی قربانی کرنا واجب ہے، کیونکہ فقیر پر قربانی کی نیت سے جانور خریدتے ہی قربانی واجب ہو جاتی ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

رجل اشترى شاة للأضحية، وأوجبها بلسانه، ثم اشترى أخرى جازله بيع الأولى في قول أبي حنيفةؒ ومحمدؒ وإن كانت الثانية شرا من الأولى، وذبح الثانية، فإنه يتصدق بفضل بين القيمتين. (١)

ترجمہ:

ایک آدمی نے قربانی کے لیے بکری خرید کر اس کی قربانی کرنے کو زبان سے واجب قرار دیا، پھر ایک دوسری بکری خرید لی تو امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک اس آدمی کے لیے دوسرے کا بیچنا جائز ہے اور اگر دوسرے کی قیمت (پہلے سے) کم ہو اور دوسرے کو ذبح کرلے تو دونوں کی قیمتوں میں درمیانی فرق کے حساب سے رقم صدقہ کرے گا۔

وأما الذي يجب على الفقير دون الغني، فالمشترى للأضحية إذا كان المشتري فقيرا بأن اشترى فقيرشاة ينوي أن يضحي بها. (٢)

ترجمہ:

جو قربانی فقیر پر واجب ہے اور غنی پر واجب نہیں، پس قربانی خریدنے والا اگر فقیر ہو اور وہ قربانی کی نیت سے کوئی بکری خرید لے تو اس پر اس کی قربانی لازم ہوگی۔

❁❁❁

(١) الفتاوى الهندية، كتاب الأضحية، الباب الثاني في وجوب الأضحية ٥/٢٩٤

(٢) بدائع الصنائع، كتاب التضحية: ٦/٢٧٥

قربانی کی قضا کا طریقہ

سوال نمبر(254):

جو مالدار شخص سستی اور غفلت کی وجہ سے عیدالاضحیٰ کے موقع پر واجب قربانی نہ کرے اور نہ ہی اس نے کوئی جانور خریدا ہو، یہاں تک کہ عید کے دن گزر جائیں ۔اب وہ ایک قربانی کے بقدر پیسے صدقہ کرے گا یا آئندہ سال اس قربانی کی قضا کے طور پر جانور قربانی کرے گا؟

بيّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰه التوفيق:

جو مالدار شخص قربانی واجب ہونے کے باوجود قربانی نہ کرے اور نہ اس کے لیے کوئی جانور خریدے، یہاں تک کہ قربانی کا وقت گزر جائے، جو بارہویں ذی الحجہ کے غروب تک کا وقت ہے تو اب اس کی قضا کی صورت یہی ہے کہ ایسی بکری کی قیمت کے بقدر پیسے صدقہ کرے جس بکری کی قربانی جائز ہو۔ اس کی بجائے آئندہ سال قربانی کرنے سے ذمہ فارغ نہیں ہوگا، بلکہ اب اس کے ذمے قیمت صدقہ کرنا ہی متعین ہے۔

والدّليل على ذلك:

ولو كان موسرا في جميع الوقت، فلم يضح حتى مضى الوقت، ثم صارفقيرا صارقيمة شاة صالحة للأضحية دينا في ذمته يتصدق بها متى وجدها. (١)

ترجمہ: اگر قربانی کے سارے وقت میں غنی ہونے کے باوجود قربانی نہیں کی، یہاں تک کہ قربانی کا وقت گزر گیا پھر اس کے بعد فقیر ہوگیا تو جس بکری کی قربانی جائز ہو،اس کی قیمت اس شخص کے ذمہ دین ہوگی، جب اس کو پالے، صدقہ کرے۔

۞۞۞

فارمی گائے یا بیل کی قربانی کرنا

سوال نمبر(255):

فارمی گائے یا بیل کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟　بيّنوا تؤجروا

---

(١) بدائع الصنائع، كتاب التضحية، فصل في كيفية الوجوب :٦/٢٨٩

الجواب وباللہ التوفیق:

شرعی لحاظ سے حیوانات حلت وحرمت میں مادہ (ماں) کے تابع ہوا کرتے ہیں۔ان کی حلت وحرمت میں نر کے مادہ منویہ کا اعتبار نہیں ہے۔اس لیے فقہائے کرام نے لکھا ہے کہ اگر کوئی درندہ بکری کے ساتھ جفتی کرے اور اس سے بچہ پیدا ہو تو وہ حلال ہے۔یہی مسئلہ فاری گائے یا بیل وغیرہ میں بھی ہے کہ نر کا مادہ منویہ غیر فطری طریقہ سے مادہ (گائے) کے رحم میں پہنچادیا جاتا ہے، جس سے اس کی افزائش ہوتی ہے لیکن یہ طریقہ اپنانے سے گائے سے پیدا ہونے والے بچے کی حلت متاثر نہیں ہوتی، اس کا کھانا حلال ہے، لہٰذا فاری گائے، بیل وغیرہ کی قربانی بھی درست ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

حكم الولد حكم أمه في الحل والحرمة دون الفحل.(۱)

ترجمہ:

جانور سے پیدا ہونے والا بچہ حلت وحرمت میں ماں کے تابع ہوتا ہے، نر کے تابع نہیں ہوتا۔

❁❁❁

چھوٹے کانوں والے جانور کی قربانی

سوال نمبر (256):

جس جانور کے کان پیدائشی طور پر چھوٹے ہوں۔کیا ایسے جانور کی قربانی جائز ہے؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

پیدائشی طور پر کسی جانور کے کان کا چھوٹا ہونا اس کی قربانی کے جواز پر اثر انداز نہیں ہوتا لہٰذا ایسے جانور کی قربانی جائز ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

وتجزئ السّكاء وهي صغيرة الأذن.(۲)

(۱) بدائع الصنائع، كتاب الذبائح والصيود:۶/۱۹۰

(۲) الفتاوی الهندية، كتاب الأضحية، الباب الخامس في بيان محل إقامة الواجب:۵/۲۹۷

ترجمہ:

اور ''سکاء'' کی قربانی کرنا جائز ہے۔''سکاء'' چھوٹے کانوں والے جانور کو کہا جاتا ہے۔

❁❁❁

آنکھوں میں ٹیڑھاپن والے جانور کی قربانی

سوال نمبر(257):

جس جانور کی آنکھوں میں ٹیڑھاپن ہو، کیا اس کی قربانی جائز ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

جس جانور کی آنکھوں میں ٹیڑھاپن بالکل واضح ہو کہ بلا کسی سوچ وتامل کے معلوم ہوتا ہو تو یہ غیر معمولی عیب شمار ہوتا ہے اس لیے اس عیب کے حامل جانور کی قربانی جائز نہیں۔تاہم اگر یہ ٹیڑھاپن واضح نہ ہو، بلکہ سوچ وبچار کے ساتھ ہی نظر آتا ہو تو پھر یہ معمولی عیب شمار ہو کر اس جانور کی قربانی جائز ہوگی۔

والدّلیل علی ذلک:

ولاتجوز العمیاء ولاالعوراء البیّن عورھا.(١)

ترجمہ: اور اندھی کی قربانی جائز نہیں اور (اسی طرح) عوراء (یعنی کانی) کی قربانی بھی جائز نہیں جب اس کا کاناپن بالکل واضح ہو۔

❁❁❁

قربانی کے شرکا میں سے کسی ایک کا قادیانی ہونا

سوال نمبر(258):

قربانی کے شرکا میں سے کوئی ایک شریک مرتد ہو، مثلاً قادیانی عقیدہ والا ہو، لیکن دوسرے شرکا کو اس کا علم ہوئے بغیر اس کے ساتھ قربانی کرلی۔تو کیا بقیہ شرکا کی قربانی ہوگی یا نہیں؟ بیّنوا تؤجروا

(١) الفتاوى الهندية، كتاب الأضحية، الباب الخامس في بيان محل إقامة الواجب: ٢٩٧/٥

الجواب وباللہ التوفیق:

قربانی کے شرکا میں سے تمام شرکا کا مسلمان ہونا ضروری ہے، لہٰذا کسی ایک شریک کے کافر یا مرتد ہونے کی صورت میں بقیہ شرکا کی قربانی درست نہیں ہوتی۔ چاہے انہیں اس کا علم پہلے سے ہو یا بعد میں ہو جائے۔

والدّلیل علی ذلک:

ولو كان أحد الشركاء ذميا كتابيا أو غير كتابي، وهو يريد اللحم أو يريد القربة في دينه، لم يجزئهم؛ لأن الكافر لا يتحقق منه القربة.(۱)

ترجمہ:

اگر شرکا میں سے کوئی ایک ذمی ہو، چاہے اہل کتاب میں سے ہو یا ان کے علاوہ کوئی ہو اور اس کا ارادہ گوشت کا ہو یا اپنے دین میں عبادت کے ارادے سے شامل ہوا ہو تو بقیہ شرکا کی قربانی جائز نہیں ہوگی، کیونکہ کافر سے ثواب متحقق نہیں ہوتا۔

❁❁❁

قربانی کے لیے جانور خرید کر دوسروں کو اس میں شریک کرنا

سوال نمبر (259):

ایک شخص قربانی کے لیے گائے یا بھینس خرید لے تو کیا وہ دوسرے لوگوں کو اپنے ساتھ اس جانور میں حصے دے کر شریک کر سکتا ہے؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

اگر کسی شخص پر قربانی واجب نہ ہو اور وہ قربانی کے لیے گائے یا بھینس اکیلے طور پر خرید لے تو اس کے لیے دوسرے لوگوں کو اس میں شریک کرنا جائز نہیں، کیونکہ کسی فقیر کا قربانی کی نیت سے جانور خریدنے سے اس پر اس جانور کی قربانی واجب ہو جاتی ہے، لہٰذا اس کے لیے دوسرے کو شریک کرنے کی گنجائش نہیں، البتہ اگر کوئی مال دار

---

(۱) الفتاوى الهندية، كتاب الأضحية، الباب الثامن فيما يتعلق بالشركة في الضحايا: ٥/٣٠٤

(صاحبِ نصاب) شخص اس طرح کرے تو اگر خریدنے سے قبل دوسرے لوگوں کو اپنے ساتھ شریک کرنے کا ارادہ تھا تو بلا کسی کراہت جائز ہے اور اگر خریدنے کے وقت دوسرے لوگوں کو شریک کرنے کا ارادہ نہیں تھا، بلکہ خریدنے کے بعد یہ ارادہ پیدا ہوا تو اس صورت میں دوسروں کو شریک کرنا اگرچہ مکروہ اور ناپسندیدہ ہے، لیکن پھر بھی جائز ہے، لہٰذا اس مسئلے میں سب سے بہتر یہی ہے کہ قربانی کے لیے جانور خریدنے سے پہلے اپنے لیے شرکا ڈھونڈ لیے جائیں بعد میں کسی کو شریک نہ کیا جائے۔

والدّلیل علی ذلک:

ولو اشترى بقرة يريد أن يضحي بها، ثمّ أشرك فيها ستة يكره ويجزيهم ؛لأنه بمنزلة سبعة شياه حكما إلاأن يريد حين اشتراها أن يشركهم فيها فلايكره، وإن فعل ذلك قبل أن يشتريها كان أحسن، وهذا إذاكان موسرا، وإن كان فقيرامعسرا فقد أوجب بالشراء، فلايجوزأن يشرك فيها.(١)

ترجمہ:

اگر کوئی قربانی کی نیت سے گائے خرید لے، پھر اس میں چھ افراد شریک کرلے تو یہ کراہت کے ساتھ جائز ہے کیونکہ حکماً یہ سات بکریوں کی طرح ہے۔ہاں اگر خریدتے وقت ان کو شریک کرنے کا ارادہ تھا تو پھر مکروہ نہیں۔البتہ خریدنے سے پہلے ان کو شریک کرلے تو یہ زیادہ بہتر ہے اور یہ اس صورت میں ہے کہ جب یہ شخص مال دار ہو اور اگر تنگ دست فقیر ہو تو خریدنے سے اس نے اپنے اوپر واجب کرلیا لہٰذا اس کے لیے دوسروں کو شریک کرنا جائز نہیں۔

❁❁❁

ایامِ حج میں مسافر حاجی پر قربانی کا وجوب

سوال نمبر(260):

جو حاجی حج کی ادائیگی کے لیے بالکل آخری ایام میں جاتے ہیں اور منیٰ جانے سے پہلے مکہ مکرمہ میں ان کی اقامت پندرہ دن سے کم ہوتی ہے۔کیا ان پر قربانی واجب ہوتی ہے؟

بیّنوا تؤجروا

(١) الفتاوى الهندية، كتاب الأضحية، الباب الثامن فيما يتعلق بالشركة في الضحايا :٥/ ٣٠٤

الجواب وباللہ التوفیق:

حج کے لیے دور دراز سے آنے والے مسافر حضرات اگر منیٰ جانے سے قبل مکہ مکرمہ میں پندرہ دن کی اقامت سے مقیم نہ رہیں تو وہ شرعاً مقیم نہیں، لہٰذا ان پر مالی استطاعت کے باوجود قربانی واجب نہیں ہوتی، کیونکہ قربانی کے وجوب کے لیے مقیم ہونا شرط ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

وذكر في كتاب المناسك أن الحاج إذا دخل مكة في أيام العشر، ونوى الإقامة خمسة عشر يوما أو دخل قبل أيام العشر؛ لكن بقي إلى يوم التروية أقل من خمسة عشر يوما، ونوى الإقامة لا يصح؛ لأنه لابد له من الخروج إلى عرفات فلا تتحق نية الإقامة خمسة عشر يوما فلا يصح.(۱)

ترجمہ:

''کتاب المناسک'' میں یہ مسئلہ ذکر کیا ہے کہ جب حاجی ذی الحجہ کے پہلے عشرہ میں مکہ مکرمہ میں داخل ہو جائے اور پندرہ دن اقامت کی نیت کرلے یا اس سے پہلے داخل ہو، لیکن یوم الترویۃ (آٹھویں ذی الحجہ) تک مکہ میں پندرہ دن سے کم اقامت کی نیت سے رہا ہو تو بھی اقامت صحیح نہیں ہے، کیونکہ یہ شخص ضرور عرفات جائے گا تو پندرہ دن اقامت کی نیت ثابت نہیں ہوئی، لہٰذا اقامت درست نہیں رہی۔

❁❁❁

بارہ ذی الحجہ کو مسافر حاجی کا مکہ میں اقامت کی نیت کرنا

سوال نمبر (261):

اگر کوئی مسافر حاجی بارہ ذی الحجہ کو رمی جمرات کے بعد فوراً مکہ مکرمہ جا کر وہاں پندرہ دن اقامت کی نیت سے رہے تو کیا اس پر قربانی واجب ہوتی ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

کسی کے ذمہ قربانی واجب ہونے میں ایام نحر کے آخری وقت میں شرائط کے پائے جانے کا اعتبار ہے۔ اس

(۱) الفتاوى الهندية، كتاب الصلوة، الباب الخامس عشر في صلوة المسافر: ۱/ ۱۴۰

لیے جو حجاج کرام مسافر ہوں تو ان پر مالی استطاعت کے ہوتے ہوئے بھی قربانی واجب نہیں ہوتی، لیکن اگر بارہ ذی الحجہ کو جمرات سے فراغت کے بعد مکہ مکرمہ میں کم از کم پندرہ دن کی اقامت کی نیت کر لی تو ان پر قربانی واجب ہو جاتی ہے۔ البتہ بارہ ذی الحجہ کے بعد اقامت کی نیت کریں تو قربانی واجب نہیں ہوگی۔

والدّلیل علی ذلك:

فلاتجب علی حاج مسافر. (۱)

ترجمہ:

مسافر حاجی پر قربانی واجب نہیں ہوتی۔

ولاتشترط الإقامة في جميع الوقت، حتی لو کان مسافراًفي أول الوقت، ثم أقام في آخره، تجب علیه. (۲)

ترجمہ:

(قربانی واجب ہونے کے لیے) ایام قربانی کے کل وقت میں اقامت شرط نہیں، بلکہ اگر قربانی کے پہلے وقت میں مسافر تھا اور (ایام قربانی کے) آخر وقت میں مقیم بن گیا تو اس پر قربانی واجب ہو جاتی ہے۔

❁❁❁

فقیر کا مال دار بننے کے بعد دوبارہ قربانی کرنا

سوال نمبر(262):

غریب شخص قربانی واجب نہ ہونے کے باوجود قربانی کرے اور اس کے بعد قربانی کے بقیہ ایام میں غنی بن جائے تو کیا اس پر دوبارہ قربانی کرنا ضروری ہے؟

بیّنوا توٴجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

جب کوئی فقیر قربانی واجب نہ ہونے کے باوجود بھی قربانی کرے اور پھر اس کے بعد قربانی کے ایام (۱۰، ۱۱، ۱۲)

(۱) الدرالمختار علی صدر ردالمحتار، کتاب الأضحیة: ۹/۴۵۷

(۲) بدائع الصنائع، کتاب التضحیة، فصل في شرائط الوجوب: ۶/۲۸۲

ذی الحجہ) میں کسی بھی وقت غنی بن جائے تو اس پر دوبارہ قربانی لازم ہونے کے بارے میں علما کا اختلاف ہے، تاہم مفتی بہ قول کے مطابق اس پر قربانی کا اعادہ واجب نہیں۔

والدّليل على ذلك:

اشترى شاة للأضحية في أيام النحر،وهو فقير وضحى بها، ثم أيسر في أيام النحر، قال الشيخ الفقيه أبو محمد الحرميني رحمه الله: عليه أن يعيد، وغيره من المتأخرين قالوا :لايعيد، وبه نأخذ.(١)

ترجمہ: کسی فقیر نے بکری خرید لی اور اس کی قربانی کرلی، پھر اس قربانی کے ایام (۱۰، ۱۱، ۱۲ ذی الحجہ) میں کسی وقت غنی (صاحب نصاب) بنا تو شیخ فقیہ ابو محمد حرمینی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ اس پر قربانی کا اعادہ لازم ہے، جب کہ ان کے علاوہ دوسرے متاخرین علما نے کہا ہے کہ یہ شخص اعادہ نہ کرے اور اسی (قول) کو ہم اختیار کرتے ہیں۔

❁❁❁

نابالغ صاحبِ نصاب پر قربانی کا وجوب

سوال نمبر(263):

جس نابالغ کی ملکیت میں بقدرِ نصاب یا اس سے زائد مال موجود ہو تو کیا اس پر قربانی واجب ہے؟

بيّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰه التّوفيق:

نابالغ صاحب نصاب پر قربانی واجب ہونے میں اگرچہ فقہاے احناف کا اختلاف ہے، تاہم مفتیٰ بہ قول کے مطابق نابالغ صاحب نصاب پر قربانی واجب نہیں۔

والدّليل على ذلك:

(ويضحي عن ولده الصغير من ماله) صحّحه في الهداية (وقيل لا) صحّحه في الكافي. قال وليس للأب أن يفعله من مال طفله، ورجّحه ابن الشحنة :قلت وهو المعتمد لمافي متن مواهب الرحمن من أنه أصح مايفتى به .(٢)

(١) الفتاوى الهندية، كتاب الأضحية، الباب التاسع في المتفرقات :٥/ ٣٠٦

(٢) الدرالمختارعلى صدررد المحتار، كتاب الأضحية :٩/ ٤٥٨

ترجمہ:

باپ اپنے چھوٹے (نابالغ) بچے کی طرف سے اس کے مال میں قربانی کرے۔ ہدایہ میں اس کو صحیح قرار دیا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ باپ اس طرح نہ کرے، "الکافی" میں اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ اور کہا ہے کہ باپ کو یہ اختیار حاصل نہیں ہے کہ وہ اپنے بچے کے مال میں اس کی طرف سے قربانی کرے اور ابن شحنہؒ نے اس کو راجح قرار دیا ہے۔ میں کہتا ہوں: کہ یہی قول معتمد ہے کیونکہ مواہب الرحمٰن کے متن میں اس قول کو اصح اور مفتیٰ بہ کہا گیا ہے۔

❁❁❁

قربانی کے جانور کا پاؤں ٹوٹ جانا

سوال نمبر(264):

ایک شخص نے قربانی کے لیے جانور خریدا لیکن اس کا پاؤں ٹوٹ گیا تو کیا اس کی قربانی جائز رہے گی؟

بيّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰه التوفيق:

اگر قربانی کے جانور کا پاؤں اس قدر ٹوٹ جائے کہ اس سے وہ جانور نہیں چل سکتا ہو اور یہ شخص غنی صاحبِ نصاب بھی ہو تو اب اس کے لیے اس جانور کی قربانی جائز نہیں، اس پر دوسرے صحیح جانور کی قربانی کرنا ضروری ہے اور اگر یہ شخص غریب ہو یعنی صاحبِ نصاب نہ ہو تو اس کے لیے اس جانور کی قربانی جائز ہے۔

والدّليل على ذلك:

انكسرت رجلها، فلم تستطع أن تمشي لاتجزي عنه، وعليه مكانها أخرى بخلاف الفقير.(۱)

ترجمہ:

(قربانی کے جانور کا) پاؤں ٹوٹ گیا جس سے وہ چل نہیں سکتا تو اس کی قربانی جائز نہیں اور اس پر اس کی جگہ دوسرے جانور کی قربانی ضروری ہے۔ بخلاف فقیر کے (کہ اس کے لیے اس کی قربانی بھی جائز ہے)

❁❁❁

(۱) الفتاوى الهندية، كتاب الأضحية، الباب الخامس في بيان محل إقامة الواجب:۵/۲۹۹

گرے ہوئے دانتوں والے جانور کی قربانی

سوال نمبر(265):

جس جانور کے سب دانت گرے ہوں لیکن اس کے باوجود وہ گھاس کھاسکتا ہو تو ایسے جانور کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟

بيّنوا توجروا

الجواب وباللّٰه التوفيق:

جس جانور کے سب دانت گرے ہوں لیکن اس کے باوجود وہ گھاس کھانے پر قادر ہو تو اس کی قربانی کے جواز میں اگرچہ علما کا اختلاف ہے، لیکن صحیح قول کے مطابق اس کی قربانی جائز ہے۔

والدّليل على ذلك:

وأما الهتماء :وهي التي لاأسنان لها، فإن كانت ترعىٰ وتعتلف جازت، وإلافلا .وذكر في المنتقى عن أبي حنيفة رحمه الله: أنه إن كان لايمنعها عن الاعتلاف تجزيه، وإن كان يمنعها عن الاعتلاف إلاأن يصيب في جوفهاصبالم تجزه .(١)

ترجمہ: ''ہتماء'' یعنی وہ جانور جس کا کوئی دانت نہ ہو۔ اگر یہ چرسکتا ہو اور گھاس کھاسکتا ہو تو اس کی قربانی جائز ہے، ورنہ اس کی قربانی جائز نہیں۔'' المنتقی ''میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے نقل کیا گیا ہے کہ اگر مذکورہ جانور کی یہ کیفیت گھاس کھانے سے مانع نہ ہو تو جائز ہے اور اگر گھاس کھانے سے مانع ہو الا یہ کہ اس کے پیٹ میں گھاس ڈالا جائے تو اس کی قربانی جائز نہیں۔



قربانی کے جانور کا قربانی سے پہلے مرجانا

سوال نمبر(266):

اگر کوئی شخص قربانی کے لیے جانور خریدے لیکن قربانی کرنے سے پہلے وہ جانور مرجائے تو ایسی صورت میں

(١) بدائع الصنائع، كتاب التضحية، فصل في شروط جواز إقامة الواجب :٦/٣١٥

کیا حکم ہے؟اس پر دوسرا جانور خرید کر اس کی قربانی ضروری ہے یا نہیں؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

جب کوئی شخص قربانی کے لیے جانور خریدے اور قربانی سے پہلے وہ جانور مرجائے تو اگر یہ شخص غنی صاحب نصاب ہو تو اس پر دوسرے جانور کی قربانی لازم اور ضروری ہے۔اور اگر فقیر غیر صاحب نصاب ہو تو اس پر اس کی جگہ دوسرا جانور خریدنا لازم اور ضروری نہیں۔

والدّلیل علی ذلك:

وكذا لو ماتت فعلى الغني غيرها لا الفقير. (١)

ترجمہ:

اور اسی طرح اگر یہ جانور مرجائے تو غنی پر دوسرے جانور کی قربانی لازم ہے،جب کہ فقیر پر لازم نہیں۔

❁❁❁

زکوۃ ادا نہ کرنے والے شخص کے ساتھ قربانی میں شرکت

سوال نمبر(267):

جو شخص زکوۃ ادا نہ کرتا ہو،اس کے ساتھ اگر قربانی میں شرکت کی جائے تو کیا دوسرے شرکا کی قربانی اس سے متاثر ہوتی ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

جس شخص کے پاس بقدر نصاب مال موجود ہو اور اس پر سال گزر جائے تو مفتیٰ بہ قول کے مطابق اس پر زکوۃ کی ادائیگی فوری طور پر واجب ہے اور زکوۃ میں بلا کسی عذر کے تاخیر سے بندہ گناہ گار ہوتا ہے،تاہم اس سے مال حلال کی حلت پر اثر نہیں پڑتا یعنی اس تاخیر کی وجہ سے حلال مال حرام نہیں ہوجاتا۔

(١) الدرالمختار علی صدر ردالمحتار، کتاب الأضحية:٩/٤٧١

لہٰذا صورتِ مسئولہ میں زکوٰۃ ادا نہ کرنے والا شخص اگرچہ خود گناہ گار ہے، لیکن پھر بھی اس کی قربانی درست ہے اور اس کے ساتھ قربانی میں شرکت کرنے سے دوسرے شرکا کی قربانی متاثر نہیں ہوتی۔

والدّليل على ذلك:

(وافتراضها عمري) أي على التراخي، وصححه الباقاني وغيره (وقيل فوري) أي واجب على الفور (وعليه الفتوى) كمافي شرح الوهبانية (فيأثم بتاخيرها) بلاعذر.(۱)

ترجمہ:

ادائیگی زکوٰۃ کا وجوب عمر بھر میں تاخیر کے ساتھ ہے اور باقانی" وغیرہ نے اس کو صحیح قرار دیا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا وجوب علی الفور ہوتا ہے اور اسی پر فتویٰ ہے جیسا کہ "شرح الوہبانیہ" میں ہے۔ پس بغیر کسی عذر کی تاخیر کی وجہ سے گناہ گار ہوتا ہے۔

❁❁❁

وجوبِ قربانی کے لیے صاحبِ نصاب بننے میں وقت کا اعتبار

سوال نمبر(268):

ایک غنی صاحب نصاب شخص نے قربانی میں ٹال مٹول کرتے ہوئے قربانی کے لیے کوئی جانور نہیں خریدا۔ یہاں تک کہ بارہ ذی الحجہ کو اپنی کسی ضرورت میں پورا نصاب صَرف کیا۔ آیا اب اس کے ذمے قربانی واجب ہے یا نہیں؟

بيّنوا تؤجروا

الجواب وبالله التوفيق:

کسی شخص کے ذمے وجوبِ قربانی کے لیے قربانی واجب ہونے کے تمام شرائط (اسلام، عقل، بلوغ، اقامت، نصاب) کا ایام نحر کے آخری وقت (بارہ ذی الحجہ کے سورج غروب ہونے تک) میں پائے جانے کا اعتبار ہے، لہٰذا آخری وقت میں اگر کوئی ایک شرط بھی فوت ہوجائے تو وجوبِ قربانی کا حکم اس کے حق میں باقی نہیں رہتا۔

صورتِ مسئولہ میں ایام نحر کے آخر وقت میں صاحبِ نصاب نہ ہونے کی وجہ سے اس شخص پر قربانی واجب نہیں۔

---

(۱) الدرالمختار علی صدر ردالمحتار، کتاب الزکاۃ: ۳/۱۹۱، ۱۹۲

والدّليل على ذلك:

ولو كان أهلا في أوله، ثم لم يبق أهلا في آخره، بأن ارتدّ أو اعسر أو سافر في آخره لاتجب. (۱)

ترجمہ:

اگر قربانی کے پہلے وقت میں قربانی کا اہل تھا، لیکن آخر وقت میں اہل نہ رہا، بایں طور کہ آخر وقت میں مرتد ہوا یا تنگ دست ہوا یا مسافر بنا تو قربانی واجب نہیں۔

❁❁❁

قربانی کے شرکا میں سے کسی ایک کی نیت خالص نہ ہونا

سوال نمبر(269):

اگر کسی بڑے جانور کی قربانی کے شرکا میں کسی ایک شریک کی نیت خالص نہ ہو، بلکہ صرف گوشت کے حصول کی نیت سے شرکت کی ہو تو کیا اس سے دوسرے شرکا کی قربانی متاثر ہوتی ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التّوفیق:

قربانی کا بنیادی مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر کسی حلال مخصوص جانور کا خون بہانا ہے، اس لیے قربانی محض اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر کرنی چاہیے۔ چنانچہ اگر شرکا میں سے کوئی ایک بھی صرف گوشت کے حصول کی غرض سے شرکت کرے تو اس کے ساتھ بقیہ شرکا کی قربانی بھی ادا نہیں ہوتی۔

والدّليل على ذلك:

أو كان شريك السبع من يريد اللحم أو كان نصرانيا ونحو ذلك لايجوز للآخرين أيضا.(۲)

ترجمہ:

سات شرکا میں سے کوئی ایک شریک گوشت کا ارادہ رکھتا ہو یا نصرانی ہو یا اسی طرح کوئی دوسری بات ہو تو

(۱) الفتاوی الهندية، كتاب الأضحية، الباب الأول :۵/۲۹۳

(۲) الفتاوی الهندية، كتاب الأضحية، الباب الثامن فيمايتعلق بالشركة في الضحايا :۵/۳۰٤

دوسروں کی قربانی بھی جائز نہیں ہوتی (جس طرح اُس گوشت کا ارادہ رکھنے والے شخص وغیرہ کی قربانی ادا نہیں ہوتی)

❁❁❁

قربانی کے گوشت کی تقسیم

سوال نمبر (270):

ایک انسان کے لیے اپنے حصہ کی قربانی کا گوشت کس طریقہ سے تقسیم کرنا افضل اور مستحب ہے؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللّٰه التوفیق:

قربانی کے گوشت کو تین حصوں میں تقسیم کرنا افضل ہے۔ایک حصہ غربا میں، دوسرا حصہ رشتہ داروں میں تقسیم کیا جائے اور تیسرا حصہ اپنے لیے رکھا جائے تاکہ خود بھی اس سے کھائے اور اپنے اہل وعیال کو بھی کھلائے۔یہی مستحب طریقہ ہے۔

والدّلیل علی ذلك:

ويستحب أن يأكل من أضحية ويطعم منها غيره، والأفضل أن يتصدق بالثلث، ويتخذ الثلث ضيافة لأقاربه، وأصدقائه، ويدخر الثلث ويطعم الغني والفقير جميعا .(١)

ترجمہ: مستحب یہ ہے کہ قربانی کے گوشت سے خود بھی کھائے اور دوسروں کو بھی کھلائے اور افضل یہ ہے کہ اس کے ایک تہائی کو صدقہ کرے اور دوسرے تہائی سے اپنے اعزہ اور احباب کی ضیافت کرے اور ایک تہائی کو ذخیرہ کرے، اور غنی اور فقیر سب کو کھلائے۔

❁❁❁

میت کی طرف سے کی گئی قربانی کے گوشت کا حکم

سوال نمبر (271):

میت کی طرف سے جو قربانی کی جائے، اس کا گوشت کن لوگوں کو کھلانا درست ہے اور کن کو کھلانا درست نہیں؟

(١) الفتاوى الهندية، كتاب الأضحية، الباب الخامس في بيان محل إقامة الواجب :٥/ ٣٠٠

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

جب کوئی شخص میت کی وصیت کے بغیر اپنی طرف سے قربانی کرکے اُس کا ثواب کسی فوت شدہ شخص کو بخش دے تو اس قربانی کا گوشت خود بھی کھا سکتا ہے اور اغنیا وفقرا سب کو کھلا سکتا ہے اور جب کسی فوت شدہ کی وصیت کے مطابق اس کے ترکہ سے قربانی کی جائے تو اس گوشت کا صدقہ کرنا واجب ہے۔ یہ صرف غربا وفقرا کو کھلایا جاسکتا ہے اور ان میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ اگر میت کے اصول وفروع کے علاوہ کوئی رشتہ دار غریب ہو تو اس کو بھی کھلانا درست ہے۔

والدّلیل علی ذلك:

ولو ضحى عن ميت من مال نفسه بغير أمر الميت جاز، وله أن يتناول منه ولا يلزمه أن يتصدق به؛ لأنها لم تصر ملكا للميت...... وإن ضحى عن ميت من مال الميت بأمر الميت يلزمه التصدق بلحمه ولا يتناول منه.(۱)

ترجمہ:

اگر کوئی اپنے ہی مال سے کسی میت کی طرف سے اُس کے کہنے کے بغیر قربانی کرلے تو یہ جائز ہے اور اس کے لیے اس سے کھانا جائز ہے اور اس کے لیے یہ صدقہ کرنا ضروری نہیں۔ کیونکہ یہ میت کی ملکیت نہیں بنی ہے اور اگر میت کے کہنے پر اس میت کے پیسوں سے قربانی کرے تو اس شخص کے لیے یہ گوشت صدقہ کرنا ضروری ہے اور خود اس سے نہیں کھائے گا۔

❁❁❁

اہلِ ذمہ کو قربانی کا گوشت کھلانا

سوال نمبر(272):

ہمارے ساتھ محلّہ میں عیسائی اور سکھ رہتے ہیں۔ قربانی کا گوشت ان کو کھلانا جائز ہے یا نہیں؟

بیّنوا توجروا

(۱) الفتاوى الخانية على هامش الفتاوى الهندية، كتاب الأضحية، فصل فيما يجوز في الضحايا: ۳۰۲/۳

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

اہل ذمہ کے ساتھ اخلاقی برتاؤ کرنا ممنوع نہیں،خصوصاً جب کہ وہ کسی مسلمان کے پڑوس میں رہتے ہوں تو پڑوسی ہونے کی بنا پر ان کا حق بنتا ہے کہ ان سے اچھا سلوک کیا جائے۔علمائے اہل ذمہ کو قربانی کا گوشت کھلانا جائز لکھا ہے،لہٰذا پڑوس میں موجود عیسائیوں اور سکھوں کو قربانی کا گوشت کھلانا جائز ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

ویستحب أن یأکل من أضحیته ویطعم منها غیره...... ویهب منها ماشاء للغني والفقیر والمسلم والذمي. کذافي الغیاثیة.(۱)

ترجمہ:

یہ مستحب ہے کہ آدمی اپنی قربانی کے گوشت سے کھائے اور اس سے دوسرے کو بھی کھلائے۔۔۔۔اور قربانی کے گوشت سے جس قدر چاہے غنی،فقیر،مسلمان اور ذمی کو ہبہ کرے۔

۞۞۞

دوسال سے کم عمر والی فربہ بھینس یا گائے کی قربانی

سوال نمبر(273):

جس گائے یا بھینس کی عمر دوسال سے کچھ کم ہو،لیکن فربہ ہو تو کیا ایسے جانور کی قربانی جائز ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

فقہائے کرام کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ گائے یا بھینس کی قربانی کے جواز کے لیے ان کی عمر کم از کم دو سال ہونا ضروری ہے،اگر اس سے عمر کم ہو تو ایسے جانور کی قربانی جائز نہیں ہوگی۔

والدّلیل علی ذلک:

فلا یجوز شيء مما ذکرنا من الإبل والبقر والغنم عن الأضحیة إلا الثني من کل جنس إلا الجذع

(۱) الفتاوی الهندیة، کتاب الأضحیة، الباب الخامس في بیان محل إقامة الواجب: ۵/۳۰۰

من الضأن خاصة إذا كان عظيما...... والجذع من البقر ابن سنة، والثني منه ابن سنتين...... حتى لو ضحى بأقل من ذلك لايجوز.(۱)

ترجمہ:

مذکورہ جانوروں یعنی اونٹ، گائے، بکرے میں سے صرف ثنی کی قربانی جائز ہے، البتہ جذع بھیڑ (یعنی چھ ماہ والا) اس سے مستثنیٰ ہے جب وہ بڑا ہو۔ گائے میں سے جذع ایک سال والا اور ثنی دو سال کا ہوتا ہے۔۔۔ یہاں تک کہ اگر اس سے کم عمر کے جانور کی قربانی کرے تو وہ جائز نہ ہوگی۔

❁❁❁

ایک سال سے کم دنبہ کی قربانی

سوال نمبر(274):

دنبہ کی عمر اگر ایک سال سے کم ہو تو کیا اس کی قربانی جائز ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

دنبہ کی قربانی جائز ہونے کے لیے شرط یہ ہے کہ کم از کم اس کی عمر ایک سال ہو۔ البتہ اگر کہیں چھ ماہ کا دنبہ اس قدر موٹا اور فربہ ہو کہ اگر ایک سال کے دنبوں میں اس کو چھوڑا جائے تو ان میں تمیز نہ ہو سکے اور یہ بھی ایک سال والے دنبوں جتنا نظر آئے تو اس صورت میں ایسے فربہ دنبے کی قربانی جائز ہے۔

والدّلیل علی ذلك:

فلايجوز شيء مما ذكرنا من الإبل والبقر والغنم عن الأضحية إلا الثني من كل جنس إلا الجذع من الضأن خاصة إذا كان عظيما.(۲)

ترجمہ:

مذکورہ جانوروں یعنی اونٹ، گائے، بکرے میں سے صرف ثنی کی قربانی جائز ہے، البتہ جذع بھیڑ (یعنی چھ

(۱) الفتاوى الهندية، كتاب الأضحية، الباب الخامس في بيان محل إقامة الواجب: ۲۹۷/۵

(۲) الفتاوى الهندية، كتاب الأضحية، الباب الخامس في بيان محل إقامة الواجب: ۲۹۷/۵

ماووالا) اس سے مستثنیٰ ہے جب وہ بڑا ہو۔

❁❁❁

موہوبہ جانور میں قربانی کی نیت کرنے کے بعد مرجانا

سوال نمبر(275):

ایک فقیر کو کسی نے جانور ہبہ کیا، فقیر نے نذر کیے بغیر اس میں یہ نیت کرلی کہ میں اس کو قربانی میں ذبح کردوں گا، لیکن ایام قربانی سے پہلے وہ جانور مرگیا۔ اب فقیر پر اس کے بدلے دوسرے جانور کی قربانی واجب ہے یا نہیں؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

کوئی فقیر (غیر صاحب نصاب) شخص جب تک قربانی کی نذر نہ مانے یا نہ قربانی کی نیت سے جانور نہ خریدے اس کی قربانی نفل شمار ہوتی ہے۔

صورت مسئولہ میں موہوبہ جانور میں اگر فقیر نے قربانی کرنے کی نذر مانی ہے نہ قربانی کی نیت سے خریدا ہے تو ہبہ کیے جانے کے بعد اس میں قربانی کی نیت کرنے سے اس پر قربانی واجب نہیں ہوتی، اس لیے اگر یہ جانور قربانی کرنے سے پہلے مرجائے تو اس کے بدلے کسی دوسرے جانور کی قربانی اس پر واجب نہیں ہے۔ موہوبہ جانور میں نیت کے اثرات قربانی کے وقت ظاہر ہوں گے، اس سے پہلے نہیں۔

والدّليل على ذلك:

وأما التطوع: فأضحية المسافر والفقير الذي لم يوجد منه النذر بالتضحية ولا الشراء للأضحية لانعدام سبب الوجوب وشرطه. (١)

ترجمہ:

پس مسافر اور اس فقیر شخص کی قربانی نفلی ہے جس نے نہ قربانی کی نذر مانی ہو اور نہ قربانی کے لیے جانور خریدا ہو کیونکہ قربانی کا سبب وجوب اور شرط موجود نہیں۔

❁❁❁

(١) بدائع الصنائع، كتاب التضحية، قبيل فصل في شرائط الوجوب: ٢٨١/٦

چرمِ قربانی کی قیمت مسجد ومدرسہ کی تعمیر یا دیگر اخراجات میں استعمال کرنا

سوال نمبر(276):

چرمِ قربانی کسی کو تملیکاً دی جائے اور وہ اُسے بیچ کر اپنی رضا ورغبت کے ساتھ مسجد یا مدرسہ کی تعمیر یا دیگر اخراجات میں صرف کرے تو کیا یہ جائز ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

قربانی کے گوشت کی طرح چرمِ قربانی غنی اور فقیر دونوں کو دینا درست ہے، البتہ بیچنے کے بعد اس کے پیسے فقرا کو دینا واجب ہے، لہٰذا قیمتِ چرم کا صدقہ واجب ہونے کی وجہ سے مسجد ومدرسہ کی تعمیر یا دیگر اخراجات میں صَرف کرنا جائز نہیں۔ تاہم اگر چمڑا کسی کو ملکیتاً دیا جائے اور وہ اس کو بیچے تو اس کے لیے اس رقم کا استعمال مسجد ومدرسہ کی تعمیر یا دیگر اخراجات میں درست ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

وحيلة التكفين بها التصدق على الفقير ثم هو يكفن فيكون الثواب لهما، وكذافي تعمير المسجد .(١)

ترجمہ:

زکوۃ کے پیسوں سے میت کی تکفین کے لیے حیلہ یہ ہے کہ یہ پیسے فقیر پر صدقہ کیے جائیں، پھر وہ (اس کے ذریعے) میت کی تکفین کرلے تو ثواب دونوں کو (زکوۃ دینے والے اور فقیر کو) ملے گا اور یہی طرح حیلہ مسجد کی تعمیر میں بھی ہے۔



(١) الفتاوى الهندية، كتاب الأضحية، الباب السادس :٥/ ٢٠١

قربانی کی کھال غنی کو دینا

سوال نمبر(277):

قربانی کی کھال غنی کو دینا کیسا ہے؟اور نذر مانی ہوئی قربانی یا اس کے علاوہ واجب یا نفلی قربانی کی کھال غنی کو دینے میں کچھ فرق ہے یا نہیں؟

بینوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

نذر مانی ہوئی قربانی کا گوشت جس طرح اصول وفروع اور اغنیا کو ہبہ کرنا یا کھلانا درست نہیں، اسی طرح نذر مانی ہوئی قربانی کی کھال بھی اصول وفروع اور اغنیا کو دینا درست نہیں ہے، بلکہ فقرا کو صدقہ کرنا واجب ہے اور نفلی قربانی یا نذر کے علاوہ واجب قربانی کی کھال اغنیا وفقرا کو ہبہ کرنا درست ہے، چاہے وہ اصول وفروع ہوں یا نہ ہوں۔

والدلیل علی ذلك:

ويهب منها ما شاء للغني، والفقير، والمسلم، والذمي كذافي الغياثية.(۱)

ترجمہ: قربانی کرنے والا اس میں سے جو چاہے غنی، فقیر مسلمان اور ذمی سب کو ہبہ کرسکتا ہے۔

❁❁❁

صاحبِ نصاب کا ایامِ عید میں مرجانے کی صورت میں قربانی کا حکم

سوال نمبر(278):

اگر کوئی غنی شخص عید الاضحیٰ کے ایام میں مرجائے اور ابھی تک اس نے قربانی نہیں کی ہو تو کیا اسی عید کی قربانی اس کے ذمہ باقی ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

وجوبِ قربانی کی شرائط پائے جانے کے بعد اگر یہ شرائط ایامِ نحر کے بالکل اخیر وقت (بارہویں ذی الحجہ کے

(۱) الفتاوى الهندية، كتاب الأضحية، الباب الخامس في بيان محل إقامة الواجب: ۵/۳۰۰

غروب) تک برقرار رہیں تو وجوب بھی بندہ کے ذمہ رہ جاتا ہے اور اگر اخیر وقت آنے سے پہلے ان میں سے کوئی ایک شرط بھی باقی نہ رہے تو وجوب بندہ کے ذمے سے ساقط ہو جاتا ہے۔اسی کو دیکھتے ہوئے فقہا نے لکھا ہے کہ جب غنی ایام نحر میں وفات پا جائے تو قربانی اس کے ذمے سے ساقط ہو جاتی ہے۔

والدّليل على ذلك:

ولو كان موسراً في أيام النحر فلم يضح، حتى مات قبل مضي أيام النحر سقطت عنه الأضحية.(١)

ترجمہ:

اگر کوئی شخص قربانی کے دنوں میں غنی ہو اور قربانی نہ کرے، یہاں تک کہ قربانی کے دن گزرنے سے پہلے پہلے وفات پا جائے تو اس سے قربانی ساقط ہو جائے گی۔

❁❁❁

چرمِ قربانی کی رقم دینے کے بعد تصدق کی نیت کرنا

سوال نمبر(279):

ایک شخص نے کسی فقیر کو چرمِ قربانی کی رقم اس کے واجب التصدق ہونے کی نیت کیے بغیر خیرات کی نیت سے دے دی، وہ فقیر چلا گیا۔کیا فقیر کو اس طرح دینے سے ذمہ فارغ ہو جاتا ہے یا نہیں؟فقیر کو دینے کے بعد ان پیسوں کے واجب التصدق ہونے کی نیت کرنے کی ضرورت ہے یا نہیں؟

بينوا تؤجروا

الجواب وباللّٰه التوفيق:

چرمِ قربانی کی رقم کسی فقیر و مسکین کو دینے کا عمل واجب ہے، اس میں یہ ضروری نہیں کہ اس کے واجب التصدق ہونے کی نیت بھی کرے، بلکہ کسی فقیر و مسکین کو صدقہ و خیرات کی نیت سے دینے کے ساتھ اس شخص کا ذمہ فارغ ہو جاتا ہے۔فقیر کو صدقہ و خیرات کی نیت سے دینے کے بعد اس کے واجب التصدق ہونے کی نیت کرنے کی

---

(١) الفتاوى الهندية، كتاب الأضحية، الباب الرابع فيما يتعلق بالمكان والزمان:٢٩٧/٥

کوئی ضرورت نہیں ہے۔

والدّليل على ذلك:

ويتصدق بجلدها أويعمل منه نحو غربال وجراب۔(١)

ترجمہ:

قربانی کی کھال صدقہ کرے یا اس سے چھلنی یا تلوار کا میان وغیرہ بنالے۔

❁❁❁

قربانی کی کھال کی قیمت دوسرے علاقے کو بھیجنا

سوال نمبر(280):

قربانی کی کھال یا اس کی قیمت دوسرے علاقے میں موجود مستحق رشتہ دار یا طلبہ کو بھیجنا کیسا ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وبالله التوفيق:

قربانی کی کھال غنی (صاحب نصاب) اور غریب دونوں کو دی جاسکتی ہے، البتہ بیچنے کے بعد اس کی قیمت کا مصرف صرف غربا وفقرا ہیں اور کھال کی قیمت دوسرے کو دینے کی صورت میں اپنے علاقے کے فقرا کو مقدم رکھا جائے۔ بغیر کسی مصلحت کے دوسرے علاقے میں کھال کی قیمت بھیجنا مکروہ ہے، لیکن اگر کسی دوسرے علاقے میں مستحق رشتہ دار، نیک اور متقی لوگ، طلبہ دین یا زیادہ احتیاج رکھنے والے لوگ موجود ہوں تو ایسی صورت میں کھال کی قیمت یا دوسرے صدقات واجبہ دوسرے علاقے کو بھیجنے میں کوئی کراہت نہیں۔

والدّليل على ذلك:

(و) كره (نقلها إلا إلى قرابة) بل في الظهيرية: لاتقبل صدقة الرجل وقرابته محاويج، حتى يبدأ بهم، فيسد حاجتهم (أو أحوج) أو أصلح أو أورع أو أنفع للمسلمين (أو من دار الحرب إلى دار الإسلام أو إلى طالب علم). (٢)

---

(١) الفتاوى الهندية، كتاب الأضحية، الباب السادس: ٣٠١/٥

(٢) الدرالمختار على صدرالمحتار، كتاب الزكاة، باب المصرف: ٣٠٤/٣

ترجمہ:

زکوٰۃ کا منتقل کرنا مکروہ ہے مگر یہ کہ رشتہ داروں کے لیے ہو۔ بلکہ فتاوی ظہیریہ میں ہے کہ آدمی کا صدقہ قبول نہیں ہوتا جب کہ اس کے رشتہ دار محتاج ہوں، یہاں تک کہ ان سے ابتدا کرے اور ان کی حاجت پوری کرے۔ یا زیادہ محتاج کے لیے منتقل کیا جائے یا زیادہ نیک اور پرہیزگار کے لیے یا مسلمانوں کے لیے زیادہ نفع بخش ہونے کی نیت سے یا دارالحرب سے دارالاسلام میں یا دین کے کسی طالب علم کی طرف منتقل کیا جائے (تو ان تمام صورتوں میں ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا جائز ہے)

❁❁❁

قربانی کی کھال مسجد کے امام کو اجرت میں دینا

سوال نمبر(281):

قربانی کی کھال یا اس کی قیمت محلے کی مسجد کے امام کو اجرت میں دینا کیسا ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

قربانی کا گوشت یا اس کی کھال جس طرح قصاب کو اجرت میں دینا جائز نہیں، اسی طرح مسجد کے امام کو بھی اجرت میں دینا ناجائز ہے، تاہم اگر امام کے لیے تنخواہ مقرر ہو تو اس صورت میں اجرت کی نیت کیے بغیر قربانی کی کھال مسجد کے امام کو دینے میں کوئی حرج نہیں، اگر چہ امام مالدار ہی کیوں نہ ہو اور کھال کی قیمت امام کو دینا اس وقت صحیح اور درست رہے گا، جب کہ وہ زکوٰۃ اور صدقات واجبہ کا مصرف ہو، ورنہ اگر وہ خود صاحبِ نصاب ہو تو کھال کی قیمت اس کو دینا صحیح نہیں ہے، بلکہ کسی فقیر اور مسکین کو دینا واجب ہے۔

والدّلیل علیٰ ذلک:

ويتصدق بجلدها أو يعمل منه نحو غربال وجراب...... ولا أن يعطي أجر الجزار، والذابح منها. (۱)

ترجمہ: قربانی کی کھال صدقہ کرے یا اس سے چھلنی یا تلوار کا میان وغیرہ بنالے۔۔۔۔۔ اور اسے قصاب اور ذبح

(۱) الفتاوى الهندية، كتاب الأضحية، الباب السادس: ۵/۳۰۱

کرنے والے کو اجرت میں دینا جائز نہیں۔

❁❁❁

تمام شرکاء کا باہمی رضامندی سے زائد حصہ بنا کر صدقہ کرنا

سوال نمبر(282):

گائے کی قربانی میں حصہ لینے والے سات شرکا باہمی رضامندی سے ایک زائد حصہ مجموعی گوشت میں بنا کر سب شرکا کی طرف سے صدقہ کریں تو کیا یہ جائز ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

قربانی کے تمام شرکا کا باہمی رضامندی سے گوشت کا ایک زائد حصہ بنا کر صدقہ کرنا جائز ہے تا کہ سب کی رضامندی سے فقرا میں تقسیم کیا جائے، البتہ استحباب کی رعایت رکھتے ہوئے ہر شریک کے حصے سے ایک تہائی شامل کیا جائے تو زیادہ بہتر ہوگا، تاہم اس سے زیادہ یا کم صدقہ کرنا بھی جائز ہے۔

والدّلیل علی ذلك:

والأفضل أن یتصدق بالثلث.(۱)

ترجمہ: افضل یہ ہے کہ قربانی کرنے والا تہائی حصہ کو صدقہ کرے۔

❁❁❁

کاروبار میں معاون بیٹوں پر قربانی کا وجوب

سوال نمبر(283):

ایک شخص لاکھوں روپے کا کاروبار کرتا ہے اور اس کے کئی بیٹے اس کے ساتھ بطورِ معاونت کام کرتے ہیں، جب کہ باپ نے ابھی تک اپنے کسی بیٹے کو اپنا شریک نہیں بنایا ہے تو ایسی صورت میں قربانی صرف باپ پر واجب ہوتی

(۱) الفتاوی الهندیة، کتاب الأضحیة، الباب الخامس: ۵/ ۳۰۰

ہے یا باپ بیٹوں سب پر الگ الگ قربانی واجب رہے گی؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

جب تک باپ نے اپنے کاروبار میں کسی بیٹے کو شریک نہیں بنایا ہو، بلکہ ان کو صرف معاون کے درجہ میں رکھا ہو تو بیٹا باپ کے اس کاروبار میں ملکیت کا حق نہیں رکھتا، لہٰذا ایسی صورت میں قربانی صرف باپ پر واجب ہوتی ہے اور بیٹوں پر قربانی واجب نہیں۔ تاہم اگر بیٹوں میں سے کسی کے ساتھ اُس کی الگ ملکیت میں اس کاروبار کے علاوہ مقدارِ نصاب میں کوئی نقدی یا زائد از ضرورت سامان وغیرہ ہو تو اُس پر بھی قربانی واجب ہوگی۔

والدلیل علی ذلك:

الأب وابنه يكتسبان في صنعة واحدة، ولم يكن لهما شيء، فالكسب كله للأب إن كان الابن في عياله لكونه معينا له .(۱)

ترجمہ:

باپ بیٹا دونوں ایک صنعت سے کمارہے ہوں اور ان دونوں کا ذاتی طور پر کچھ نہ ہو تو ساری کمائی باپ کی ہوگی۔ بشرطیکہ بیٹا باپ کے زیر پرورش ہو۔ کیونکہ بیٹا باپ کا معاون ہے۔

❁❁❁

گھریلو اخراجات مشترک ہوں تو مختلف افراد پر قربانی

سوال نمبر (284):

اگر ایک گھر میں کئی بیٹے اپنے باپ کے ساتھ رہتے ہوں اور سب بیٹے اپنا اپنا کاروبار کرتے ہوں اور سب بیٹے باپ کو گھر کے اخراجات کے لیے پیسے دیتے ہوں۔ اس کے علاوہ باپ خود بھی صاحبِ نصاب ہے تو کیا باپ کی قربانی سب گھر والوں کی طرف سے کفایت کرتی ہے یا ہر صاحبِ نصاب پر الگ الگ قربانی کرنا واجب ہے؟

بینوا توجروا

---

(۱) ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الشرکہ، مطلب: اجتمعافی دار واحدۃ: ۶/۲ ۵۰

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

قربانی ہر اس عاقل، بالغ، مقیم مسلمان پرواجب ہے جو صاحبِ نصاب ہو۔ صورتِ مسئولہ میں باپ کے صاحبِ نصاب ہونے کی وجہ سے اس پر قربانی واجب ہے اور اس کا جو بیٹا صاحبِ نصاب ہو، اس پر اپنی طرف سے قربانی واجب ہے۔ باپ کی قربانی اس کے کسی صاحبِ نصاب بیٹے کے ذمے واجب قربانی سے کفایت نہیں کرتی، بلکہ شرعاً جو شخص بھی غنی ہو، اس پر خود قربانی واجب ہوتی ہے۔ یادر ہے کہ بیٹا اس وقت غنی متصور ہوگا جب یہ خود صاحبِ نصاب ہو۔

والدّلیل علی ذلک:

(وأما شرائط الوجوب) منها اليسار، وهو مايتعلق به وجوب صدقة الفطر دون ما يتعلق به وجوب الزكوة......والموسر في ظاهر الرواية من له مائتا درهم أوعشرون ديناراأوشيء يبلغ ذلك، سوى مسكنه ومتاع مسكنه، ومركوبه وخادمه في حاجته التي لايستغني عنها.(١)

ترجمہ: قربانی کے وجوب کی شرائط میں سے ایک تو انگری بھی ہے اور اس کی مقدار وہی ہے جس سے صدقہ فطر کا وجوب متعلق ہے نہ کہ زکوۃ کا۔۔۔۔ اور ظاہر الروایۃ کے مطابق توانگر وہ شخص ہے جس کی ملکیت میں دوسو درہم یا بیس دینار ہوں یا کوئی ایسی چیز ہو جس کی مالیت مذکورہ نصابوں میں سے کسی ایک تک پہنچ جائے جو اس کے گھر، گھر کے سامان، سواری اور اس کی ضروری حاجتوں میں مشغول خادم کے علاوہ ہو۔

❁❁❁

قربانی کے دوران جانور کا پاؤں یا سینگ ٹوٹ جانا

سوال نمبر(285):

جانور کو قربانی کے لیے زمین پر لٹاتے وقت اگر اس کا پاؤں یا سینگ جڑ سے ٹوٹ جائے تو کیا اس کی قربانی جائز ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

ویسے تو جس جانور کا پاؤں ٹوٹ جائے یا سینگ جڑ سے ٹوٹ جائے تو اس کی قربانی جائز نہیں ہوتی، تاہم جانور کو

---

(١) الفتاوى الهندية، كتاب الأضحية، الباب الأول:٢٩٢/٥

قربانی کے لیے زمین پرلٹاتے وقت اگر اس کا پاؤں ٹوٹ جائے یا سینگ جڑ سے نکل جائے تو اس کی قربانی جائز ہے۔

والدّليل على ذلك:

ولو أضجعها ليذبحها في يوم النحر، فاضطربت، فانكسرت رجلها، فذبحها أجزأته استحساناً.(١)

ترجمہ: اگر قربانی کے دن جانور کو ذبح کرنے کے لیے اُسے زمین پرلٹایا تو وہ حرکت کرنے لگا جس سے اس کا پاؤں ٹوٹ گیا اور اس نے اُسے ذبح کیا تو استحساناً اس کی قربانی جائز ہے۔

❁❁❁

بلا عذر قربانی نہ کرنا

سوال نمبر(286):

اگر کوئی صاحبِ نصاب شخص بغیر کسی شرعی عذر کے قربانی چھوڑ دے اور قربانی کے ایام گزر جانے کے بعد پشیمان ہو جائے تو ایسے شخص کو کیا کرنا چاہیے؟

بیّنوا توٴجروا

الجواب وباللّٰه التوفيق:

قربانی ذبح کرنا صرف ایامِ نحر کے ساتھ خاص ہے، اس لیے صاحبِ نصاب شخص نے اگر ایامِ نحر میں قربانی نہیں کی تو ایامِ نحر گزرنے کی صورت میں اس کی قیمت صدقہ کرنا ضروری ہے اور جس شخص نے قربانی کی نذر کی ہو یا فقیر نے قربانی کے لیے جانور خریدا ہو تو اُس زندہ جانور کا صدقہ کرنا ضروری ہوگا۔ جانور کی موجودگی کی صورت میں قیمت کی جگہ اسی جانور کا صدقہ کرنا متعین ہے۔

والدّليل على ذلك:

ولو لم يضح حتى مضت أيام النحر إن كان أوجب على نفسه أو كان فقيراً، وقد اشترى الأضحية تصدق بها حية، وإن كان غنياً تصدق بقيمة شاة اشترى أو لم يشتر؛ لأنها واجبة على الغني

(١) تكملة البحر الرائق، كتاب الأضحية، تحت قوله (ومقطوعة أكثر الاذن): ٨/٣٢٤

وتجب على الفقير بالشراء بنية التضحيه.(۱)

ترجمہ: اور اگر قربانی نہیں کی یہاں تک کہ ایام نحر گزر گئے تو اگر اس نے اپنے اوپر واجب کیا ہو یا وہ فقیر ہو اور اس نے قربانی کا جانور خریدا ہو تو وہ اس کو زندہ صدقہ کرے گا اور اگر مالدار ہو تو بکری کی قیمت صدقہ کرے گا چاہے قربانی کا جانور خریدا ہو یا نہیں، اس لیے کہ قربانی مالدار پر واجب ہے، جب کہ فقیر پر قربانی کی نیت سے خریدنے سے واجب ہو جاتی ہے۔

❁❁❁

قربانی کا وقت

سوال نمبر(287):

قربانی کرنے کا مستحب اور بہتر وقت کونسا ہے؟ کیا اس میں دیہات اور شہر کا کوئی فرق ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو کس اعتبار سے ہے؟ بینوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

قربانی کے لیے مقررہ وقت تین دن ہیں، جو دس ذی الحجہ سے بارہویں ذی الحجہ کی شام تک ہے، تاہم پہلے دن قربانی زیادہ بہتر ہے۔ رات اور دن کے کسی بھی حصے میں قربانی جائز ہے، لیکن رات کے وقت قربانی کرنا مکروہ ہے۔ جہاں عید کی نماز پڑھی جاتی ہو، وہاں پر قربانی کا وقت دس ذی الحجہ کو عید کی نماز و خطبہ کے بعد شروع ہوتا ہے، جب کہ دیہات میں جہاں جمعہ و عیدین واجب نہ ہوں دس ذی الحجہ کو فجر کی نماز کے بعد قربانی کی جاسکتی ہے۔ اس میں قربانی کرنے والے کی رہائش کا اعتبار نہیں، بلکہ اس جگہ کا اعتبار ہوگا جہاں قربانی کی جاتی ہو، اس لیے شہر میں رہائش رکھنے والے کی قربانی اگر دیہات میں ہو تو عید کی نماز سے قبل قربانی میں کوئی حرج نہیں اور اگر دیہاتی شہری علاقہ میں کسی کے ساتھ قربانی میں شریک ہو تو عید کی نماز تک انتظار کرے۔

والدّليل على ذلك:

وقت الأضحية ثلاثة أيام العاشر والحادي عشر والثاني عشر أولها أفضلها و آخرها أدونها، و يجوز في نهارها وليلها بعد طلوع الفجر من يوم النحر إلى غروب الشمس من اليوم الثاني عشر إلا أنه يكره الذبح في الليل...... والوقت المستحب للتضحية في حق أهل السواد بعد طلوع الشمس، و في

(۱) الهداية، كتاب الأضحية: ٤/٤٤٧

حق أهل المصر بعد الخطبة. (۱)

ترجمہ: قربانی کا وقت تین دن ہیں: ذی الحجہ کا دسواں، گیارھواں اور بارھواں دن۔ ان میں پہلے دن قربانی سب زیادہ بہتر ہے، اور آخری دن سب سے کم فضیلت والا ہے۔ دسویں تاریخ کے طلوعِ صبح سے لے کر بارھویں دن کے غروبِ آفتاب تک دن رات دونوں میں قربانی جائز ہے، البتہ رات کو مکروہ ہے۔ دیہاتی لوگوں کے لیے قربانی کا مستحب وقت طلوعِ آفتاب کے بعد ہے، جب کہ شہریوں کے لیے خطبہ کے بعد قربانی کا وقت ہے۔

❁❁❁

صاحبِ نصاب طالب علم کی قربانی

سوال نمبر(288):

جو طالبِ علم صاحبِ نصاب ہو مگر نقد رقم مدرسے میں اس کے پاس موجود نہ ہو، گاؤں بھی مدرسے سے دور ہو تو کیا اس پر قربانی واجب ہوگی؟

بيّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

اگر طالب علم مدرسہ میں مقیم ہے اور گاؤں سے مال منگوانے میں کوئی خاص وقت نہ لگتا ہو تو پھر صاحبِ نصاب ہونے کی صورت میں قربانی واجب رہے گی۔ آج کل آمد و رفت اور ذرائع ترسیل میں استحکام کی وجہ سے کسی کے لیے کوئی مسئلہ نہیں کہ وہ گاؤں سے رقم منگوا سکے، چند منٹوں میں وسائل ترسیل کے ذریعے ایک جگہ سے دوسری جگہ رقم منتقل ہو سکتی ہے، تاہم اگر کہیں کوئی ایسی صورت ہو کہ رقم تک رسائی مشکل ہو تو پھر قربانی واجب نہیں رہے گی۔

والدّليل على ذلك:

وكذا لو كان له مال غائب لا يصل إليه في أيام النحر؛ لأنه فقير وقت غيبة المال، حتى تحل الصدقة. (۲)

---

(۱) الفتاوى الهندية، كتاب الأضحية، الباب الثالث في وقت الأضحية: ۲۹۵/۵

(۲) بدائع الصنائع، كتاب التضحية، فصل في شرائط وجوب الأضحية: ۲۸۳/۶

ترجمہ:

ایسا ہی (قربانی واجب نہیں) اگر مال غائب ہو اور قربانی کے دنوں میں پہنچنا ممکن نہ ہو، کیونکہ مال کی عدم موجودگی کے وقت وہ فقیر ہے، یہاں تک کہ اس کے لیے صدقہ لینا بھی جائز ہے۔

❁❁❁

حرام آمدنی والے کو قربانی میں شریک کرنا

سوال نمبر(289):

سود خور، رشوت لینے والے یا دیگر حرام طریقے سے کمانے والے شخص کے ساتھ قربانی میں شریک ہونا جائز ہے یا نہیں؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

اگر کوئی شخص ایسا ہو کہ اس کے ذرائع آمدنی مکمل طور پر حرام ہوں یا اکثر آمدنی حرام ہو اور اس کے علاوہ اور کوئی حلال آمدنی نہ ہو تو ایسے شخص کیساتھ قربانی کے جانور میں شریک ہونا شرعاً جائز نہیں۔ لیکن اگر حلال ذرائع آمدنی حرام آمدنی سے زائد ہوں تو پھر اس کیساتھ قربانی میں شریک ہونا جائز ہے۔

والدّليل علىٰ ذلك:

آكل الربوا،و كاسب الحرام أهدىٰ إليه،أو أضافه وغالب ماله حرام لا يقبل، ولا يأكل ...... وإن كان غالب ماله حلالاً لا باس بقبول هديته، والأكل منها.(۱)

ترجمہ: سود کھانے والے اور حرام کمانے والے کا اگر اکثر مال حرام ہو اور وہ کسی کو ہدیہ دے یا ضیافت کرے تو اس کا ہدیہ قبول نہ کرے اور ضیافت نہ کھائے۔ اور اگر اس کا اکثر مال حلال ہو تو اس کا ہدیہ قبول کرنے اور دعوت کھانے میں کوئی حرج نہیں۔



(۱) الفتاوی الهندية، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات: ۳۴۳/۵

قربانی کے نفس وجوب اور وجوب اداء میں فرق کے اثرات

سوال نمبر(290):

العصر مارچ ۲۰۰۰ء کے شمارہ میں یہ مسئلہ نظر سے گزرا کہ

''قربانی کے وجوب میں اس جگہ کا اعتبار ہوتا ہے جہاں قربانی کی جاتی ہو، قربانی کرنے والا جہاں بھی ہو اس کا اعتبار نہیں۔ چنانچہ صورت مسئولہ میں جب پشاور میں عید کا اعلان ہو تو قربانی جائز ہوگی۔ اگرچہ موکل کراچی میں رہتے ہوئے اس دن عید نہ منائے ہمارے فقہائے کرام لکھتے ہیں کہ قربانی کا وقت شہر میں عید کی نماز کے بعد شروع ہوتا ہے، جب کہ دیہات میں عید کی صبح سے یہ وقت شروع ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں اگر کسی کو گوشت جلدی کھانے کی خواہش ہو تو اس کو چاہیے کہ اپنی قربانی دیہات میں بھیجے تاکہ صبح سویرے اس کا گوشت تیار ہو سکے۔''

لیکن فروری ۲۰۰۰ء کے ماہنامہ البلاغ کراچی میں اس جیسے مسئلہ کے بارے میں جو حکم بیان ہوا ہے وہ بظاہر اس سے مختلف ہے، اس میں ہے کہ جو شخص پاکستان میں ہو اور اپنی قربانی افغانستان میں کرانا چاہتا ہے۔ افغانستان میں عید ایک دن پہلے ہونے کی صورت میں افغانستان میں اس کی قربانی پہلے دن کرنے سے ذمہ فارغ نہیں ہوتا، کیونکہ نفس وجوب کے بارے میں اس جگہ کے وقت کا اعتبار ہوگا جہاں قربانی والا رہ رہا ہو۔ ایسی صورت میں اگر پاکستان میں عید ہونے سے قبل افغانستان میں عید کا اعلان ہو کر قربانی کی جائے تو نفس وجوب سے قبل یہ قربانی ہوگی جو صحیح نہیں۔ ایسا ہی یورپی ممالک پاکستان سے اوقات کے اعتبار سے موخر ہیں، اس لیے اگر انگلینڈ میں ایک شخص پاکستان میں کسی شخص کو قربانی کے لیے وکیل مقرر کرے اور یہاں قربانی ایسے وقت میں ہو کہ وہاں انگلینڈ میں طلوع فجر نہ ہوا ہو تو یہ قربانی بھی وقت سے پہلے ہو کر ادا نہیں ہوگی۔

براہ کرم دونوں صورتوں میں جو اختلاف ہے اس کا ازالہ فرمائیں تاکہ اطمینان حاصل ہو؟

بيّنوا تؤجروا

الجواب وبالله التوفيق:

صرف آپ کو نہیں بلکہ العصر اور "البلاغ" کے کئی قارئین اس اشتباہ سے دوچار ہیں۔ ہمارے ایک مخلص دوست فاضل اجل حضرت مولنا خلیق الزمان صاحب خطیب شاہی مسجد چترال نے ایک ملاقات میں اس کا تذکرہ کیا کہ العصر اور البلاغ کے جواب میں اختلاف محسوس ہو رہا ہے۔ ایسا ہی گزشتہ دنوں ہمارے ایک دوسرے کرم فرما حضرت

مولانا شاہد صاحب ایچ ایم سعید کتب خانہ کراچی نے بھی اسکی طرف توجہ دلائی، ممکن ہے اس کے علاوہ بھی کئی ایسے دوست ہوں جنھوں نے العصر اور البلاغ دونوں کو دیکھا ہو ضرور یہ تاثر لیا ہوگا، لیکن اس کی بنیادی وجہ ہمارے جواب میں نفسِ وجوب اور وجوبِ ادا کی شرائط میں فرق کا فقدان تھا جہاں کہیں نفسِ وجوب ایک دفعہ ہو، یعنی کسی علاقے میں عید کا اعلان ہو جائے تو اس علاقہ کے اغنیا کے حق میں عید کی صبح طلوع فجر سے اضحیہ واجب ہوتا ہے، تاہم اس علاقہ میں شہری کے حق میں نماز عید کا انتظار کیا جائے گا، جب کہ دیہاتی کے حق میں توکیل کی صورت میں اس کی قربانی صحیح ہوگی، کیونکہ نفسِ وجوب سب کے حق میں متحقق ہے، لیکن جہاں کہیں عید کے اعلان میں ایام کے اختلاف کی صورت ہو، جیسا کہ افغانستان اور پاکستان میں عموماً ایک دن کا فرق ہوتا ہے یا کبھی کبھار پشاور اور کراچی میں دن کا فرق ہوتا ہے تو ایسی صورت میں جہاں عید کا اعلان نہ ہو تو اس کے حق میں نفسِ وجوب کا تحقق نہیں پایا جاتا ہے، اس لیے ایسی صورت میں اگر اس کی طرف سے کہیں قربانی افغانستان یا پشاور میں کی جائے تو وقت سے پہلے یہ قربانی ہوگی جو یقیناً صحیح نہیں۔ اس کی مثال اس طرح ہے کہ وقت کے داخل ہونے سے قبل نماز پڑھی جائے۔ ظاہر ہے اس صورت میں اعادہ واجب ہے۔ یہی حکم قربانی کا بھی رہے گا جہاں کہیں وکیل ایسے وقت میں قربانی کرے کہ مؤکل کے حق میں طلوع فجر نہ ہونے کی وجہ سے نفسِ وجوب نہ ہو تو قربانی صحیح نہیں ہوگی۔ ایسی حالت میں وکیل اس کا پابند ہوگا کہ وہ مؤکل کے حق میں وجوب کے انعقاد کا انتظار کرے۔ فقہائے کرام کی تصریحات اس کے بارے میں یوں ہیں، علامہ کاسانیؒ فرماتے ہیں:

أما وقت الوجوب فأيام النحر، فلاتجب قبل دخول الوقت؛ لأن الواجبات المؤقتة لا تجب قبل أوقاتها كالصلوة والصوم ونحوهما...... فإذا طلع الفجر من اليوم الأول فقد دخل وقت الوجوب فتجب عند استجماع شرائط الوجوب، ثم لجواز الأداء بعد ذلك شرائط أخر نذكرها في مواضعها، فإن وجدت يجوز وإلا فلا، كما تجب الصلاة بدخول وقتها، ثم إن وجدت شرائط جواز أدائها جازت وإلا فلا.(١)

ترجمہ:

قربانی کے وجوب کا وقت ایام نحر ہیں۔ پس وقت سے پہلے واجب نہیں، کیونکہ جو واجبات خاص اوقات سے متعلق ہوں، وہ اوقات سے پہلے واجب نہیں ہوتے، جیسا کہ نماز اور روزہ وغیرہ۔ پس جب عید کے پہلے دن کا طلوع فجر ہو تو وجوب کا وقت داخل ہوا، لہٰذا دوسری شرائط کی رعایت پر قربانی واجب رہے گی۔ پھر وجوب ادا کے لیے اس کے بعد

(١) بدائع الصنائع، كتاب التضحية، فصل في وقت الوجوب: ٦/٢٨٥-٢٨٧

دوسری شرائط ہیں جن کا تذکرہ ہم اپنی جگہ کریں گے۔ اگر وہ شرائط موجود ہوں تو قربانی جائز ہے، ورنہ نہیں، جیسا کہ نماز کا وقت داخل ہونے پر نماز واجب رہتی ہے، لیکن پھر اس کی صحت ادا کے لیے شرائط ہیں اگر وہ شرائط ہوں تو جائز ہے، ورنہ نہیں۔

اس لیے فقہاے کرام فرماتے ہیں کہ ماہ رمضان کے داخل ہونے سے قبل شعبان کے مہینہ میں رمضان کا روزہ نہیں رکھا جاسکتا۔

إذا صام شعبان بظن أنه من رمضان، فلا يجوز ؛لأنه أداء قبل السبب. (١)

ترجمہ: جب شعبان میں اس خیال سے روزہ رکھے کہ یہ رمضان کا ہے تو روزہ جائز نہیں، کیونکہ یہ سبب سے پہلے ادائیگی ہے (جو معتبر نہیں)۔

اس جواب کے سامنے آنے کے بعد ہمارے گزشتہ جواب کی تصحیح کی جائے کہ ایسی صورت میں پشاور کا آدمی جب کراچی میں رہائش پذیر ہو تو پشاور میں اس کی قربانی اس وقت درست نہیں ہوگی جب کراچی میں عید کا اعلان نہ ہوا ہو اور اس کے حق میں نفسِ وجوب متحقق نہیں ہوگا۔



بغیر سینگ والے جانور کی قربانی

سوال نمبر(291):

کیا فرماتے ہیں علماے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر ایک جانور کے پیدائشی طور پر ایک یا دونوں سینگ نہ ہوں تو کیا اس جانور کی قربانی جائز ہے؟

بيّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

فقہاے کرام کی تصریحات کے مطابق جس جانور کے پیدائشی طور پر ایک یا دونوں سینگ نہ ہوں تو ایسے جانور کی قربانی میں کوئی قباحت نہیں، البتہ اگر ایک یا دونوں سینگ جڑ سے اکھڑ گئے ہوں تو ایسی صورت میں قربانی جائز نہیں رہے گی۔

---

(١) ملاجیون، نورالانوار، مبحث الامر: ص/٣٤

والدّليل على ذلك:

قوله (ويضحى بالجمّاء) وهي التي لاقرن لها خلقة، وكذاالعظماء التي ذهب بعض قرنها بالكسر أوغيره، فإن بلغ الكسرالى المخ لم يجز.(١)

ترجمہ:

اور ''جماء'' کی قربانی جائز ہے۔ یہ وہ جانور ہے جس کے سینگ پیدائشی طور پر نہ ہوں۔اسی طرح عظماء کی بھی، اور یہ وہ جانور ہے جس کے سینگ کا بعض حصہ ٹوٹنے یا کسی اور سبب سے گرا ہو، البتہ اگر دماغ تک پہنچ گیا ہو یعنی سینگ جڑ سے ٹوٹ گیا ہو تو پھر قربانی جائز نہیں ہے۔



قربانی کے بعد بچہ نکلنا

سوال نمبر(292):

قربانی ذبح کرنے کے بعد اگر جانور کے پیٹ سے مردہ یا زندہ بچہ نکل آئے تو اس کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰه التوفيق:

ذبح کے دوران اگر کسی جانور کے پیٹ میں بچہ پایا گیا تو اس کے حکم میں فقہا کا اختلاف ہے۔صاحبینؒ کے ہاں ماں کا ذبح کرنا جنین (بچے) کے لیے کافی ہے، اس لیے جنین کو ذبح کیے بغیر اس کا کھانا جائز ہے، جب کہ امام صاحب کے ہاں ماں کا ذبح کرنا جنین کے لیے کافی نہیں، بلکہ جنین کو مستقل ذبح کرنا لازمی ہے۔ چنانچہ ذبح کے بعد مردہ بچہ نکلنے کی صورت میں امام صاحبؒ کے نزدیک اس کا کھانا جائز نہیں، چونکہ فقہائے کرام کی عبارات امام ابوحنیفہؒ کی مؤید ہیں، اس لیے اگر بچہ زندہ نکلے تو اس کو ذبح کرنا لازم ہوگا، جب کہ مردہ نکلنے کی صورت میں اس کا کھانا جائز نہیں ہوگا۔

والدّليل على ذلك:

ومن نحر ناقة أو ذبح بقرة، فوجد في بطنها جنيناً ميتا لم يؤكل أشعر أولم يشعر، وهذا عند

(١) ردالمحتار على الدرالمختار كتاب الأضحية: ٤٦٧/٩

أبي حنيفةؒ :وهو قول زفرؒ والحسن بن زيادؒ، وقال أبو يوسفؒ ومحمدؒ :إذاتم خلقته أكل وهو قول الشافعيؒ. (١)

ترجمہ:

اور جس نے اونٹنی یا گائے کو ذبح کیا اور اس کے پیٹ میں مرا ہوا بچہ پایا تو اسے نہیں کھایا جائے گا، اس کے بال اُگے ہوں یا نہ ہوں ۔ یہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہے اور یہی امام زفرؒ اور حسن بن زیادؒ کا قول بھی ہے۔ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ فرماتے ہیں: جب اس کی خلقت (بدن کی بناوٹ) پوری ہو چکی ہو تو اسے کھایا جا سکتا ہے اور یہی امام شافعیؒ کا قول بھی ہے۔

❁❁❁

بڑے جانور کی قربانی میں شرکا کی تعداد

سوال نمبر(293):

بڑے جانور، یعنی گائے بھینس وغیرہ کی قربانی میں کتنے افراد شریک ہو سکتے ہیں؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

فقہائے کرام کی تصریحات کے مطابق گائے یا بھینس کی قربانی میں شرعاً سات حصوں کی حد مقرر ہے۔ اس سے زائد شرکت کی گنجائش نہیں، اس لیے ایک سے لے کر سات افراد تک بڑے جانور کی قربانی میں شریک ہو سکتے ہیں، زیادہ نہیں۔

والدّليل على ذلك:

ولا يجوز بعير واحد، ولا بقرة واحدة عن أكثر من سبعة، ويجوز ذلك عن سبعة، أوأقل من ذلك.(٢)

(١) الهداية، كتاب الذبائح : ٤٣٨/٤

(٢) بدائع الصنائع، كتاب التضحية، فصل في محل إقامة الواجب :٣٠١/٦

ترجمہ ایک اونٹ اور ایک گائے سات سے زائد افراد کی طرف سے جائز نہیں، جب کہ سات یا اس سے کم افراد کی طرف سے جائز ہے۔

۞۞۞

بڑے جانور کی قربانی کے گوشت کی تقسیم

سوال نمبر (294):

قربانی کے جانور میں شریک آدمیوں کے مابین اور فقرا میں گوشت کی تقسیم کیسے کی جائے گی؟ اس کا شرعی طریقہ کیا ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

شریعتِ مطہرہ نے قربانی کے بڑے جانور میں شرکت کو جائز رکھا ہے۔ شرکا آپس میں گوشت کی تقسیم ایسے طریقے سے کریں جس میں کسی شریک کی حق تلفی کا اندیشہ نہ رہے اور نہ ہی سود کا شبہ پیدا ہو۔ چونکہ گوشت وزن سے تقسیم کرنے کی صورت میں حق تلفی کا امکان باقی نہیں رہتا اور سود کا شبہ بھی نہیں رہتا، اس لیے محتاط طریقہ یہی ہے کہ وزن کرکے گوشت تقسیم کیا جائے، وزن کیے بغیر اندازے سے تقسیم درست نہیں، جب کہ فقرا پر تقسیم اور صدقہ کرنے کے لیے گوشت کا وزن کرنا ضروری نہیں۔

والدّلیل علی ذلك:

سبعة ضحوا ببقرة، واقتسموا لحمها وزنا جاز؛ لأن بيع اللحم باللحم وزنا مثلا بمثل جائز، فكذلك القسمة، فإن اقتسموا اللحم جزافا، لايجوز اعتبارا بالبيع.(۱)

ترجمہ: سات آدمیوں نے گائے کی قربانی کی اور آپس میں گوشت وزن کے اعتبار سے تقسیم کیا تو یہ جائز ہے، کیونکہ گوشت کا گوشت کے بدلے برابر برابر وزن نا بیع کرنا جائز ہے، تو اسی طرح تقسیم بھی جائز ہے۔ اور اگر گوشت کی تقسیم اٹکل سے کریں تو جائز نہیں جس طرح (گوشت کی) اٹکل سے بیع جائز نہیں۔

۞۞۞

(۱) الفتاوى التاتارخانية على هامش الهندية، كتاب الأضحية، فصل فيما يجوز في الضحايا وما لا يجوز: ۳۵۱/۳

ضرورت سے زائد سامان پر قربانی

سوال نمبر(295):

اگر کسی شخص کے پاس ضرورت سے زائد جانور مثلاً گدھا،گھوڑا یا گائے وغیرہ موجود ہو اور اس کی قیمت نصاب تک پہنچتی ہو تو ایسے شخص پر قربانی واجب ہوگی یا نہیں؟

بيّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰه التوفيق:

واضح رہے کہ قربانی کے وجوب کے لیے ایسے نصاب کا ہونا شرط ہے جو حوائج اصلیہ سے فارغ ہو،لہٰذا اگر حوائج اصلیہ اور قرض کے علاوہ ایسی زائد چیز موجود ہو جس کی قیمت نصاب تک پہنچ رہی ہو تو قربانی واجب رہے گی اور اگر حوائج اصلیہ سے فارغ نہ ہو تو قربانی واجب نہ ہوگی۔

صورتِ مسئولہ کی روشنی میں اگر کسی شخص کے پاس حوائج اصلیہ سے زائد جانور (گدھا،گھوڑا یا گائے وغیرہ) ہو جس کی قیمت قربانی کے نصاب تک پہنچتی ہو تو ایسے شخص پر قربانی واجب ہوگی۔

والدّليل على ذلك:

(وأما شرائط الوجوب)منها اليسار،وهو مايتعلق به وجوب صدقة الفطر دون ما يتعلق به وجوب الزكوة.........والموسر في ظاهر الرواية من له مائتا درهم أوعشرون ديناراً أو شيء يبلغ ذلك، سوى مسكنه ومتاع مسكنه، ومركوبه وخادمه في حاجته التي لايستغني عنها.(١)

ترجمہ:

قربانی کے وجوب کی شرائط میں سے ایک تونگری بھی ہے اور اس کی مقدار وہی ہے جس سے صدقہ فطر کا وجوب متعلق ہے نہ کہ زکوۃ کا۔۔۔۔اور ظاہر الروایۃ کے مطابق تونگر وہ شخص ہے جس کی ملکیت میں دوسو درہم یا بیس دینار ہوں یا کوئی ایسی چیز ہو جس کی مالیت مذکورہ نصابوں میں سے کسی ایک تک پہنچ جائے جو اس کے گھر، گھر کے سامان، سواری اور اس کی ضروری حاجتوں میں مشغول خادم کے علاوہ ہو۔

۞۞۞

---

(١) الفتاوى الهندية، كتاب الأضحية، الباب الأول :٥/٢٩٢

ناک کٹے جانور کی قربانی

سوال نمبر(296):

اگر کوئی شخص قربانی کے لیے ایسا جانور خریدے جس کی ناک تھوڑی سی یا پوری کٹ گئی ہو تو ایسے جانور کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟

بیّنوا توٴجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

واضح رہے کہ قربانی کے جانور کے لیے ان عیوب سے پاک ہونا ضروری ہے جو متاثرہ عضو کی کارکردگی یا اس کی خوبصورتی کو مکمل طور پر ختم کرے، اس لیے جانور کی ناک مکمل طور پر کٹ جانے یا تہائی سے زیادہ کٹ جانے سے قربانی جائز نہیں ہوگی، جب کہ تہائی اور اس سے کم ناک کٹ جانے کی صورت میں قربانی کے جواز کی گنجائش پائی جاتی ہے۔

والدّلیل علی ذلك:

(وأما صفته) فهو أن يكون سليماً من العيوب الفاحشة ......إن كان الذاهب كثيرا يمنع جواز التضحية، وإن كان يسيرا لا يمنع......والصحيح أن الثلث ومادونه قليل ومازاد عليه كثير و عليه الفتوى......ولا تجزئ الجدعاء وهي مقطوعة الأنف.(۱)

ترجمہ:

اور قربانی کے جانور کی صفت یہ ہے کہ عیوب فاحشہ سے پاک ہو۔۔۔۔اگر (کسی عضو کا) کٹا ہوا حصہ زیادہ ہو تو یہ قربانی کے جواز کے لیے مانع ہے اور اگر کم ہو تو پھر مانع نہیں۔۔۔۔اس بارے میں صحیح قول یہ ہے کہ تہائی یا اس سے کم حصہ قلیل ہے، جب کہ تہائی سے زیادہ کثیر ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔۔۔۔اور جدعاء کی قربانی جائز نہیں، یہ وہ جانور ہے جس کی ناک کٹی ہوئی ہو۔

❁❁❁

(۱) الفتاویٰ الهندية، كتاب الأضحية، الباب الخامس: ۵/۲۹۷، ۲۹۸

قربانی سے پہلے جانور میں عیب پیدا ہونا

سوال نمبر(297):

اگر قربانی کا جانور خریدنے کے بعد لنگڑا ہو جائے یا کوئی اور عیب پیدا ہو جائے تو ایسے جانور کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟ اور امیر و غریب کا کوئی فرق ہے یا نہیں؟

بينوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفيق:

لنگڑا جانور اگر زمین پر پاؤں رکھ کر اس کے سہارے سے چل سکتا ہو تو اس پر قربانی جائز ہے، لیکن اگر چلنے سے بالکل معذور ہو یا کوئی اور ایسا عیب پیدا ہو جائے جو قربانی سے مانع ہو تو پھر صاحبِ نصاب شخص کے لیے ایسے جانور کی قربانی درست نہیں ہوگی، البتہ جس پر قربانی واجب نہ ہو اور اس نے قربانی کے لیے یہ جانور خریدا ہو تو اس کے لیے اس معذور جانور کی قربانی درست رہے گی۔

والدّليل على ذلك:

(قوله والعرجآء)أي التي لا يمكنها المشي برجلها العرجآء إنماتمشي بثلاثة قوائم، حتى لو كانت تقع الرابعة على الأرض وتستعين بها جاز.(١)

ترجمہ:

اور "عرجاء" وہ جانور ہے جو لنگڑے ٹانگ سے نہ چل سکے، بلکہ تین پاؤں سے چلتا ہو، البتہ اگر چوتھا پاؤں زمین پر رکھ کر اس کی مدد سے چل سکتا ہو تو ایسے جانور کی قربانی جائز ہے۔

ولو كانت صحيحة فاعورت عنده بعد إيجابها على نفسه أو كانت سمينة فعجفت بعد إيجابه أوعرجت إن موسراً لا يجوز، وإن معسرايجوز.(٢)

ترجمہ:

اگر قربانی کا جانور صحیح تھا اور اپنے اوپر لازم کرنے کے بعد (خریدنے کے بعد) آنکھ کی نظر چلی گئی یا فربہ تھا

---

(١) ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الأضحية :٩/ ٤٦٨

(٢) الفتاوى البزازية على هامش الهندية، كتاب الأضحية، الفصل الخامس في عيوبها:٦/ ٢٩٣

پس دبلا ہوگیا یا لنگڑا ہوگیا تو اس سے مالدار کی قربانی درست نہیں، جب کہ تنگ دست کی قربانی جائز ہے۔

❁❁❁

بغیر دانتوں والے جانور کی قربانی

سوال نمبر(298):

اگر کسی جانور کے اکثر دانت موجود نہ ہوں تو ایسے جانور کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟

بينوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

فقہائے کرام نے دانتوں میں قربانی کے جواز کا جو معیار مقرر کیا ہے، وہ چارہ کھانے پر قدرت ہے، لہٰذا اگر کوئی جانور دانتوں کے کم ہونے یا نہ ہونے کی وجہ سے چارہ نہیں کھا سکتا تو ایسے جانور کی قربانی جائز نہیں، لیکن اگر دانت کم ہونے یا نہ ہونے کے باوجود بھی چارہ کھا سکتا ہے تو ایسے جانور کی قربانی میں جائز ہے۔

والدّليل على ذلك:

وأما الهتماء :وهي التي لاأسنان لها، فإن كانت ترعى وتعتلف جازت، وإلا فلا.(١)

ترجمہ:

اور "ہتما" وہ جانور ہے جس کے دانت نہ ہوں، پس اگر یہ جانور چرتا ہو اور چارہ کھا سکتا ہو تو اس کی قربانی جائز ہے اور اگر نہ چر سکتا ہو، نہ چارہ کھا سکتا ہو تو پھر اس کی قربانی جائز نہیں۔

❁❁❁

صاحبِ نصاب نہ ہونے کی صورت میں قربانی

سوال نمبر(299):

اگر ایک شخص کے پاس اتنا مال ہو کہ اگر وہ اس کو اپنے بچوں میں تقسیم کردے تو سارے بچے صاحب نصاب

(١) الفتاوى الهندية، كتاب الأضحية، الباب الخامس: ٥/٢٩٨

بن جائیں۔کیا ایسی صورت میں باپ اور بیٹوں پر قربانی واجب ہوگی یا صرف باپ کی قربانی کرنے سے ذمہ فارغ ہو جائے گا، جب کہ وہ اکٹھے رہتے ہیں اور مال ابھی تک تقسیم نہیں کیا گیا؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

فقہائے کرام کی تصریحات کے مطابق ہر صاحبِ نصاب شخص پر قربانی واجب ہے۔اسی طرح ان بالغ اولاد پر قربانی واجب ہے جو خود صاحب نصاب ہوں، چاہے باپ نے اولاد پر مال تقسیم کیا ہو یا نہ کیا ہو۔

صورت محررہ کی روشنی میں اگر بالغ اولاد مال کی تقسیم سے پہلے خود صاحبِ نصاب نہ ہوں تو ایسی صورت میں صرف باپ پر قربانی واجب رہے گی، جب کہ اولاد پر صاحبِ نصاب نہ ہونے کی وجہ سے قربانی واجب نہیں ہوگی کیونکہ مال باپ کا ہے۔البتہ اگر اولاد صاحبِ نصاب ہوں تو پھر صرف باپ کی قربانی سے اولاد کا ذمہ فارغ نہیں ہوگا۔

والدّلیل علی ذلك:

(وأماشرائط الوجوب)منها اليسار،وهو مايتعلق به وجوب صدقة الفطر دون ما يتعلق به وجوب الزكوة..........والموسر في ظاهر الرواية من له مائتا درهم أوعشرون ديناراأوشيء يبلغ ذلك، سوى مسكنه ومتاع مسكنه، ومركوبه وخادمه في حاجته التي لايستغني عنها.(١)

ترجمہ: قربانی کے وجوب کی شرائط میں سے ایک توانگری بھی ہے اور اس کی مقدار وہی ہے جس سے صدقۂ فطر کا وجوب متعلق ہے نہ کہ زکوۃ کا۔۔۔۔اور ظاہر الروایۃ کے مطابق توانگر وہ شخص ہے جس کی ملکیت میں دوسو درہم یا بیس دینار ہوں یا کوئی ایسی چیز ہو جس کی مالیت مذکورہ نصابوں میں سے کسی ایک تک پہنچ جائے جو اس کے گھر، گھر کے سامان، سواری اور اس کی ضروری حاجتوں میں مشغول خادم کے علاوہ ہو۔

❁❁❁

قربانی کے جانور میں عیب کی مقدار

سوال نمبر(300):

ہم نے قربانی کے لیے ایسی گائے خریدی ہے جس کا ایک تھن خراب ہے، کیا ایسے جانور کی قربانی جائز ہے یا

(١) الفتاوى الهندية، كتاب الأضحية، الباب الأول :٥/٢٩٢

نہیں؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شرعی نقطہ نظر سے قربانی کے جانور کے لیے عیوبِ فاحشہ سے پاک ہونا ضروری ہے۔اس کی تفصیل یہ ہے کہ اگر کسی عضو میں تہائی سے زیادہ حصہ بے کار ہو یا تہائی سے زیادہ حصہ ضائع ہو گیا ہو تو یہ قربانی کے جواز کے لیے مانع ہے۔اگر تہائی سے کم ہو تو پھر مانع نہیں،لہٰذا اگر چار تھنوں والے جانور کے دو تھن خراب ہوں یا دو تھنوں والے جانور کا ایک تھن خراب ہو تو ایسے جانور کی قربانی درست نہیں۔

صورت مسئولہ میں ایک تھن خراب ہونے کی صورت میں گائے کی قربانی جائز ہے کیونکہ گائے کے چار تھن ہوتے ہیں،ان میں سے اگر ایک خراب ہو تو یہ تہائی سے کم ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

(وأما صفته) فهو أن يكون سليماً من العيوب الفاحشة ......إن كان الذاهب كثيرا يمنع جواز التضحية، وإن كان يسيرا لا يمنع......والصحيح أن الثلث ومادونه قليل ومازاد عليه كثير و عليه الفتوى.(١)

ترجمہ:

اور قربانی کے جانور کی صفت یہ ہے کہ عیوب فاحشہ سے پاک ہو۔۔۔۔اگر (کسی عضو کا) کٹا ہوا حصہ زیادہ ہو تو یہ قربانی کے جواز کے لیے مانع ہے اور اگر کم ہو تو پھر مانع نہیں۔۔۔۔اس بارے میں صحیح قول یہ ہے کہ تہائی یا اس سے کم حصہ قلیل ہے،جب کہ تہائی سے زیادہ کثیر ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔

والشطور لاتجزئ وهي من الشاة ما انقطع اللبن عن إحدى ضرعيها، ومن الإبل والبقر ما انقطع اللبن من ضرعيهما؛لأن لكل واحد منهما أربع أضرع .(٢)

ترجمہ:

شطور کی قربانی جائز نہیں اور یہ وہ بکری ہے جس کے دو تھنوں میں سے ایک تھن میں دودھ نہ اترتا ہو اور اونٹ

---

(١) الفتاوى الهندية، كتاب الأضحية، الباب الخامس :٥/٢٩٧،٢٩٨

(٢) الفتاوى الهندية، كتاب الأضحية، الباب الخامس :٥/٢٩٩

اورگائے کے دو تھنوں میں نہ اترے، کیونکہ ان دونوں میں سے ہر ایک کے چار چار تھن ہوتے ہیں۔

۞۞۞

قربانی کے جانوروں کی عمریں

سوال نمبر(301):

جانوروں کی عمریں مختلف ہوتی ہیں۔ بسا اوقات یہ فیصلہ کرنا مشکل ہوتا ہے کہ فلاں جانور کی قربانی جائز ہوگی یا نہیں؟ لہٰذا مختلف اجناس کے جانوروں کی عمروں کے معیار کے لیے شریعتِ مطہرہ کا ضابطہ کیا ہے؟ بیان کریں۔

بيّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفيق:

شریعتِ مطہرہ میں قربانی کے لیے مختلف اجناس کے حیوانات میں مختلف عمروں کا اعتبار ہے۔ اونٹ میں پانچ سال، گائے بھینس میں دو سال، دنبہ اور بکری میں ایک سال کی تعیین کی گئی ہے، تاہم اگر چھ ماہ کا دنبہ موٹا تازہ ہو اور ایک سال کا دکھائی دیتا ہو تو اس کی قربانی کی گنجائش بھی پائی جاتی ہے۔

والدّليل على ذلك:

ويجزئ من ذلك كله الثني فصاعدا إلا الضأن، فإن الجذع منه يجزئ......قالوا وهذا إذا كانت عظيمة بحيث لو خلط بالثنيان يشتبه به على الناظرمن بعيد ......وا لثني منها و من المعز ابن سنة ومن البقرابن سنتين، ومن الإبل ابن خمس سنين، ويدخل في البقر الجاموس؛لأنه من جنسه.(١)

ترجمہ:

اوران سب میں سے ثنی (دو دانتوں والے) یا اس سے زیادہ کی قربانی جائز ہے۔ علاوہ بھیڑ کے، کیونکہ اس میں جذع (چھ ماہ والا) بھی کافی ہے۔۔۔۔فقہائے کرام نے فرمایا ہے: اور یہ تب ہے جب کہ چھ ماہ والا بھیڑ اتنا موٹا تازہ ہو کہ اگر دو دانتوں والے بھیڑ کے ساتھ چھوڑ دیا جائے تو دور سے دیکھنے والے پر مشتبہ ہو جائے۔۔۔۔اور ثنی (دو دانت والا) بھیڑ اور بکری میں ایک سال والا ہوتا ہے۔ گائے میں دو سال والا، اونٹ میں پانچ سال والا۔ گائے کے حکم میں بھینس بھی داخل ہے، کیونکہ یہ اس کے جنس میں سے ہے۔

(١) الهداية، كتاب الأضحية :٤/٤٤٩

قربانی کا جانور تبدیل کرنا

سوال نمبر(302):

ایک آدمی نے قربانی کے لیے ایک دنبہ خریدا ہے۔کیا اس کو فروخت کر کے قیمت کے عوض گائے میں حصہ خرید کر ذبح کرنا جائز ہے یا نہیں؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

اگر یہ شخص غنی ہو اور اس پر قربانی واجب ہو تو ایسی صورت میں خریدنے سے جانور متعین نہیں ہوتا۔اس لیے غنی کے لیے جانور کی تبدیلی جائز ہے لیکن غریب آدمی کی قربانی چونکہ نفلی ہوتی ہے اور خریدنے سے متعین اور واجب ہو جاتی ہے،اس لیے شریعت اس میں تبدیلی کی اجازت نہیں دیتی،اس کے لیے اس کا بیچنا جائز نہیں۔

والدّلیل علی ذلك:

وبالشراء بنية الأضحية إن كان المشتري غنيا لايجب عليه باتفاق الروايات، حتى لو باعها واشترى بثمنها أخرى والثانية دون الأولى جاز، ولايجب عليه شيء، وإن كان المشتري فقيراً قال في شرح الشافي : من اشترى شاة ليضحي بها تعينت لهابالنية عند الطحاويؒ. (۱)

ترجمہ:

اگر غنی آدمی قربانی کی نیت سے جانور خریدے تو اس پر بالاتفاق یہ متعین جانور واجب نہیں ہو جاتا،چنانچہ اگر وہ اسے فروخت کرے اور اس کی قیمت سے دوسرا جانور خریدے اور یہ دوسرا جانور پہلے سے کم ہو تو بھی یہ جائز ہے اور غنی پر مزید کچھ واجب نہیں،لیکن اگر خریدنے والا فقیر ہو تو شافی کی شرح میں ہے کہ جو شخص قربانی کے لیے بکری خریدے تو امام طحاویؒ کے نزدیک نیت کرنے سے قربانی کا جانور متعین ہو جاتا ہے۔

❁❁❁

(۱) خلاصة الفتاوى، كتاب الأضحية، الفصل الرابع فيما يجوز من الأضحية : ٤/ ٣١٨

قربانی کے شرکا میں سے کسی کا فوت ہو جانا

سوال نمبر(303):

ہم پانچ آدمیوں نے مل کر قربانی کے لیے ایک گائے خریدی۔عید الاضحیٰ سے ایک دن پہلے ہم میں سے ایک شخص فوت ہو گیا۔کیا ایسی حالت میں قربانی کرنے سے ہمارا ذمہ فارغ ہو جائے گا یا نہیں؟ جب کہ میت کے ورثا نے یہ اجازت بھی دی ہے کہ اس کی طرف سے اور اپنی طرف سے جانور ذبح کردیں۔

بینوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

قربانی میں شریک آدمیوں میں سے ایک آدمی کے فوت ہو جانے پر اگر اُس کے سب ورثا اس قربانی کی اجازت دے دیں تو دوسرے شرکا کی قربانی متاثر نہیں ہوتی، بلکہ جملہ شرکا کی قربانی صحیح ہو جائے گی۔

لہٰذا صورتِ مسئولہ میں اگر شرکا میں سے ایک شخص فوت ہو گیا ہو اور اس کے ورثا نے اس کی طرف سے قربانی کرنے کی اجازت دی ہو تو تمام شرکا کی قربانی شرعاً درست ہو جائے گی۔

والدّلیل علی ذلك:

(وإن مات أحد السبعة)المشتركين في البدنة (وقال الورثة اذبحوا عنه وعنكم صح) عن الكل استحسانا لقصد القربة من الكل.(۱)

ترجمہ: اگر بڑے جانور کی قربانی میں شریک سات شرکا میں سے ایک فوت ہو جائے اور میت کے ورثا کہیں کہ اس کو اپنی طرف سے اور اس کی طرف سے ذبح کر دیں تو استحساناً صحیح ہے، کیونکہ سب کا قصد قربت اور ثواب ہے۔

❁❁❁

قربانی سے قبل جانور سے کسی قسم کا انتفاع

سوال نمبر(304):

ایک شخص نے قربانی کے لیے دنبہ خریدا اور ذبح کرنے سے پہلے اس سے اون کاٹ لیا۔کیا قربانی کے جانور

(۱) الدرالمختار علی صدر ردالمحتار، کتاب الأضحية :۹/ ۴۷۱

سے ذبح کرنے سے پہلے نفع لینا درست ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

جب تک قربانی کا جانور ذبح نہیں کیا گیا ہو، اس سے نفع لینا درست نہیں، لیکن اگر کسی نے اس سے نفع لیا تو فقرا اور مساکین پر اس کا صدقہ کرنا ضروری ہے۔

محررہ صورت میں اگر ذبح کرنے سے پہلے دنبے کا اون کاٹا گیا ہو تو بعینہٖ وہ اون یا اس کی قیمت فقرا و مساکین کو صدقہ کے طور پر دینا ضروری ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

یکره حلبها وجز صوفها قبل الذبح، وینتفع به، فإن فعله تصدق به..........وإن في ضرعها لبن یخاف علیه نضح ضرعها بالماء البارد، أو فرحها بالمآء البارد إذاقربت أیام النحر، وإن بعدت یحلبها ویتصدق بلبن، وماأصاب من اللبن تصدق بمثله أوقیمته وکذا الصوف .(١)

ترجمہ: قربانی کے جانور کا دودھ دوہنا اور اس کے اون کو کاٹنا اور اُس سے نفع اُٹھانا قربانی سے پہلے مکروہ ہے۔ اگر اس سے نفع اٹھایا تو اس کو صدقہ کرے......اگر جانور کے تھنوں میں دودھ بہت زیادہ ہو جائے جس کی وجہ سے جانور کو نقصان کا اندیشہ ہو اور قربانی کے دن قریب ہوں تو اس کے تھنوں پر ٹھنڈے پانی کے چھینٹے کیے جائیں، لیکن اگر قربانی کے دن دور ہوں تو اس کو دوھ کر دودھ صدقہ کرے اور جو دودھ استعمال کیا جائے تو اس جتنا دودھ یا قیمت صدقہ کرے اور اسی طرح اون کا بھی حکم ہے۔

❁❁❁

دم بریدہ جانور کی قربانی

سوال نمبر(305):

ہم نے قربانی کے لیے ایک ایسا جانور خریدا ہے جس کی نصف دم کسی نے کاٹ لی ہے۔ اب علاقے کے لوگ کہتے ہیں کہ جس جانور کی دم کٹی ہوئی ہو۔ اس کی قربانی درست نہیں۔ کیا ازروئے شریعت ان لوگوں کی بات درست ہے؟

(١) الفتاوی البزازیة علی هامش الهندیة، کتاب الأضحیة، الفصل السادس في الانتفاع :٦/ ٢٩٤

الجواب وباللہ التوفیق:

جانور کا اگر کوئی عضو تہائی یا اس سے کم عیب دار ہو تو اس سے قربانی متاثر نہیں ہوتی، لیکن اگر تہائی سے زیادہ عیب دار ہو تو پھر شریعت مقدسہ کی رو سے ایسے جانور کی قربانی جائز نہیں۔

لہٰذا اگر مذکورہ جانور کی دم تہائی سے زیادہ کٹی ہوئی ہو تو جانور عیب دار ہونے کی وجہ سے اس کی قربانی شرعاً جائز نہیں، لیکن اگر تہائی یا اس سے کم کٹ گئی ہو تو پھر اس کی قربانی کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

والدّلیل علی ذلك:

وإن قطع من الذنب أو الأذن أو العين أو الإلية الثلث أو أقل أجزأه، وإن كان أكثر لم يجز؛ لأن الثلث تنفذ فيه الوصية من غير رضا الورثة فاعتبر قليلا.(۱)

ترجمہ:

اور اگر جانور کی دم یا کان یا آنکھ یا چکتی میں سے ایک تہائی یا اس سے کم کٹ چکا ہو تو اس کی قربانی جائز ہے۔ اور اگر اس سے زیادہ ہو تو جائز نہیں، کیونکہ تہائی میں ورثا کی رضامندی کے بغیر بھی وصیت نافذ ہو جاتی ہے، لہٰذا اس کو قلیل سمجھا جائے گا۔

❁❁❁

قربانی کا کوئی حصہ اُجرت میں دینا

سوال نمبر(306):

قربانی کے جانور کو ذبح کرنے اور اس کی صفائی کرنے میں اگر کسی شخص سے مدد لی جائے اور پھر اس کو سری پائے وغیرہ اجرت میں دے دیے جائیں تو شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

واضح رہے کہ قربانی میں مقصود اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لیے خون بہانا ہوتا ہے، اس لیے ذاتی مفاد حاصل

---

(۱) الهداية، كتاب الأضحية: ٤/٤٤٧، ٤٤٨

کرنے کے لیے قربانی کا کوئی جز فروخت کرنا اس کی عظمت وتقدس کو پائے مال کرنے کے مترادف ہے، لہٰذا قربانی میں معاون کو اس کے اجزا بطورِ اجرت دینا جائز نہیں۔اس کو اپنی جیب سے مزدوری دے کر فارغ کیا جائے۔

والدّلیل علی ذلک:

ولاأن يعطي أجرالجزار والذابح منها.(۱)

ترجمہ:

اور یہ بھی جائز نہیں کہ قصاب وغیرہ کو قربانی کا کوئی حصہ بطورِ اجرت دیا جائے۔

۞۞۞

حاملہ بکری کی قربانی کرنا

سوال نمبر(307):

ایک شخص کے پاس حاملہ بکری ہے۔وہ اس کو عیدالاضحیٰ کے دن ذبح کرنا چاہتا ہے کیا اس کی قربانی جائز ہوگی؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

قربانی کے جانور میں اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ وہ عیب سے پاک ہو، کیونکہ عیب دار جانور کی قربانی جائز نہیں۔حمل اگرچہ کوئی ایسا عیب نہیں جو قربانی کے لیے مانع ہو، لیکن حاملہ بکری کی قربانی میں چونکہ ایک زندہ بچے کے ضائع ہونے کا قوی اندیشہ ہے، اس لیے فقہائے کرام نے ایسے جانور کی قربانی کرنے کو مکروہ لکھا ہے، لہٰذا مناسب یہ ہے کہ حاملہ بکری کو قربانی میں ذبح نہ کیا جائے۔

والدّلیل علی ذلک:

ويكره ذبح الشاة إذا تقارب ولادتها؛ لأنه يضيع مافي بطنها. (۲)

---

(۱) بدائع الصنائع، كتاب التضحية، فصل فيمايستحب قبل الأضحية:۳۳۲/۶

(۲) البحرالرائق، كتاب الذبائح، قبيل فيمايحل ومالايحل:۳۱۲/۸،۳۱۳

ترجمہ:

اور بکری کا حمل جب نزدیک ہو تو اس کو ذبح کرنا مکروہ ہے، کیونکہ اس سے اس کے پیٹ کا بچہ ضائع ہو جائے گا۔

❁❁❁

قربانی کا سارا گوشت اپنے لیے ذخیرہ کرنا

سوال نمبر (308):

ایک شخص کا کنبہ بہت بڑا ہے۔ اس نے قربانی کر کے سارا گوشت اپنے گھر کے فریج اور فریزر میں ذخیرہ کر دیا۔ اگر سارا گوشت اپنے لیے رکھا جائے اور فقرا و غربا میں تقسیم نہ کیا جائے تو از روئے شریعت اس طرح کرنا درست ہوگا یا نہیں؟

بيّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

قربانی کا گوشت فقہائے کرام کے نزدیک تین حصوں میں تقسیم کرنا مستحب ہے۔ ایک حصہ فقرا و غربا میں تقسیم کیا جائے، دوسرا حصہ رشتہ داروں کو دیا جائے، جب کہ تیسرا حصہ اپنے لیے رکھ دیا جائے، چونکہ قربانی میں اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لیے خون بہایا جاتا ہے اور گوشت صدقہ کرنا ایک مستحب عمل ہے، اس لیے اگر سارا گوشت اپنے کنبہ کے لیے ذخیرہ کیا جائے تو کوئی حرج نہیں۔

والدّليل على ذلك:

والأفضل أن يتصدق بالثلث، ويتخذ الثلث ضيافة لأقربائه، وأصدقائه، ويدخر الثلث، ويستحب أن يأكل منها. لو حبس الكل لنفسه جاز؛ لأن القربة في الإراقة والتصدق باللحم تطوع.(۱)

ترجمہ: اور افضل یہ ہے کہ ایک تہائی کو صدقہ کرے، ایک تہائی سے اپنے عزیزوں اور دوستوں کی ضیافت کرے، اور ایک تہائی کو ذخیرہ کرے۔ مستحب یہ ہے کہ اس سے کھائے، تاہم اگر سب کو اپنے پاس روکے رکھے تو جائز ہے، کیونکہ عبادت تو خون بہانا ہے، جب کہ گوشت صدقہ کرنا مستحب ہے۔

---

(۱) ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الأضحية: ۹/۴۷۴

ایک کاروبار کے شرکا پر قربانی کا وجوب

سوال نمبر(309):

پانچ بندوں کا مشترکہ کاروبار ہے۔قربانی کے دنوں میں صرف ایک شریک قربانی کرتا ہے، جب کہ ہر ایک شخص کی مقدار نصاب سے زائد ہے۔کیا ایسی صورت میں ایک کی قربانی کرنے سے تمام شرکا کا ذمہ فارغ ہو جاتا ہے یا ہر ایک مستقل طور پر قربانی کرے گا؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

اگر شرکا میں سے ہر شریک کا حصہ مقدارِ نصاب تک پہنچتا ہو تو ہر ایک پر علیحدہ علیحدہ قربانی واجب ہوتی ہے۔مشترکہ طور پر ایک قربانی کرنے سے کسی ایک کا بھی ذمہ فارغ نہیں ہوتا۔

صورتِ مسئولہ میں اگر کاروبار میں شریک بندوں میں سے ہر ایک کا حصہ مقدارِ نصاب تک پہنچتا ہو تو ہر شریک پر مستقل قربانی کرنا واجب ہے۔

والدّلیل علی ذلک:

فتجب علی حرمسلم مقیم موسر عن نفسه.(۱)

ترجمہ:

آزاد مسلمان مقیم، تو انگر پر اپنی طرف سے قربانی کرنا واجب ہے۔

❁❁❁

مالِ تجارت کی موجودگی میں قربانی کا واجب ہونا

سوال نمبر(310):

ایک آدمی کے پاس تجارت کی غرض سے پالی ہوئی مرغیاں ہیں جس کی مالیت دس ہزار روپے بنتی ہے اور اس کے علاوہ چار ہزار روپے نقد بھی موجود ہیں تو ایسے شخص پر قربانی واجب ہوگی یا نہیں؟ بیّنوا توجروا

(۱) تنویرالابصار مع الدرالمختار، کتاب الأضحیة:۹/۴۵۴۔۴۵۷

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

جب کسی شخص کے پاس حاجتِ اصلیہ سے زائد مال ہو یا ایسے اشیا ہوں جو تجارت کی غرض سے خریدے گئے ہوں اور وہ مال نصاب تک پہنچتا ہو تو ایسی صورت میں مالک پر قربانی واجب ہوگی۔

لہٰذا صورتِ مسئولہ میں تجارت کی غرض سے پالی ہوئی مرغیوں کی قیمت اور نقدی اگر نصاب (ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت) کے برابر یا اس سے زائد ہو تو قربانی واجب ہوگی۔

والدّلیل علی ذلك:

(وأما شرائط الوجوب) منها اليسار، وهو مايتعلق به وجوب صدقة الفطر دون ما يتعلق به وجوب الزكوة..........والموسر في ظاهر الرواية من له مائتا درهم أو عشرون دينارا أو شيء يبلغ ذلك، سوى مسكنه ومتاع مسكنه، ومركوبه وخادمه في حاجته التي لايستغني عنها.(۱)

ترجمہ:

قربانی کے وجوب کی شرائط میں سے ایک توانگری بھی ہے اور اس کی مقدار وہی ہے جس سے صدقہ فطر کا وجوب متعلق ہے نہ کہ زکوٰۃ کا۔۔۔اور ظاہر الروایۃ کے مطابق توانگر وہ شخص ہے جس کی ملکیت میں دوسو درہم یا بیس دینار ہوں یا کوئی ایسی چیز ہو جس کی مالیت مذکورہ نصابوں میں سے کسی ایک تک پہنچ جائے جو اس کے گھر، گھر کے سامان، سواری اور اس کی ضروری حاجتوں میں مشغول خادم کے علاوہ ہو۔



سات تولہ سونا پر قربانی

سوال نمبر(311):

اگر کسی عورت کے پاس صرف سات تولہ سونا ہو اور اس کے علاوہ اس عورت کے پاس نہ نقد رقم موجود ہو اور نہ ضرورت سے زائد سامان موجود ہو تو ایسی صورت میں اس عورت پر قربانی واجب ہے یا نہیں؟

بیّنوا توجروا

---

(۱) الفتاوى الهندية، كتاب الأضحية، الباب الأول:۵/۲۹۲

الجواب وباللہ التوفیق:

اگرکسی کے پاس نصاب کی مطلوبہ مقدار کے برابر نقدی یاضرورت سے زائد سامان موجود ہوتو اس پر قربانی واجب ہے،البتہ اگر سونا یا چاندی کی مطلوبہ مقدار موجود نہ ہواور نہ اس کے پاس ضرورت سے زائد سامان موجود ہو،جس سے نصاب کی تکمیل ہوسکے تو ایسی صورت میں اس پر قربانی واجب نہ ہوگی۔

صورتِ مسئولہ میں اس عورت کے پاس اگر صرف سات تولہ سونا ہواور ساڑھے تین تولہ چاندی یا اس کی بقدرِ مالیت یاضرورت سے زائد سامان نہ ہوتو ایسی صورت میں اس پر قربانی واجب نہیں،کیونکہ سات تولہ سونا نصاب سے کم ہے۔

والدّلیل علی ذلك:

والموسر في ظاهر الرواية من له مائتا درهم أوعشرون دينارا أو شيء يبلغ ذلك، سوى مسكنه ومتاع مسكنه، ومركوبه وخادمه في حاجته التي لايستغني عنها.(۱)

ترجمہ: ظاہرالروایۃ کے مطابق توانگر وہ شخص ہے جس کی ملکیت میں دوسو درہم یا بیس دینار ہوں یا کوئی ایسی چیز ہو جس کی مالیت مذکورہ نصابوں میں سے کسی ایک تک پہنچ جائے جواس کے گھر،گھر کے سامان،سواری اوراس کی ضروری حاجتوں میں مشغول خادم کے علاوہ ہو۔

❁❁❁

مالدار عورت کی طرف سے شوہر کا قربانی کرنا

سوال نمبر(312):

اگرکوئی عورت صاحبِ نصاب ہومگر قربانی کے دنوں میں اس کے پاس نقد رقم موجود نہ ہو۔تو ایسی صورت میں اگر شوہر اس کی طرف سے قربانی ادا کرے تو اس کا ذمہ فارغ ہوگا یا نہیں؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

واضح رہے کہ جب کسی کے پاس نصاب کے برابر مال موجود ہوتو اس پر قربانی واجب ہوجاتی ہے،تاہم اگرکسی

(۱) الفتاوی الهندية، كتاب الأضحية، الباب الأول :۲۹۲/۵

عورت کے پاس زیور موجود ہو لیکن نقد رقم موجود نہ ہو تو شوہر اس کی اجازت سے اس کی طرف سے قربانی کرسکتا ہے۔

صورتِ مسئولہ میں اگر شوہر کا یہ معمول ہو کہ ہر سال بیوی کی طرف سے قربانی کرتا ہو تو شوہر کا اس کی طرف سے قربانی کرنا دُرست رہے گا اور اگر معمول نہ ہو، بلکہ بیوی اپنی قربانی خود کراتی ہو تو ایسی صورت میں اس کی اجازت کے بغیر قربانی کرنے سے اس عورت کا ذمہ فارغ نہیں ہوگا۔

والدّليل على ذلك:

ولو ضحّى عن أولاده الكبار، وزوجته لايجوز إلّا بإذنهم، وعن الثّاني أنّه يجوز استحساناً بلاإذنهم بزازية. قال في الذخيرة: ولعلّه ذهب إلى أنّ العادة إذا جرت من الأب في كلّ سنةٍ صار كالإذن منهم، فإن كان على هذا الوجه فمااستحسنه أبويوسف مستحسنٌ.(١)

ترجمہ: اگر کوئی اپنی بالغ اولاد یا اپنی بیوی کی طرف سے اس کی اجازت کے بغیر قربانی کرے تو یہ جائز نہیں۔ اور امام ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ بلا اجازت بھی استحساناً جائز ہے۔ بزازیہ۔ ذخیرہ میں کہا ہے کہ: شاید آپؒ نے اس معاملے میں یہ مسلک اُس صورت میں اختیار کیا ہے جب باپ کی طرف سے ہر سال یہ عادت جاری ہو کہ وہ ان کی طرف سے بھی قربانی کرتا ہو تو یہ اُن کی طرف سے اجازت متصور ہوگی۔ اگر ایسی ہی صورت ہو تو پھر امام ابو یوسفؒ نے استحساناً جو رائے اختیار کی ہے وہی مستحسن ہے۔

مقروض آدمی پر قربانی کا وجوب

سوال نمبر (313):

ایک شخص اپنے والد کے ساتھ ایک ہی گھر میں رہتا ہے۔ اس کے پاس دو تولہ، چھ رتی سونا اور ایک دُکان ہے اور گھر کا سارا اختیار اس کے والد کے پاس ہے۔ اس شخص پر لوگوں کا قرض بھی ہے اور قرض اتنا ہے کہ اگر دُکان اور سونے کو بیچ دے، تب بھی قرض ختم نہ ہو تو ایسی صورت میں اس شخص پر قربانی واجب ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب وباللّٰه التوفيق:

قربانی کے واجب ہونے کے لیے صاحبِ نصاب ہونا شرط ہے۔ اگر کسی کے پاس نصاب کے بقدر یا زیادہ مال ہو، لیکن اس پر لوگوں کا قرضہ اتنا ہو کہ اگر سارا مال بھی دے دے تو قرض ادا نہیں ہوسکتا یا صرف قرض کی ادائیگی کے لیے کافی ہو تو ایسے شخص پر قربانی واجب نہیں۔

(١) ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الأضحية: ٤٥٧/٩

والدّلیل علی ذلك:

ولو كان عليه دَين بحيث لو صرف فيه نقص نصابه لاتجب. (۱)

ترجمہ: اگر کسی شخص پر اتنا قرض ہو کہ اگر وہ (اپنا مال) اس کی (ادائیگی) میں صَرف کرے تو نصاب پورا نہ رہے تو اس پر قربانی واجب نہ ہوگی۔

❁❁❁

تنخواہ دار پر قربانی کا وجوب

سوال نمبر(314):

زید ایک پرائیویٹ کمپنی میں ملازم ہے۔ اُس کی تنخواہ بیس ہزار روپے ہے، وہ یہ رقم اپنی ضروریات میں خرچ کرتا ہے۔ اس کے علاوہ زید کے پاس کوئی نقدی یا مال وغیرہ نہیں، ایسی صورت میں اس پر قربانی واجب ہے یا نہیں؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

شرعی نقطۂ نظر سے اگر کسی کے پاس حوائجِ اصلیہ سے زائد اتنی مالیت کا سامان یا نقدی ہو جو ساڑھے باون تولہ چاندی کے نصاب تک پہنچتا ہو تو ایسے شخص پر قربانی واجب ہوتی ہے۔

صورتِ مسئولہ میں اگر زید کی ملکیت میں اگر ایامِ اضحیہ (دس، گیارہ، بارہ ذی الحجہ) میں مقدارِ نصاب کے برابر یا اس سے زائد نقدی یا زائد از ضرورت سامان موجود ہو تو اِس پر قربانی واجب ہے، ورنہ نہیں۔

والدّلیل علی ذلك:

ولايشترط أن يكون غنيًّا في جميع الوقت حتّٰى لو كان فقيرًا في أوّل الوقت، ثمّ أيسرفي آخره تجب. (۱)

ترجمہ: اور قربانی واجب ہونے کے لیے یہ ضروری نہیں کہ تمام اوقات میں وہ غنی ہو، چنانچہ اگر وہ (قربانی کے دنوں کے) اوّل وقت میں فقیر تھا، پھر آخر وقت میں غنی ہو گیا تو اس پر قربانی واجب ہوگی۔

---

(۱) الفتاوى الهندية، كتاب الأضحية، الباب الأول: ٥/٢٩٢

(۱) أيضاً

زمین کی پیداوار پر قربانی کا واجب ہونا

سوال نمبر(315):

اگر کسی شخص کے پاس زمین ہو اور اس میں کاشت کر کے اپنے گھر کے اخراجات کا انتظام کرتا ہو تو اس شخص پر قربانی واجب ہوگی یا نہیں؟

بيّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰه التوفيق:

شریعتِ مطہرہ کی رُو سے اگر زمین کی پیداوار مالک کے اہل وعیال کا سالانہ خرچ پورا کرنے کے لیے کافی ہو تو مالکِ زمین مال دار شمار ہو کر اس پر قربانی واجب ہوگی، ورنہ سالانہ ضروریات پورا نہ کرنے کی صورت میں اس پر قربانی واجب نہیں ہوگی۔

والدّليل على ذلك:

ولو كان له أرض يدخل عليه منها قوت السنّة، فعليه الأضحية حيث كان القوت يكفيه ويكفي عياله، وإن كان لا يكفيه فهو معسرٌ.(۱)

ترجمہ:

اگر کسی کے پاس ایسی زمین ہو جس سے اس کو ایک سال کا پورا خرچ حاصل ہوتا ہو تو اس پر قربانی واجب ہے اگر یہ خرچ اس کے اور اس کے اہل وعیال کے لیے کافی ہو اور اگر کافی نہ ہو تو وہ تنگدست ہے (لہٰذا قربانی واجب نہیں)۔

❁❁❁

قربانی کے نصاب پر سال گزرنے کی شرط

سوال نمبر(316):

زکوٰۃ کے سلسلے میں ہم نے علما سے سنا ہے کہ نصاب پر سال کا گزرنا شرط ہے۔ پوچھنا یہ ہے کہ کیا قربانی میں بھی یہ شرط ہے یا نہیں؟

بيّنوا تؤجروا

(۱) تكملة البحرالرائق، كتاب الأضحية: ۸/۳۱۹،۳۲۰

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

فقہائے کرام کی تصریحات کے مطابق فرضیتِ زکوٰۃ اور وجوبِ قربانی میں فرق یہ ہے کہ زکوٰۃ تب فرض ہوگی، جب نصاب پر سال گزر جائے اور قربانی کے وجوب کے لیے نصاب پر سال کا گزرنا ضروری نہیں۔ چنانچہ اگر قربانی کے دنوں میں بھی کوئی شخص مطلوبہ مقدار کا مالک ہوگیا تو اُس پر قربانی واجب ہوگی۔

والدّلیل علی ذلك:

ولایشترط أن یکون غنیًا في جمیع الوقت حتّٰی لو کان فقیرًا في أوّل الوقت، ثمّ أیسر في آخرہ تجب.(۱)

ترجمہ:

اور قربانی واجب ہونے کے لیے یہ ضروری نہیں کہ تمام اوقات میں وہ غنی ہو، چنانچہ اگر وہ (قربانی کے دنوں کے) اوّل وقت میں فقیر تھا، پھر آخر وقت میں غنی ہوگیا تو اس پر قربانی واجب ہوگی۔

❁❁❁

عذر کی وجہ سے قربانی کے دنوں میں قربانی نہ کرنا

سوال نمبر(317):

ایک شخص صاحبِ نصاب ہے، لیکن کسی عذر کی بنا پر قربانی نہ کرسکا تو ایسے شخص کے لیے کفارہ کی کیا صورت ہوگی؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

قربانی اللہ کے تقرب اور ثواب کے حصول کا ذریعہ ہے۔اس کے کرنے سے ایک طرف مسلمان کا ذمہ فارغ ہوجاتا ہے تو دوسری طرف اللہ جل شانہ کے حکم کی تعمیل بھی ہوجاتی ہے، لیکن اگر کوئی شخص کسی عذر کی بنا پر قربانی کے دنوں میں قربانی نہ کرسکے اور جانور خریدا ہو تو اس جانور کا صدقہ کرنا لازمی ہے اور اگر قربانی کے لیے جانور خریدا نہ

---

(۱) الفتاوی الھندیة، کتاب الأضحیة، الباب الأول:۵/۲۹۲

ہو تو ایسی بکری کی قیمت کو صدقہ کرنا لازمی ہے جس کی قربانی دُرست ہو۔

والدّليل على ذلك:

فإن كان أوجب التضحية على نفسه بشاة بعينها، فلم يضحّها حتّى مضت أيام النحر يتصدّق بعينها حيّة......... وإن كان لم يوجب على نفسه، ولا اشترى وهو موسر حتّى مضت أيام النحر تصدّق بقيمة شاة تجوز في الأضحية.(١)

ترجمہ:

اگر کسی نے اپنے اوپر ایک معین بکری کی قربانی واجب کرلی اور قربانی کے دنوں میں اس کی قربانی نہ کرسکا تو اسی معین بکری کو زندہ حالت میں صدقہ کرے۔۔۔۔۔اور اگر اس نے اپنے اوپر قربانی جانور خریدنے سے واجب نہ کی ہو اور نہ اس نے جانور خریدا ہو اور مال دار ہو یہاں تک کہ قربانی کے دن گزر گئے تو ایسی بکری کی قیمت صدقہ کرے جس کی قربانی جائز ہو۔

❁❁❁

امام کے خطبہ سے فارغ ہونے سے پہلے قربانی کرنا

سوال نمبر (318):

اگر کوئی شخص عیدالاضحیٰ کے دن نماز عید کے خطبہ کے دوران قربانی کرلے تو اس کا ذمہ فارغ ہو جائے گا یا اس کا اعادہ ضروری ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

عیدالاضحیٰ کے دن قربانی کا جانور عید کی نماز کے بعد ذبح کرنا ضروری ہے۔ اگر کسی نے عید کی نماز سے پہلے قربانی کی تو اس کا اعادہ ضروری ہے، تاہم اگر نماز کے بعد اور امام کا خطبہ پڑھنے سے پہلے قربانی کرلی تو ایسی صورت میں

---

(١) بدائع الصنائع، كتاب التضحية، فصل في كيفية الوجوب: ٦/٢٩٣، ٢٩٤

قربانی جائز رہے گی اور اس کا اعادہ واجب نہیں، تاہم بہتر یہ ہے کہ قربانی امام کا خطبہ سے فارغ ہونے کے بعد کی جائے۔

والدّلیل علی ذلك:

(أوّل وقتها بعد الصلاة إن ذبح في مصر)أي بعد أسبق صلاة عيد ولو قبل الخطبة، لكن بعدها أحبّ.(١)

ترجمہ:

اگر شہر میں قربانی کرتا ہو تو اول وقت نماز کے بعد ہے، یعنی سب سے پہلے پڑھی جانے والی نمازِ عید کے بعد، اگر چہ خطبہ سے پہلے ہو، لیکن خطبہ کے بعد زیادہ پسندیدہ ہے۔

❁❁❁

رات کے وقت قربانی کرنا

سوال نمبر (319):

فقہی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ رات کے وقت قربانی کرنا مکروہ ہے، اس کراہت کی کیا وجوہات ہیں؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

قربانی کے ایام میں ہر وقت قربانی کرنے سے ذمہ فارغ ہو جاتا ہے چاہے دن میں کرے یا رات میں، تاہم فقہائے کرام نے رات کے وقت قربانی کرنے کو مکروہ قرار دیا ہے جس کی کئی وجوہات ہیں:

۱- رات کا وقت امن وسکون کا ہوتا ہے، اس وقت کسی کو تکلیف دینا مناسب نہیں۔

۲- اندھیرے کی وجہ سے ہاتھ کاٹنے کا امکان ہوتا ہے۔

۳- وہ رگیں جن کا کاٹنا ضروری ہے، رات کے وقت اس کا ظہور اچھی طرح نہیں ہوتا۔

ان وجوہات کی بنا پر فقہا نے رات کے وقت قربانی کرنا مکروہ لکھا ہے۔

---

(١) الدرالمختار على صدر ردالمحتار، كتاب الأضحية :٩/ ٤٦٠

والدّليل على ذلك:

إن المستحب أن يكون الذبح بالنهار، ويكره بالليل، والأصل فيه ماروي عن رسول الله ﷺ:أنه نهى عن الأضحى ليلًا وعن الحصاد ليلًا، وهو كراهة تنزيه، ومعنى الكراهة يحتمل أن يكون لوجوه:

أحدها: أنّ الليل وقت أمنٍ وسكونٍ وراحةٍ، فإيصال الألم في وقت الراحة يكون أشدّ.

الثاني: أنّه لا يأمن من أن يخطئ فيقطع يده، ولهذا كره الحصاد بالليل.

الثالث:أنّ العروق المشروطة في الذبح لا تتبيّن في الليل فربما لايستوفي قطعها.(١)

ترجمہ:

مستحب یہ ہے کہ ذبح دن کے وقت ہواور رات کے وقت ذبح مکروہ ہے۔اصل اس سلسلے میں وہ روایت ہے جوآپ ﷺ سے روایت کی گئی ہے کہ آپ ﷺ نے رات کے وقت ذبح کرنے اور کھیتی کاٹنے سے منع فرمایاہےاور یہ کراہت کئی وجوہات کی بناپر ہوسکتی ہے: پہلی وجہ: رات کاوقت امن وسکون اور راحت کا ہوتا ہے۔اس وجہ سے راحت کے اس وقت میں کسی کوتکلیف دینے میں شدت زیادہ ہوگی۔دوسری وجہ: ذبح کرنے والااس بات سے محفوظ نہیں رہتا کہ غلطی سے اپناہاتھ کاٹ لے،اسی وجہ سے رات کے وقت کھیتی کاٹنا بھی مکروہ ہے۔تیسری وجہ: وہ رگیں جن کا کاٹنا شرط ہے،وہ رات کے وقت اچھی طرح نظرنہیں آتیں توشاید اچھی طرح نہ کاٹ سکے۔

❁❁❁

جانور ذبح کرنے کی بجائے رقم مساکین کودینا

سوال نمبر(320):

ایک شخص پرصاحبِ نصاب ہونے کی وجہ سے قربانی واجب ہے،لیکن وہ جانور ذبح کرنے کی بجائے اُس رقم کوغربا ومساکین پرتقسیم کرنا چاہتا ہے۔ایسی صورت میں اس کا ذمہ فارغ ہوگا یانہیں؟

بيّنوا تؤجروا

الجواب وبالله التوفيق:

اسلام جب انسان کوکسی چیز کی ادائیگی کاحکم دیتاہےتو اس میں کوئی حکمت پوشیدہ ہوتی ہے،اس کے خلاف

(١) بدائع الصنائع، كتاب الذبائح والصيود، فصل في شرط حل الاكل في الحيوان المأكول :٦/ ٢٧٠

کرنے میں انسان اُس حکمت کے حصول سے محروم رہتا ہے۔قربانی کے سلسلے میں مقصود خون بہانا ہے جو جانور کی قیمت صدقہ کرنے سے حاصل نہیں ہوتا۔لہٰذا اگر کوئی شخص جانور ذبح کرنے کی بجائے اُس مقدار کی رقم صدقہ کرے تو وہ جانور کے ذبح کرنے کا قائم مقام نہیں ہوسکتا۔چنانچہ اس سے اُس کا ذمہ فارغ نہیں ہوگا۔

والدّلیل علی ذلك:

أنّ القربة في الأضحية هي إراقة الدّم.(١)

ترجمہ:

اضحیہ میں عبادت خون بہانا ہے۔

❁❁❁

بینک ملازم کو قربانی میں شریک کرنا

سوال نمبر(321):

بینک ملازم کے ساتھ قربانی کے جانور میں شرکت جائز ہے یا نہیں؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

قربانی جیسی اہم عبادت کی ادائیگی حلال مال سے کرنا ضروری ہے تاکہ اس خون بہانے کو دربارِ الٰہی میں قبولیت بھی حاصل ہو۔حرام مال سے قربانی کرنے سے سوائے خون بہانے کے کچھ ہاتھ نہیں آتا۔

جہاں تک بینک میں نوکری کرنے والے کے ساتھ قربانی کا تعلق ہے تو اگر اُن شعبوں میں کام کر رہا ہو جو سود سے براہِ راست متعلق ہیں اور بینک سے حاصل کردہ رقم سے قربانی کر رہا ہو تو اس کے ساتھ شریک ہو کر قربانی کرنا جائز نہیں البتہ اگر وہ کسی سے قرض رقم لے کر اُس سے قربانی میں حصہ دار بن رہا ہو تو ایسی صورت میں اُس کے شریک ہونے میں کوئی حرج نہیں۔

---

(١) بدائع الصنائع، كتاب التضحية، فصل في شرائط الوجوب: ٦/٢٨٤

اور بینک کی جو ملازمتیں ایسی ہیں جن میں براہِ راست سود کے ساتھ واسطہ نہیں پڑتا جیسے چوکیدار، ڈرائیور وغیرہ تو علما کے نزدیک اس کی اجرت میں گنجائش کی بنیاد پر اس کے ساتھ قربانی کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

والدّليل على ذلك:

عن جابرؓ: لعن رسول الله ﷺ آكل الربا و مؤكله و كاتبه و شاهديه وقال هم سواء.(۱)

ترجمہ:

جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سود کھانے والے، کھلانے والے، لکھنے والے اور اس پر گواہ بننے والے پر لعنت فرمائی ہے اور فرمایا کہ سب کا حکم برابر ہے۔

❁❁❁

مالِ حرام سے قربانی کرنے سے بچاؤ کی ایک صورت

سوال نمبر(322):

اگر کسی شخص کے پاس مخلوط مال ہو اور اس میں مالِ حرام غالب ہو اور یہ شخص کسی کے ساتھ قربانی میں شریک ہونا چاہتا ہو تو کیا اُس کے لیے کوئی جائز طریقہ کار ہے؟ ہم نے کسی سے سنا ہے کہ وہ قرض لے کر قربانی کے حصہ کی ادائیگی کرے اور پھر اُس قرض کی ادائیگی کرے۔ کیا یہ طریقہ درست ہے؟

بيّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰه التوفيق:

جس شخص کے پاس مخلوط مال ہو اور مالِ حرام اس میں غالب ہو تو ایسے شخص کے ساتھ قربانی میں شرکت جائز نہیں۔ اگر ایسا شخص کسی کے ساتھ قربانی میں شریک ہونا چاہے تو وہ یہ طریقہ اختیار کرسکتا ہے کہ کسی سے قرض لے کر قربانی میں حصہ کے طور پر جمع کرے اور بعد میں اُس مخلوط مال سے وہ قرض ادا کرے تاکہ حتی الامکان مالِ حرام سے بچ سکے، جیسا کہ کسی کے پاس مشکوک مال ہو اور وہ حج کرنا چاہے تو وہ کسی سے قرض لے کر حج ادا کرے اور بعد میں اس قرض کی ادائیگی کرے۔

---

(۱) الصحيح للمسلم، باب الربا: ۲/۲۷

والدّليل على ذلك:

إذا أراد الرجل أن يحجّ بمال حلال فيه شبهة، فإنّه يستدين للحجّ ويقضي دَينه.(۱)

ترجمہ:

اگر کوئی شخص کسی ایسے حلال مال سے حج کا ارادہ کرے جس میں اِسے شبہ ہو تو حج کے لیے قرض لے لے اور پھر قرض ادا کرے۔

❁❁❁

شعائرِ اسلام کی توہین کرنے والے کے ساتھ مل کر قربانی کرنا

سوال نمبر(323):

ایک شخص مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتا ہے، لیکن اُس کی باتیں ایسی ہیں کہ جو کسی مسلمان کی شان کے مناسب نہیں، مثلاً کالج میں طالب علموں سے کہتا ہے کہ میری کلاس میں اگر کسی نے غیر متعلقہ کتاب کھول دی تو میں اس کو پھاڑ دوں گا، یہاں تک کہ قرآن کے ساتھ بھی یہی معاملہ کروں گا۔ داڑھی منڈوانے کو اچھا سمجھتا ہے اور نماز کے متعلق یہ کہتا ہے کہ یہ صرف ورزش ہے اور مجھے ورزش کی ضرورت نہیں، وغیرہ۔ پوچھنا یہ ہے کہ ایسی باتیں کرنے والے کے ساتھ مل کر قربانی کرنا جائز ہے یا نہیں؟

بيّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰه التّوفيق:

واضح رہے کہ قربانی میں شامل ہونے والے تمام شرکا کا مسلمان ہونا ضروری ہے۔ کسی غیر مسلم یا غلط عقیدہ رکھنے والے کے ساتھ مل کر قربانی کرنا جائز نہیں۔ لہٰذا اگر مذکورہ شخص کا دینِ اسلام کے متعلق عقیدہ صحیح نہ ہو اور مذکورہ الفاظ قرآن کریم، نماز اور داڑھی کی توہین کے طور پر کہتا ہو تو ایسے شخص کے ساتھ مل کر قربانی نہ کریں۔ جب وہ نماز جیسی سب سے اہم عبادت کو صرف ورزش سمجھتا ہے تو پھر قربانی کو بھی صرف گوشت کے حصول کا ذریعہ سمجھے گا لہٰذا اگر ایسے شخص کے ساتھ مل کر کوئی قربانی کرے تو ذمہ فارغ نہ ہوگا۔

(۱) الفتاوى الهندية، كتاب المناسك، الباب الأول: ۱/ ۲۲۰

والدّليل علی ذلك:

(وإن كان شريك الستة نصرانيًا أو مريد اللحم، لم يجز عن واحد) وكذا إذا كان عبداً أو مدبّراً يريد الأضحية. (١)

ترجمہ:

اگر چھ شرکا میں ایک نصرانی ہو یا گوشت کا طلب کرنے والا ہو تو کسی کی طرف سے قربانی جائز نہیں ہوگی، اسی طرح اگر غلام ہو یا مدبر ہو جو گوشت کا طلب گار ہو تو سب کی قربانی جائز نہ ہوگی۔

❁❁❁

قربانی کے لیے کسی کو وکیل بنانا

سوال نمبر (324):

اگر کوئی شخص بیرون ملک رہائش پذیر ہو تو اس کے لیے اپنے ملک میں کسی کو وکیل بنا کر قربانی کرنا جائز ہے یا نہیں؟

بيّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفيق:

قربانی کا تعلق مال سے ہے جس میں نیابت جاری ہو سکتی ہے، پس اگر کوئی شخص کسی کو قربانی کا وکیل بنائے تو وکیل مؤکل کی اجازت پر قربانی کر سکتا ہے۔ لہٰذا اگر بیرون ملک رہائش پذیر شخص اپنے ملک میں کسی کو وکیل بنا کر قربانی کرنا چاہے تو اِس سے اُس کا ذمّہ فارغ ہو جائے گا۔ تاہم یہ ضروری ہے کہ قربانی کا جانور ایسے دِن میں ذبح کرے جس میں دونوں جگہ عید ہو۔ اگر وکیل یا مؤکل کی جگہ میں سے کسی ایک میں بھی عید کا دِن نہ ہو تو قربانی جائز نہ ہوگی۔

والدّليل علی ذلك:

ومنها :أنه تجزئ فيها النيابة، فيجوز للإنسان أن يضحيّ بنفسه وبغيره بإذنه ؛ لأنّها قربة تتعلّق بالمال فتجزئ فيها النيابة. (٢)

---

(١) ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الأضحية :٩/٤٧٢

(٢) بدائع الصنائع، كتاب التضحية، فصل في كيفية الوجوب :٦/٢٩١

ترجمہ: اورقربانی کے احکام میں سے یہ بھی ہے کہ اس میں نیابت جائز ہے۔چنانچہ انسان کے لیے جائز ہے کہ خود قربانی کرے اور یا دوسرے کو اجازت دے کر اُس سے کروائے، کیونکہ یہ ایسی عبادت ہے جو مال کے ساتھ تعلق رکھتی ہے تو اس میں نیابت جائز ہے۔

❁❁❁

مؤکل کی اجازت کے بغیر ادارہ کا قربانی میں وکیل بننا

سوال نمبر(325):

موجودہ دور میں رفاہی ادارے لوگوں کی طرف سے قربانی کا اہتمام کرتے ہیں جس میں مختلف قسم کی قربانیاں کی جاتی ہیں۔بعض لوگ رقم بھیجتے وقت کہتے ہیں کہ میری طرف سے دنبہ ذبح کرو لیکن بعض اوقات اس متعین جانور کا ملنا دُشوار ہوتا ہے،ایسی صورت میں ادارہ مؤکل کی اجازت کے بغیر دوسرا جانور ذبح کرواسکتا ہے یا نہیں؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

عقدِ وکالت میں وکیل کے لیے مؤکل کا تابع ہونا ضروری ہے اور وکیل کو اتنے تصرف کی اجازت ہے جتنی مؤکل کی طرف سے اس کو اجازت دی گئی ہو۔

موجودہ دور میں رفاہی ادارے لوگوں کی طرف سے قربانی کرنے کا اہتمام کرتے ہیں اور باقاعدہ لوگوں کو دعوت دیتے ہیں۔رفاہی اداروں کا لوگوں کی جانب سے قربانی کی ادائیگی وکالت ہے اس لیے اس میں عقدِ وکالت کی تمام شرائط ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔چنانچہ اگر مؤکل کی طرف سے متعین کردہ جنس کا جانور نہ ملے تو مؤکل کی اجازت کے بغیر دوسری جنس کا جانور ذبح کرنا جائز نہیں۔بہتر یہ ہے کہ قربانی کرنے والا ادارہ کو مطلقاً اجازت دیدے،کسی خاص جنس کی تعیین نہ کرے تاکہ ان کو آسانی ہو اور اس کی قربانی متاثر نہ ہو۔

والدلیل علی ذلک:

[illegible] وكيل به من جهة الموكل (١)

ترجمہ: [illegible] ای تصرف کا مالک ہوتا ہے جو مؤکل کی طرف سے اسے سونپ دیا گیا ہو۔

[illegible] ١٣١٧

جانور کی عمر میں قمری سال کا اعتبار

سوال نمبر(326):

ایک بکرے کی عمر قمری سال کے مطابق ایک سال اور پانچ دن ہے اور شمسی سال کے اعتبار سے اس کا ایک سال پورا ہونے میں پانچ دن باقی ہیں، ایسی صورت میں اس بکرے کی قربانی جائز ہوگی یا نہیں؟

بینوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

شرعی احکامات میں سال سے مراد قمری سال ہوتا ہے۔ جو تین سو چون دن اور آٹھ گھنٹہ کا ہوتا ہے، لہٰذا اگر بکرا قمری سال کے اعتبار سے پورے ایک سال کا ہو تو اس کی قربانی جائز ہے، اگرچہ شمسی سال پورا نہ ہوا ہو۔

والدّلیل علی ذلك:

العبرة في الزكوة للحول القمري.(۱)

ترجمہ:

زکوٰۃ میں اعتبار قمری سال کو ہوتا ہے۔

❁❁❁

قربانی میں ہرن یا ہرنی ذبح کرنا

سوال نمبر(327):

قربانی میں کس قسم کا جانور ذبح کیا جا سکتا ہے؟ کیا ہرن یا ہرنی کی قربانی جائز ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

قربانی کے جانور کا اُونٹ، گائے یا بھیڑ، بکری کے جنس سے ہونا ضروری ہے۔ اور بھینس، گائے کی ایک قسم ہے۔ اس کے علاوہ دیگر حلال جانوروں کی بھی قربانی جائز نہیں۔

(۱) البحرالرائق، كتاب الزكاة، تحت قوله (وملك نصاب حولي فارغ): ۳۵۶/۲

ہرن اور ہرنی اگرچہ حلال ہیں لیکن مذکورہ اجناس سے نہیں، بلکہ وحشی جانور ہیں اس لیے ان کی قربانی جائز نہیں۔ اگر اس کو گھر میں پال کر مانوس کیا جائے، تب بھی اس کو بطور قربانی ذبح کرنے سے قربانی ادا نہ ہوگی۔

والدّليل على ذلك:

(أمّا جنسه) فهو أن يكون من الأجناس الثلاثة: الغنم، أو الإبل أو البقر ويد خل في كلّ جنس نوعه والذكر و الأنثى......ولايجوز في الأضاحي شيء من الوحشي......وإن ضحّى بظبية وحشية أنست أوببقرة وحشية أنست لم تجز.(۱)

ترجمہ:

قربانی کا جانور تین جنسوں میں سے ہو: بھیڑ بکری، اونٹ یا گائے۔ ہر جنس میں اس کے انواع اور مذکر اور مؤنث سب داخل ہیں۔ کسی بھی وحشی جانور کی قربانی جائز نہیں۔ اگر مانوس ہرنی یا مانوس نیل گائے کی قربانی کرے تو جائز نہیں۔

❀❀❀

تقسیم سے پہلے مشترکہ گوشت کا استعمال

سوال نمبر(328):

بعض علاقوں میں عید کے دن جب جانور ذبح کیا جاتا ہے تو قربانی میں شریک افراد گوشت آپس میں تقسیم کرنے سے پہلے کچھ گوشت پکا کر کھاتے ہیں۔ جب کہ شرکا میں بعض افراد راضی نہیں ہوتے۔ ان لوگوں کا یہ طریقہ شرعاً کیسا ہے؟

بيّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفيق:

شریعتِ مقدسہ کی رُو سے جب کسی چیز میں کئی افراد شریک ہوں تو اس کے استعمال میں تمام شرکا کی رضامندی ضروری ہے۔ اگر ایک شریک بھی راضی نہ ہو تو دیگر شرکا اس مشترکہ چیز کو استعمال نہیں کر سکتے۔

عید کے دن جانور ذبح کرنے کے بعد مشترکہ طور پر گوشت پکانے پر اگر ایک شریک بھی راضی نہ ہو تو

(۱) الفتاوى الهندية، كتاب الأضحية، الباب الخامس في بيان محل اقامة الواجب: ۲۹۷/۵

اس طرح گوشت پکانا اور اس کا کھانا جائز نہیں، البتہ اگر تمام شریک رضامندی ظاہر کریں تو پھر کوئی مضائقہ نہیں۔

والدّليل على ذلك:

ولا يجوز لأحدهما أن يتصرّف في نصيب الآخر إلّا بأمره، وكلّ واحدٍ منهما كالأجنبي في نصيب صاحبه.(۱)

ترجمہ:

شرکا میں سے کسی ایک کے لیے دوسرے شریک کی اجازت کے بغیر اس کے حصہ میں تصرف کرنے کی اجازت نہیں اور اُن میں سے ہر ایک دوسرے کے حق میں اجنبی کی طرح ہے۔

❁❁❁

کھال کا استعمال اور قیمت کو صدقہ کرنے میں فرق

سوال نمبر(329):

فقہائے کرام کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ قربانی کے جانور کی کھال کو خود استعمال کرنا یا اس کو کسی چیز کے عوض دینا دُرست ہے لیکن اگر یہ بیچ دی جائے تو اس کی رقم استعمال میں لانا کیوں جائز نہیں؟ ان میں کیا فرق ہے؟

بيّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰه التّوفيق:

شرعی نقطۂ نظر سے قربانی کی کھال کو ذاتی استعمال میں لانا جائز ہے۔اسی طرح اگر کھال کسی ایسی چیز کے عوض بیچی جائے جس سے بالذات انتفاع ممکن ہو اور وہ چیز استعمال کے باوجود اپنے حال پر بدستور قائم رہے تو اس چیز کا حکم بھی کھال کے استعمال کی طرح ہے، البتہ اگر اس کے عوض رقم حاصل کی جائے تو اس کا استعمال جائز نہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ قربانی کے کسی حصے کو مال کمانے کا ذریعہ بنانا جائز نہیں اس لیے اگر اس کے بدلے کچھ مال حاصل کیا، تو اُسے غربا پر صدقہ کرنا ضروری ہے۔

والدّليل على ذلك:

(ويتصدّق بجلدها) ؛لأنّه جزء منها، وكان له التصدّق والانتفاع به..........والمعنىٰ فيه أنه

(۱) الفتاویٰ الهندية، كتاب الشركة، الباب الأول في بيان انواع الشركة، الفصل الأول: ۳۰۱/۲

لايتصدّق على قصد التموّل. (١)

ترجمہ:

اور قربانی کی کھال کو صدقہ کرے گا، کیونکہ یہ قربانی کا جز ہے اور قربانی کرنے والے کے لیے صدقہ کرنا اور نفع حاصل کرنا جائز ہے۔۔۔۔اس کا مطلب یہ ہے کہ مال حاصل کرنے کی غرض سے اس کو صدقہ نہیں کرے گا۔

❁❁❁

کھال امام مسجد کو دے کر قصائی کی اجرت کی ادائیگی شرط قرار دینا

سوال نمبر(330):

اگر کوئی شخص قربانی کی کھال امام مسجد کو دے دے اور یہ شرط بھی لگائے کہ اس چمڑے کی قیمت میں قصائی کی مزدوری دو گے۔ کیا اس شرط لگانے سے امام مسجد پر قصائی کی مزدوری ادا کرنا لازم ہوتی ہے یا نہیں؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

اگر کوئی شخص قربانی کی کھال امام مسجد کو دے تو شرعی طور پر یہ ہبہ شمار ہوگا۔ فقہی نقطۂ نظر سے اگر کوئی شخص کسی کو کوئی چیز بطور ہبہ دے اور اس میں یہ شرط لگائے کہ اس سے مجھے کچھ حصہ دو گے تو یہ شرط لگانا باطل ہوگا اور ہبہ جائز رہے گا، لہٰذا امام مسجد کو چرمِ قربانی دیتے وقت قصائی کی مزدوری ادا کرنے کی شرط جائز نہیں۔ نیز مالک کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ قصاب کی اجرت اس چرم سے ادا کرے۔

اس صورت میں امام مسجد پر قصائی کی مزدوری ادا کرنا لازمی نہیں، البتہ اگر امام مسجد اپنی خوشی سے ہبہ دینے والے کی طرف سے قصائی کی مزدوری ادا کرے تو وہ الگ مسئلہ ہے، لیکن امام یہ بوجھ مفت میں کیوں اُٹھائے؟ اس کی کوئی وجہ نہیں۔

والدليل على ذلك:

وهب له دارًا أو تصدّق عليه بدار على أن يردّ عليه شيئًا منها أو يعوّضه فالهبة جائزة، والشرط

---

(١) تكملة البحرالرائق، كتاب الأضحية: ٣٢٧/٨

باطل.(۱)

ترجمہ:

کسی نے دوسرے کوایک گھر ہبہ کیا یا صدقہ کیا اس شرط پر کہ اس سے کچھ حصہ واپس کرے گا یا اس کے بدلے دوسری چیز واہب کو دے گا، یہ ہبہ جائز اور شرط باطل ہے۔

ولایحل بیع جلدھا .(۲)

ترجمہ: قربانی کی کھال کا بیچنا جائز نہیں۔

❁❁❁

قربانی کی ہڈیوں کا حکم

سوال نمبر(331):

عید کے دنوں میں قربانی کا گوشت استعمال کرنے کے بعد جو ہڈیاں بچ جاتی ہیں، ان کو بیچ کر اس کی رقم اپنی ذاتی استعمال میں لانا کیسا ہے؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

قربانی سے مقصود اللہ تعالیٰ کی خوشنودی ہے۔ اسی وجہ سے شارع کی طرف سے اس سے فائدہ لینے یا صدقہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اور اس کے کسی بھی حصے کو مال کے حصول کا ذریعہ بنانے سے منع کیا گیا ہے۔

صورتِ مسئولہ میں گوشت استعمال کرنے کے بعد جو ہڈیاں بچ جاتی ہیں، دیگر اجزا کی طرح انہیں بھی بیچ کر ان کی قیمت کو اپنی ذاتی استعمال میں لانا جائز نہیں، بلکہ وہ قیمت صدقہ کرنا چاہیے۔

والدّلیل علی ذلك:

ولا یحلّ بیع جلدھا وشحمھا ولحمھا وأطرافھا ورأسھا وصوفھا وشعرھا ووبرھا ولبنھا الّذي یحلبہ منھا بعد ذبحھا.........فإن باع شیئًا من ذلك نفذ عند أبي حنیفۃ ومحمّد، و عند أبي یوسف

(۱) الفتاوی الھندیة، کتاب الھبة، الباب الثامن فی حکم الشرط فی الھبة :٤/٣٩٦

(۲) بدائع الصنائع، کتاب التضحیة، فصل فیما یستحب قبل الأضحیة :٦/٣٣٢

لا ینفذ، ویتصدّق بثمنه.(۱)

ترجمہ:

اور قربانی کے جانور کی کھال، چربی، گوشت، پاؤں، سر، اون، بال، اونٹ کے بال اور وہ دودھ جو ذبح کے بعد حاصل ہوا ہو، ان سب کا بیچنا جائز نہیں۔۔۔ اگر ان چیزوں میں سے کوئی چیز بیچ دی تو امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک یہ بیع نافذ ہوگی اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک نافذ نہیں ہوگی اور اس کی قیمت کو صدقہ کرے گا۔

❁❁❁

گائے میں واجب قربانی کے ساتھ عقیقہ کی نیت بھی کرنا؟؟؟

سوال نمبر (332):

ایک شخص جب گائے بھینس کو اکیلے خرید لے اور اس میں عید کی واجب قربانی کے ساتھ اپنے بیٹے کے عقیقہ کی نیت بھی کرلے تو عقیقہ ادا ہوگا یا نہیں؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

کسی بڑے جانور (گائے، بھینس اور اونٹ) میں جب دو یا زائد آدمی شریک ہوں، ایک کی نیت عید کی واجب قربانی کی ہو اور دوسرے کی نیت اپنے بچے کے عقیقہ کی ہو تو دونوں کی یہ مختلف نیتیں کرنا درست ہے، لیکن ایک ہی شخص جب کسی دوسرے کی شرکت کے بغیر کسی بڑے جانور (گائے، بھینس اور اونٹ) کو خرید لے اور اس کی قربانی کرے تو یہ پورا جانور واجب قربانی سے ادا ہوگا اور اس میں جس طرح یہ درست نہیں کہ ایک حصہ میں واجب قربانی کی نیت کرے اور بقیہ چھ حصوں میں نفلی قربانی کی نیت کرے، اسی طرح اس کے لیے ایک ہی جانور میں واجب قربانی کے ساتھ عقیقہ کی نیت بھی درست نہیں اور اگر عقیقہ کی نیت بھی کرے تو صرف واجب قربانی ادا ہوگی۔

والدّلیل علی ذلك:

(ولوضحیٰ بالکل فالکل فرض)الظاهر أن المراد لوضحّی ببدنة یکون الواجب کلها لاسبعها بدلیل قوله في الخانیة: ولوأن رجلاً موسراً ضحّی ببدنة عن نفسه خاصة کان الکل أضحیة واجبة عند

(۱) بدائع الصنائع، کتاب التضحیة، فصل فیمایستحب قبل الأضحیة: ۳۳۲/۶

عامة العلماء وعليه الفتوى.(١)

ترجمہ: جانور کی قربانی تنہا کرے تو سارا واجب سے ادا ہوگا۔ظاہراً اس کا مطلب یہ ہے کہ جب بڑے جانور کی قربانی کرے تو پورا جانور واجب قربانی سے ادا ہوگا نہ کہ اس کا ساتواں حصہ اور اس کی دلیل خانیہ میں ہے کہ اگر کوئی مالدار شخص صرف اپنی طرف سے بڑے جانور کی قربانی کرے تو پورا جانور جمہور علما کے نزدیک واجب قربانی سے ادا ہوگا اور اسی پر فتویٰ ہے۔

❁❁❁

بعض شرکا کا عقیقہ یا نفل قربانی کی نیت کرنا

سوال نمبر (333):

اگر بڑے جانور کی قربانی میں سے بعض شرکا کی نیت نفل قربانی یا عقیقہ یا دم تمتع وغیرہ کی ہو تو کیا یہ جائز ہے؟ اور اس سے دوسرے شرکا کی واجب قربانی متاثر ہوتی ہے یا نہیں؟ بيّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰه التوفيق:

قربانی کے شرکا میں سے جب تک کسی شریک کی نیت صرف گوشت کا حصول نہ ہو تو تقرب باری تعالیٰ کی جو بھی نیت ہو جیسے نفلی قربانی، دم تمتع، دم قران یا عقیقہ تو یہ سب نیتیں کرنا جائز ہے اور اس سے شرکا کی واجب قربانیوں پر اثر نہیں پڑتا، البتہ گزشتہ کسی سال کی قربانی کی قضا کی نیت کرنا درست نہیں ہے، کیونکہ گزشتہ سال کی قربانی میں شریعت کی طرف سے اب صرف اس جانور کی قیمت صدقہ کرنا متعین ہے۔

والدّليل على ذلك:

ولو أرادوا القربة الأضحية أو غيرها من القرب أجزأهم سواء كانت القربة واجبة أو تطوعا أو وجب على البعض، وسواء اتفقت جهات القربة أو اختلفت، بأن أراد بعضهم الأضحية وبعضهم جزاء الصيد ......وبعضهم هدي التطوع وبعضهم دم المتعة والقران، وهذا قول أصحابنا الثلاثة، وكذلك إن أراد بعضهم العقيقة عن ولد قد ولد له من قبل.(٢)

(١) ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الأضحية :٩/٤٨٢

(٢) الفتاوى الهندية، كتاب الأضحية، الباب الثامن فيما يتعلق بالشركة في الضحايا :٥/٣٠٤

ترجمہ: اگر سب شرکا نے قربانی کے ثواب کا یا اس کے علاوہ کسی ثواب کا ارادہ کیا تو سب کے لیے جائز ہوگا، خواہ وہ کارِثواب واجب ہو یا نفل یا وہ بعض پر واجب ہو اور بعض پر واجب نہ ہو اور خواہ اس کارِثواب کی جہتیں ایک جیسی ہوں یا مختلف (سب کا حکم برابر ہے)۔ مثلاً ان میں سے بعض نے قربانی کا ارادہ کیا بعض نے شکار کے بدلے کا..... بعض نے نفل ہدی کا (یعنی حج وعمرہ میں نفل ہدی کا) بعض نے حج تمتع اور حج قران کی قربانی کا ارادہ کیا تو ان شرکت کرنے والوں کے لیے کافی ہوگا یہ ہمارے تینوں اصحاب کا قول ہے، اسی طرح اگر ان شرکت کرنے والوں میں کسی نے پہلے سے پیدا شدہ بچہ کے عقیقہ کا ارادہ کیا (تو بھی درست ہے۔)

❁❁❁

گاؤں میں عید کی نماز سے پہلے قربانی

سوال نمبر (334):

ایسے دیہات جہاں عید وجمعہ کی نماز کی شرائط نہ ہونے کی وجہ سے درست نہ ہو تو وہاں کے لوگوں کی قربانی عید کی نماز سے پہلے یعنی طلوع فجر کے بعد درست ہوگی یا نہیں؟ بینوا تؤجروا

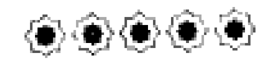
الجواب وباللّٰه التوفيق:

اگر کسی دیہات میں بڑے گاؤں کی وہ شرائط موجود نہ ہوں جن کی بنا پر جمعہ وعیدین کی نماز درست ہوتی ہے تو وہاں کے لوگوں پر جمعہ وعیدین کی نماز واجب نہیں، اور جہاں عید کی نماز نہ پڑھی جاتی ہو، وہاں کے رہائشی عید کی نماز سے پہلے بھی قربانی کر سکتے ہیں، البتہ شہر والوں کے لیے عید کی نماز سے پہلے قربانی کرنا جائز نہیں۔

والدّليل علىٰ ذلك:

وقت الأضحية يدخل بطلوع الفجر من يوم النحر إلا أنه لا يجوز لأهل الأمصار الذبح حتىٰ يصلي الإمام العيد، فأما أهل السواد فيذبحون بعد الفجر.(۱)

ترجمہ: قربانی کے دن قربانی کا وقت فجر طلوع ہونے کے بعد شروع ہوتا ہے۔ البتہ شہر والوں کے لیے عید کی نماز سے پہلے قربانی کرنا جائز نہیں، البتہ دیہات والے فجر کے بعد قربانی کر سکتے ہیں۔



(۱) الهداية، كتاب الأضحية: ۴/ ۴۴۵

كتاب القسمة

(مباحثِ ابتدائیہ)

تعارف اور حکمتِ مشروعیت:

مشترکہ تجارت، لین دین، میراث اور ہدیہ وصدقات میں اکثر کسی ایک چیز کی ذات یا منافع میں کئی افراد شریک ہوجاتے ہیں۔ یہ شرکت کبھی تو باہمی رضامندی سے ہوتی ہے اور کبھی شرکا کی رضامندی کے بغیر کسی شرعی، قانونی یا سماجی وعرفی مجبوری کے تحت اس کی ضرورت پڑ جاتی ہے۔ اس شرکت میں ایک مرحلہ آتا ہے جب شرکا کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ وہ مشترکہ چیز سے اپنا حصہ جدا کرلیں تاکہ وہ اپنی مرضی سے اس میں تصرف کرسکیں اور شریک کے تحفظات، اعتراضات اور ممکنہ بدخوئی سے نجات حاصل کرلیں، اسی لیے شریعتِ مطہرہ نے شرکا کے اس جائز تقاضے کا ادراک کرتے ہوئے تقسیم اور تعیینِ حصص کی اجازت دے کر اس کے لیے قواعد مقرر کردیے ہیں تاکہ ہر کسی کو اپنی ملکیت میں خودمختاری کا حق حاصل ہوجائے۔(۱)

لغوی تحقیق:

لغوی اعتبار سے قسمة کا معنی ہے ''حصہ اور نصیب''، تاہم یہ اقتسام یا تقسیم کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے، یعنی مشترک اجزا اور حصوں کو تقسیم کرنا قسمت کہلاتا ہے۔(۲)

اصطلاحی تعریف:

فقہا کی اصطلاح میں کسی معین چیز میں پھیلے ہوئے حصے کو یکجا کرنے کا نام قسمة ہے۔

هي جمع نصيب شائع في معين ".(۳)

مجلة الاحكام العدلية میں قسمة کی تعریف نسبتاً زیادہ واضح ہے:

"القسمة هي تعيين الحصة الشائعة يعني إفراز و تميز الحصص بعضها عن بعض

---

(۱) البحر الرائق، كتاب القسمة:۸/۲٦۷، درر الحكام، كتاب الشركة، الباب الثاني، الفصل الأول:۳/۹۸

(۲) الدر المختار مع رد المحتار مع الحاشية، كتاب القسمة:۹/۳٦۸، بدائع الصنائع، كتاب القسمة، فصل في بيان معنى القسمة:۹/۱٤۲

(۳) البحر الرائق، كتاب القسمة:۸/۲٦۷

بمقیاس مّا کالکیل والوزن والذراع".(۱)

کسی بھی پیمانے کیل، وزن یا گز وغیرہ کے ذریعے مشترک اور شائع حصوں میں سے کسی (ایک یا متعدد) حصے کی تعیین یا جدائی کا نام قسمت ہے۔

کتاب القسمۃ کی اصطلاحات:

(۱) قسمة......: مشترک حصوں میں سے کسی حصے کی تعیین یا جدائی۔

(۲) قاسم......: تقسیم کرنے والا شخص۔

(۳) مقسوم لہٗ......: وہ شخص جس کے مطالبے پر تقسیم کا فعل عمل میں لایا جائے۔

(٤) مقسوم ......: تقسیم کی جانے والی چیز یا زمین وغیرہ (۲)

قسمۃ یعنی تقسیم کی مشروعیت:

تقسیم کی مشروعیت قرآن، حدیث اور اجماع ہر ایک سے ثابت ہے۔قرآن کریم میں ہے:

﴿وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ﴾(۳)

ترجمہ: اور جب حاضر ہوں تقسیم کے وقت رشتہ دار اور یتیم اور محتاج تو ان کو اس میں سے کچھ حصہ دے دو۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿وَاعْلَمُوْا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ﴾(٤)

اور جان رکھو کہ جو کچھ تم کو غنیمت ملے کسی چیز سے سو اللہ کے واسطے ہے اس میں سے پانچواں حصہ۔

اسی طرح مجاہدین کے درمیان غنائم اور خیبر کی مفتوحہ زمین کی تقسیم بذاتِ خود رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے۔(۵)

اور عہدِ صحابہ سے لے کر آج تک اس کی مشروعیت پر امت کا توارث وتعامل اور اجماع واتفاق ہے۔(٦)

---

(۱) درر الحکام، مادۃ(۱۱۱٤)ص:۳/۹۹

(۲) ماخوذ أز بدائع الصنائع، کتاب القسمة:۹/۱٤۱۔۱۵۷

(۳) النساء:۸ (٤) الأنفال:٤۱

(۵) صحیح البخاري، کتاب المغازي، باب غزوة خیبر:۲/۶۰۷، مسند أحمد، رقم(۵۲٦٤):۲/۱٦۹

(٦) ردالمحتار، کتاب القسمة:۹/۳٦۸، الهداية، کتاب القسمة:٤/٤۱۱

سببِ قسمت:

اگر شرکا میں سے کوئی ایک یا سب کے سب تقسیم کا مطالبہ کردیں تو تقسیم کرنا واجب ہوجاتا ہے۔

قسمت کا رکن:

ہر وہ فعل جس سے شرکا کے حصوں میں جدائی یا تمیز ہوجائے، قسمۃ کا رکن ہے۔(۱)

قسمت کا حکم اور صفت:

تقسیم ہوجانے کے بعد ہر ایک حق دار اپنے اپنے حصے کا مستقل مالک بن جاتا ہے اور کسی اور شریک کا اس کے ساتھ تعلق مکمل طور پر ختم ہوجاتا ہے۔(۲)

شرکا میں سے کوئی ایک یا سب کے سب اگر تقسیم کا مطالبہ کردیں تو قاضی پر تقسیم واجب ہوجاتی ہے اور کسی بھی شریک کو تقسیم سے انکار کا حق حاصل نہیں بلکہ قاضی کو مطالبہ قسمۃ کے بعد انکار کرنے والوں پر جبر کا حق بھی حاصل ہے(۳)

قسمت کی حقیقت:

بنیادی طور پر تقسیم دو چیزوں سے مرکب ہے، ایک افراز اور دوسرا مبادلہ۔ افراز سے مراد شرکا کے حصوں کو ایک دوسرے سے علاحدہ اور ممتاز کردینا ہے، جب کہ مبادلہ کا معنی ایک دوسرے سے تبادلہ کرنا ہے، کیوں کہ اصل میں تقسیم کی جانے والی چیز کے ہر جز میں تمام شرکا کا حصہ ہوتا ہے۔ تقسیم کے ذریعے ہر فریق دوسرے فریق کے حصے میں اپنی ملکیت کا تبادلہ اس حصے سے کرتا ہے جو خود اسی کے لیے متعین ہوا ہے، یعنی مشترک حصوں میں سے اپنے شریک کے کچھ حصے لے کر ان کے بدلے اپنے حصے دے دیتا ہے۔

افراز عموماً مثلیات (مکیلات، موزونات اور ملتی جلتی عددی چیزوں) میں ہوتا ہے۔ اس میں صاحبِ حق کو بعینہ اپنا حق مل جاتا ہے، جب کہ مبادلہ غیر مثلی چیزوں (حیوانات، عروض وغیرہ) میں ہوتا ہے۔ افراز کے برعکس مبادلہ میں اپنے حق کا عوض لیا جاتا ہے۔(۴)

(۱) الدرالمختار، کتاب القسمة:۹/۳٦۸، البحر الرائق، کتاب القسمة:۸/۲٦۷ (۲) الدرالمختار، ۹/۳٦۹، دررالحکام، مادة(۱۱٦۲):۳/۱٦۸ (۳) البحر الرائق، کتاب القسمة:۸/۲٦۷، دررالحکام، کتاب الشرکة، الباب الثاني في بيان القسمة، الفصل الأول:۳/۹۸

(٤) الهداية، کتاب القسمة: ٤/٤١١، الدرالمختار مع ردالمحتار، کتاب القسمة:۹/۳٦۹

شرائطِ قسمت:

یہ شرائط چند قسم کی ہیں، جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

(۱)......فعلِ قسمت سے متعلق شرط:

فعل قسمت، یعنی تقسیم سے متعلق شرط یہ ہے کہ تقسیم کرنے سے تقسیم شدہ چیز کی وہ منفعت ختم نہ ہو جائے جو تقسیم سے قبل اس سے حاصل ہو رہی تھی، البتہ اگر تمام شرکا کی رضامندی سے ایسی تقسیم ہو جائے تو درست ہے۔(۱)

(۲)......تقسیم کرنے والے سے متعلق شرائط:

(۱)......تقسیم کرنے والا صاحب عقل ہو۔ بلوغ، مردانگی، اسلام اور آزادی شرط نہیں۔

(۲)......تقسیم کرنے والا یا تو تقسیم شدہ چیز کا مالک ہو اور شرکا باہمی رضامندی سے خود تقسیم کرنے والے ہوں یا اس کو تقسیم کرنے کی ولایت حاصل ہو۔ پھر ولایت کی دو قسمیں ہیں: ایک ولایتِ قضا اور دوسری ولایتِ قرابت۔ ولایتِ قضا کے لیے شرکا میں سے کسی ایک یا سب کا مطالبہ تقسیم ضروری ہے، جب کہ ولایتِ قرابت (بچے اور معتوہ، یعنی فاتر العقل شخص پر باپ یا وصی کی ولایت) میں طلب شرط نہیں۔(۲)

مذکورہ دونوں شرائط وجوبی ہیں، البتہ کچھ شرائط صرف استحبابی ہیں، جیسے: تقسیم کرنے والے کا عادل، امانت دار اور تقسیم کے اصولوں سے واقف ہونا مستحب ہے۔ یہ بھی مستحب ہے کہ وہ قاضی کی طرف سے مقرر کردہ ہو اور اس کا وظیفہ بیت المال سے ہو۔ اسی طرح یہ بھی مستحب ہے کہ وہ حتی الوسع تمام حصوں کو جدا کرلے اور کسی کا حق دوسرے کے ساتھ مشترک نہ چھوڑے تاکہ دوبارہ تقسیم کی نوبت نہ آئے اور حصوں کی تقسیم میں قرعہ اندازی سے کام لے تاکہ خود تہمت سے بچ جائے۔(۳)

تقسیم کرنے والے کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ تقسیم کرنے کے بعد تقسیم نامہ مرتب کرلے تاکہ حقوق کی حفاظت ہو سکے، پیمائش میں خوب مبالغہ اور احتیاط سے کام لے، ہر ایک کے لیے راستے اور پانی کے حصول کا ذریعہ بھی متعین کرے۔ اگر شرکا قرعہ کے بغیر تقسیم اور تعیین پر راضی ہوں تو قرعہ کی ضرورت نہیں۔ قاضی کو چونکہ جبری ولایت

---

(۱) الدرالمختار مع ردالمحتار، کتاب المزارعة:۸/۳۶۹

(۲) بدائع الصنائع، کتاب القسمة،فصل في شروط جواز القسمة:۹/۱۴۵،۱۴۶

(۳) بدائع الصنائع حواله بالا،الدرالمختار مع ردالمحتار، کتاب القسمة:۹/۲۷۱،۲۷۲

حاصل ہے، اس لیے وہ قرعہ ڈالنے کا پابند نہیں۔(۱)

مقسوم لہٗ سے متعلقہ شرائط:

(۱)......اگر شرکا خود تقسیم کرنا چاہتے ہوں تو ان میں سے ہر ایک کی رضامندی ضروری ہوگی، البتہ نابالغ بچے اور پاگل کی طرف سے اس کا ولی یا وصی قائم مقام بن سکتا ہے۔

(۲)......تمام شرکا بذاتِ خود یا اپنے وکیل اور قائم مقام کے ذریعے تقسیم کے وقت حاضر ہوں۔

(۳)......میراث کے طور پر کوئی عمارت، زمین یا گھر وغیرہ مل گیا ہو تو مورث کی موت اور ورثہ کی تعداد پر گواہ پیش کیے جائیں گے۔(۲)

تقسیم کی جانے والی چیز سے متعلق شرط:

تقسیم کے وقت تقسیم کی جانے والی چیز میں مقسوم لہٗ کی ملکیت ثابت ہو۔(۳)

تقسیم کرنے کی اجرت کس کے ذمے ہوگی؟

لوگوں کی سہولت اور خیانت سے حفاظت کی خاطر قاضی تقسیم کرنے والے کا وظیفہ بیت المال سے مقرر کرلے، البتہ اگر ایسا نہ ہو سکے اور تقسیم کی اجرت مالکانِ حصص سے وصول کی جائے تو امام ابوحنیفہؒ کے ہاں تمام حصہ دار برابر اجرت ادا کریں گے، اگرچہ ان کے حصوں میں تفاوت ہو، اس لیے کہ تقسیم کی مشقت تمام حصوں میں یکساں ہے۔ صاحبین کے ہاں شرکا کے حصوں کی نسبت سے اس کو اجرت ادا کرنی پڑے گی، تاہم اگر تقسیم شدہ چیز منقولی ہو اور کسی پیمانے یا وزن وغیرہ کے ذریعے تقسیم کی جارہی ہو تو اس صورت میں اجرت بقدرِ حصص ہوگی۔(۴)

کن افعال سے تقسیم لازم ہو جاتی ہے؟

چار امور ایسے ہیں جن کے ذریعے تقسیم ہو جانے کے بعد تقسیم لازم ہو جاتی ہے اور شرکا میں سے کسی کو رجوع کا حق باقی نہیں رہتا۔

---

(۱) البحر الرائق، کتاب القسمة:۸/۲۷۵،۲۷۶، الهداية، كتاب القسمة:٤/٤١٦

(۲) بدائع الصنائع، كتاب القسمة، فصل في مايرجع إلى المقسوم له:۹/۱۵۳_۱۵٦

(۳) بدائع الصنائع، كتاب القسمة، فصل في مايرجع إلى المقسوم:۹/۱۵۷

(٤) الهداية، كتاب القسمة:٤/٤١١،٤١٢، بدائع الصنائع، كتاب القسمة، فصل في شروط جواز القسمة: ۹/١٤٦،١٤٧

(۱) قرعہ اندازی کے ذریعے تقسیم ہو جائے یعنی حصوں کو برابر کرنے کے بعد تعیین قرعہ اندازی کے ذریعے کی جائے۔
(۲) قاضی یا اس کا مقرر کردہ قاسم خود ہی تقسیم کردے اور حصوں کی تعیین بھی خود کرے۔
(۳) شرکا باہمی رضامندی سے کسی کو قاسم بنادیں اور وہ تقسیم کرکے ہر ایک کو اپنے حصے پر قبضہ دے دے، تاہم اگر شرکا میں سے کوئی نابالغ بچہ بھی ہو تو اس صورت میں تقسیم لازم نہ ہوگی۔(۱)
(۴) شرکا خود اپنے حصے علیحدہ کرلیں اور باہمی رضامندی سے ان جداشدہ حصوں پر قبضہ کرلیں تو تقسیم لازم ہو جاتی ہے اور کسی کو بھی رجوع کا حق باقی نہیں رہتا، البتہ اگر تقسیم کی شرائط میں سے کوئی شرط مفقود ہو جائے تو ایسی صورت میں تقسیم سے کوئی بھی رجوع کرسکتا ہے۔(۲)

تقسیم کی مختلف صورتیں اور ان کے احکام:

تقسیم کی ابتداءً دو قسمیں ہیں: قسمۃِ جبر اور قسمۃِ رضا۔ قسمتِ جبر قاضی کے دائرہ اختیار میں ہوتا ہے، جب کہ قسمتِ رضا شرکا کی باہمی رضامندی کا معاملہ ہے۔ اصولی طور پر قسمۃ کی درج ذیل صورتیں بن سکتی ہیں:
(۱) مشترکہ چیز کی تبعیض اور تفریق سے کسی بھی شریک کو نقصان نہ ہو، جیسے کیلی، وزنی اور عددی متقارب اشیا ان اشیا میں قسمۃِ جبر اور قسمۃِ رضا دونوں جائز ہیں۔
(۲) اگر مشترکہ چیز کی تبعیض اور تفریق سے تمام شرکا کو نقصان ہو، جیسے: موتی، یاقوت، ایک کپڑا، زین، قوس، مصحف، جبہ، خیمہ، دیوار، حمام، چھوٹا کمرہ، چھوٹی دکان، چکی، حیوانات وغیرہ تو ان اشیا میں قسمۃِ جبر جائز نہیں، قسمۃِ رضا جائز ہے، یعنی اگر شرکا باہمی رضامندی سے تقسیم کرلیں تو کسی اور کو اعتراض کا حق نہیں۔
(۳) اگر نقصان کسی ایک طریق کا ہو اور دوسرے کا نہ ہو، مثلاً: کسی مشترکہ گھر میں ایک شریک کا حصہ کافی زیادہ ہو اور دوسرے کا بالکل کم اور زیادہ حصے والا کم حصے کے بغیر بھی فائدہ اُٹھا سکتا ہو، جب کہ کم حصے والا زیادہ حصے کے بغیر فائدہ نہ اُٹھا سکے تو اس صورت میں اگر زیادہ حصے والا تقسیم کا مطالبہ کردے تو قسمۃِ جبر اور قسمۃِ رضا دونوں جائز ہیں، البتہ اگر کم حصے والا مطالبہ کردے تو وہ اپنے نقصان کا مطالبہ کر رہا ہے، لہٰذا امام قدوری فرماتے ہیں کہ اس صورت میں قاضی (قسمۃِ جبر) کے طور پر تقسیم نہیں کرسکتا البتہ اگر دونوں باہمی رضامندی سے تقسیم (قسمۃِ رضا) کردیں تو درست ہے۔ یہ

---

(۱) الهداية، كتاب القسمة: ٤/ ٤١٢

(۲) درر الحكام، مادة (١١٥٦، ١١٥٧)، ص: ٣/ ١٦١، بدائع الصنائع، كتاب القسمة، فصل في صفات القسمة: ٩/ ١٦٥

تینوں صورتیں قسمۃِ تفریق کہلاتی ہیں۔(۱)

(۴) اگر مشترکہ چیز دو جنس سے ہو تو ایک فریق کو ایک جنس دینا اور دوسری فریق کو دوسری جنس دینا قاضی کے لیے بطور قسمۃِ جبر جائز نہیں، البتہ دونوں فریق قسمۃِ رضا کے طور پر ایسا کر سکتے ہیں۔(۲)

تقسیم میں کسی کو نقد رقم دینے کی شرعی حیثیت:

اگر مشترکہ چیز کی تقسیم عدل وانصاف کے تقاضوں کے مطابق ممکن ہو تو فریقین کی رضامندی کے بغیر کسی ایک فریق کو مشترکہ چیز اور دوسرے فریق کو دراہم ودنانیر دینا جائز نہیں، البتہ اگر قیمت لگانے کے بغیر تقسیم یا برابری ممکن نہ ہو تو پھر ایسی صورت میں مجبوراً کسی ایک فریق کو دراہم وغیرہ دیئے جا سکتے ہیں، اسی طرح اگر مشترکہ عمارت کئی منزلوں پر مشتمل ہو تو اس میں بھی تقسیم قیمت کے اعتبار سے کی جائے گی اور اسی پر فتویٰ ہے۔ موجودہ دور میں امام محمد رحمۃ اللہ کے اس مفتی بہ قول پر ہر اُس جگہ عمل کیا جا سکتا ہے جہاں مشترکہ زمین اور عمارت کے مختلف حصوں میں قیمت کے اعتبار بہت زیادہ فرق ہو۔(۳)

کن چیزوں سے تقسیم ٹوٹ جاتی ہے؟

(۱) تقسیم کے بعد پتہ چل جائے کہ مورث میت پر قرض باقی ہے اور اس کی ادائیگی کا کوئی دوسرا چارہ نہ ہو۔

(۲) کوئی اور وارث نکل آئے۔

ان دو صورتوں میں تقسیم ٹوٹ جائے گی اور صاحبِ حق کو اپنا حق دیا جائے گا، اس کے بعد اگر کچھ بچ جائے تو دوبارہ تقسیم کی جائے گی۔(۴)



(۱) بدائع الصنائع، كتاب القسمة، فصل في ما يرجع إلى المقسوم له: ۹/۱۴۸-۱۵۲، الهداية، كتاب القسمة: ۴/۴۱۴

(۲) حواله بالا

(۳) البحر الرائق، كتاب القسمة: ۸/۲۷۷-۲۷۹، الهداية، كتاب القسمة: ۴/۴۱۶

(۴) بدائع الصنائع، فصل في مايوجب نقض القسمة: ۹/۱۶۸-۱۷۰

فصل فی المهایاة

(منافع تقسیم کرنے کا مسئلہ)

مہایاۃ تھیو سے ماخوذ ہے۔جس کا معنیٰ ہے"تیار کرنا اور برابر کرنا" مہایاۃ میں بھی ہر شریک مشترکہ چیز کو اپنی اپنی باری پر ایک دوسرے کے نفع اُٹھانے کے لیے تیار کرتا ہے۔مہایاۃ کا دوسرا معنیٰ کسی معاملے کے بارے میں موافقت اور تراضی بھی ہے۔شریعت کی اصطلاح میں مہایاۃ منافع کی تقسیم یا باری باری کسی چیز سے فائدہ اُٹھانے کا نام ہے۔

چونکہ بعض دفعہ کسی چیز کی قطعی تقسیم دشوار یا ناممکن ہوتی ہے،اس لیے استحساناً تقسیم میں مہایاۃ کو جائز قرار دیا گیا ہے،یعنی جن اشیا میں تقسیم نہ ہو سکے،وہاں پر مہایاۃ تقسیم کے قائم مقام بن جاتی ہے۔

اس کی مشروعیت صالح علیہ السلام کے واقعے سے ہے جہاں ایک دن صالح علیہ السلام کی اونٹنی کے پینے کے لیے باری مقرر تھی اور ایک دن دوسرے لوگوں کے جانوروں کی باری ہوتی تھی۔

﴿لَهَا شِرْبٌ وَلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَعْلُومٍ﴾ (۱)

اسی طرح غزوہ بدر کے موقع پر آپ ﷺ نے تین آدمیوں کے حصے میں ایک اونٹنی رکھی تھی کہ وہ باری باری اس پر سوار ہوں،اسی لیے اس کے جائز ہونے پر امت کا اجماع ہے۔(۲)

مہایاۃ کی مختلف صورتیں اور ان کا حکم:

اگر کسی گھر کے بارے میں فریقین یہ طے کرلیں کہ ایک حصے میں ایک فریق رہے گا اور دوسرے میں دوسرا فریق یا ایک فریق نیچے رہے گا اور دوسرا فریق اوپر یا کچھ مدت تک ایک فریق رہے گا اور کچھ مدت تک دوسرا فریق تو یہ تمام صورتیں جائز ہیں۔مہایاۃ کی ان تمام صورتوں میں کوئی بھی فریق اپنے حصہ مکان کو اپنی باری میں کسی اور کو کرایہ پر دے کر اس سے نفع کما سکتا ہے۔

البتہ جانوروں کی سواری میں مہایاۃ سے متعلق امام صاحب کا قول یہ ہے کہ اس میں مہایاۃ جائز نہیں،اس لیے ہر سواری کرنے میں لوگوں کی عادات کافی مختلف ہوتی ہیں،تاہم صاحبین کے ہاں جانوروں کی سواری وغیرہ میں بھی یہ

---

(۱) الشعراء:۱۰۰

(۲) البحر الرائق،کتاب القسمة:۸/۲۸۵،الهداية،کتاب القسمة،فصل في المهاياة:۴/۴۲۱

صورت جائز ہے۔(۱)

مہایاۃ کا محل:

مہایاۃ صرف اور صرف منافع میں جائز ہے، اعیان میں نہیں، لہٰذا مشترک درختوں اور جانوروں میں کسی خاص درخت یا درخت یا جانور کا پھل اور دودھ استعمال کرنا مہایاۃ شمار نہیں ہوگا، اس لیے کہ پھل اور دودھ اعیان ہیں منافع نہیں۔(۲)

مہایاۃ کی شرط:

مہایاۃ کی صحت کے لیے شرط یہ ہے کہ فریقین کا مشترکہ چیز سے فائدہ اُٹھانے کے باوجود مشترکہ چیز اپنی جگہ صحیح حالت میں موجود ہو، یعنی اُس کی عین اور ذات برقرار رہے۔(۳)

مہایاۃ کا حکم:

اگر فریقین میں سے کوئی ایک منافع کی تقسیم کا مطالبہ کردے اور دوسرا خاموش رہے تو منافع کی تقسیم (مہایاۃ) واجب ہوگی، البتہ اگر دوسرا فریق منافع کی بجائے عین چیز کی تقسیم کا مطالبہ کردے تو قاضی کے ذمے مشترکہ چیز کو تقسیم کرنا واجب ہوگا، اس لیے کہ تقسیم اصل ہے اور مہایاۃ اس کی فرع ہے، لہٰذا منفعت کے حصول میں زیادہ مکمل ہونے کی وجہ سے تقسیم عمل میں لائے جائے گی۔ یہ بھی یاد رہے کہ مہایاۃ کسی ایک فریق کی موت سے باطل نہیں ہوگی، بلکہ برقرار رہے گی۔(۴)

❁❁❁❁❁

(۱) بدائع، فصل في قسمة المنافع: ۹/۱۷۱۔۱۷۳

(۲) بدائع الصنائع، فصل في محل المهاياة: ۹/۱۷۳

(۳) البحر الرائق، كتاب القسمة: ۸/۲۸۵

(۴) بدائع الصنائع، فصل في صفة المهاياة: ۹/۱۷٤، البحر الرائق حواله بالا

كتاب القسمة

(کسی مشترک چیز کو تقسیم کرنے کے مسائل)

آپس میں جائیداد وغیرہ کی تقسیم

سوال نمبر(335):

ہم دو بھائی ہیں۔سونے سے زیورات بنانے اور فروخت کرنے کا کاروبار کرتے ہیں۔اس کے علاوہ جائیداد میں مکانات، مارکیٹ، دکانیں اور زرعی زمین دونوں کا حصہ بحساب نصف نصف ہے۔میری ایک بیٹی شادی شدہ کے علاوہ تین بیٹے اور ہیں، جب کہ بھائی کے بھی تین بیٹے ہیں۔مسئلہ یہ درپیش ہے کہ ہمارے درمیان باہمی رضامندی سے کاروبار اور جائیداد اپنی اولاد کے نام ایسے طریقے سے تقسیم ہو جائے کہ آئندہ آپس میں ناراضگی اور کسی جھگڑے فساد وغیرہ کی فضا قائم نہ ہو۔میرا ایک بیٹا اس سال دینی مدرسہ سے فارغ ہوا ہے۔الحمدللہ۔اساتذہ کرام اور بزرگوں نے مشورہ دیا ہے کہ یہ تدریس کے علاوہ کسی کاروبار میں مشغول نہ ہو،اس لیے اس کے اخراجات کے لیے ہم نے مارکیٹ میں اچھی سی دکان کا انتخاب کیا کہ اس دکان کی آمدنی (کرایہ وغیرہ) اس کی ہوگی۔بقیہ جائیداد و کاروبار میں اپنے دوسرے بھائیوں کے ساتھ بدستور حصہ مساوی کا حق دار اور حصہ دار ہوگا اور بزرگوں کا منشا بھی یہی ہے۔

جائیداد کے بارے میں بھائی صاحب سے عرض کیا کہ آپ اپنی رائے لکھ کر دے دیں کہ کونسی دکان یا جائیداد کس کس کے نام کی جائے۔اب تک انہوں نے رائے نہیں دی ہے۔بس یہی کہا ہے کہ تقسیم ضروری ہے۔ہمارے جدا جدا رہائشی گھر ہیں۔کاروبار دو قسم کا ہے۔ایک کارخانہ زیور کا ہے اور ایک فروخت کرنے کا۔جب کہ اس کی نوعیت یہ ہے کہ نصف نصف علیحدہ کرنا ناممکن اور ناقابل تقسیم ہے،کیونکہ پھر سارے کاروبار ختم ہونے کا اندیشہ ہے۔مارکیٹ کی دکانوں کی تعداد پچیس ہے۔دکانوں کی نوعیت جدا جدا ہے۔بعض کی ماہانہ آمدنی آٹھ ہزار 8000 تا بارہ ہزار 12000 اور بعض کی پچاس ہزار 50,000 روپے بنتی ہے۔کاروبار میں ایک میرا بیٹا کام کرتا ہے اور ایک بھائی صاحب کا،باقی پڑھ رہے ہیں۔برائے مہربانی اس مسئلہ میں ہماری رہنمائی فرمائیں۔

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

مسئولہ صورت میں سب سے پہلے پورے مال اور جائیداد کی تقسیم دونوں بھائیوں میں شریعت کے اصول کے مطابق ہوگی۔ پھر ہر ایک بھائی کے حصہ میں جتنا کچھ آئے، وہ اسے اپنی اولاد میں اپنی صحت اور زندگی میں شرعی قوانین کے موافق بانٹنے کا مجاز ہے۔ اگر باپ عیال میں سے کسی کو کسی دینی فضیلت کی بنا پر زیادہ مال دے دے تو اس کا بھی اس کو شرعاً اختیار ہے، البتہ مال اور جائیداد کو ایسے انداز سے تقسیم کرنا چاہیے جس سے دوسروں کی حق تلفی نہ ہو۔ نیز آپس میں رضامندی اور خوشی کا اہتمام کرنا قابل توجہ بات ہے تاکہ دشمنی اور لڑائی جھگڑوں کی نوبت نہ آئے۔ اس کے علاوہ جو بیٹے اس کے ساتھ کاروبار میں کام کرتے ہیں، ان کی حاصل شدہ پوری آمدنی تمام مال و جائیداد میں شامل کر کے سب ورثا اور مستحقین میں ان کے حصص کے مطابق تقسیم کی جائے۔ اس میں دونوں صورتوں کی گنجائش ہے کہ لڑکے کو دو حصے اور لڑکی کو ایک حصہ دے دیا جائے یا ہبہ کا اعتبار کر کے بیٹی اور بیٹے میں تقسیم مساوی کی جائے۔

والدلیل علی ذلك:

ولو وهب رجل شيأ لأولاده في الصحة وأراد تفضيل البعض على البعض في ذلك لا رواية لهذا في الأصل عن أصحابنا، وروي عن أبي حنيفة رحمه الله تعالى أنه لابأس به إذا كان التفضيل لزيادة فضل له في الدين، وإن كانا سواء يكره، وروى المعلى عن أبي يوسف ؒ أنه لابأس به إذالم يقصد به الإضرار وإن قصد به الإضرار سوى بينهم يعطى الابنة مثل ما يعطى لِلابن، وعليه الفتوى، هكذا في فتاوى قاضيخان وهو المختار كذا في الظهيريه.........ولو كان الولد مشتغلا بألعلم لا بالكسب، فلا بأس بأن يفضله على غيره كذا في الملتقط .(۱)

ترجمہ: اور اگر کوئی شخص حالتِ صحت میں اپنی اولاد کے لیے کوئی چیز ہبہ کرے اور اس میں بعض کو بعض پر ترجیح دینا چاہے تو ہمارے اصحاب حنفیہؒ سے اس بارے میں الأصل میں کوئی روایت نہیں اور امام ابوحنیفہؒ سے مروی ہے کہ جب اس کو ترجیح دینا اس کی دینداری میں زیادتی کی وجہ سے ہو تو پھر اس میں کوئی قباحت نہیں اور اگر سب برابر ہوں تو پھر (ترجیحی سلوک) مکروہ ہے۔ اور معلی نے امام ابو یوسفؒ سے روایت کیا ہے کہ اگر وہ اس کے ساتھ (دوسروں کو) ضرر دینے کا قصد نہ کرے تو کوئی قباحت نہیں اور اگر اس کے ساتھ وہ ضرر دینے کا قصد کرے تو پھر ان کے درمیان برابری کرے گا (اور اس

(۱) الفتاوی الهندية، كتاب الهبة، الباب السادس في الهبة الصغير: ۳۹۱/٤

کی صورت یہ ہوگی) کہ بیٹی کو بیٹے کے برابر حصہ دے گا اور اسی پر فتویٰ ہے اور ظہیریہ میں ہے کہ اس طرح فتاویٰ قاضیخان میں بھی اس کو مختار قرار دیا گیا ہے۔ اور اگر بیٹا علم میں مصروف رہ کر کسب نہ کر سکے تو اس میں کوئی قباحت نہیں کہ دوسروں پر اس کو ترجیح دے دے۔ (یعنی مصروف بالعلم کو زیادہ حصہ دے دے)۔

زمین کی تقسیمِ اول پر ناراضگی ظاہر کرنا

سوال نمبر(336):

دو بھائیوں کے درمیان باہمی رضامندی سے ایک دفعہ زمین تقسیم ہوئی۔ تقریباً دس سال گزرنے کے بعد ان میں سے ایک نے اپنے معین حصہ میں کچھ آبادی بھی کی ہے۔ اب دوسرا بھائی کہتا ہے کہ یہ تقسیم مجھے نامنظور ہے۔ دوبارہ تقسیم کرتے ہیں۔ شریعت کی رُو سے دوبارہ تقسیم کی حیثیت واضح فرمائیں۔ بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

اگر مذکورہ زمین دونوں بھائیوں کے درمیان شریعت کے اصول کے مطابق تقسیم ہوئی ہو اور ہر ایک کو اس کے حق کے موافق حصہ ملا ہو تو پھر کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ اس تقسیم کو غلط قرار دے کر دوبارہ تقسیم کرائے، تاہم جہاں کہیں ایسی کمی یا زیادتی ہو جو ناقابلِ تحمل ہو تو پھر اس کی گنجائش ہے، لیکن مدت دراز تک اس تقسیم پر خاموش رہنا خاص کر جب ایک نے اپنے حصے پر تعمیر بھی کی ہے، یہ واضح ثبوت ہے کہ طرفین اس پہلی تقسیم پر راضی ہو چکے ہیں۔ رضامندی کے بعد دوبارہ تقسیم کا دعویٰ درست نہیں۔

والدّلیل علی ذلك:

إذا ظهر الغبن الفاحش في القسمة تفسخ، وتقسم ثانية قسمة عادلة .(۱)

ترجمہ: جب تقسیم میں غبن فاحش (زیادہ نقصان) ظاہر ہو تو یہ تقسیم ختم کر کے دوبارہ منصفانہ تقسیم کی جائے گی۔

قدیم تقسیم پر اعتراض کا ازالہ

سوال نمبر(337):

زید اور عمرو کے درمیان مشترک زمین تھی جس میں دونوں برابر حصہ دار تھے۔ ۱۹۵۵ء میں زید کے مطالبہ پر

(۱) شرح المجلة لسليم رستم باز،المادة / ۱۱۶۰، ص/ ۶٤۱

علاقہ کے مقتدر اور عادل شخص نے دونوں کے درمیان معروف طریقہ پر تقسیم کی جس کا طریقہ کار یہ تھا کہ زمین دو برابر حصوں میں بانٹ دی اور اس میں سے جو کمزور ہوتا اس کے بدلے دوسری جگہ زمین سے، مثلاً: دو کنال شامل کر دیتا اور زرخیز حصہ میں، مثلاً: ایک کنال شامل کر دیتا، لیکن یہ زیادتی غبن فاحش شمار نہ ہوتا تھا۔ پھر قرعہ اندازی سے ہر ایک کا حصہ متعین کر دیا۔ آج بھی یہی طریقہ تقسیم علاقہ بھر میں معروف ہے۔ اس پر زید نے چوالیس 44 سال بعد اعتراض کر کے اُسے غلط قرار دیا اور اب دوبارہ تقسیم کا مطالبہ کرتا ہے۔

شاید اعتراض کا منشأ یہ ہوگا کہ آج کل وہ کمزور زمین قیمت کے اعتبار سے زرخیز کے برابر یا اس سے زیادہ ہوگئی ہے۔ یاد رہے کہ دوران تقسیم زید خود موجود اور عاقل و بالغ تھا اور یہ سب کچھ رضامندی سے طے ہوا تھا۔ آج جب عمر وفات ہو چکا ہے تو زید نے اس کے ورثا سے دوبارہ تقسیم کا مطالبہ کیا۔ پوچھنا یہ ہے کہ کیا اول تقسیم درست ہے یا غلط؟ نیز دوبارہ تقسیم کا مطالبہ شرعاً کیسا ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

زمین اور دیگر معاملات جن کا تعلق حقوق العباد سے ہو، کے تنازع کے تصفیہ کے لیے کی جانی والی تقسیم صرف اسی صورت میں ہی قابل تردید ہوگی جب اس تقسیم میں کسی جانب غبن فاحش یعنی کھلی زیادتی کا ارتکاب ہو چکا ہو۔ ایسا ہونے کی صورت میں زمین کی تقسیم کا فیصلہ ازسر نو کیا جا سکتا ہے، لیکن اگر تقسیم میں کسی قسم کا غبن فاحش نہ ہو یا غبن فاحش کے ہوتے ہوئے بھی اس مجلس میں کوئی فریق رضامندی کا اظہار کر چکا تو بعد میں اعتراض کرنے کا اسے کوئی حق حاصل نہ ہوگا۔ محررہ حالات کی روشنی میں تقسیم وقت کے مطابق منصفانہ تھی، مدت دراز کے بعد اس کو چھیڑنا درست نہیں۔

والدلیل علی ذلک:

متی سحبت القرعة تماماً تمت القسمة . بعد تمام القسمة لا یسوغ الرجوع عنها.(۱)

ترجمہ:

(دوران تقسیم) قرعہ ڈالنے کا عمل جب پوری طرح مکمل ہو جائے تو اس کے ساتھ تقسیم پوری ہو جاتی ہے۔ تقسیم تام ہونے کے بعد اس سے رجوع کی گنجائش نہیں۔

(۱) شرح المجلة لسلیم رستم باز، المادة /۱۱۵٦، ص/ ٦٤٠

إذا ظهر الغبن الفاحش في القسمة تفسخ، وتقسم ثانية قسمة عادلة .(١)

ترجمہ:

جب تقسیم میں غبن فاحش (کوئی بڑا نقصان) ظاہر ہو تو یہ تقسیم ختم کر کے دوبارہ منصفانہ تقسیم کی جائے گی۔

❁❁❁

مشترکہ جائیداد کی تقسیم

سوال نمبر(338):

دس مرلہ زمین چار بھائیوں ''الف، ب، ج، ڈ'' کی مشترکہ ملکیت ہے۔ جن میں ''ج'' اور ''ڈ'' نے دو مرلہ زمین فروخت کی ہے۔ باقی آٹھ مرلہ کی تفصیل یہ ہے کہ چار مرلہ زمین پر چار کمرے آباد ہیں، جب کہ چار مرلے غیر آباد ہیں۔

اب ''ج'' اور ''ڈ''، ''ب'' اور ''الف'' سے کہتے ہیں کہ تم دونوں کا ان چار کمروں اور غیر آباد چار مرلوں میں کوئی حق نہیں، جب کہ ''ب'' ان چار کمروں میں سے اپنی والدہ کے ہمراہ ایک کمرہ میں رہ رہا ہے (اور والدہ صاحبہ مذکورہ آٹھ مرلوں میں حق رکھتی ہے)؟

قرآن وسنت اور فقہی تشریحات کی روشنی میں مسئولہ صورت کا جواب فرمائیں کہ یہ مشترکہ غیر منقولہ جائیداد کس طرح تقسیم ہوگی۔ واضح رہے کہ ہمارے والد صاحب بھی زندہ ہیں۔

بینوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

واضح رہے کہ درج بالا بیان سے شرکت کے کسی خاص نتیجہ پر پہنچنا مشکل ہے، تاہم والدین کی حیات کے تذکرے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس میں کوئی ایسی شرکت نہیں جو وراثت میں ہوتی ہے جس کو شرکت فی الملک کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اولاد اور والدین کے درمیان شرکت نہیں ہوتی، بلکہ جملہ جائیداد والد کی ملکیت متصور ہوتی ہے اور والد کی زندگی میں اس کی جائیداد میں اولاد کے لیے کسی حق کے دعویٰ کا استحقاق نہیں، تاہم اگر بھائیوں نے مل کر اپنی ذاتی رقم سے یہ زمین خریدی ہو تو پھر اس میں ہر شریک کو دوسرے شرکا کی اجازت کے بغیر تصرف کا کوئی حق حاصل

---

(١) شرح المجلة لسليم رستم باز، المادة/ ١١٦٠، ص/ ٦٤١

نہیں۔

ایسی صورت میں علاقہ بھر میں تقسیم کا جو معروف طریقہ کار رائج ہوگا، اس کے مطابق ہر شریک کو اس کے حصۂ شرکت کے بقدر حصہ دے دیا جائے گا۔ یہ واضح رہے کہ بلاوجہ شرعی کسی کے حق سے انکار شرعاً حرام اور ناجائز ہے۔

والدّلیل علی ذلك:

لأحد أصحاب الحصص التصرف مستقلا في الملك المشترك بإذن الآخر، لكن لايجوز له أن يتصرف تصرفاًمضراً بالشريك .(١)

ترجمہ: مشترک ملکیت میں ہر حصہ دار کو دوسرے کی اجازت پر مستقل تصرف کرنے کا حق حاصل ہے، لیکن شریک (حصہ دار) کے لیے ایسا تصرف کرنا جائز نہیں جس سے اس کے شریکِ آخر کو ضرر و نقصان ہو۔

❁❁❁

چراگاہ کی تقسیم

سوال نمبر(339):

شریعت کی رُو سے چراگاہ کی تقسیم کا کیا حکم ہے؟ اور اس میں شریک ہونے کے لیے کتنا فاصلہ معتبر ہے؟ اگر ایک آدمی کی زمین چراگاہ کے قریب، مگر گھر دور ہو تو کیا اس کو اس میں حق حاصل ہوگا؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

جس چیز کا تعلق مفادِ عامہ سے ہو، اصولاً اس کی تقسیم جائز نہیں ہوتی، جیسا کہ ''چراگاہ''۔ کیوں کہ اس کے ساتھ تمام گاؤں والوں کے منافع وابستہ ہوتے رہتے ہیں۔ باقی چراگاہ جس گاؤں کے قرب میں واقع ہو، اسی کے مقامی باشندگان کے مابین مشترک رہے گی اور انہی لوگوں کو اس سے فائدہ اُٹھانے کا حق حاصل ہوگا۔ اور یہ شرکۃ الاباحۃ (جس میں تمام لوگ شریک ہوں) کے زمرہ میں آتا ہے۔

---

(١) شرح المجلة لسليم رستم باز، المادة /١٠٧١، ص/٦٠٠

والدليل على ذلك:

الأراضي القريبة من العمران تترك للأهالي مرعى وبيدراً أو محتطبا، ويقال لها الأراضي المتروكة، وهذه الأراضي لا يجوز إحياؤها لتحقق حاجة الأهالي إليها تحقيقاً أو تقديرا، فصار كالنهر والطريق. (۱)

ترجمہ:

آبادی کے قریب جو زمینیں چراگاہ، غلہ کی کھلیان یا ایندھن جمع کرنے کے واسطے چھوڑ دی گئی ہوں، اور ان کو اراضی متروکہ کہتے ہیں، کسی ایک شخص کے لیے ان اراضی کا احیا جائز نہیں، کیوں کہ یہاں کے باشندگان کو تحقیقی یا تقدیری طور پر اس کی ضرورت پڑتی ہے، لہذا یہ نہر اور راستہ کی طرح ہے۔

❁❁❁

اموالِ مشترکہ کی تقسیم کے بعد غیر متوقع مال کا ملنا

سوال نمبر (340):

چار بھائی آپس میں شریک تھے، ان میں سے ایک کویت چل کر عراق پر حملے کے دنوں میں واپس آیا۔ کچھ عرصہ بعد جب وہ دوبارہ چلا گیا تو حکومت کی طرف سے اعلان ہوا کہ حملے سے جو نقصان ہوا ہے، فارم میں اس کی تفصیل لکھ کر حکومت کے حوالہ کردیں۔ امداد کی جائے گی۔ اس شخص نے بھی فارم بھر دیا، لیکن اس وقت کچھ نہیں ملا۔ چنانچہ واپس گھر آ گیا۔ یہ ۱۹۹۲ء کا واقعہ ہے۔ ۱۹۹۷ء میں تمام بھائی خوشی سے جدا ہو گئے اور اپنے اموال تقسیم کیے۔ ۱۹۹۹ء میں کویت حکومت کی طرف سے وہ رقم مل گئی۔ کیا اب یہ رقم چاروں بھائیوں میں تقسیم ہوگی یا صرف اُسی بھائی کی ہوگی؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

اگر بھائیوں کا آپس میں شرکت کا نہ کوئی معاہدہ ہوا ہو اور نہ ہی کسی مورث کی جائیداد متروکہ میں مشترکہ تصرفات

(۱) شرح المجلة لسليم رستم باز، الكتاب العاشر في انواع الشركات، المادة: ۱۲۷۱۔ ص/۶۸۸

ہوں تو ایسی صورت میں وہ کویت والا بھائی پوری رقم کا حق دار ہوگا، کیوں کہ صرف ایک گھر میں رہنے سے یا آمدنی والے بھائی کا ازروئے تبرع واحسان دوسرے بھائیوں کے اخراجات برداشت کرنے سے شرکت کا ثبوت نہیں ہوتا اور اگر ان بھائیوں کا آپس میں باقاعدہ شرکت کا معاہدہ ہوا ہو یا کسی مورث کی جائیداد متروکہ میں مشترکہ تصرفات ہوں، پھر بھی چونکہ تقسیم کے وقت ذکر کردہ رقم موجود نہیں تھی اور نہ اس کا ملنا یقینی تھا۔ اس وجہ سے اس کا حق دار بظاہر وہی کویت والا بھائی ہوگا، تاہم اگر وہ ازروئے تبرع واحسان اس رقم میں دوسرے بھائیوں کو بھی شریک کردے تو یہ مستحسن ہوگا۔

والدليل على ذلك:

شرط المقسوم أن يكون ملك الشركاء حين القسمة .(١)

ترجمہ:

تقسیم کی جانی والی چیز کے لیے شرط یہ ہے کہ تقسیم کے وقت وہ شرکا کی ملکیت میں ہو۔

❁❁❁

کسی شریک کی اجازت کے بغیر تقسیم کرنا

سوال نمبر(341):

ہم پانچ بھائیوں کے درمیان فیصلہ طے ہوا، البتہ بھائی الف ابوظہبی میں ہونے کی وجہ سے موجود نہ تھا۔ لہٰذا ''ب'' خود ذمہ دار بن کر فیصلہ میں شریک رہا۔ واضح رہے کہ الف نے اس (ب) کو کسی قسم کی اجازت نہیں دی تھی، بلکہ وہ اس معاملہ سے بالکل بے خبر تھا۔ ہمارے (ج، د، ش) کے مابین فیصلہ طے ہو کر دستخط ثبت ہوئے اور حَکَم (ثالث) نے بھی کیے۔ فیصلہ میں ''ذ'' کو چار جریب زمین اور ایک ہوٹل بڑے بھائی ہونے کی حیثیت سے دیا گیا اور یہ فیصلہ ''ذ'' نے خود ہی توڑ کر کہا کہ کنویں اور حجرہ میں کسی کو حصہ نہیں دیتا ہوں اور زمین کی تقسیم بھی میری مرضی کے مطابق ہوگی۔ بہر حال ''ذ'' نے اس فیصلہ کی تمام باتوں سے انکار کیا اور اسی طرح جب بھائی ''الف'' مطلع ہوا تو اس نے کہا کہ یہ فیصلہ مجھے بھی منظور نہیں، اس میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

بيّنوا تؤجروا

---

(١) شرح المجلة لسليم رستم باز،المادة /١١٢٥،ص/٦٢٢

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

مشترکہ جائیداد میں تقسیم شرکا کی باہمی رضامندی سے ہوتی ہے، چند شرکا کی باہمی تقسیم دوسرے ان شرکا پر لازم نہیں جو اصالتاً یا وکالتاً موجود نہ ہوں، ایسی تقسیم فضولی کے حکم میں ہو کر ان کی اجازت پر موقوف ہوگی۔

مذکورہ صورت میں تمام بھائیوں کی رضامندی ایک ضروری امر ہے۔ رضامندی کے بغیر کی جانی والی تقسیم شرعاً معتبر نہیں، کیونکہ تقسیم جبراً نہیں منوائی جاسکتی۔

والدّلیل علی ذلک:

قسمة الفضولي موقوفة على الإجازة قولاً أوفعلاً .(١)

ترجمہ: فضولی کی تقسیم قولی یا فعلی، اجازت پر موقوف ہے۔

❁❁❁

تقسیم کے بعد ایک اور راستے کا مطالبہ کرنا

سوال نمبر(342):

دو بھائیوں "الف" اور "ب" نے اپنی مشترکہ پوری زمین کی تقسیم شرقاً غرباً کی ہے۔ اب "الف"، "ب" سے زیرکاشت اور آباد زمین میں شمالاً جنوباً راستہ کا مطالبہ کرتا ہے، اگرچہ الف کی زمین کے لیے مشرق ومغرب کی طرف راستہ پہلے سے موجود ہے۔ اس کے مطالبہ کا شرعاً کیا حکم ہے؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

زمین اور دوسری جائیداد ومکان وغیرہ کی تقسیم میں تمام شرعی اصول کا لحاظ رکھنا ایک ضروری امر ہے۔ یہ بھی لحاظ رکھنا لازم ہے کہ تقسیم میں سب شرکا کے حصوں کے لیے راستوں کا تعین ہو۔ اور جب ایک مرتبہ انصاف سے تقسیم ہوجائے تو بعد میں کسی کو مطالبات کا حق نہیں رہتا۔

مسئولہ صورت میں اگر واقعی الف کی زمین کے لیے شرقاً غرباً راستہ متعین موجود ہے تو یہ تقسیم شریعت کی رو سے تام ہوگئی ہے، جس کے بعد شمالاً جنوباً راستے کا مطالبہ کرنا درست نہیں۔

---

(١) شرح المجلة لسليم رستم باز، المادة/١١٢٦، ص/٦٢٣

والدليل على ذلك:

كل واحد من الشركاء يصبح بعد القسمة مالكا لحصته بالاستقلال، ولا يبقى لأحدهم علاقة في حصة الآخر. (۱)

ترجمہ: تقسیم کے بعد شرکا میں سے ہر ایک اپنے حصے کا مستقل طور پر مالک بن جاتا ہے اور ان میں سے کسی کے لیے دوسرے کے حصہ کے ساتھ کوئی تعلق باقی نہیں رہے گا۔

❁❁❁

چچا اور بھتیجوں کی شرکت

سوال نمبر (343):

ہم چار بھائی برسرِ روزگار ہیں۔ آج سے تقریباً تیس ۳۰ برس پہلے جب والد صاحب فوت ہوئے تو ان کی وفات کے بعد والدہ کا نکاح چچا صاحب سے ہوا جو اس وقت غیر شادی شدہ تھے اور بعد میں انہوں نے دوسری شادی بھی نہیں کی۔ اب اس کے اپنے تین بیٹے ہیں اور ہماری والدہ بھی اب تک حیات ہے جو کہ خاوند (چچا صاحب) کے ساتھ رہ رہی ہے اور ہم سب بھائی الگ الگ ہیں۔ ہمیں وراثت میں باپ دادا سے کوئی جائیداد نہیں ملی۔ اس دوران جب کہ ہم سب بھائی اور چچا اکٹھے تھے۔ ہمارا سب کچھ مشترک تھا۔ اس وقت ہم نے مشترکہ طور پر پینتیس مرلہ زمین خریدی جو تین مختلف مقامات پر واقع ہے جب ہم یہ زمین خرید رہے تھے تو ہمارے ماں شریک بھائی بالکل چھوٹے تھے اور کام وغیرہ کے قابل نہ تھے، یعنی 35 مرلہ زمین خالصتاً ہم نے (اپنے بھائیوں) اور چچا صاحب کی محنت مزدوری سے خریدی۔ یہاں تک کہ ہم میں سے تین بھائیوں نے بیویوں سے زیورات بھی بیچے تھے۔ قرآن وحدیث کی روشنی میں اس پینتیس مرلہ زمین کی تقسیم کتنے حصوں میں ہوگی؟ کیا اس میں ہمارے ماں شریک بھائیوں کا حق بنتا ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

شرعی نقطہ نظر سے اموال مشترکہ یا املاک مشترکہ کی تقسیم میں حصہ دار بننے کے لیے بنیادی شرط یہ ہے کہ تقسیم کے وقت اُس مشترکہ چیز میں ملکیت ثابت ہو۔ ورنہ غیر مالک کا تقسیم میں کوئی حصہ نہیں بنتا۔

---

(۱) شرح المجلة لسليم رستم باز، المادة/۱۱۶۲، ص/۶۴۳

مسئولہ صورت میں سائل کے ذکر کردہ بیان کے مطابق اگر واقعی بھائیوں اور چچا نے خالص اپنی مالیت اور محنت سے مذکورہ زمین خریدی ہو تو تقسیم کے وقت ماں شریک بھائیوں کو شرعاً مستقل حصہ نہیں دیا جائے گا بلکہ وہ والد کے معاون متصور ہوں گے۔

والدلیل علی ذالک:

ومنها: الملك والولاية، فلا تجوز القسمة بدونهما أما الملك فالمعنى به أن يكون القاسم مالكاً، فيقسم الشركآء بالتراضي .(۱)

ترجمہ: اوران شرائط میں سے ملک (مالک ہونا) اورولایت (تصرف کا حقدار ہونا) ہے، اس لیے ان دونوں کے بغیر تقسیم جائز نہیں، ملک سے مراد یہ ہے کہ تقسیم میں حصہ لینے والا مالک ہو، پس شرکا باہمی رضامندی کے ساتھ تقسیم کریں گے

شرط المقسوم أن يكون ملك الشركاء حين القسمة .(۲)

ترجمہ: تقسیم کی جانی والی چیز کے لیے [illegible] ہے کہ وہ تقسیم کے وقت شرکا کی ملکیت میں ہو۔

تقسیم میں شبہ ربا سے احتراز کرنا

سوال نمبر(344):

ہمارے علاقے میں لوگ اپنی زمین کاشتکاروں کو ربع پر دیتے ہیں یعنی پیداوار کے تین حصے اپنے لیے مقرر کرتے ہیں، جب کہ ایک حصہ کاشتکار کے لیے مقرر کرتے ہیں۔ حسب معمول اس سال مکئی کی فصل تیار ہونے کے بعد چھلی کی تقسیم بوریوں کے حساب سے ہوئی تو علاقہ کے علمائے کرام کا آپس میں یہ اختلاف ہوا کہ بعض نے اس تقسیم کو شبہ ربا قرار دیا جب کہ بعض علمائے کرام اس کو درست قرار دیتے ہیں۔ برائے مہربانی مسئلہ کی وضاحت فرمائیں۔

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

اس میں شک نہیں کہ تقسیم بھی ایک قسم کی بیع ہے، کیوں کہ جس طرح تقسیم میں افراز اور تمیز ہے، اسی طرح اس

(۱) بدائع الصنائع، کتاب القسمة، فصل فی شروط جوازالقسمة :۹/۱۴۵

(۲) شرح المجلة لسليم رستم باز، المادة /۱۱۲۵، ص/۶۲۲

میں معاوضہ اور مبادلہ کا معنی بھی پایا جاتا ہے، لہٰذا جس طرح اموال ربویہ میں بیع کے اندر مجازفتاً (اٹکل) معاوضہ اور مبادلہ جائز نہیں، اس طرح اموال ربویہ کی تقسیم بھی مجازفتاً جائز نہیں رہتی۔ ہاں اگر تقسیم مجازفتاً نہ ہو، بلکہ کیل اور پیمانے کے ساتھ ہو تو چونکہ اس صورت میں احتمال ربو باقی نہیں رہتا، اس لیے اس قسم کی تقسیم جائز ہوگی۔

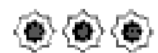
مسئولہ صورت میں مکئی کی تقسیم جو مالکِ زمین اور کاشتکار کے درمیان چھلی کی صورت میں بوری کے ساتھ کی جاتی ہے، یہ مذکورہ بالا تشریح کی رُو سے ناجائز ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ بوری نہ کیل ہے اور نہ وزن، بلکہ کمی بیشی کا حامل ایک مبہم پیمانہ ہے، لہٰذا یہ اٹکل تقسیم کے زمرے میں آنے کی وجہ سے ناجائز رہے گی۔

اگرچہ اس صورت میں کمی بیشی یقینی نہیں بلکہ اُس کا صرف احتمال ہے، لیکن شبہ اور احتمال، باب ربا میں حکم کے اعتبار سے حقیقت ربا کی طرح مانا گیا ہے، اس لیے شبہ ربا کا پایا جانا ہی عدم جواز کے لیے کافی ہوگا۔ اس معاملہ میں درست اور متبادل جائز صورت یہ ہوگی کہ مکئی کی چھلی تھریشر کرانے کے بعد اس کے دانے کسی متعین پیمانہ یا وزن کے ساتھ آپس میں تقسیم کر دیے جائیں۔

والدلیل علی ذلک:

قال في زرع مشترك بين رجلين في أرض مملوكة لهما، فأراد قسمة الزرع دون ا[illegible]، وقد سنبل الزرع أنه لاتجوز قسمته؛لأن قسمته بطريق المجازفة، ولا تجوز المعاوضة بطريق المجا[illegible]ة في الأموال الربوية، وكذا لو أوصى بصوف على ظهر غنم لرجلين،أو أوصى باللبن في الضرع لهما، لم ـ قسمته قبل الجز والحلب ؛لأن الصوف واللبن من الأموال الربوية، فلا يحتملان القسمة مجازفة.(۱)

ترجمہ: فرمایا ہے کہ دو آدمیوں کی اپنی مملوکہ زمین میں فصل مشترک ہے۔ یہ زمین کے علاوہ صرف فصل کی تقسیم کا ارادہ کریں اس حال میں کہ فصل نے بالی نکالی ہو تو اس کی تقسیم جائز نہیں، کیوں کہ یہ تقسیم اٹکل طریقہ سے ہے اور اموال ربویہ میں اٹکل سے معاوضہ جائز نہیں۔ اس طرح اگر کوئی دو آدمیوں کے لیے بکری کی پیٹھ پر موجود اُون یا اس کے تھنوں میں موجود دودھ کی وصیت کرے تو اون کو کاٹنے اور دودھ کو دوہنے سے پہلے اس کی تقسیم جائز نہیں، کیوں کہ اون اور دودھ اموال ربویہ میں سے ہیں، لہٰذا ان دونوں میں اٹکل سے تقسیم درست نہیں۔



(۱) بدائع الصنائع، کتاب القسمة، فصل فی بیان معنی القسمة: ۹/۱٤٤

بیٹے کی اجازت کے بغیر اس کی مملوکہ جائیداد کی تقسیم

سوال نمبر(345):

زید نے ۱۹۸۹ء میں دو جریب اراضی خریدی، اس کے بعد وہ Foreign چلا گیا اور زمین کی قیمت ادا کرنے کے لیے تمام روپے وہاں سے بھیج کر ادا کیے۔ زید کے والد نے ایک چچازاد اور پانچ بھائیوں کو میری زمین سے دس دس مرلے حوالہ کردیے۔ کئی بار مطالبہ کیا مگر واپس نہیں کرتے۔ قرآن وسنت کی روشنی میں مسئلہ کی وضاحت فرمائیں؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

فقہائے کرام کی تصریحات کے مطابق جب باپ بیٹے کا کسب اکٹھا نہ ہو اور بیٹا باپ کے عیال میں سے بھی نہ ہو تو بیٹے کے اپنے کسب سے حاصل شدہ آمدنی اس کی اپنی ملکیت متصور ہوتی ہے۔ باپ اس کے ساتھ کسی چیز میں شریک نہیں ہوتا، لہٰذا باپ کو یہ اختیار حاصل نہیں کہ وہ بیٹے کی اجازت کے بغیر اس کی ملک میں کسی قسم کا تصرف کرے، بصورت دیگر باپ پر ضمان (تاوان) لازم ہوگا۔

مسئولہ صورت میں سائل کے بیان کے مطابق جب اس نے خود دو جریب زمین خرید کر اس کی قیمت کی ادائیگی بھی خود کی تو باپ کو یہ اختیار نہیں کہ وہ زید کے بھائیوں میں اس کی اجازت کے بغیر یہ زمین تقسیم کرے۔ اگر باپ نے اس طرح کیا ہے تو بیٹے کو (جو کہ اصل مالک ہے) اس زمین کے مطالبے کا حق حاصل ہے، اور دیگر بیٹوں پر یہ لازم ہے کہ وہ اپنے بھائی کی جائیداد کو اس کے حوالہ کریں تاکہ عنداللہ باپ کا ذمہ بھی فارغ ہو جائے، البتہ اگر بیٹے نے باپ کو اس زمین کا مالک بنایا ہو تو پھر باپ کا مذکورہ تصرف جائز رہے گا۔

والدّلیل علی ذلک:

ومنها أن يكون مملوكا للواهب، فلا تجوز هبة مال الغير بغير إذنه لاستحالة تمليك ماليس بمملوك للواهب .(۱)

ترجمہ: ہبہ کی شرائط میں سے یہ ہے کہ موہوبہ چیز واہب کی ملک ہو، لہٰذا کسی غیر کا مال اس کی اجازت کے بغیر ہبہ کرنا جائز نہیں، کیوں کہ جو چیز واہب کی ملک میں نہ ہو، دوسرے کو اس کا مالک بنانا محال ہے۔

(۱) الفتاوی الهندیة، کتاب الهبة، الباب الاول :۳۷٤/٤

لقطہ کی وجہ تسمیہ:

''لقط'' کا معنی ہے ''کسی چیز کو اُٹھانا''، چونکہ اس طرح پھینکی ہوئی یا گری ہوئی چیز عموماً اُٹھائی جاتی ہے، اس لیے انجام اور مستقبل کے اعتبار سے اس کو لقطہ کہا گیا۔(۱)

لقطہ کی قسمیں:

لقطہ چونکہ اس مال کا نام ہے جس کے ضیاع کا اندیشہ اس لیے ہو کہ اس کا مالک معلوم نہیں، اس لیے یہ حیوان بھی ہوسکتا ہے اور غیر حیوان بھی۔ان کے اکثر احکام یکساں ہیں، البتہ جانور پر ہونے والے خرچ کا الگ حکم آگے ذکر ہوگا۔(۲)

لقطہ کی شرائط:

(۱) مال محترم ہو، لہٰذا شراب اور لڑنے والے کافر کا مال لقطہ نہیں۔

(۲) محل غیر مملوک میں ہو، لہٰذا کسی کی مملوکہ زمین میں کسی چیز کو پالینا لقطہ نہیں۔

(۳) اس کا مالک معلوم نہ ہو۔(۳)

لقطہ اور لقیط میں فرق:

لقیط اس بچے کو کہتے ہیں جس کو کسی نے فقر وفاقہ یا زنا کی تہمت کے ڈر سے راستے میں پھینک دیا ہو۔

باہمی فرق: لقطہ عام ہے چاہے مال ہو، کوئی جانور وغیرہ ہو یا کوئی اور سامان ہو، جب کہ لقیط صرف بچے یا بچی کے ساتھ خاص ہے۔ان دونوں کے احکام میں بھی فرق موجود ہے۔(۴)

لقطہ سے ملتی جلتی چند دوسری چیزوں کے نام اور احکام:

(۱) کنز: ...... وہ مال جس کو انسان نے زمین میں دفنا دیا ہو، لیکن اس کا مالک (دفن کرنے والا) معلوم نہ ہو۔(۵)

---

(۱) بدائع الصنائع، كتاب اللقطة، باب في أموال اللقطة: ۳۱۷/۸

(۲) أيضاً

(۳) المجموع شرح المهذب، كتاب اللقطة: ۴/۱۷

(۴) بدائع الصنائع، كتاب اللقطة، فصل في أموال اللقطة: ۳۱۷/۸

(۵) الموسوعة الفقهية، مادة لقطة: ۲۹۵/۳۵

(۲) معدن......: وہ مال ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے زمین کی تخلیق کے وقت ہی زمین میں پیدا کر دیا ہو۔

(۳) رکاز......: شریعت کی اصطلاح میں رکاز ہر اس مال کا نام ہے جو سطح زمین کے اندر سے حاصل ہو جائے، چاہے اس کو ابتدا ہی سے زمین کے اندر اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہو یا کسی انسان نے اس کو دفن کیا ہو۔

رکاز کا اطلاق کنز اور معدن دونوں پر ہوتا ہے، البتہ کنز پر اطلاق مجازا ہے۔ حنفیہ کے ہاں رکاز یعنی مدفون خزانوں (جو ظاہری طور پر کسی مسلمان شخص یا حکومت کی نہ ہو) اور معادن، سب میں پانچواں حصہ (خمس) حدیث مبارک "فی الرکاز الخمس" کی وجہ سے بیت المال کا ہوگا۔(۱)

جب کہ باقی چار حصے یا تو مالک زمین کے ہوں گے یا نکالنے والے کے، البتہ وہ خزانہ جس پر کسی مسلمان کا نام یا علامات وغیرہ ہو تو اس کا حکم لقطے کا ہوگا۔(۲)

لقطہ اُٹھانے کا حکم:

لقطہ اُٹھانے سے قبل اس کی چار حالتیں ہیں:

(۱) اگر مال ضائع ہونے کا یقین ہو تو اُٹھانا واجب ہے۔ اگر نہیں اُٹھایا اور وہ شے ضائع ہوئی تو یہ شخص گناہ گار ہوگا، اس لیے کہ مسلمان کے مال کا احترام اس کی جان کی طرح ضروری ہے۔(۳)

(۲) اگر مال ضائع ہونے کا اندیشہ ہو تو مالک تک پہنچانے کی نیت سے اُٹھا لینا مستحب ہے۔

(۳) اگر مال ضائع ہونے کا اندیشہ نہ ہو تو اُٹھانا اور چھوڑنا دونوں مباح ہیں۔

(۴) ذاتی استعمال کے لیے اُٹھانا حرام ہے، کیوں کہ ارشاد نبوی ﷺ ہے کہ "گم شدہ جانور کو (ذاتی استعمال کے لیے) اپنے ہاں پناہ دینے والا گمراہ ہے"۔ یہ بھی فرمایا کہ یہ جہنم کی آگ میں جلنے کے مترادف ہے۔(۴)

لقطہ اُٹھانے کے بعد کی حالتیں:

(۱) حالت امانت: اگر مالک تک پہنچانے کی نیت سے اٹھا لے تو وہ لقطہ امانت کے حکم میں ہے، لہٰذا اٹھانے والے کے تعدی اور کوتاہی کے بغیر اگر وہ ضائع ہو جائے تو ملتقط (اُٹھانے والا) اس کا ضامن نہیں ہوگا، البتہ اگر ضائع ہونے میں

(۱) جامع الترمذي، كتاب الزكوة: ۱/۱۳۹

(۲) بدائع الصنائع، كتاب الزكوة، فصل حكم المستخرج من الأرض: ۲/۵۲۱-۵۳۱، عمدة القاري: ۹/۱۰۰-۱۰۴

(۳) الموسوعة الفقهية، مادة لقطة: ۳۵/۲۹۵

(۴) بدائع الصنائع، كتاب اللقطة، فصل في أحوال اللقطة: ۸/۳۲۷، سنن ابن ماجة: ۱/۱۸۲

اس کے تعدی اور کوتاہی شامل ہو یا مالک مل گیا اور اس کے طلب کرنے کے باوجود اس نے حوالہ نہ کیا اور لقطہ ضائع یا ہلاک ہو گیا تو اس صورت میں ذمہ دار ہوگا۔

(۲) حالت خیانت: اگر لقطہ اس نیت سے اُٹھائے کہ ذاتی استعمال میں لائے گا تو ہر صورت میں ضامن ہوگا، چاہے تعدی اور کوتاہی کی ہو یا نہیں، اس لیے کہ اپنے لیے اٹھانا غصب کے مترادف ہے۔(۱)

امانت کس وقت قرار دیا جائے گا؟

(۱) اشہاد یعنی موقع پر ہی اعلان اور لوگوں کو گواہ بنانا کہ "میرے پاس لقطہ کی چیز ہے، اگر تم لوگوں نے کسی کو گمشدگی کا اعلان کرتے سنا تو اس کو میرے متعلق بتادو" اس صورت میں یہ اُٹھانا امانت شمار ہوگا۔

(۲) یا مالک خود ہی تصدیق کر دے کہ ہاں اس نے نیک نیتی سے اُٹھایا تھا، لیکن اتفاقاً ضائع ہو گیا تو اس صورت میں بھی امانت ہو کر ضمان سے بچ جائے گا۔

(۳) تیسری صورت قسم کی ہے کہ لقطہ اُٹھانے والا قسم کھائے کہ میں نے لقطہ اصل مالک تک پہنچانے کی نیت سے اُٹھایا تھا، نہ کہ ذاتی استعمال کی نیت سے تو اس صورت میں بھی اٹھانے والا ضامن نہ ہوگا، لیکن یہ رائے امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کی ہے۔

ان صورتوں کے علاوہ صورتوں میں لقطہ اٹھانا امانت نہیں، بلکہ غصب ہوگا، لہٰذا اس پر ضمان بھی آئے گا۔

لقطہ کو واپس اپنی جگہ رکھنا:

اگر لقطہ اٹھانے والے نے لقطے کو واپس اپنی جگہ پر رکھ دیا ہو تو وہ ضمان سے بری ہے، اس لیے کہ یہ ایسا ہے گویا اس نے اُٹھایا ہی نہیں۔ ہاں اس وقت ضروری ہے کہ اس نے اُٹھاتے وقت لوگوں کو امانت پر گواہ بنا دیا ہو۔ اگر امانت کا اعلان نہ کیا ہو تو پھر امام ابو حنیفہؒ کے ہاں اگر مالک نے اس کی تصدیق نہ کی تو یہ ضامن ہوگا، اس لیے کہ بغیر اعلان اس کا لقطہ اُٹھانا غصب متصور ہوگا، اگرچہ اس نے واپس اپنی جگہ پر رکھ دیا ہو۔(۲)

---

(۱) بدائع الصنائع، کتاب اللقطة، فصل في أموال اللقطة : ۸/ ۳۳۰، الفقه الإسلامي وأدلته، الفصل التاسع اللقطةو اللقيط،المطلب الأول من البحث الثاني: معنى اللقطة وأحكامها : ٦/ ٤٨٥٨

(۲) بدائع الصنائع، کتاب اللقطة، فصل في أموال اللقطة : ۸/ ۳۲۹۔ ۳۳۱، الفقه الإسلامي وأدلته،الفصل التاسع اللقطةو اللقيط،المطلب الأول من البحث الثاني: معنى اللقطة وأحكامها: ٦/ ٤٨٥٨۔ ٤٨٦٠

لقطہ کا اعلان اور اس کی مدت:

حنفیہ کے ہاں اعلان واجب ہے، البتہ اعلان کی مدت لقطہ کی مقدار کے اعتبار سے ہوگی۔ حنفیہ کے ہاں اگر سو درہم یا اس سے زیادہ کی چیز ہو تو ایک سال اعلان کردے۔ دس درہم کی مالیت کے بقدر ہو تو ایک ماہ، تین درہم کی مقدار ہو تو ایک ہفتہ تک اعلان کردے جو اشیا اتنی مدت میں خراب ہوجاتی ہوں تو ان کو خراب ہونے سے پہلے صدقہ کردیا جائے گا۔ گویا اعلان کی مدت متفاوت ہے، چیز کی مالیت دیکھ کر فیصلہ کیا جاسکتا ہے۔

لقطہ کا اعلان کہاں کیا جائے؟

فقہا فرماتے ہیں کہ بازاروں، میلوں اور مساجد کے دروازوں پر اعلان کرنا چاہیے، اس لیے کہ یہ عام گزرگاہیں ہیں۔ آج کل اس کے متبادل ذرائع، یعنی ریڈیو، ٹی وی، اخبار، انٹرنیٹ وغیرہ بھی استعمال کیے جاسکتے ہیں، البتہ مساجد کے اندر کسی بھی چیز کا اعلان خلافِ سنت اور آدابِ مسجد کے خلاف ہے۔

قیمتی اور اہم کاغذات کی تشہیر:

ایسا بھی ممکن ہے کہ ایک چیز کی قیمت بہت معمولی ہو، لیکن مالک کے لیے بہت زیادہ اہمیت کی حامل ہو، جیسے: پاسپورٹ،، گاڑی کے اوریجنل کاغذات، جائداد کی دستاویزات وغیرہ، لہٰذا ان اشیا کی تشہیر بھی دوسری قیمتی چیزوں کی طرح واجب ہوگی۔(۱)

لقطہ کی واپسی:

جب لقطہ کا مالک آئے اور گواہی سے ثابت کردے کہ لقطہ اسی کی ملکیت ہے تو اس کو وہ سامان حوالہ کردینا واجب ہے۔ اگر وہ گواہ پیش نہیں کرتا، لیکن علامتیں بتاتا ہے، مثلاً: یہ کہ اس کا ڈھکن کیسا ہے؟ وزن کتنا ہے؟ سامان کیا کیا ہے؟ اور عدد کتنا ہے؟ تو لقطہ اُٹھانے والے کے لیے اس کو حوالہ کردینا جائز ہے، اگرچہ وہ گواہ پیش نہ کرسکے، البتہ لقطہ اٹھانے والا اس سے ذمہ دار اور کفیل بھی طلب کرسکتا ہے تاکہ بعد میں کسی اور مالک کے پیدا ہونے کی صورت میں اس کو تاوان نہ اُٹھانا پڑے یا وہ چاہے تو روک بھی سکتا ہے جب تک وہ گواہ پیش نہ کرے۔(۲)

(۱) بدائع الصنائع، کتاب اللقطة، فصل في بيان مايصنع من اللقطة: ۸/۳۳۲۔۳۳٤، قاموس الفقه، مادة لقطه: ٤/۵۹۲ (۲) بدائع الصنائع، کتاب اللقطة، فصل في بيان ما يصنع من اللقطة: ۸/۳۳۳، الفقه الإسلامي وأدلته، الفصل التاسع اللقطة واللقيط، المطلب الأول من المبحث الثاني معنى اللقطة وأحكامها: ٦/٤۸٦۸

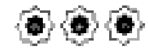
مالک نہ ملنے پر لقطے کے مصارف:

تشہیر اور علامات کے باوجود اگر مالک نہ ملے تو جس شخص نے اس کو اُٹھایا ہے، اگر وہ خود غریب اور مستحق ہے تو اس مال کو خود استعمال کر سکتا ہے اور اگر وہ خود مال دار ہو تو اس مال کا صدقہ کرنا واجب ہے، تاہم یہ صدقہ وہ اپنے والدین، بیوی، اور اولاد پر بھی کر سکتا ہے، اگر وہ مستحق ہوں۔

اگر ذاتی استعمال یا صدقہ کرنے کے بعد اصل مالک آ جائے تو اس کو اختیار ہے یا تو اس استعمال اور صدقے کو جائز قرار دے کر اجر و ثواب کما لے اور یا استعمال کرنے والے یا صدقہ کرنے والے سے اپنے مال کا عوض وصول کرے یہی حنفیہ کی رائے ہے اور یہی حدیث شریف کا مفہوم بھی ہے۔(۱)

لقطہ کے جانور پر آنے والا خرچہ:

اگر کوئی جانور ایسی جگہ مل جائے جہاں اس کی موجودگی گمشدگی کی دلیل ہو تو اس کو مالک تک پہنچانے کے لیے اپنے ہاں رکھنا جائز ہے۔ اس صورت میں اس جانور کو زندہ رکھنے کے لیے اس پر جتنا خرچہ آئے گا، وہ اس کے مالک پر قرضہ شمار کیا جائے گا جس کو مالک سے وصول کیا جائے گا۔ اگر وہ انکار کر دے تو ملتقط جانور کو روک سکتا ہے، البتہ اگر ملتقط نے جانور سے فائدہ اُٹھایا ہو، مثلاً: دودھ وغیرہ لیا ہو یا سواری میں استعمال کیا ہو تو پھر وہ اخراجات کا مطالبہ نہیں کر سکتا۔(۲)



(۱) بدائع الصنائع، کتاب اللقطة: ۳۳۴/۸، ۳۳۵، الفقه الإسلامي وأدلته، الفصل التاسع اللقطة واللقيط، المطلب الأول من المبحث الثاني معنى اللقطة وأحكامها: ۴۸۷۵/۶

(۲) الموسوعة الفقهية، مادة لقطة: ۳۰۴/۳۵، فتح القدير، كتاب اللقطة: ۳۵۵/۵، ۳۵۶

فصل فی اللقیط

لقیط کی تعریف اور وجہ تسمیہ:

لقیط اس بچے کو کہتے ہیں جس کو کسی نے فقر وفاقہ یا زنا کی تہمت کے ڈر سے راستے وغیرہ میں پھینک دیا ہو اور اس کے ماں باپ معلوم نہ ہوں۔ چونکہ عموماً ایسے بچے کو اُٹھایا جاتا ہے، اس لیے اس کو انجام کے اعتبار سے لقیط (اُٹھایا جانا والا) کہا جاتا ہے۔(۱)

لقیط اُٹھانے کا حکم:

حنفیہ کے ہاں عام حالات میں اس کا اٹھانا مستحب ہے۔ درج ذیل آیت کریمہ سے اس کے حکم کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے:

﴿ وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَاۤ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا ﴾(۲)

جس نے اس کو زندہ کر دیا، گویا اس نے تمام انسانیت کو زندہ کر دیا۔

البتہ اگر اس کی ہلاکت کا خدشہ ہو تو پھر اٹھانا فرض کفایہ ہے، جب کہ ائمہ ثلاثہ کے ہاں فرض عین ہے۔(۳)

لقیط کی تربیت کا حق:

ایسے بچے کو اُٹھانے والا ہی اس کی تربیت کا زیادہ حق دار ہے، البتہ اگر وہ بچے کو اپنے ہاں نہیں رکھنا چاہے تو متعلقہ حکام کے حوالے کر دے۔ وہ بیت المال کے پیسوں سے اس کے لیے تربیت کا انتظام کر دیں گے۔

لقیط کا نفقہ:

جہاں اسلامی حکومت اور بیت المال موجود ہوں، وہاں لقیط کا نفقہ بیت المال سے ہوگا، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایسے لوگوں کا نفقہ بیت المال سے دیا کرتے تھے۔

لقیط پر ولایت اور تصرف کا حق:

اگر اس کا نسب کسی سے ثابت نہ ہو سکے تو اس کی حفاظت، تعلیم وتربیت، شادی، مالی تصرفات وغیرہ کی ولایت قاضی کو حاصل ہوگی؛ لقوله عليه السلام : "السلطان ولي من لا ولي له".(۴)

---

(۱) بدائع الصنائع، باب اللقطة، فصل في أحكامه : ۳۱۷/۸، الفقه الإسلامي وأدلته، مادة أحكام اللقطة و اللقيط : ۴۸۵۱/۶

(۲) المائدة : ۳۲ (۳) الفقه الإسلامي وأدلته حواله بالا: ۴۸۵۱/۶، الموسوعة الفقهية، مادة لقطة : ۳۱۰/۳۵

(۴) مسند أحمد: ۴۷/۶

اسی طرح اگر لقیط سے کوئی جنایت یا جرم سرزد ہو جائے تو دیت اور جرمانہ وغیرہ بیت المال سے ادا کیا جائے گا۔(۱)

لقیط کی مذہبی حیثیت:

لقیط ہر صورت میں آزاد متصور ہوگا۔ اگر خالص غیر مسلموں کی آبادی میں ہو تو پھر اُٹھانے والے اور تربیت کرنے والے کا اعتبار ہوگا۔ اگر وہ مسلمان ہو تو لقیط بھی مسلمان ہوگا اور اگر وہ غیر مسلم ہو تو لقیط بھی اس کا ہم مذہب متصور ہوگا۔(۲)

لقیط کی نسبی حیثیت:

کوئی بھی شخص لقیط سے اپنا نسب جوڑنے کا دعویٰ کرے اور اس نسبت جوڑنے میں کوئی مانع نہ ہو تو یہ لقیط اسی کے نسب سے ہی شمار ہوگا، اگرچہ اس کے پاس کوئی گواہ وثبوت نہ ہو، کیوں کہ اس میں لقیط کا بھی فائدہ ہے اور دعویٰ کرنے والے کا بھی، لہٰذا جہاں بھی ایسے معاملے میں کسی تیسرے کا نقصان نہ ہو تو ایسے دعویٰ کو قبول کر لینے میں کوئی حرج نہیں، البتہ اگر زیادہ لوگ دعویٰ کرلیں تو پھر گواہوں کے ذریعے فیصلہ ہوگا، اگر گواہ نہ ہوں تو پھر D.N.A ٹیسٹ یا دوسرے معتبر ذرائع کی بنیاد پر ترجیحی سلوک کیا جاسکتا ہے، تاہم اگر دعویٰ میں سب برابر ہوں تو مجبوراً سب ہی سے نسب ثابت مانا جائے گا۔

اگر کوئی عورت ثبوتِ نسب کا دعویٰ کرلے تو جب تک اس کا شوہر یا دائی اس کی تصدیق نہ کردیں، اس کا دعویٰ غیر معتبر ہوگا، اس لیے کہ وہ کسی غیر کو اپنے شوہر کے نسب میں داخل کرنا چاہتی ہے، لہٰذا شوہر کی تصدیق ضروری ہے۔(۳)

۞۞۞۞۞

(۱) الفقه الإسلامي وأدلته،الفصل التاسع اللقطة واللقيط،المطلب الأول من المبحث الثاني معنى اللقطة وأحكامها: ٤٨٥٦-٤٨٥١/٦، الموسوعة الفقهية، مادة لقطة : ٣٢٣-٣١٠/٣٥

(۲) حوالہ جات بالا

(۳) موسوعة الفقه الإسلامي المعاصر،الباب الرابع أحكام الجنين في الفقه الإسلامي،حكم اللقيط: ٥٢٣/٢، بدائع الصنائع، كتاب اللقطة،فصل في بيان حال المفقود : ٣٢٥،٣٢٤/٨

کتاب اللقطة

(لقطہ یعنی گری پڑی ملنے والی اشیا کے احکام)

لقطہ کا مالک نہ ملنے کی صورت میں اس کا استعمال

سوال نمبر (346):

لقطہ کا مالک تلاش کرنے کے باوجود اگر نہ مل سکے اور اس میں کافی وقت گزر جائے تو لقطہ اٹھانے والے کے لیے اس کا ذاتی استعمال کیسا ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

لقطہ کا حکم یہ ہے کہ لقطہ کی نوعیت کو دیکھ کر اُس کی تشہیر کی جائے اور جب اتنا وقت گزر جائے کہ لقطہ اُٹھانے والے کا غالب گمان پیدا ہو جائے کہ اب مالک اس کی تلاش نہ کرے گا تو لقطہ اُٹھانے والے کے لیے اس شرط کے ساتھ لقطہ کو ذاتی استعمال میں لانا جائز ہے کہ وہ فقیر ہو، اگر غنی ہو تو پھر اس کا صدقہ کرنا متعین ہے۔

والدّليل على ذلك:

إن كان الملتقط محتاجا فله أن يصرف اللقطة إلى نفسه بعد التعريف، كذافي المحيط. وإن كان الملتقط غنيا لايصرفها إلى نفسه بل يتصدق على أجنبي أوأبويه أوولده أوزوجته إذا كانوا فقراء.(١)

ترجمہ: لقطہ اٹھانے والا اگر محتاج (فقیر) ہو تو لقطہ کی تشہیر کی مدت گزرنے کے بعد اس کو اپنے آپ پر خرچ کرنے کا اختیار حاصل ہے اور اگر غنی ہو تو اپنے آپ پر خرچ نہیں کرے گا، بلکہ اس کو صدقہ کرے چاہے کسی اجنبی پر ہو یا اپنے والدین پر یا اپنی اولاد یا اپنی بیوی پر، جب کہ وہ فقرا ہوں۔

۞۞۞

(١) الفتاوى الهندية، كتاب اللقطة: ٢٩١/٢

لقطہ کی تشہیر کے لیے جدید ذرائع ابلاغ کا استعمال

سوال نمبر(347):

لقطہ اگر کسی ایسے بڑے شہر میں مل جائے، جہاں دور دراز کے لوگوں کی کثرت ہو اور لقطہ کا اعلان اگر کسی بڑے مجمع میں بھی کیا جائے تو اس کا مالک نہیں ملتا، ممکن ہے کہ لقطہ کا مالک کسی دوسرے شہر یا کسی دور علاقے سے تعلق رکھتا ہے اور یہاں سے جا چکا ہو تو ایسی صورت میں جدید ذرائع ابلاغ ریڈیو، اخبارات کے ذریعے مالک کا پتہ کرنا کیسا ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وبالله التوفیق:

لقطہ کی تشہیر میں بنیادی مقصد اصل مالک کا پتہ لگانا ہوتا ہے، لہٰذا جب لوگوں کے جمع ہونے کی جگہوں بازاروں اور مساجد کے دروازوں پر لقطہ کی تشہیر کرنے کے باوجود بھی مالک نہ ملے تو لقطہ کی تشہیر کے لیے جدید ذرائع اخبارات، ریڈیو وغیرہ کا سہارا لیا جاسکتا ہے۔ شرعاً ایسا کرنے کی ممانعت کی کوئی وجہ نہیں ہے، کیونکہ لقطہ کی تشہیر ان ذرائع سے بطریق احسن ہوسکتی ہے۔

والدّلیل علی ذلك:

ويعرف الملتقط اللقطة في الأسواق والشوارع مدة يغلب على ظنه أن صاحبها لا يطلبها بعد ذلك، هو الصحيح .(۱)

ترجمہ: لقطہ کی تشہیر بازاروں میں اور شارع عام پر اس وقت تک کی جائے گی جب تک اس کے مالک کے بارے میں ظن غالب ہو جائے کہ اس کے بعد وہ اس کو نہیں ڈھونڈے گا۔ یہی صحیح ہے۔

❁❁❁

کسی رفاہی ادارے کو لقطہ دینا

سوال نمبر(348):

لقطہ کی تشہیر جب اتنی مدت تک کی جائے کہ اس کا مالک نہ ملنے کا غالب گمان پیدا ہو جائے تو لقطہ اٹھانے

(۱) الفتاوى الهندية، كتاب اللقطة: ۲/ ۲۸۹

والا اگر کسی رفاہی ادارے کو دے تو کیا یہ جائز ہے؟

بینوا توجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

لقطہ کی نوعیت کو دیکھ کر اُس کے مطابق جب تشہیر کی جائے اور اس کے باوجود بھی اس کا مالک نہ ملے تو لقطہ اٹھانے والا جس طرح خود اس کو فقراء پر صدقہ کرنے کا اختیار رکھتا ہے، اسی طرح کسی فرد یا ادارے کو صدقہ کرنے کے لیے وکیل بنانا بھی درست ہے، بشرطیکہ وہ فرد یا ادارہ اس لقطہ کو کسی فقیر پر صدقہ کرنے کا اہتمام کرے۔

والدّلیل علی ذلک:

إن كان الملتقط محتاجا فله أن يصرف اللقطة إلى نفسه بعد التعريف، كذافي المحيط. وإن كان الملتقط غنيا لايصرفها إلى نفسه بل يتصدق على أجنبي أو أبويه أوولده أوزوجته إذا كانوا فقراء.(۱)

ترجمہ:

لقطہ اٹھانے والا اگر محتاج (فقیر) ہو تو لقطہ کی تشہیر کی مدت گزرنے کے بعد اس کو اپنے آپ پر خرچ کرنے کا اختیار حاصل ہے اور اگر غنی ہو تو اپنے آپ پر خرچ نہیں کرے گا، بلکہ اس کو صدقہ کرے چاہے کسی اجنبی پر ہو یا اپنے والدین یا اپنی اولاد یا اپنی بیوی پر، جب کہ وہ فقرا ہوں۔

كل عقد جاز أن يعقده الإنسان بنفسه جاز أن يوكل به غيره.(۲)

ترجمہ:

ہر وہ عقد جس کا انسان کے لیے خود منعقد کرنا جائز ہے تو یہ بھی جائز ہے کہ کسی دوسرے کو اس کے منعقد کرنے کے لیے وکیل بنائے۔

❀❀❀

(۱) الفتاوى الهندية، كتاب اللقطة: ۲/ ۲۹۱

(۲) المختصر القدوري، كتاب الوكالة: ص/ ۱۰۶

صدقہ کے بعد لقطہ کا مالک مل جانا

سوال نمبر(349):

لقطہ اٹھانے والا جب ایک مدت تک اس کے مالک کا انتظار کرے اور لقطہ کی تشہیر بھی کرتا رہے، لیکن مالک نہ ملے، اس کے بعد وہ اس لقطہ کو مالک کو ثواب پہنچانے کی نیت سے صدقہ کرے، اس کے بعد اس کا مالک مل جائے اور وہ اس کے صدقہ کرنے پر راضی نہ ہو تو اب اس مسئلہ کا کیا حل ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

لقطہ اُٹھانے والا لقطہ کو اپنے ساتھ اتنی مدت کے لیے رکھے اور اس کی تشہیر کرتا رہے جب تک اس کے مالک کے ملنے کا غالب گمان ہو اور اگر خود غنی ہو تو اس کو صدقہ کرے، لیکن صدقہ کرنے کے بعد جب مالک مل جائے اور وہ صدقہ کرنے پر راضی نہ ہو تو اگر لقطہ فقیر کے پاس موجود ہو تو وہ اس سے لے سکتا ہے اور اگر موجود نہ ہو، بلکہ ہلاک ہو گیا ہو تو چاہے صدقہ کرنے والے کو ضامن قرار دے یا فقیر کو۔ اور ان کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ مالک کو اس کی قیمت ادا کریں۔

والدّلیل علی ذلک:

فإن جآء صاحبها فأمضى الصدقة يكون له ثوابها، وإن لم يمضها ضمن الملتقط أو المسكين إن شآء لو هلكت في يده.(۱)

ترجمہ:

اگر لقطہ کا مالک آئے اور وہ صدقہ کرنے کو باقی رکھے تو اسے صدقہ کا ثواب ملے گا اور اگر صدقہ کو باقی نہ رکھے (یعنی اس پر راضی نہ ہو) تو اگر وہ چیز مسکین کے قبضہ میں ہلاک ہوئی ہو تو مالک اگر چاہے تو لقطہ اُٹھانے والے کو ضامن قرار دے یا مسکین کو۔

۞۞۞

(۱) الفتاوی الهندیة، کتاب اللقطة: ۲۸۹/۲

ایزی لوڈ کے ذریعے غلطی سے موبائل میں بیلنس آنا

سوال نمبر(350):

موبائل فون میں جو پیسے بذریعہ ایزی لوڈ ڈالے جاتے ہیں، بعض دفعہ غلطی سے یہ بیلنس کسی دوسرے شخص کے نمبر پر چلا جاتا ہے، اب جس شخص کے نمبر پر یہ بیلنس چلا جاتا ہے۔ اسے معلوم بھی نہیں ہوتا کہ یہ کہاں سے اور کس نمبر کی غلطی سے آیا ہے، لہٰذا ایسی صورت میں مالک کو اس بیلنس کی واپسی ممکن نہیں۔ کیا اس شخص کے لیے اس بیلنس کا استعمال خود جائز ہے؟

بیّنوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

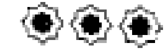
کسی کے موبائل فون میں غلطی سے ایزی لوڈ کے ذریعے بیلنس آجائے تو یہ لقطے کے حکم میں ہے۔ یہ بیلنس اس شخص کے پاس امانت کی حیثیت رکھتا ہے، لہٰذا دکان دار کی طرف سے اطلاع ملنے کی صورت میں اتنی ہی رقم واپس کرنا ضروری ہے۔ تاہم دکان دار کی طرف سے اطلاع نہ ملنے کی صورت میں اس بیلنس کو خود استعمال میں لا سکتا ہے، بشرطیکہ وہ فقیر ہو، اور اگر یہ شخص غنی ہو تو اس کے بقدر پیسے صدقہ کرلے، اس کے بعد یہ بیلنس خود اپنے استعمال میں لائے۔

والدّلیل علی ذلك:

إن كان الملتقط محتاجا فله أن يصرف اللقطة إلى نفسه بعد التعريف، كذافي المحيط. وإن كان الملتقط غنيا لايصرفها إلى نفسه بل يتصدق على أجنبي أوأبويه أوولده أوزوجته إذا كانوا فقراء.(۱)

ترجمہ:

لقطہ اُٹھانے والا اگر محتاج (فقیر) ہو تو لقطہ کی تشہیر کی مدت گزرنے کے بعد اس کو اپنے آپ پر خرچ کرنے کا اختیار حاصل ہے اور اگر غنی ہو تو اپنے آپ پر خرچ نہیں کرے گا، بلکہ اس کو صدقہ کرے چاہے کسی اجنبی پر ہو یا اپنے والدین یا اپنی اولاد یا اپنی بیوی پر، جبکہ وہ فقراء ہوں۔



(۱) الفتاوى الهندية، كتاب اللقطة: ۲/ ۲۹۱

سیلاب میں ملنے والی لکڑی

سوال نمبر(351):

بعض اوقات سیلاب میں لکڑیاں مل جاتی ہیں، ان میں زیادہ قیمتی اور کم قیمت والی ہر قسم کی لکڑیاں ہوتی ہیں، جب کوئی شخص ان کو پالے تو ایسی لکڑیوں کا کیا حکم ہے؟

بینوا تؤجروا

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

بارش پانی اور سیلاب میں ملنے والی لکڑی جب قیمتی نہ ہو تو اس کے پانے والے شخص کے لیے اس کا لینا حلال اور جائز ہے اور اگر قیمتی ہو تو اس کا حکم لقطے کا ہے، لہٰذا اس کی نوعیت کے مطابق اس کے مالک کے ملنے کا انتظار کیا جائے اور اُسے محفوظ رکھا جائے اور جب غالب گمان ہو جائے کہ مالک اس کو تلاش نہیں کرے گا تو اس کو صدقہ کرے اور اگر فقیر ہو تو خود بھی استعمال کرنے کی گنجائش ہے اور جب مالک ملے اور وہ اس پر راضی نہ ہو تو اس کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ اس کے مالک کو اس کی قیمت ادا کرے۔

والدّلیل علی ذلک:

حطب وجدفي الماء إن كان له قيمة فلقطة، وإلا فحلال لأخذه.(۱)

ترجمہ: جو لکڑی پانی میں پائی جائے، اگر قیمتی ہو تو لقطہ ہے اور اگر قیمتی نہ ہو تو اس کے پکڑنے والے کے لیے حلال ہے۔

❁❁❁

لقطہ اُٹھانے کا حکم اور اس کی تشہیر کی تحدید

سوال نمبر(352):

راستہ میں جو گری پڑی چیز مل جائے اُسے مالک تک پہنچانے کی نیت سے اُٹھانے کا کیا حکم ہے

---

(۱) تنویر الابصار مع الدر المختار، کتاب اللقطة: ٦/٤٤٣، ٤٤٤

اور کس وقت تک اس کی تشہیر کی جائے گی؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

لقطہ ضائع ہونے کے خوف کی صورت میں اُٹھانا واجب ہے اور اگر ضائع ہونے کا خوف نہ ہو تو پھر اُٹھانا اگرچہ واجب نہیں، لیکن بہتر ہے۔

لقطہ کی نوعیت کو دیکھ کر اس کی تشہیر کی جائے اور اس کو اپنے پاس رکھا جائے، اگر جلد خراب ہونے کی چیز ہو، جیسے پھل، سبزی تو وہ اتنے وقت تک نہ رکھا جائے کہ خراب ہو جائے اور اگر خراب ہونے کی چیز نہ ہو تو پھر اس وقت تک اس کو رکھا جائے جب تک غالب گمان یہ ہو کہ مالک اس کو تلاش کرے گا اور جب یہ گمان پیدا ہو جائے کہ اب مالک اس کو تلاش نہیں کرے گا تو اگر یہ شخص فقیر ہو تو خود استعمال کرے اور اگر غنی ہو تو فقرا وغربا پر اس کو صدقہ کرے۔

والدّلیل علی ذلک:

ويعرف الملتقط اللقطة في الأسواق، والشوارع مدة يغلب على ظنه أن صاحبها لا يطلبها بعد ذلك هو الصحيح .(۱)

ترجمہ:

لقطہ اُٹھانے والا لقطہ کی تشہیر بازاروں میں اور شارع عام پر اس وقت تک کرے گا جب تک اس کے مالک کے بارے میں یہ ظن غالب نہ ہو جائے کہ اس کے بعد وہ اس کو نہیں ڈھونڈے گا۔



(۱) الفتاوى الهندية، كتاب اللقطة: ۲/۲۸۹

مصادر ومراجع

نمبرشمار	نام کتاب	نام مصنف	ناشر
		الف	
١	إرشاد السّاري إلى مناسك الملاعلي القاري	حسين بن محمدسعيد عبدالغني المكي	دار الكتب العلمية بيروت
٢	أحكام القرآن	ظفرأحمد العثماني (١٣٩٤هـ)	إدارة القرآن والعلوم الإسلامية كراچی
٣	أحكام القرآن	أبو بكر أحمد بن علي الرازي الجصاص الحنفي (٣٧٠هـ)	سهيل اكيڈمی لاهور
٤	إسلامی تهذيب وتمدن اردو ترجمه "التشبه في الإسلام"	قاری محمد طيب قاسمي (١٤٠٣هـ)	إداره إسلاميات لاهور
٥	إعلاء السنن	ظفرأحمد العثماني (١٣٩٤هـ)	دارالكتب العلمية بيروت
٦	إعلام الموقّعين	ابن القيم الجوزية (٧٥١هـ)	دارالفكر بيروت لبنان
٧	الإتقان في علوم القرآن	جلال الدين السيوطي (٩١١هـ)	سهيل اكيڈمی لاهور
٨	الاختيارلتعليل المختار	أبوالفضل عبد الله الموصلي (٦٨٣هـ)	دارالمعرفة بيروت لبنان
٩	الاستصناع	سعودبن مسعد الثبيتي	دارابن حزم بيروت
١٠	الاعتصام	أبوإسحاق إبراهيم الشاطبي (٧٩٠هـ)	مكتبه رشيديه پشاور
١١	الأشباه والنظائر	زين الدين بن إبراهيم ابن نجيم (٩٧٠هـ)	ايچ ايم سعيد كراچی
١٢	البحر الرائق	ابن نجيم (٩٧٠هـ)	دارالكتب العلمية بيروت

١٣	البداية والنهاية	إسماعيل ابن كثير (٧٧٤هـ)	دارالفكر بيروت
١٤	الترغيب والترهيب	زكي الدين عبدالعظيم بن عبدالقوي المنذري (٦٥٦هـ)	داراحياء التراث العربي بيروت
١٥	التشريع الجنائي الإسلامي	عبدالقادر عودة	مؤسسة الرسالة بيروت
١٦	التعليق الصّبيح	محمد إدريس الكاندهلوي (١٣٩٤هـ)	المكتبة العثمانية لاهور
١٧	التعليق الميسر على حاشية الروض الأزهر في شرح الفقه الاكبر	الشيخ الوهبي سليمان الغاوجي	دار البشائر الإسلامية بيروت
١٨	التفسيرالكبير	فخر الدين الرازي (٦٠٦هـ)	داراحياء التراث العربي لبنان
١٩	التلخيص الحبير	ابن حجر العسقلاني (٨٥٢هـ)	المكتبة الا ثرية شيخو پوره
٢٠	الجامع لأحكام القرآن للقرطبي	محمد القرطبي (٦٧١هـ)	داراحياء التراث العربي لبنان
٢١	الجوهرة النيرة	أبوبكربن علي بن محمدالزبيدي (٨٠٠هـ)	دارالكتب العلمية لبنان
٢٢	الحيلة الناجزة	أشرف على التهانوي (١٣٦٢هـ)	دارالإشاعت كراچی
٢٣	الدّرالمختار مع ردالمحتار	محمد بن علي الحصكفي (١٠٨٨هـ)	مكتبه إمداديه ملتان
٢٤	الدّرالمنتقى على هامش مجمع الأنهر	ملا علي بن سلطان القاري (١٠١٤هـ)	دار احياء التراث العربي بيروت لبنان
٢٥	الزهد الكبيرللبيهقي	أبو بكر أحمد بن الحسين البيهقي (٤٥٨هـ)	دارالجنان بيروت لبنان
٢٦	الشريفية شرح السراجية	السيدالشريف علي الجرجاني (٨١٦هـ)	المكتبة الحقانية بشاور
٢٧	السنن الكبرى للنسائي	أحمد النسائي (٣٠٣هـ)	مؤسسة الرسالة بيروت لبنان

۲۸	السنن الکبریٰ للبیهقي	أبوبكر أحمد بن الحسين البيهقي (٤٥٨هـ)	دارالفكر بيروت لبنان
۲۹	السّراجي في الميراث	محمدبن عبدالرشيد السجاوندیؒ (٦٠٠هـ)	الميزان لاهور
۳۰	السّعاية	محمد عبدالحي اللكهنوي (١٣٠٤هـ)	سهيل اكيلمی لاهور
۳۱	الشمائل المحمدية للترمذي	محمد بن عيسى الترمذي (٢٧٩هـ)	دار الكتب العلمية بيروت لبنان
۳۲	العرف الشذي	أنورشاه الكشميري (١٣٥٢هـ)	دار إحياء التراث العربيبيروت
۳۳	العقائد الإسلامية	سيد سابق (١٤٢٠هـ)	دار الكتاب العربي
۳٤	العقيدة في اللّٰه	عمرسليمان الأشقر (١٤٣٣هـ)	مكتبة الفلاح الكويت
۳٥	العناية على هامش فتح القدير	أكمل الدين محمدبن محمد البابرتي (٧٨٦هـ)	المكتبة الحقانية پشاور
۳٦	الفتاوی البزازية على هامش الفتاوی الهندية	محمد بن شهاب الكردي (٨٢٧هـ)	مكتبه رشيديه كوئٹه، دارالكتب العلمية بيروت
۳۷	الفتاوی الخانية على هامش الفتاوی الهندية	فخرالدين حسن بن منصور الأوزجندي (٥٩٢هـ)	مكتبه رشيديه كوئٹه
۳۸	الفتاوی الكاملية في الحوادث الطرابلسية	محمدكامل بن مصطفى الطرابلسي (١٣١٥هـ)	المكتبة الحقانية پشاور
۳۹	الفتاوی الهندية (العالمگيرية)	شيخ نظام وجماعة من علماء الهند	مكتبه رشيديه كوئٹه
٤۰	الفتاویٰ التاتارخانية	عالم بن العلاء الدهلوي (٧٨٦هـ)	دارإحياء التراث العربي بيروت
٤۱	الفقه الحنفي وأدلته	أسعد محمد سعيد الصاغرجي	دارالكلم الطيب بيروت لبنان

۴۲	الفقه الإسلامي وأدلته	د.وهبة الزحيلي (۱۴۳۶ھ)	دارإحسان دمشق
۴۳	القاموس الجديد	وحيد الزمان قاسمي كيرانوي (۱۴۱۵ھ)	إداره إسلاميات لاهور كراچی
۴۴	الكفاية على هامش فتح القدير	جلال الدين الخوارزمي(۷۶۹ھ)	مكتبه حقانيه پشاور
۴۵	المبسوط للسرخسي	شمس الأئمة السرخسي (۴۸۳ھ)	دارالكتب العلمية بيروت
۴۶	المبسوط للشيباني	محمد بن الحسن الشيباني (۱۸۹ھ)	دارالمعارف النعمانية لاهور
۴۷	المجموع شرح المهذب	محي الدين أبوزكريا يحيىٰ بن شرف النووي (۶۷۶ھ)	دارالكتب العلمية بيروت لبنان
۴۸	المحيط البرهاني في الفقه النعماني	محمودبن أحمدبن عبدالعزيز عمربن مازة البخاري (۶۱۶ھ)	المكتبة الغفارية كوئٹه
۴۹	المختصرللقدوري	أبوالحسين أحمد القدوري (۴۲۸ھ)	الميزان لاهور
۵۰	المدخل	محمدبن محمد العبدري المالكي المعروف بابن الحاج (۷۳۷ھ)	دارالكتب العلمية بيروت لبنان
۵۱	المسامرة على المسايرة	كمال الدين محمد بن محمد ابن أبي الشريف (۹۰۶ھ)	دارالكتب العلمية بيروت لبنان
۵۲	المستدرك على الصحيحين	أبوعبدالله محمدبن عبدالله الحاكم النيسابوري (۴۰۵ھ)	دارالكتب العلمية بيروت لبنان
۵۳	المسلك المتقسط في المسلك المتوسط على هامش إرشادالساري	الملا علي بن سلطان القاري (۱۰۱۴ھ)	دار الكتب العلمية بيروت لبنان
۵۴	المصنف لابن أبي شيبة	الإمام أبوبكر عبد الله بن محمد ابن أبي شيبة (۲۳۵ھ)	إدارة القرآن والعلوم الإسلامية كراچی، طيب إكادمي ملتان

٥٥	المعجم الأوسط	الحافظ سليمان الطبراني(٣٦٠هـ)	مكتبة المعارف الرياض
٥٦	المعجم الكبيرللطبراني	الحافظ أبو القاسم سليمان بن أحمد الطبراني (٣٦٠هـ)	شركة معمل و مطبعة الزهراء الحديثة المحدودة عراق
٥٧	المغني على الشرح الكبير	للإمامين موفق الدين(٦٢٠هـ) و شمس الدين ابني قدامة(٦٨٣هـ)	المكتبة التجارية المكةالمكرمة
٥٨	المفهم شرح صحيح مسلم	أحمد بن عمر بن إبراهيم القرطبي (٦٥٦هـ)	دارابن كثيردمشق، دارالكلم الطيب بيروت لبنان
٥٩	المنجد في اللغة والأعلام	جماعة علماء المستشرقين	دار المشرق بيروت لبنان
٦٠	الموافقات في أصول الأحكام	أبو إسحاق إبراهيم بن موسى اللخمي الشاطبي (٧٩٠هـ)	دارالفكر بيروت لبنان
٦١	الموسوعة الفقهية الكويتية	وزارة الأوقاف والشئون الإسلامية الكويت	طباعة ذات السلاسل الكويت
٦٢	الموضوعات الكبرى	ملاعلي بن سلطان القاري (١٠١٤هـ)	مكتبه دارالسلام پشاور
٦٣	النبراس شرح شرح العقائد	عبد العزيز فرهاروي (١٢٣٩هـ)	المكتبة الحقانية ملتان
٦٤	النتف في الفتاوى	علي بن الحسين السغدي (٤٦١هـ)	موسسة الرسالة بيروت دار الفرقان عمان
٦٥	النّهر الفائق	عمر بن إبراهيم بن نجيم (١٠٠٥هـ)	مكتبه رشيديه كوئٹه
٦٦	الوجيز	عبد الكريم زيدان (١٤٣٥هـ)	قاران اكيڈمی لاهور
٦٧	الوسيط في شرح القانون المدني	عبدالرزاق السنهوري (١٣٩١هـ)	داراحياء التراث العربي، بيروت
٦٨	الهداية	برهان الدين أبو الحسن علي بن أبي بكر المرغيناني (٥٩٣هـ)	مكتبه رحمانيه لاهور

٦٩	اللآلی المصنوعة في الأحاديث الموضوعة	جلال الدين عبد الرحمن السيوطي (٩١١هـ)	دارالكتب العلمية بيروت لبنان
٧٠	الأحكام السلطانية	علي بن محمد الماوردي (٤٥٠هـ)	نفيس اكيڈمی کراچی
٧١	كفايةالأخيار في حل غاية الاختصار	تقي الدين أبوبكر بن محمد الحصيني (٨٣٩هـ)	دار الكتب العلمية بيروت لبنان
٧٢	الإتقان فيعلوم القرآن	جلال الدين عبدالرحمن السيوطي (٩١١هـ)	سهيل اكيڈمی لاهور
٧٣	الإنصاف في معرفة الراجح من الخلاف	علاؤالدين علي بن سليمان المرداوي (٨٨٥هـ)	دارإحياء التراث العربي بيروت
٧٤	إمدادالفتاوى	أشرف علي التهانوي (١٣٦٢هـ)	مكتبه دارالعلوم كراچی
٧٥	أوجز المسالك	محمدزكريا الكاندهلوي (١٣٠٢هـ)	مكتبه إمداديه ملتان
٧٦	اوزان شرعيه	مفتي محمد شفيع (١٣٩٦هـ)	إدارة المعارف كراچی
٧٧	آكام المرجان في أحكام الجان	بدر الدين أبوعبد الله محمد بن عبد الله الشبلي (٧٦٩هـ)	كارخانه تجارت كتب كراچی
٧٨	أشرف التوضيح	نذير أحمد (١٤٢٥هـ)	مكتبة العارفي فيصل آباد

ب

٧٩	بدائع الصّنائع في ترتيب الشّرائع	علاء الدين أبوبكربن مسعود الكاساني (٥٨٧هـ)	دارالكتب العلمية بيروت لبنان
٨٠	بداية المجتهد ونهاية المقتصد	ابن رشد محمدبن أحمد القرطبي (٥٩٥هـ)	مكتبة نزار مصطفيٰ الباز مكة المكرمة
٨١	بذل المجهود في حل أبي داؤد	خليل أحمد السهارنفوري (١٣٤٦هـ)	دار اللوىٰ للنشر و التوزيع الرياض

ت

٨٢	تاريخ التشريع الإسلامي	منّاع القطان (١٤٢٠هـ)	موسسة الرسالة بيروت لبنان
٨٣	تبصرةالحكّام في أصول الأقضية ومناهج الأحكام	إبراهيم بن علي ابن فرحون المالكی (٧٩٩هـ)	دارالكتب العلمية بيروت لبنان
٨٤	تبيين الحقائق في شرح كنزالدّقائق	فخرالدين عثمان بن علي الزيلعي (٧٤٣هـ)	دار الكتب العلمية بيروت لبنان
٨٥	تحفة الفقهآء	علاء الدين السمر قندي (٥٧٥هـ)	دار الكتب العلمية بيروت لبنان
٨٦	تفسير المظهري	محمد ثناء اللّٰه پانی پتی (١٢٢٥هـ)	مکتبہ رشيديہ کوئٹہ پاکستان
٨٧	تفسيرالقرآن الكريم	عمادالدين إسماعيل بن كثير (٧٧٤هـ)	مکتبہ إمداديہ مكة المكرمة
٨٨	تفسير أبي السعود	أبو السعود محمد بن محمد (٩٨٢هـ)	دار إحياء التراث العربي بيروت
٨٩	تقرير ترمذي	محمد تقي العثماني	ميمن إسلامك پبلشرز كراچي
٩٠	تقريرات الرافعي	محمدرشيد بن عبداللطيف البيساري الرافعي(١٣٢٣هـ)	مکتبہ إمداديہ ملتان
٩١	تقليد کی شرعی حيثيت	محمد تقي العثماني	ميمن إسلامك پبلشرز كراچي
٩٢	تكملة البحرالرائق	محمدبن حسين بن علي الطوري (١١٣٨هـ)	دارالكتب العلمية بيروت لبنان
٩٣	قرة عيون الأخيار تكملة ردالمحتار	محمدعلاء الدين بن محمدأمين ابن عابدين (١٣٠٦هـ)	مکتبہ إمداديہ ملتان
٩٤	تكملة عمدة الرعاية على شرح الوقاية	مولانا فتح محمد التائب (١٣٢٧هـ)	مکتبہ رحمانية اقراء سنٹر غزنی سٹریٹ اردو بازار لاهور

رقم	الكتاب	المؤلف	الناشر
٩٥	تكملة فتح الملهم	محمدتقي العثماني	مكتبہ دارالعلوم كراجي
٩٦	تنوير الأبصار مع الدرالمختار	محمد بن عبدالله بن أحمد التمرتاشي (١٠٠٤هـ)	مكتبہ إمداديہ ملتان

ج، ح، خ، د

رقم	الكتاب	المؤلف	الناشر
٩٧	جامع البيان المعروف تفسيرالطبري	أبوجعفر محمدبن جرير الطبري (٣١٠هـ)	دارالفكر بيروت لبنان
٩٨	جامع الترمذي	أبوعيسىٰ محمدبن عيسى الترمذي (٢٧٩هـ)	الميزان، لاهور
٩٩	جامع الرموز	شمس الدين محمد القهستاني (٩٥٣هـ)	ايج۔ ايم۔ سعيد كراجي
١٠٠	جوا هرالفقه	مفتي محمد شفيع (١٣٩٦هـ)	مكتبہ دارالعلوم كراجي
١٠١	حاشية الشلبي على تبين الحقائق	شهاب الدين أحمد بن يونس الشلبي (١٠١٠هـ)	دارالكتب العلمية بيروت لبنان
١٠٢	حاشية الموسوعة الفقهية الكويتية	وزارة الأوقاف والشؤون الإسلامية	طباعة ذات السلاسل الكويت
١٠٣	حاشية الهداية	محمد عبد الحيّ اللكهنوي (١٣٠٤هـ)	مكتبہ رحمانيہ لاهور
١٠٤	حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح	أحمد بن محمد الطحطاوي الحنفي (١٢٣١هـ)	المكتبةالعربية كوئٹہ
١٠٥	حاشية على البناية في شرح الهداية	ناصرالإسلام محمد عمر رامفوري (١٢٩٥هـ)	مكتبة رشيديہ كوئٹہ
١٠٦	حجة الله البالغة	شاه ولي الله أحمد الدهلوي (١١٧٦هـ)	المكتبة السلفيةلاهور

١٠٧	خلاصه التحقيق في حكم التقليد والتلفيق	عبد الغني النابلسي (١١٤٣هـ)	مكتبة الحقيقة استنبول، تركيا
١٠٨	خلاصة الفتاوىٰ	طاهربن أحمد البخاري (٥٤٢هـ)	مكتبه رشيديه كوئٹه
١٠٩	درر الحكام شرح مجلة الأحكام	علي حيدر (١٢٥٤هـ) ر، س، ش	المكتبة العربية كوئٹه
١١٠	رحمة الأمة في اختلاف الآئمة	أبو عبد الله محمد بن عبد الرحمن قاضي صفد (٧٨٠هـ)	دارالفكر بيروت لبنان
١١١	ردّالمحتار على الدّرالمختار	محمدأمين ابن عابدين (١٢٥٢هـ)	مكتبه امداديه ملتان
١١٢	روح المعاني	شهاب الدين محمود الآلوسي البغدادي (١٢٧٠هـ)	دار إحياء التراث العربي بيروت لبنان
١١٣	سبل الهدى والرشاد في سيرة خير العباد	شمس الدين محمد بن يوسف الشامي (٩٤٢هـ)	دار الكتب العلمية بيروت، لبنان
١١٤	سلسلة الأحاديث الضعيفة والموضوعة	محمد ناصرالدين الألباني (١٤٢٠هـ)	المكتب الإسلامي بيروت
١١٥	سنن الدارمي	عبدالله بن عبد الرحمن الدارمي (٢٥٥هـ)	قديمى كتب خانه كراچي
١١٦	سنن النسائي	أبو عبد الرحمن أحمدبن شعيب الخراساني النسائي (٣٠٣هـ)	مكتبه رحمانيه اردو بازار لاهور
١١٧	سنن أبي داؤد	سليمان بن الأشعث السجستاني (٢٧٥هـ)	ايچ ايم سعيد كراچي
١١٨	سنن الدارقطني	علي بن عمر الدار قطني (٣٨٥هـ)	دارالكتب العلمية بيروت لبنان

١١٩	شرح السّنة	الحسين بن مسعود البغوي (٥١٠هـ)	المكتب الإسلامي بيروت، لبنان
١٢٠	شرح العقائد النّسفية	مسعود بن عمر التفتازاني (٧٩٣هـ)	مكتبه حقانيه پشاور
١٢١	شرح العقيدة الطحاوية	ابن أبي العزّ الحنفي (٧٩٢هـ)	قديمى كتب خانه كراچى
١٢٢	شرح المجلّة	سليم رستم باز اللبناني (١٣٣٨هـ)	المكتبة الحبيبية كوئٹه
١٢٣	شرح المجلة	خالد الأتاسي (١٣٢٦هـ)	المكتبة الحقانية پشاور
١٢٤	شرح النقاية	علي بن محمد سلطان القاري (١٠١٤هـ)	ايچ ايم سعيد كمپنى كراچى
١٢٥	شرح الوقاية	عبيدالله بن مسعود (٧٤٧هـ)	مكتبه رشيديه كوئٹه
١٢٦	شرح صحيح البخاري لابن بطال	أبو الحسن علي بن خلف بن عبد الملك (٤٤٩هـ)	مكتبة الرشد الرياض
١٢٧	شرح عقود رسم المفتى لابن عابدين	محمد أمين الشهير بابن عابدين (١٢٤٣هـ)	مكتبة البشرى كراچى
١٢٨	شرح مسلم للنووي	يحيى بن شرف النووي (٦٧٦هـ)	مكتبه دارالفكر بيروت لبنان
١٢٩	شرح معاني الآثار	أحمد بن محمد الطحاوي (٣٢١هـ)	ايچ ايم سعيد كمپنى كراچى
١٣٠	شعب الإيمان للبيهقي	أبوبكر أحمد بن الحسين البيهقي (٤٥٨هـ)	دارالكتب العلميه بيروت لبنان

ص ، ع ، غ

١٣١	صحيح ابن حبان	محمد بن حبان (٣٥٤هـ)	مكتبة دارالفكر بيروت لبنان

١٣٢	صحيح البخاري	محمدبن إسماعيل البخاري (٢٥٦هـ)	قدیمی کتب خانه کراچی
١٣٣	صحيح مسلم	مسلم بن الحجاج القشيري (٢٦١هـ)	قدیمی کتب خانه کراچی
١٣٤	عقد الجيد في أحكام الاجتهاد والتقليد	شاه ولي الله الدهلوي (١١٧٦هـ)	دار الفتح الشارقه
١٣٥	علوم الحديث	عبيدالله أسعدي	مجلس نشريات إسلام كراچي
١٣٦	علوم القرآن	محمد تقي عثماني	مكتبه دارالعلوم كراچي
١٣٧	عمدة الرعاية حاشية شرح الوقاية	محمد عبد الحي اللكهنوي (١٣٠٤هـ)	مكتبه رشيديه كوئٹه
١٣٨	عمدة القاري شرح صحيح البخاري	العلامة بدرالدين العيني (٨٥٥هـ)	دار إحياء التراث العربي بيروت لبنان
١٣٩	عون المعبود شرح سنن أبي داؤد	محمدشمس الحق عظيم آبادي (١٣٢٩هـ)	دارالفكربيروت، لبنان
١٤٠	غمز عيون البصائر شرح الأشباه والنظائر	أحمدبن محمد الحموي (١٠٩٨هـ)	إدارة القرآن والعلوم الإسلامية، كراچي
١٤١	غنية الناسك في بغية المناسك	محمد حسن شاه المهاجر المكي (١٣٤٦هـ)	مكتبة ادارة القرآن والعلوم الإسلامية كراچي
١٤٢	غنيةالمستملي المعروف بالحلبي الكبيري	إبراهيم الحلبي (٩٥٦هـ)	مكتبه نعمانيه كوئٹه

ف

١٤٣	فتاوى ابن تيميه	تقي الدين ابن تيميه (٧٢٨هـ)	تحت إشراف الرئاسة العامة لشئون الحرمين الشريفين
١٤٤	فتاوى المرأة المسلمة	جماعة من علماء العرب	دارالفكر بيروت لبنان

نمبر	کتاب	مصنف	ناشر
١٤٥	فتاویٰ خیریة علیٰ هامش تنقیح الفتاویٰ الحامدیة	خیر الدین الرملی (١٠٨١هـ)	مکتبه حقانیه پشاور پاکستان
١٤٦	فتاویٰ رشیدیه	رشیدأحمد گنگوهي (١٣٢٣هـ)	موتمرالمصنفین اکوڑه خٹك
١٤٧	فتح الباري	أحمد بن علي بن حجر العسقلاني (٨٥٢هـ)	دارالفكر بيروت، لبنان
١٤٨	فتح الغفار شرح المنار	زين الدين بن إبراهيم ابن نجيم (٩٧٠هـ)	مکتبه اسلامیه، کوئٹه
١٤٩	فتح القدير الجامع بين فني الرواية والدراية من علم التفسير	محمد بن علي بن محمد الشوكاني (١٢٥٠هـ)	دار الفكر بيروت لبنان
١٥٠	فتح القدير	ابن الهمام كمال الدين محمدبن عبدالواحد (٨٦١هـ)	مکتبه حقانیه پشاور پاکستان
١٥١	فتح الملهم شرح صحيح مسلم	شبيرأحمد العثماني (١٣٦٩هـ)	مکتبه دارالعلوم کراچی
١٥٢	فقه السنة	السيد السابق (١٤٢٠هـ)	دار ابن كثير دمشق لبنان
١٥٣	فيض الباري على صحيح البخاري	محمد أنورشاه الكشميري (١٣٥٢هـ)	مکتبه حقانیه پشاور
١٥٤	فيض القدير شرح الجامع الصغير	محمد عبد الرؤوف المناوي (١٠٣١هـ)	دارالكتب العلمية بيروت، لبنان

ق ـ ک

نمبر	کتاب	مصنف	ناشر
١٥٥	قاموس الفقه	سيف الله رحماني	زم زم پبلشرز کراچی
١٥٦	كتاب التعريفات	سيد شريف الجرجاني (٨١٦هـ)	دارالمنارللطباعة والنشر
١٥٧	كتاب الفقه على المذاهب الأربعة	عبدالرحمن بن محمدعوض الجزيري (١٣٦٠هـ)	وحیدي کتب خانه پشاور
١٥٨	كتاب الأموال	أبو عبيد قاسم بن سلام (٢٢٤هـ)	دارالكتب العلمية بيروت

نمبر	کتاب	مصنف	ناشر
۱۵۹	كشاف القناع عن متن الإقناع	منصور بن يونس البهوتي (۱۰۵۱ھ)	دار الكتب العلميه بيروت
۱۶۰	كشف الأسرار	أبو البركات عبدالله بن أحمد حافظ الدين النسفي (۷۱۰ھ)	دارالكتب العلمية بيروت
۱۶۱	كفايت المفتي	مفتی کفایت الله دهلوی (۱۳۵۲ھ)	دارالاشاعت کراچی
۱۶۲	كنزالدّقائق	أبو البركات عبدالله بن أحمد حافظ الدين النسفي (۷۱۰ھ)	ایج ایم سعید کمپنی کراچی
۱۶۳	كنزالعمال	علاء الدين المتقي الهندي (۹۷۵ھ)	اداره تالیفات اشرفیه ملتان پاکستان
	ل، م		
۱۶۴	لسان الحكام	إبراهيم بن محمد، المعروف بابن الشحنة الحلبي (۸۸۲ھ)	البابي الحلبي القاهرة
۱۶۵	لسان العرب	محمد بن منظور الافريقي (۷۱۱ھ)	دارإحياء التراث العربي بيروت
۱۶۶	ماهنامه العصرپشاور	مفتی غلام الرحمن	جامعه عثمانيه پشاور
۱۶۷	مجلة الأحكام العدلية	لجنة العلماء المحققين	میر محمد کتب خانه کراچی
۱۶۸	مجمع الأنهرشرح ملتقى الأبحر	عبدالله بن محمد بن سليمان داماداُفندي (۱۰۷۸ھ)	دارإحياء التراث العربي بيروت
۱۶۹	مجمع الزوائد	نور الدين علي بن أبي بكرالهيثمي (۸۰۷ھ)	دار الكتب العلمية بيروت
۱۷۰	مجموعه قوانين اسلامي	ڈاکٹرتنزیل الرحمن	اداره تحقیقات اسلامی اسلام آباد
۱۷۱	مجموعة رسائل ابن عابدين	محمدأمين ابن عابدين (۱۲۴۳ھ)	سهيل اكيڈمي لاهور

۱۷۲	مجموعة رسائل اللكهنوي	عبدالحي اللكهنوي (۱۳۰٤هـ)	إدارة القران كراجي
۱۷۳	مرقاة المفاتيح	ملا علي بن سلطان القاري (۱۰۱٤هـ)	المكتبة الحقانية پشاور
۱۷٤	مسند الإمام أحمد	أحمد بن حنبل (۲٤۱هـ)	دار إحياء التراث العربي بيروت
۱۷٥	مسند أبي عوانة	أبو عوانه يعقوب بن إسحاق الأسفرائيني (۳۱٦هـ)	دار المعرفة بيروت
۱۷٦	مسند أبي يعلى الموصلي	أحمدبن علي الموصلي(۳۰۷هـ)	دارالكتب العلمية بيروت لبنان
۱۷۷	مشكوة المصابيح	محمدبن عبدالله الخطيب التبريزي (۷۳۷هـ)	المكتبة الحقانيه بشاور
۱۷۸	مصنف عبدالرزاق	أبو بكر عبد الرزاق بن همام الصنعاني(۲۱۱هـ)	إدارة القران والعلوم الاسلاميه كراجي
۱۷۹	معارف السنن	محمديوسف البنوري (۱۳۹۷هـ)	ايج- ايم -سعيد كراجي
۱۸۰	معجم لغة الفقهاء	محمد رواس قلعه جي (۱٤۳٥هـ)	دارالنفائس بيروت
۱۸۱	معين الحكام	علاء الدين علي بن خليل الطرابلسي (۸٤٤هـ)	مكتبة القدس كوئٹه
۱۸۲	مغني المحتاج	محمدبن أحمد الخطيب الشربيني(۹۷۷هـ)	دارالذخائرللمطبوعات قم إيران
۱۸۳	مفردات غريب القرآن	الحسين بن محمد الراغب الأصفهاني (٥۰۲هـ)	دارالقلم دمشق
۱۸٤	منحة الخالق على البحرالرائق	محمدأمين ابن عابدين (۱۲٤۳هـ)	دار الكتب العلمية بيروت لبنان
۱۸٥	منهاج السنن شرح جامع السنن	المفتي محمد فريد(۱٤۳۲هـ)	مكتبه حقانيه پشاور

١٨٦	موارد الظمآن إلى زوائد ابن حبان	نور الدين علي بن أبي بكر الهيثمي (٨٠٧هـ)	المطبعة السلفية و مكتبتها بيروت
١٨٧	موسوعة الفقه الإسلامي المعاصر	عبد الحليم عويس (١٤٣٣هـ)	دار الوفاء منصورة
١٨٨	موطا الإمام مالك	مالك بن انس (١٧٩هـ)	الميزان لاهور
١٨٩	نفع المفتي والسائل	عبد الحي اللكهنوي (١٣٠٤هـ)	ايج ايم سعيد كمپنى كراچي
١٩٠	نور الأنوار	ملاأحمدجيون (١١٣٠هـ)	مير محمد كتب خانه كراچي
١٩١	نيل الأوطار	محمدبن علي بن محمد الشوكاني (١٢٥٠هـ)	دارالكتب العلمية بيروت لبنان


AL-ASR ACADEMY
JAMIA USMANIA PESHAWAR



[illegible].usmani@gmail.com
+92 333-[illegible] / +92 [illegible]-9273581
+92 [illegible] / +92 315-4499203